

فتاویٰ محمودیہ

فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی نور اللہ مرقدہٗ

تبویب، تخریج اور تعلیق

زیرِ سرپرستی

شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب زید مجدہم

زیرِ نگرانی

دار الافتاء جامعہ فاروقیہ کراچی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست عنوانات

الفصل الخامس فیما یتعلق بالقبر والدفن

(قبر اور دفن کا بیان)

الفصل السادس فی البناء علی القبور

(قبر پکی کرنے اور اس پر قبہ بنانے کا بیان)

الفصل السابع فی إلقاء الریاحین وغیرها علی القبور

(قبروں پر پھول، چادر ڈالنے اور روشنی کا بیان)

باب زیارة القبور

(زیارتِ قبور کا بیان)

باب إهداء الثواب للميت

(میت کے ایصالِ ثواب کا بیان)

فصل فی التلاوۃ عند القبر

(قبر پر تلاوت کا بیان)

فصل فی أطعمة الأسبوع والأربعین وغیرها

(میت کے سوئم، چہلم وغیرہ کے کھانوں کا بیان)

باب المتفرقات

باب أحكام الشهيد

(شہید کے احکام کا بیان)

کتاب الزکوة

باب وجوبِ الزکاة

(وجوبِ زکوة کا بیان)

باب الزکاۃ فی الذھب والفضۃ والفلوس الرائجۃ

(سونے، چاندی اور نوٹ پر زکوۃ [illegible])

باب زکاۃ العروض

(سامانِ تجارت پر زکوۃ واجب ہونے کا بیان)

باب زکاۃ المواشی

(جانوروں کی زکوۃ کا بیان)

باب العشر والخراج

(عشر اور خراج کا بیان)

فصل فی أراضی الهند

(ہندوستان کی زمینوں میں عشر کا بیان)

باب أداء الزكاة

(زکوۃ کی ادائیگی کا بیان)

باب مصارف الزکاۃ

(زکوۃ کے مصارف کا بیان)

فصل فی صرف الزکوۃ فی المدارس

(مدارس میں زکوۃ دینے کا بیان)

باب صدقة الفطر ومصارفها

(صدقۂ فطراوراس کے مصارف کا بیان)

باب الصدقات النافلة

(صدقاتِ نافلہ کا بیان)

باب المتفرقات



الفصل الرابع فی حمل الجنازة

(جنازہ اٹھانے اور لے جانے کا بیان)

جنازہ کو کس رفتار سے لیکر چلنا چاہیے؟

سوال[۴۱۵۵]: جنازہ لے کر کس رفتار سے چلنا چاہیے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جنازہ لے کر پوری رفتار سے چلنا چاہیے، لیکن دوڑنا نہیں چاہیے جس سے جنازہ منتشر ہو جائے (جیسا کہ غیر مسلم لے جاتے ہیں)، نہ اتنا آہستہ لیجائیں جیسا کہ یہاں دستور ہے کہ بہت آہستہ آہستہ چلتے ہیں، جہاں کسی نے پورا قدم اٹھایا سب نے منع کرنا شروع کر دیا کہ آہستہ چلو، گویا کہ جنازہ کو بیمار تصور کرتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ اس کو اسپتال لے جا رہے ہیں، حدیثِ پاک میں جنازہ کو تیز لے کر چلنے کا حکم ہے، یہی حکم فقہ کی کتابوں میں مذکور ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) "عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنه: قال سألنا نبینا صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم عن المشی مع الجنازة؟ فقال: "ما دون الخبب، إن یکن خیراً نعجّل إلیه، وإن یکن غیر ذلک، فبُعداً لأهل النار، والجنازة متبوعة ولا تتبع، لیس معها من تقدمها". (سنن أبی داؤد، کتاب الجنائز، باب الإسراع بالجنازة: ۲/۹۷، امدادیه ملتان)

"(ویسرع بها بلا خبب): أی عدو سریع". (الدر المختار). "(قوله: بلا خبب) و حد التعجیل المسنون أن یسرع به بحیث لا یضطرب المیت علی الجنازة للحدیث: "أسرعوا بالجنازة".
(ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۲۳۱، سعید)

" والإسراع بالجنازة أفضل من الإبطاء ...... لکن ینبغی أن یکون الإسراع دون الخبب".
(بدائع الصنائع، کتاب الصلاة، فصل: والکلام فی حمله علی الجنازة الخ: ۲/۴۳، رشیدیه)
(و کذا فی البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۲/۳۳۵، رشیدیه)

جنازہ کتنے قدم لیکر چلے

سوال[۴۱۵۶]: جنازہ لے جاتے وقت یہاں پر ایک عمل ہے کہ چارپائی کو چار آدمی پکڑے ہوئے لے جاتے ہیں اور دس دس قدم کے بعد گردن بدلتے ہیں، آخر ایک جگہ کے بعد جب پہلا آدمی پہلی جگہ پر آجاتا ہے یعنی چالیس قدم ہوجاتے تب قبرستان لے جاتے ہیں۔ اس کی کیا اصل ہے؟ یہاں اس کا کافی زور چل رہا ہے اور بعض لوگ اتنا تشدد کرتے ہیں کہ اس کے خلاف کرنے والوں سے جھگڑا کرتے ہیں، اس لئے آپ کے فتویٰ کی سخت ضرورت ہے۔

الجواب حامداً ومصلياً:

جنازہ کو چار آدمی اٹھائیں اور ہر اٹھانے والا چالیس قدم لے کر چلے، باقی دس دس قدم پر منزل کرنا شرعی حکم نہیں ہے، رسم محدث ہے، اس کی اصلاح کی جائے، "ويسن لحملها أربعة رجال، وينبغي لكل واحد حملها أربعين خطوةً، اه". مراقي الفلاح(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۲/۳ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۱۰/۳ھ۔

میت کو کندھا دینا چالیس قدم

سوال[۴۱۵۷]: یہ دستور ہے کہ مردے کو قبر میں لے جاتے وقت قدم شمار کئے جاتے ہیں یعنی گھر

---

(۱) (مراقي الفلاح، كتاب الصلوة، باب أحكام الجنائز، فصل في حملها و دفنها، ص: ۲۰۳، قديمي)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الرابع في حمل الجنازة: ۱/۱۶۲، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، باب صلوة الجنازة، مطلب في حمل الميت: ۲/۲۳۱، سعيد)

"وينبغي أن يحمل من كل جانب عشر خطوات لما روي في الحديث: "من حمل جنازة أربعين خطوةً، كفرت أربعين كبيرةً". (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة الجنائز، فصل: والكلام في حمله على الجنازة: ۲/۴۳، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز، فصل السلطان أحق بصلاته: ۲/۳۳۸، رشيديه)

سے قبر تک چالیس قدم گنے جاتے ہیں۔ یہ کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

میت کو چالیس قدم کندھا دینا بعض روایات میں منقول ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

جنازہ کا ہلکا بھاری ہونا

سوال[۴۱۵۸]: بعض جنازہ جب اٹھاتے ہیں تو ہلکا ہوتا ہے، کچھ دور چلنے کے بعد کافی بھاری ہو جاتا ہے اور بعض جنازے بالکل ہلکے پھلکے ہوتے ہیں، اس میں کوئی وجہ ہو تو جواب سے نوازیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بعض جنازے میں ملائکہ شرکت فرماتے ہیں اور اس کو اٹھاتے ہیں اتنا تو حدیث میں ہے، ممکن ہے اس میں غور کرنے سے آپ کا مسئلہ بھی کچھ حل ہو جائے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۱/۱۴۰۱ھ۔

---

(۱) "(وإذا حمل الجنازة وضع) ندباً (مقدمها)......... عشر خطوات لحديث: "من حمل جنازة أربعين خطوة، كفرت عنه أربعين كبيرةً". (الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة: ۲/۲۳۱، سعيد)

"وينبغي أن يحمل من كل جانب عشر خطوات، لما روي في الحديث: "من حمل جنازة أربعين خطوةً، كفرت أربعين كبيرةً". (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، الجنائز، فصل: والكلام في حمله على الجنازة: ۲/۴۳، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۲/۳۳۸، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الرابع في حمل الجنازة: ۱/۱۶۲، رشيديه)

(۲) "لما مات سعد بن معاذ رضي الله تعالىٰ عنه وكان رجلاً جسيماً جزلاً ..... فقال صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "والذي نفسي بيده! لقد كانت الملائكة تحمل سريره". عن نافع قال: بلغني أنه شهد سعد بن معاذ سبعون ألف ملك، لم ينزلوا إلى الأرض قبل ذلك". الحديث. (الطبقات الكبرى لابن سعد، طبقات البدريين من الأنصار، مناقب سعد بن معاذ: ۳/۴۳۰، دار صادر، بيروت) ....=

....

= "عن ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: خرجنا مع النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم فی جنازة فرآی ناساً رکباناً فقال: "لا تستحیون أن ملائکة اللہ علی أقدامهم وأنتم علی ظهور الدواب"؟ (جامع الترمذی، أبواب الجنائز، باب ماجاء فی کراهية الركوب خلف الجنازة: ۱/۱۹۶، سعید)

قال الملا علی القاری تحت هذا الحدیث: "حدیث ثوبان یدل علی أن الملائکة تحضر الجنازة، والظاهر أن ذلک عام مع المسلمین بالرحمة و مع الکفار باللعنة، قال أنس رضی اللہ تعالیٰ عنه: مرت جنازة برسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم، فقام، فقیل: إنها جنازة یهودی؟ فقال: "إنا قمنا للملائکة". (مرقاة المفاتیح، کتاب الجنائز، باب المشی بالجنازة والصلاة علیها، الفصل الثانی، (رقم الحدیث: ۱۶۷۲): ۴/۱۶۰، رشیدیه)

یہ بھی ہوسکتا ہے کہ جس طرح ایک متقی شخص اپنی حیات میں بندوں کے لئے راحت وآرام کا باعث تھا اسی طرح موت کے بعد بھی ہو، اور جس طرح ایک فاسق وفاجر شخص اپنی زندگی میں لوگوں کے لئے ایذاء رسانی اور تکلیف کا باعث تھا اسی طرح بعد الوفات بھی وہ اپنی حیات کی ایک جھلک کے طور پر لوگوں پر بوجھ بن رہا ہو، جیسا کہ ذیل کی حدیث اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے:

"عن أبی قتادة بن ربعی الأنصاری رضی اللہ تعالیٰ عنه أنه کان یحدث أن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم مُرّ علیه بجنازة قال: "مستریح أو مستراح منه" قالوا: یا رسول اللہ! ما المستریح والمستراح منه؟ قال: "العبد المؤمن یستریح من نُصب الدنیا وأذاها إلی رحمة اللہ، والعبد الفاجر یستریح منه العباد والبلاد والشجر و الدواب". (صحیح البخاری، کتاب الرقاق، باب سکرات الموت: ۲/۹۶۴، قدیمی)

قال الحافظ ابن حجرؒ: "أن یکون المراد براحة العباد منه لِمَا یقع لهم من ظلم و راحة الأرض منه لما یقع علیها من غضبها و منعها من حقها و صرفه فی غیر وجهه وراحة الدواب مما لایجوز من اتعابها. واللہ أعلم". (فتح الباری، کتاب الرقاق، باب سکرات الموت: ۱۱/۴۴۴، قدیمی)

(وکذا فی مرقات المفاتیح، کتاب الجنائز، باب تمنی الموت، (رقم الحدیث: ۱۶۰۳): ۴/۶۹، ۷۰، رشیدیه)

جنازہ اٹھانے سے گناہوں کی معافی

سوال[۴۱۵۹]: حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو آدمی جنازہ لے کر چالیس قدم چلے اس کے چالیس کبیرہ گناہ معاف ہوتے ہیں، کتبِ فقہ میں اس کی صورت لکھی ہے۔ اب اگر جتنے آدمی جنازہ کے اندر گئے ہیں سب یکے بعد دیگرے جنازہ لے کر چالیس قدم چلے، اب ہر ایک آدمی کے چالیس چالیس گناہ معاف ہوں گے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

"ويستحب أن يحملها من كل جانب عشر خطوات لما روى عنه عليه الصلاة والسلام أنه قال: "من حمل جنازةً أربعين خطوةً، كفرت عنه أربعين كبيرةً" رواه أبوبكر النجار". كبيری، ص: ۵۴۸(۱)۔ اس عبارت کا مقتضیٰ یہی ہے کہ ہر وہ شخص جو کہ ۴۰/ قدم جنازہ اٹھا کر چلے گا اس کے ۴۰/...... گناہ معاف ہوں گے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

جنازہ لیجاتے وقت رخ کس طرف ہو؟

سوال[۴۱۶۰]: میت کو غسل دے کر گورستان کی طرف جو مشرق کی جانب ہے اٹھا کر جب جنازہ لے جاتے ہیں تو پاؤں میت کے کس طرف کریں؟ اگر خلافِ معتاد آگے کو کریں تو رخ میت کا قبلہ کے مخالف جانب ہوگا، اگر سر آگے حسبِ معتاد کریں تو رخ میت کا قبلہ کو ہوگا۔ میت کو کس طرح لے جانا چاہیے؟

---

(۱) (الحلبي الكبير، فصل في الجنائز، الخامس في الحمل: ۵۹۲، سهيل اكيڈمي لاهور)

"و ينبغي أن يحمل من كل جانب عشر خطوات لما روى في الحديث: "من حمل جنازةً أربعين خطوةً، كفرت أربعين كبيرةً". (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، الجنائز، فصل: والكلام في حمله على الجنازة: ۴۳/۲، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة: ۲۳۱/۲، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۳۳۸/۲، رشيديه)

الجواب حامداًومصلیاً:

معتادصورت بلاتردد جائز ہے(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

میت کو قبرستان لیجاتے وقت پیر آگے کرنا

سوال[۴۱۶۱]: اگر کسی مقام پر قبرستان آبادی سے بطرف قبلہ ہو،تو میت کو لیجاتے وقت پیر آگے رکھنے کی طرف رکھنے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

پیر آگے کرنا خلافِ سنت ہے(۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمود غفرلہ، مظاہر علوم سہارنپور۔

عورت کی میت کو گھر سے کس رخ سے نکالی جائے؟

سوال[۴۱۶۲]: کسی عورت کی میت کو گھر سے پیروں کی جانب سے نکالیں یا سر کی جانب سے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

سر کی جانب سے(۳)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "وفي حال المشي بالجنازة يقدم الرأس". (التاتارخانية، كتاب الصلاة، الجنائز، نوع آخر من هذا الفصل في حمل الجنازة: ۲/۱۵۱، إدارة القرآن كراچی)

"و في حالة المشي بالجنازة يقدم الرأس، كذا في المضمرات". (الفتاویٰ العالمكيرية، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الرابع في حمل الجنازة: ۱/۱۶۲، رشيديه)

(۲) (راجع الحاشية المتقدمة)

(۳) "وفي حال المشي بالجنازة يقدم الرأس". (التاتارخانية، كتاب الصلاة، الجنائز، نوع آخر من هذا الفصل في حمل الجنازة: ۲/۱۵۱، إدارة القرآن كراچی)

"و في حالة المشي بالجنازة يقدم الرأس، كذا في المضمرات". (الفتاویٰ العالمكيرية، الباب =

عورت کے جنازہ کو نامحرم چھوسکتا ہے یا نہیں؟

سوال[۴۱۶۳]: کیا عورت کے جنازہ کو غیر محرم چھوسکتا ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

چھوسکتا ہے: "لأن یده ماوصل إلیٰ بدنها فلا مانع بأخذ السریر"(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند۔

جنازہ کے ساتھ ننگے سر چلنا

سوال[۴۱۶۴]: جنازہ کے ساتھ ننگے سر چلنا کیسا ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

جنازے کے ساتھ ننگے سر نہیں جانا چاہیے کہ یہ غیر مسلموں کا طریقہ ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

= الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل الرابع فی حمل الجنازة: ۱/۱۶۲، رشیدیه)

(۱) چونکہ ہر مسلمان (خواہ مرد ہو یا عورت) کی تجہیز وتکفین، صلوۃ جنازہ، دفن وغیرہ تمام مسلمانوں پر فرض کفایہ ہے۔ اور جنازہ کے اٹھانے کے لئے اس کو چھونا پڑتا ہے، لہٰذا شرعاً یہ جائز ہے:

"(والصلاة علیه) صفتها (فرض کفایة) بالإجماع ...... (کدفنه) و غسله وتجهیزه، فإنها فرض کفایة". (الدرالمختار، کتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۲۰۷، سعید)

"(الصلاة علیه) کـکفنه و دفنه و تجهیزه (فرض کفایة) مع عدم الانفراد بالخطاب بها".

(حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، أحکام الجنائز، فصل: الصلاة علیه، ص: ۵۸۰، قدیمی)

(۲) "عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنهما قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم: "من تشبه بقوم فهو منهم". (سنن أبی داؤد، کتاب اللباس، باب ما جاء فی الأقبیة: ۲/۲۰۳، امدادیه ملتان)

"ویکره کشف رأسه بین الناس و ما لیس بعورة و ما جرت العادة بستره". (غنیة الطالبین للشیخ عبد القادر جیلانی رحمه اللہ تعالیٰ: ۱/۱۳)

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: (فتاویٰ رحیمیہ، کتاب الحظر والاباحۃ، لباس زینت، کھلے سر پھرنا کیسا ہے؟: ۱۰/۱۵۵، دارالاشاعت کراچی)

جنازہ کودیکھ کر کھڑا ہونا

سوال[۴۱۶۵]: نماز جنازہ پڑھنے کے بعد جب جنازہ قبرستان جاتا ہے اس وقت بازار میں لوگ ملتے ہیں، بعض دوکاندار کام میں لگے ہوتے ہیں وہ نعش کو دیکھ کر کھڑے ہوجاتے ہیں، کچھ دور تک جنازہ کے ساتھ چلتے ہیں پھر واپس ہوجاتے ہیں۔ یہ طریقہ جائز ہے یا نہیں؟ اگر کوئی ایسا کرتا ہے تو وہ گنہگار قرار پائے گا یا نہیں؟ اپنی ضرورتِ شدیدہ کی بناپر واپس ہوسکتا ہے یا نہیں؟ یا قبرستان تک جانا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

مسلم میت کو غسل کفن دینا، جنازہ کی نماز پڑھنا، اس کو قبرستان پہنچانا، دفن کرنا یہ سب چیزیں میت کے حقوق ہیں جو مسلمانوں پر لازم ہیں، مگر ان کا لزوم ایسا نہیں جیسا فرض نمازوں کا لزوم ہے کہ ہر شخص پر فرضِ عین ہے، بلکہ جولوگ میت کے گھر والے ہیں ان پر لزوم ہے، پھر پڑوس والوں پر ہے، پھر دیگر اہلِ محلہ پر اور اہلِ بستی پر ہے پھر اَور سب پر ہے، جہاں تک علم وقدرت ہو۔ اگر گھر والوں نے ان سب چیزوں کو پورا کردیا تو سب کے ذمہ سے لزوم ساقط ہوجائے گا، اگر اہلِ محلہ اور اہلِ بستی نے پورا کردیا تو گھر والوں سے ساقط ہوجائے گا، اگر کسی نے نہیں کیا تو سب گنہگار رہوں گے، تاہم محض گھر والوں کے کرنے پر دوسرے لوگ بھروسہ اور کفایت نہ کریں بلکہ ان کی ہمدردی اور اعانت حسبِ وسعت لازم ہے۔

اگر جنازہ لے جایا جارہا ہو اور کوئی شخص اپنے کام میں مشغول ہو اس کو مناسب ہے کہ کام چھوڑ کر جنازہ کے اہتمام کے لئے کھڑا ہوجائے اور قبرستان تک جائے، دفن وغیرہ میں شرکت کرے(۱)، لیکن اگر کام ضروری ہے جس کو پھر نہیں کرسکتا تو نماز جنازہ پڑھ کر جنازہ کے ولی سے اجازت لے کر واپس آجائے، اگر نماز کے لئے جانے کو بھی وقت میں گنجائش نہیں مشغولی زیادہ ہے تب بھی یہ ترک فرض کا مجرم نہیں، البتہ یہ طریقہ بنالینا مکروہ ہے کہ جنازہ کے ساتھ چل کر اس کی نماز پڑھ کر واپس چلا آئے اور دفن کے لئے قبرستان نہ جائے، اگر ایسی ضرورت پیش آئے تو جنازہ کے ولی سے معذرت کرکے چلا آئے تو مضائقہ نہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۷/۳/۹۰ھ۔

---

(۱) "عن البراء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: أمرنا النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بسبع و نھانا عن سبع: أمرنا باتباع الجنائز وعیادۃ المریض". الحدیث. (صحیح البخاری، کتاب الجنائز، باب الامر =

....

= باتباع الجنائز: ۱/۱۶۲، قدیمی)

"(والصلاة عليه) صفتها (فرض كفاية) بالإجماع، فيكفر منكرها؛ لأنه أنكر الإجماع (كدفنه) وغسله و تجهيزه، فإنها فرض كفاية". (الدرالمختار، كتاب الصلاة باب الجنائز: ۲/۲۰۷، سعيد)

"(الصلاة عليه) ككفنه و دفنه و تجهيزه (فرض كفاية) مع عدم الانفراد بالخطاب". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، أحكام الجنائز، فصل: الصلاة عليه: ۵۷۰، قديمي)

"قال: (وهي فرض كفاية): أي الصلاة عليه .... و كذا تكفينه فرض على الكفاية .... وكذا غسله و دفنه فرض على الكفاية". (تبيين الحقائق، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۱/۵۷۱، سعيد)

واضح رہے کہ اگر میت کے تجہیز و تکفین میں شرکت کا ارادہ نہیں محض میت کے لئے احتراماً کھڑے ہوتے ہیں تو اس کی اجازت نہیں ہے:

"أنه سمع على ابن أبي طالب رضي الله تعالىٰ عنه برحبة الكوفة و هو يقول: كان رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أمرنا بالقيام في الجنازة، ثم جلس بعد ذلك وأمرنا بالجلوس" (مسند أحمد، مسند علي بن أبي طالب رضي الله تعالىٰ عنه، رقم الحديث: ۶۲۴، ۱/۱۳۳، دار احياء التراث العربي)

"و لا يقوم أحد للجنازة إذا مرت به، إلا إذا أراد أن يتبعها، وعليه الجمهور. وما ورد في الأحاديث الصحيحة من القيام لها منسوخٌ بما رُوي عن علي رضي الله تعالىٰ عنه قال: كان رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أمرنا بالقيام". الحديث. (الحلبي الكبير، فصل في الجنائز، الخامس في الحمل، ص: ۵۹۳، سهيل اكيڈمی لاهور)

"وأما القاعد على الطريق إذا مرت به أو القاعد على القبر، فلا يقوم لها". (تبيين الحقائق، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۱/۵۸۳، سعيد)

(وكذا في بدائع الصنائع، الجنائز، فصل: والكلام في حمله على الجنازة: ۲/۳۵، رشيديه)

(۲) "قال: (وله أن يأذن لغيره) .... يأذن للناس بالانصراف بعد الصلوة قبل الدفن؛ لأنه لا ينبغي لهم أن ينصرفوا إلا بإذنه". (تبيين الحقائق، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۱/۵۷۳، سعيد)

"و هو أن يأذن للناس في الانصراف بعد الصلوة قبل الدفن؛ لأنه لا ينبغي لهم أن ينصرفوا إلا بإذنه". (ردالمحتار، باب الجنائز، مطلب: تعظيم أُولي الأمر واجب: ۲/۲۲۲، سعيد)

کافر کا مسلم اور مسلم کا کافر کے جنازہ کے ساتھ چلنا

سوال[۴۱۶۶]: آج دنیا میں رواج ہے کہ کافر مسلمانوں کے جنازہ کے ساتھ قبرستان جاتے ہیں بلکہ پایہ بھی پکڑ لیتے ہیں، اسی طرح مسلمان کافر کے جنازہ کے ساتھ جاتے ہیں اور ارتھی بھی پکڑتے ہیں (۱)۔ تو یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

پڑوسی کافر بیمار ہو تو اس کی عیادت کرنا اور اس کے ساتھ احسان کا معاملہ کرنا تو ثابت ہے (۲)، لیکن ارتھی پکڑنا اور اس کو جلانے کے لئے مرگھٹ جانا ثابت نہیں (۳)، اس سے بچنا لازم ہے، اسی طرح سے برعکس (۴)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۷/۹۳ھ۔

---

(۱) ''ارتھی: ہندوؤں کا جنازہ''۔ (فیروز اللغات تحت لفظ: ا، ص: ۸۲، فیروز سنز لاہور)

(۲) "عن أنس رضی اللہ تعالیٰ عنہ أن غلاماً لیہود کان یخدم النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، فمرض، فأتاه النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یعوده، فقال: "أسلم" فأسلم. و قال سعید بن المسیّب عن أبیه: لما حضر أبو طالب، جاءه النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم". (صحیح البخاری، باب عیادة المشرک، کتاب المرضی. ۲/۸۴۴، قدیمی)

قال الملا علی القاری تحت هذا الحدیث: "فیه دلالة علی جواز عیادة الذمی. فی الخزانة: لابأس بعیادة الیهودی، واختلفوا فی عیادة المجوسی و عیادة الفاسق، والأصح أنه لا بأس به". (مرقاة المفاتیح، کتاب الجنائز، باب عیادة المریض و ثواب المرض، (رقم الحدیث: ۱۵۷۴): ۴/۴۸، رشیدیه)

"(قوله: وجاز عیادته): أی عیادة مسلم ذمیاً نصرانیاً أو یهودیاً .... وصح أن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم عاد یهودیاً مرض بجواره". (ردالمحتار، کتاب الحظر والإباحة، فصل فی البیع: ۶/۳۸۸، سعید)

(وکذا فی الفتاوی العالمکیریة، کتاب الکراهیة، الباب الرابع عشر فی أهل الذمة: ۵/۳۴۸، رشیدیه)

(۳) ''مرگھٹ: ہندوؤں کے مردے جلانے کی جگہ''۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۲۳۲، فیروز سنز، لاہور)

(۴) "عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنهما "عن عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنه أنه لما مات =

غیر مسلم کی تجہیز و تکفین میں شرکت

سوال[۴۱۶۷] : ۱...... ہمارے یہاں مسلم آبادی بہت کم ہے جس کی وجہ سے ہم لوگوں کو ہندوؤں کے ساتھ تعلقات رکھنے پڑتے ہیں۔اب عرض یہ ہے کہ ہم لوگوں میں سے کسی کی موت ہوجاتی ہے تب ہمارے دوست ہندو لوگ قبر پر جاتے ہیں اور ہمارے ساتھ مٹی وغیرہ میت کو دیتے ہیں، اسی لئے اگر کسی ہندو بھائی کی موت ہوجاتی ہے تب ہم کو بھی ان کے ساتھ مردہ گھاٹ جانا پڑتا ہے اور لکڑی وغیرہ دینی پڑتی ہے۔اب سوال یہ ہے کہ ان کے مردہ کے ساتھ ہمارا جانا جائز ہے یا نہیں اور ہے تو کہاں تک؟

ایضاً

سوال[۴۱۶۸] : ۲......اب ہم اپنی میت کے لئے بھی معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ ہندو لوگ جو کہ ہمارے مردے کے ساتھ قبر پر جاتے ہیں اور مٹی دیتے ہیں، ان کے لئے بھی اور ہمارے لئے بھی علمائے دین کیا فرماتے ہیں اور کیا حکم ہے؟

= عبدالله بن أبيّ ابن سلول دُعي له رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ليصلي عليه، فلما قام رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم و ثبت إليه، فقلت: يا رسول الله! أتصلي على ابن أبيّ؟ و قد قال يوم كذا و كذا كذا وكذا، أعدّد عليه قوله، فتبسم رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ، فقال: "اخّر عني يا عمر"! فلما أكثرتُ عليه، قال: "إني خُيّرت ، فأخترت لو أعلم أني إن زدت على السبعين يغفر له، لزدت عليها". قال فصلى عليه رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، ثم انصرف فلم يمكث إلا يسيراً حتى نزلت الآيتان من براءة ﴿ولا تصل على أحد منهم مات أبداً و لا تقم على قبره﴾ .... ﴿وهم فاسقون﴾ .... قال: فعجبت بعدُ من جرأتي على رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يومئذ. والله و رسوله أعلم". (صحيح البخاري. كتاب الجنائز. باب ما يكره من الصلاة على المنافقين: ۱۸۲/۱. قديمي)

"و يغسل المسلم و يكفن قريبه) كخاله (الكافر الأصلي .... عند الاحتياج) فلو له قريب فالأولى تركه لهم .... و ليس للكافر غسل قريبه المسلم".

"(ليس للكافر): أى إذا لم يكن للمسلم قريب مسلم، فيتولى تجهيزه المسلم، ويكره أن يدخل الكافر في قبر قريبه المسلم ليدفنه". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲۳۰/۲، ۲۳۱، سعيد)

الجواب حامداًومصلیاً:

۱......اگر بغیر اس کے گزارہ نہیں حالات سے مجبور ہیں تو کم سے کم شرکت پر کفایت کریں اور جن جن چیزوں سے بچ سکتے ہیں بچنے کی کوشش کرتے رہیں اور توبہ واستغفار کرتے رہیں(۱)۔

۲......ان کو منع نہ کریں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۶/۲۶ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿و لا تصل علی احد منهم مات أبداً و لا تقم علی قبره﴾. (سورة التوبة: ۸۴)

"والمراد من الصلاة المنهيّ عنها صلاة الميت المعروفة، و هي متضمنة للدعاء والاستغفار والاستشفاع، الخ........ وقوله: ﴿و لا تقم علی قبره﴾ والمراد لا تقف عندقبره للدفن أو للزيارة والقبر في المشهور مدفن الميت، ويكون بمعنى الدفن، وجوزوا إرادته هنا أيضاً" (روح المعاني: ۱۰/۱۵۴، ۱۵۵، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

"عن ابن عباس رضي الله تعالیٰ عنهما: "عن عمر بن الخطاب رضي الله تعالیٰ عنه أنه لما مات عبد الله بن أبيّ ابن سلول دُعي له رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم ...... قال فصلی عليه رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم، ثم انصرف، فلم يمكث إلا يسيراً حتی نزلت الآيتان من برآءة ﴿ولا تصل علی أحد منهم مات أبداً و لا تقم علی قبره﴾ .... ﴿و هم فاسقون﴾ ...... قال: فعجبت بعد من جرأتي علی رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم يومئذ، والله و رسوله أعلم". (صحيح البخاري، كتاب الجنائز، باب ما يكره من الصلاة علی المنافقين: ۱/۱۸۲، قديمي)

"(و يغسل المسلم و يكفن قريبه) كخاله (الكافر الأصلي .... عند الاحتياج) فلو له قريب، فالأولی تركه لهم .... و ليس للكافر غسل قريبه المسلم". (الدرالمختار).

"(ليس للكافر): أي إذا لم يكن للمسلم قريب مسلم، فيتولی تجهيزه المسلم، ويكره أن يدخل الكافر في قبر قريبه المسلم ليدفنه". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۲۳۰، ۲۳۱، سعيد)

(و كذا في البحر الرائق، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۲/۳۳۴، ۳۳۵، رشيديه)

جنازہ کے ساتھ رفعِ صوت بالذکر کی کراہت کی وجہ

سوال[۴۱۶۹]: ہر کتاب سے معلوم ہوتا ہے کہ میت کے ساتھ چلنے والوں کو رفعِ صوت بالذکر مکروہ ہے، اس کی کراہت کی وجہ کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

شامی نے ملتقی سے روایت نقل کی ہے:" عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أنه كره رفع الصوت عند قرأة القرآن والجنازة والزحف والتذكير، اهـ". ردالمحتار(۱)۔

اس کی تصریح کے بعد کسی علت کو معلوم کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۱۱/۸۹ھ۔

جنازہ کے ساتھ زور سے کلمہ پڑھتے ہوئے چلنا

سوال[۴۱۷۰]: جنازہ کے ساتھ بلند آواز کے کلمہ شریف یا قرآن پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مکروہ ہے، فتاویٰ عالمگیری: ۱/۱۰٤(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) (رد المحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۶/۳۹۸، سعيد)

"و يكره رفع الصوت بالذكر لما روى عن قيس بن عبادة رضي الله تعالىٰ عنه أنه قال: كان أصحاب رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يكرهون الصوت عند القتال و عند الجنازة والذكر، ولأنه تشبه بأهل الكتاب، فكان مكروهاً". (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، الجنائز، فصل: الكلام في حمله: ۴۶/۲، رشيديه)

"و يكره رفع الصوت بالذكر وقرأة القرآن و غيرهما في الجنازة". (البحر الرائق، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۳۳۶/۲، رشيديه)

(۲) "وعلى متبعي الجنازة الصمت، و يكره لهم رفع الصوت بالذكر وقراءة القرآن". (الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الرابع في حمل الجنازة: ۱۶۲/۱، رشيديه)

"و يكره رفع الصوت بالذكر لما روى عن قيس بن عبادة رضي الله تعالىٰ عنه أنه قال: كان=

جنازہ سامنے رکھ کراس پر سلام پڑھنا

سوال[۴۱۷۱]: جنازہ رکھ کراس کے پاس کھڑے ہوکر سلام پڑھنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

جنازہ رکھ کراس کے گرد کھڑا ہوکر سلام پڑھنا ثابت نہیں نہ قرآن پاک میں ہے نہ حدیث شریف میں نہ کتبِ فقہ میں، اس لئے یہ طریقہ قابلِ ترک ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۱۰/۸۶ھ۔

= أصحاب رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم يكرهون الصوت عند القتال و عند الجنازة والذكر، ولأنه تشبة بأهل الكتاب، فكان مكروهاً". (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، الجنازة، فصل: والكلام في حمله: ۴۶/۲، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۳۳۶/۲، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲۳۳/۲، سعيد)

(۱) "عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه، فهورد". (صحيح البخاري، كتاب الصلح، بابٌ: إذا اصطلحوا على صلح جور فهو مردود: ۳۷۱/۱، قديمي)

(والصحيح لمسلم، كتاب الأقضية، باب نقض الأحكام الباطلة و رد محدثات الأمور ۷۷/۲، قديمي)

قال الملا علي القاري رحمه الله تعالىٰ تحته: "من أحدث": أي جدّد وابتدع وأظهر واخترع "في أمرنا هذا": أي في دين الإسلام .... "فهو": أي الذي أحدثه "ردّ": أي مردودٌ عليه .... قال القاضي: المعنى: من أحدث في الإسلام رأياً لم يكن له من الكتاب أو السنة سندٌ ظاهرٌ أو خفيٌّ، ملفوظٌ أو مستنبطٌ، فهو مردودٌ عليه. قيل: في وصف الأمر "بهذا" إشارةٌ إلى أن أمر الإسلام كمل وانتهى، وشاع وظهر ظهور المحسوس بحيث لايخفى على كل ذي بصرٍ وبصيرةٍ، فمن حاول الزيادة فقد حاول أمراً غير مرضيٍّ؛ لأنه من قصور فهمه رآه ناقصاً". (مرقاة المفاتيح، كتاب الإيمان، باب الاعتصام بالكتاب والسنة، الفصل الأول: ۳۶۵/۱، ۳۶۶، (رقم الحديث: ۱۴۰)، رشيديه)

شروع میں جنازہ اٹھانے والے کو کھانا کھلانا

سوال[۲۷ : ۴]: ہمارے یہاں یہ بات ضروری سمجھتے ہیں کہ جو شخص میت کے اہلِ خانہ کے علاوہ جنازہ کو شروع میں اٹھاتا ہے تو پھر اس کو کھانا کھلانا ضروری سمجھتے ہیں اور اگر وہ شخص کھانا نہ کھائے تو اس کو گناہ سمجھتے ہیں، اور یہاں پر یہ بات بھی ہے کہ جب کسی کے یہاں میت ہو جاتی ہے تو محلّہ کی عورتیں اس کے یہاں تھوڑا تھوڑا اناج لیکر آتی ہیں جس کو پھر شیخ یا کوئی فقیر اٹھا کر لے جاتا ہے۔ یہ بات شرعاً درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ بالکل بے بنیاد اور غلط چیز ہے، شرعاً اس کی کوئی اصل نہیں (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

میت کو باجہ اور ناچ کے ساتھ قبرستان لے جانا اور قبر میں شجرہ رکھنا

سوال[۴۱۷۳]: زید کی ماں جس کی عمر ۸۰/ سال ہوگئی، وہ انتقال کر گئی، ان کا جنازہ پیر بھائیوں کے انتظار ۲۴/ گھنٹے روکا گیا، اس کے بعد اس میت کو گھر سے قبرستان تک انگریزی باجوں کے ساتھ ناچ کراتے ہوئے منزل دے کر لے جایا گیا، زید کا قول ہے کہ یہ ہر وقت میں جائز ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ قبر میں شجرہ رکھنا مناسب ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

پیر بھائیوں کے انتظار میں ۲۴/ گھنٹے نعش روکنا (۲) اور ناچ باجے کے ساتھ قبر تک لے جانا شرعاً غلط

---

(۱) "بدعة: وهي اعتقاد خلاف المعروف عن الرسول صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ...... بنوع شبهة" (الدرالمختار، باب الإمامة: ۱/ ۵۶۰، سعيد)

(وأيضاً راجع المسئلة المتقدمة آنفاً)

(۲) "عن عبد الله بن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما قال: سمعت النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول: "إذا مات أحدكم، فلا تحبسوه، وأسرعوا به إلى قبره". الحديث. رواه البيهقي في شعب الإيمان".

(مشكوة المصابيح، كتاب الجنائز، باب دفن الميت، الفصل الثالث، ص: ۱۴۹، قديمي)

قال القاري: "فلا تحبسوه": أي لا تؤخر دفنه من غير عذر. قال ابن الهمام: يستحب =

9

ہے اور معصیتِ کبیرہ ہے(۱) اس کوعلی الاعلان توبہ واستغفار کرنا ضروری ہے(۲)۔

قبر میں میت کے ساتھ شجرہ رکھنا ثابت نہیں، اس میں مظنہ ہے کہ میت کے جسم سے کچھ مواد نکلے جس سے وہ شجرہ بھی ملوث ہو جائے اس لئے شجرہ بھی نہیں رکھنا چاہئے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۱۰/۹۴ھ۔



= الإسراع بتجهيزه كله من حين يموت "و أسرعوا به إلى قبره" هو تأكيدٌ و إشارةٌ إلى سنة الإسراع في الجنازة". (مرقاة المفاتيح، باب دفن الميت: ۱۹۷/۴، رقم الحديث: ۱۷۱۷، رشيديه)

(۱) "و أما الرقص والتصفيق والصريخ و ضرب الأوتار والصنج والبوق الذى يفعل بعض من يدعى التصوف، فإنه حرام بالإجماع؛ لأنها ذىّ الكفار، كما فى سكب الأنهر". (حاشية الطحطاى على مراقى الفلاح، كتاب الصلوة، قبيل باب ما يفسد الصلوة، ص: ۳۱۹، قديمى)

(وكذا فى ملتقى الأبحر، كتاب الكراهية، فصل فى المتفرقات: ۲۲۳/۴، غفاريه كوئٹه)

(وكذا فى الدر المختار، كتاب الحظر والإباحة، قبيل فصل فى اللبس: ۳۴۹/۶، سعيد كراچى)

(۲) ناچ، مزامیر وغیرہ حرام اور معصیت ہیں اور یہ کہنا کہ: ''ہر وقت میں جائز ہے'' ایسے الفاظ گناہ کو خفیف سمجھ کر کہنے کو فقہائے کرام نے الفاظِ کفر میں شمار کیا ہے: "و منها أن استحلال المعصية صغيرةً كانت أو كبيرةً كفرٌ، إذا ثبت كونها معصيةً بدلالة قطعية، و كذا الاستهانة بها كفرٌ، بأن يعدها هيّنةً سهلةً، و يرتكبها من غير مبالاةٍ بها، و يجريها مجرى المباحات في ارتكابها". (شرح الفقه الأكبر للقارى، مطلب: استحلال المعصية اهـ: ص: ۱۵۲، قديمى)

اور ایسے الفاظ کے ارتکاب سے سلبِ ایمان کا خطرہ ہونے کی بناء پر توبہ واستغفار اور احتیاطاً تجدید نکاح ضروری ہے:

"ثم ان كانت نية القائل ...... الوجه الذى يوجب التكفير، لا ينفعه فتوى المفتى، و يؤمر بالتوبة و الرجوع عن ذلك و بتجديد النكاح بينه و بين امرأته". (التاتارخانية، كتاب أحكام المرتدين، فصل فى إجراء كلمة الكفر: ۴۵۸/۵، إدارة القرآن كراچى)

(وكذا فى الفتاوى العالمكيرية، كتاب السير، قبيل الباب العاشر فى البغاة: ۲۸۳/۲، رشيديه)

الفصل الخامس فيما يتعلق بالقبر والدفن

(قبر اور دفن کا بیان)

قبر کھودنے کا مشروع طریقہ

سوال[۴۱۷۴]: قبر کھودنے کا مسنون طریقہ کون سا ہے؟ ایک صورت یہ ہے کہ میت کی مقدار یا اس سے کچھ زائد حساب سے قبر تخمیناً.......... کھود کر پھر اس کے درمیان میں اور ایک حفیرہ نصف قد یا زائد کھودتے ہیں اور اس میں نعش رکھ کر حصۂ اُولیٰ میں بانس رکھ کر مٹی ڈالتے ہیں اور یہ طریقہ ہمارے دیس میں صدیوں سے چلا آرہا ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اولاً نصف قد یا اس سے زائد قبر کھودے اور پھر نیچے ایک حفیرہ تنگ کھودے جس میں مردہ کو رکھ دیا جائے اور بانس ایک دم متصل ڈالے کہ میت کو نہ لگے، معمولی فاصلہ پر بانس ڈالے، یہ دونوں صورتیں جو لکھی گئی ہیں.......... صندوقی قبروں کی ہے، کیونکہ ہمارے ملک میں مٹی اکثر نرم ہوتی ہے، بغلی قبر نہیں کھودی جاتی۔ اب سوال یہ ہے کہ شریعت میں قبر صندوقی کی کون سی صورت مسنون ہے؟ برائے کرم تفصیل سے جواب مدلل دے کر مشکور فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

دوسری صورت سنت ہے، یعنی قبر کے اوپر کا حصہ ایک قامت یا نصف قامت ہو اس کے بعد پھر ایک حفیرہ ہو جس میں میت کو بسہولت لٹا دیا جائے اور جو تختہ یا بانس وغیرہ اس پر رکھا جائے جو میت کے حق میں چھت کے درجہ میں ہے وہ میت کے جسم سے مس نہ کرے، پھر جب مٹی ڈالی جائے گی وہ مٹی اوپر کے حصہ میں آجائے گی اور جو مٹی حفیرہ سے نکلی تھی وہ زمین سے اوپر بشکلِ قبر رہے گی جس سے قبر ڈیڑھ دو بالشت اونچی رہے گی، زیادہ اونچی نہیں رہے گی (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴۰۱/۶/۲۹ھ۔

---

(۱) "(وحفر قبره) في غير دارٍ (مقدار نصف قامة)، فإن زاد فحسنٌ (ويلحد ولا يشق)". (الدر المختار). =

قبر کا مسنون طریقہ اور اس کی شکلیں

سوال[۴۱۷۵]: قبر کھودنے کی کتنی شکلیں ہیں؟ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بغلی قبر ہے؟ آیا بغلی قبر اس طرح سے ہوتی ہے کہ مردہ کی لمبائی کے مطابق قبر کھودی جاتی ہے اور اس قبر کی بغل میں ایک گڈھا کھود دیا جاتا ہے اور مردہ کو اس میں رکھنے کے بعد اس طرح سے اس کو بند کردیتے ہیں کہ مردہ نہ تو اس میں بیٹھ سکتا ہے اور نہ کروٹ ہی لے سکتا ہے۔ تو کیا اس طرح سے مردہ کو دفن کرنا درست ہے؟ میں نے ایک حدیث میں دیکھا ہے کہ "مردہ کو جب قبر میں دفن کردیا جاتا ہے تو اس کو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آفتاب قریبِ غروب ہے، پس مردہ بیٹھتا ہے اور اپنی دونوں آنکھیں مَلتا ہے گویا کہ ابھی خواب سے اٹھا ہے، الخ"۔ تو اس صورت میں حدیث کا کیا مطلب ہے؟ مدلل مفصل تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

قبر کا یہ طریقہ اعلیٰ طریقہ ہے اور جہاں بغلی نہ بن سکتی ہو، شق بھی درست ہے، وہ اس طرح کہ قد کے برابر گہری قبر کھود کر کچھ حصہ اس میں ایسا بنایا جائے جس میں میت کو رکھا جائے اور اس پر تختی یا بانس رکھ کر بوریہ وغیرہ ڈال کر مٹی ڈال دی جائے، میت کا جسم بانس اور تختوں کو نہ لگے(۱)۔ یہ بات صحیح ہے کہ قبروں پر فرشتے آکر

= "(قوله: ويلحد)؛ لأنه السنة، وصفته أن يحفر القبر، ثم يحفر في جانب القبلة منه حفيرة، فيوضع فيهاالميت، ويجعل ذلك كالبيت المسقف". (ردالمحتار، باب صلاة الجنائز، مطلب في دفن الميت: ۲/۲۳۴، سعيد)

"والسنة هواللحد دون الشق، وصفة اللحد أن يحفر القبر بتمامه، ثم يحفر في جانب القبلة منه حفيرة، فيوضع فيه الميت...... وروىٰ الحسن بن زياد عن أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ: طول القبر على قدر طول الإنسان وعرضه قدر نصف قامته، كذافي المضمرات". (الفتاوىٰ العالمكيرية، الفصل السادس في القبر والدفن والنقل من مكان إلى آخر: ۱/ ۱۶۵، ۱۶۶، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۲/۳۳۸، رشيديه)

(۱) "وحفر قبره في غير دار مقدار نصف قامة، فإن زاد فحَسنٌ، (ويلحد ولايشق) إلا في أرض رخوة". (الدرالمختار). "قوله: مقدار نصف قامة": أو إلى حد الصدر وإن زاد إلى مقدار قامة، فهو أحسن ...... قوله: ويلحد؛ لأنه السنة وصفته أن يحفر القبر، ثم يحفر في جانب القبلة منه حفيرة، فيوضع =

میت کے اندر روح داخل کر کے اس کو بٹھاتے ہیں، مگر وہاں کی مٹی وغیرہ اس کے حق میں ایسی ہو جاتی ہے جیسا پانی کہ آدمی حوض میں اپنا ہاتھ داخل کرتا ہے، پانی ہونے کے باوجود ہاتھ اس میں سہولت سے پہونچ جاتا ہے، کوئی رکاوٹ نہیں ہوتی، اسی طرح مردہ بھی سہولت کے ساتھ بیٹھ جاتا ہے، کوئی رکاوٹ نہیں ہوتی، جیسا کہ ''حادی الارواح'' میں لکھا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۱۰/۹۹ھ۔

قبر کی گہرائی

سوال[۴۱۷۶]: قبر میت کے بارے میں اختلاف ہو رہا ہے، کوئی صاحب فرماتے ہیں کہ اس قدر گہری ہونی چاہئے کہ مردہ بیٹھ سکے، کوئی صاحب فرماتے ہیں کہ تختے سے نیچے ایک فٹ ہو یا اس سے بھی کم؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس جگہ میت کو رکھا جائے وہ تو اتنی گہری کافی ہے کہ تختہ کو نہ لگے، البتہ اوپر کا حصہ ایک قد یا نصف قد کے برابر ہونا چاہئے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۱۱/۸۹ھ۔

= فيها الميت، ويجعل ذلک كالبيت المسقف، حلية: (قوله: ولا يشق)، وصفته: أن يحفر في وسط القبر حفيرة، فيوضع فيها الميت". (ردالمحتار، باب صلوة الجنازة، مطلب في دفن الميت: ۲/۲۳۴، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب الحادى والعشرون في الجنائز، الفصل السادس في الدفن والنقل: ۱/۱۶۵، ۱۶۶، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الجنائز، فصل السلطان أحق بصلاته: ۲/۳۳۸، رشيديه)

(۱) "وينبغي أن يكون مقدار عمق القبر إلى صدر الرجل وسط القامة و [illegible] زاد فهو أفضل .... طول القبر على قدر الإنسان وعرضه قدر نصف قامته". (الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الحادى والعشرون في الجنائز، الفصل السادس في الدفن والنقل الخ: ۱/۱۶۶، رشيديه)

"(وحفر قبره) في غير دارٍ (مقدار نصف قامة) فإن زاد فحسنٌ" (الدرالمختار، باب صلاة الجنائز: ۲/۲۳۴، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، باب الجنائز، فصل السلطان أحق بصلاته: ۲/۳۳۸، رشيديه)

قبر کتنی گہری ہونی چاہئے؟

سوال[۴۱۷۷]: بعض ملکوں میں قبر اس طرح سے کھودی جاتی ہے کہ اس کی گہرائی ڈیڑھ یا دو گز ہوتی ہے اور اگر اس کی سیڑھی دو یا تین انچ زمین کے بالائی حصہ سے نیچے بنائی جاتی ہے تاکہ اس پر رکھ کر مٹی سے قبر برابر کردی جائے۔ اب جواب طلب یہ ہے کہ مذکورہ بالا صورت شق میں داخل ہوگی یا نہیں؟ اگر نہیں ہے تو اس قسم کی قبر شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ لحد اور شق کے علاوہ بھی کوئی صورت شریعت میں بتائی گئی ہے؟ نیز شق کی تعریف کیا ہے؟ اور قبر شرعی کتنی کھودی جائے اور شق کی صورت پر تختہ یا بانس میت سے کتنا اوپر رکھا جائے؟

بینوا بالکتاب۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس طرح قبر بنانا خلافِ سنت ہے، یا میت کیلئے لحد بنائی جائے یعنی قبر کھود کر جانبِ قبلہ میں ایک دوسرا گڈھا جسمِ میت کے مناسب بنایا جائے کہ اس میں میت کو داخل کر کے کچی اینٹیں اس پر لگادی جائیں، اگر زمین نرم ہو تو پھر شق بنادی جائے اس طرح کہ قبر کھود کر درمیانِ قبر میں ایک اور گڈھا جسمِ میت کے مناسب بنا کر اس میں میت کو رکھ کر اس پر بانس وغیرہ رکھدیا جائے اور مٹی کے ڈھیلوں سے کچی اینٹوں اور بانس کے ذریعہ سوراخوں کو بند کردیا جائے، یا اس پر بوریا ڈالدیا جائے۔

قبر قد کے برابر گہری ہونی چاہئے یا سینہ تک یا کم از کم نصفِ قد تک ہو، اس سے کم نہ ہو اور بانس وغیرہ میت سے صرف اس قدر اوپر ہو کہ جسم میت سے الگ رہے متصل نہ ہوجائے، زیادہ اونچائی کی ضرورت نہیں جیسا کہ سوال میں مذکور ہے، زمین کے نرم اور تر ہونے کے وقت تابوت بھی درست ہے، اگر بستی وغیرہ میں کسی کا انتقال ہوجائے اور خشکی قریب نہ ہو تو غسل، کفن اور صلوٰۃ کے بعد دریا میں غرق کردیا جائے۔ بعض صحابہ نے بغیر شق اور لحد کے بھی اپنے دفن کی وصیت فرمائی ہے:

"یحفر القبر نصف قامة أو إلى الصدر ولمن یزد کان حسناً، اهـ. فی الحجة: روی الحسن بن زیاد عن الإمام رحمه الله تعالىٰ: قال: طول القبر علىٰ قدر طول الإنسان وعرضه قدر نصف قامة؛ لأنه أبلغ فی حفظ المیت من السباع وحفظ الرائحة من الظهور. ویلحد فی أرض صلبة، وهو حفیرةٌ تُجعل فی جانب القبلة من القبر یوضع فیها المیت، وینصب علیها اللبن.

ولایشق بحفیرة فی وسط القبر یوضع فیهاالمیت بعد أن یبنی حافتاه باللبن أوغیره، ثم یوضع المیت بینهما، ویسقف علیه باللبن أوالخشب، ولایمس السقف المیت إلافی أرض رخوة، فلابأس به فیها، ولاباتخاذ التابوت، وأوصی کثیر من الصحابة أن یرموا فی التراب من غیر لحد ولاشق. وقال: لیس أحد جَنبیَّ أولی بالتراب من الآخر-بتغیرات- مات فی سفینةٍ، غسل وکفن وصلی علیه وألقی فی البحر إن لم یکن قریب من البر". مراقی الفلاح مع الطحطاوی، ص: ۳۸۴(۱)۔ درمختار: ۱/۹۳۴(۲)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفی اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۳/۱/۶۰ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۱۴/محرم/۶۰ھ۔

---

(۱) (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، باب أحکام الجنائز، فصل فی حملها ودفنها، ص: ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۱۳ قدیمی)

"عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنهما قال: قال النبی صلی اللہ علیه وسلم: "اللحد لناوالشق لغیرنا". (جامع الترمذی، أبواب الجنائز، باب ماجاء فی قول النبی صلی اللہ علیه وسلم: "اللحد لناالخ": ۱/۲۰۲، سعید)

(۲) "(وحفر قبر) فی غیر دارٍ (مقدار نصف قامة) فإن زاد فحسن، (ویلحد ولایشق) إلافی أرض رخوة .... (ولابأس باتخاذالتابوت) ولومن حجر أوحدید (له عند الحاجة) کرخاوة الأرض ویسنّ أن (یفرش فیها التراب. مات فی سفینة، غسل وکفن وصلی علیه وألقی فی البحر، الخ". (الدرالمختار).

"(قوله: مقدار نصف قامة) أو إلی حدّ صدر، وإن زاد إلی مقدار (قامة فهو أحسن) ....

(قوله: ویلحد)؛ لأنه السنة، وصفته أن یحفر القبر، ثم یحفر فی جانب القبلة منه حفیرة، فیوضع فیهاالمیت، ویجعل ذلک کالبیت المسقف، حلیة. (قوله: ولایشق) وصفته أن یحفر فی وسط القبر حفیرة، فیوضع فیهاالمیت". (ردالمحتار، باب صلوة الجنائز، مطلب فی دفن المیت، ۲/۲۳۳، سعید)

(کذا فی الفتاوی العالمکیریة، کتاب الصلاة، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل السادس فی الدفن والنقل الخ، ۱/۱۶۵، ۱۶۶، رشیدیه)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته، ۲/۳۳۸، رشیدیه)

کیا قبر کی گہرائی اتنی ہونی چاہیے کہ اس میں میت بیٹھ سکے؟

سوال[۴۱۷۸]: یہ جومشہور ہے کہ قبر اس قدر گہری ہونی چاہیئے کہ فرشتہ جب سوال کرنے کیلئے آئیں تو مردہ بیٹھ سکے اس کے سر پر نہ لگے۔ اس کی کیا اصلیت ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

قبر کا اوپر کا حصہ تو سینے کے برابر یا پورے قد کے برابر ہونا چاہیئے اور جس جگہ میت کو رکھا جاتا ہے وہ جگہ اتنی گہری ہو کہ قبر کا تختہ اس کے جسم سے نہ لگے، تقریباً دو بالشت کے قدر گہری ہو تو تختہ میت کے جسم سے نہیں لگے گا۔ میت کو قبر میں دفن کرتے وقت نہ فرشتوں کے آنے کی جگہ رکھنے کی ضرورت ہے نہ میت کے بیٹھنے کی ضرورت ہے، جب فرشتے آئیں گے وہ خود بٹھانے کی جگہ کرلیں گے اور قبر کی مٹی میت کے حق میں پانی کی طرح نرم ہوجائے گی جیسا کہ حادی الارواح میں درج ہے:

”ویحفر القبر نصف قامة أو إلى الصدر، وإن زاد كان حسناًاهـ. في الحجة: روى الحسن ابن زيادعن الإمام أنه قال: طول القبر على قدر طول الإنسان وعرضه قدر نصف قامة، اهـ. يوضع الميت فيها، ويسقف عليه باللبن أوالخشب، ولايمس سقف الميت“. طحطاوی، ص:۳۳۳(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، باب أحكام الجنائز، فصل في حملها ودفنها، ص:۶۰۷،قديمي)

”(وحفر قبره) في غير دار (مقدار نصف قامة) فإن زاد فحسن“. (الدرالمختار). وفي ردالمحتار: (قوله: مقدار نصف قامة) أو إلى حد الصدر، إن زاد إلى مقدار قامة فهو أحسن .... وطوله على قدر طول الميت، وعرضه على قدر نصف طوله“. (ردالمحتار، باب الجنائز، مطلب في دفن الميت، ۲/۲۳۴، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل السادس في الدفن الخ: ۱/۱۶۶، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۲/۳۳۸، رشيديه)

قبر کے صندوق کی گہرائی

سوال[۴۱۷۹]: قبر کے صندوق کی گہرائی کتنی ہونی چاہیئے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

"ویحفر القبر نصف قامة أو إلى الصدر ولمن یزد کان أحسن؛ لأنه أبلغ في الحفظ، اهـ". مراقی الفلاح: ۱/۳۳۳(۱)۔ قبر کا صندوق کم از کم نصف قبر کے برابر گہرا ہونا چاہیئے، سینہ کے برابر گہرا ہوتو بہتر ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

قبر میں لحد کی جہت

سوال[۴۱۸۰]: قبروں میں جو عموماً لحد قبلہ کے اقرب جانب کھودی جاتی ہے بضرورت یا بلاضرورت اَبعد جانب کھودنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مستحب یہ ہے کہ لحد جانبِ قبلہ میں ہو: "وصفته أن یحفر القبر، ثم یحفر في جانب القبلة منه حفیرة، فیوضع فیها المیت". شامی(۲)۔ لیکن اگر میت کو جانبِ قبلہ کے خلاف میں (غفلت یا کسی عذر

---

(۱) (حاشیة الطحطاوي على مراقي الفلاح، باب أحكام الجنائز، فصل في دفنها وحملها، ص: ۲۰۷، قدیمي)

"(وحفر قبره) في غیر دار (مقدار نصف قامة) فإن زاد فحسنٌ". (الدرالمختار). (کتاب الصلاة، باب الجنائز، ۲/۲۳۴ سعید)

"واختلفوا في عمق القبر: فقیل: قدر نصف القامة، وقیل: إلى الصدر، وإن زادوا فحسنٌ". (البحر الرائق، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۲/۳۳۸، رشیدیه)

(وکذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل السادس في الدفن والنقل الخ، ۱/۱۶۶، رشیدیه)

(۲) (رد المحتار، کتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/ ۲۳۴، سعید)

"وهو أن یحفر بتمامه، ثم یحفر في جانب القبلة منه حفیرة، یوضع فیها المیت، ویجعل ذلک =

سے) رکھدیا اور مٹی ڈالدی گئی تو پھر قبر کھود کر اصلاح کی ضرورت نہیں:" ولـو وضـع الميت لغير القبلة أوعلى شقـه الأيسر أوجعل رأسه موضع رجليه، وأهيل عليه التراب، لم ينبش" . عالمگیری (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۴/۱۱/۵۳ھ۔

صحیح: عبداللطیف، ۱۸/ ذی قعدہ/۵۳ھ۔

بغلی قبر کھودنا افضل ہے یا درمیانی ؟

سوال[۴۱۸۱] : بغلی قبر کھودنا اچھا ہے یا درمیانی ؟ ہم لوگ اکثر درمیانی قبر کھودتے ہیں۔ کیا یہ جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

بغلی قبر بنانا افضل ہے درمیانی بنانا بھی جائز ہے، کذافی الدر المختار (۲)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۱۱/۹۳ھ۔

= كـالبيـت الـمسـقف". (البحـر الـرائق، بـاب الـجـنـائـز، فـصـل: السلطان أحق بصلاته الخ: ۳۳۸/۲، رشیدیه)

(وكـذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل السادس في الدفن والنقل الخ: ۱/۱۶۵، رشیدیه)

(۱) (الـفـتـاوى الـعالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل السادس في الدفن والنقل الخ: ۱/۱۶۷، رشیدیه)

"وإذادفـن الـميـت مستـدبـر الـقبـلة وأهـالوالتراب عليه، فإنه لاينبش ليجعل مستقبل القبلة".

(البحر الرائق، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۳۳۹/۲، رشیدیه)

"(قـولـه لايـنبـش ليوجه إليها): أى لو دفن مستدبراً لها وأهالو التراب، لاينبش؛ لأن التوجه إلى القبلة سنة والنبش حرام". (ردالمحتار، باب الجنائز، مطلب في دفن الميت: ۲/ ۲۳۶، سعید)

(۲) "عـن ابـن عباس رضى الله تعالىٰ عنهما قال: قال النبى صلى الله عليه وسلم: "اللحد لنا، والشق لغيرنا". (جامع الترمذي، أبواب الجنائز، باب ماجاء في قول النبى صلى الله عليه وسلم: " اللحد لنا" الخ: ۱/۲۰۲، سعید)...... =

میت کوتابوت میں رکھنا

سوال[۴۱۸۲]: قبر میں پانی آجانے یا مٹی کے خراب ہونے کی وجہ سے تختے کسی طرح نہیں رکتے، ایسی حالت میں اندر کی دیوار پختہ اینٹ سے بنائی جاسکتی ہے یا نہیں؟ اگر ایسا نہیں کرسکتا تو پھر کیا شکل کرے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

لکڑی کا صندوق بنوا کر اس میں میت کو رکھ کر قبر میں رکھ دیا جائے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

میت کوتابوت میں بند کر کے دفن کرنا

سوال[۴۱۸۳]: یہاں انگلستان میں حکومت کا قانون ہے کہ میت کو صندوق میں بند کر کے دفن کیا جائے، تو کیا ہم مسلمانوں کیلئے بھی ایسا کرنا جائز ہوگا اور اگر حکومت کی اجازت نہ ہو تو کیا کرنا چاہیئے؟

= "(ویلحد و لا یشق) إلا فی رخوة". (الدرالمختار، باب صلاة الجنائز، مطلب فی دفن المیت: ۲/۲۳۴، سعید)

"(ویحفر القبر ویلحد) لحدیث صاحب السنن .... واستحسنوا الشق فیما إذا کانت الأرض رخوةً لتعذر اللحد". (البحر الرائق، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۲/۳۳۸، رشیدیه)

(وکذا فی الفتاوی العالمکیریة، کتاب الصلاة، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل السادس فی الدفن والنقل الخ: ۱/۱۶۵، رشیدیه)

(۱) "و لا بأس باتخاذ تابوت له عند الحاجة کرَخاوة الأرض". (الدر المختار، کتاب الصلاه، باب الجنائز: ۲/۲۳۴، ۲۳۵، سعید)

"وحکی عن الشیخ الإمام أبی بکر بن محمد بن الفضل رحمه الله تعالیٰ: "أنه جوز اتخاذ التابوت فی بلادنا لرخاوة الأرض، الخ". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الصلاة، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل السادس فی القبر والدفن والنقل الخ: ۱/۱۶۶، رشیدیه)

"وإن تعذر اللحد، فلابأس بتابوت یتخذ للمیت، لکن السنة أن یفرش فیه التراب". (البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۲/۳۳۸، رشیدیه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر قبر کی زمین نرم یاتر ہوتو صندوق میں میت کورکھ کر دفن کرنا درست ہے بلاضرورت مکروہ ہے:

''ولابأس باتخاذ تابوت وعند الحاجة لرخاوة الأرض: أي يرخص ذلك عند الحاجة، وإلا كره''. درمختار (۱)۔ قانون کی مجبوری معذوری ہے۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین، دارالعلوم دیوبند۔

میت کوقبر میں رکھنے کی صورت

سوال[۴۱۸۴]: مندرجہ ذیل مسائل میں علماء کی کیارائے ہے، مع دلائل بیان فرمائیں:

(الف): "إذا احتضر الرجل وجه إلى القبلة على شقه الأيمن اعتباراً بحال الوضع فى القبر؛ لأنه أشرف عليه، والمختار فى بلادناالاستلقاء؛ لأنه أيسر لخروج الروح، والأول هوالسنة، كذافى الهداية". (۲)۔

(ب): "يوجّه المحتضر إلى القبلة على يمينه، وهوالسنة، وجازالاستلقاء على ظهره وقد ماه إليها، وهوالمعتاد فى زماننا، لكن يرفع رأسه قليلاً ليتوجّه إلى القبلة". كذا فى الدرالمختار، باب صلوة الجنائز(۳)۔

۱...... عبارتِ مذکورہ بالا میں معنی اور مطلب کی رو سے کوئی فرق وتدافع ہے یانہیں آیا، ہر دوعبارت کا مطلب ایک ہی ہے یا کچھ فرق ہے؟ اگرفرق ہوتو اس کی توضیح کر کے بیان فرمائیں۔

---

(۱)(الدرالمختار مع رد المحتار، باب الجنائز: ۲/۲۳۴، سعید)

"وإن تعذرالـلحد، فلابأس بتابوت يتخذ للميت، لكن السنة أن يفرش فيه التراب". (البحر الرائق، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته، ۲/۳۳۸، رشيديه)

(وكذا فى الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادى والعشرون فى الجنائز، الفصل السادس فى القبر والدفن والنقل الخ: ۱/۱۶۶، رشيديه)

(۲) (الهداية، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۱/۱۷۸، مكتبه شركة علميه، ملتان)

(۳) (الدر المختار، باب صلاة الجنائز: ۲/۱۸۹، سعيد)

۲......عبارتِ درمختار'' ينبغي كونه على شقه الأيمن" میں لفظ'' ينبغي " سے کیا ثابت ہوتا ہے وجوب یا سنت یا ندب، اور جو کچھ بھی ثابت ہوتو وہ متفق علیہ یا مختلف فیہ؟ اور اس کے خلاف عمل کرنے سے کیا وعید لازم آئے گی اور"وضع على شقه الأيمن" کی کیا صورت ہے، آیا شقِ اَیمن زمین کے متصل ہو اور شقِ اَیسر آسمان کی طرف اٹھا ہوا ہو، مثل دیوار کے، کیسی صورت ہونی چاہئے؟

۳......جب مردہ کو على شقه الأيمن رکھنا سنت ہے تو ہندوستان وغیرہ کے بعض بلاد میں زمین نرم ہونے کی وجہ سے یا جواز کی بناء پر میدانی قبر کھودی جاتی ہے اور اس کے درمیان میں میت کو رکھنے کیلئے ہاتھ بھر یا اس سے چوڑا اس کیلئے کھودا جاتا ہے۔اس کی کیا ضرورت ہے؟ جب چھوٹی سی نالی کھود کر سنت کی بناء پر کروٹ پر مردہ کو رکھ سکتے ہیں تو کیوں یہ چوڑا گڑھا کھود کر تکلیف اٹھائی اور سنت چھوڑ کر جہل کی طرف چلے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

۱......کوئی تدافع نہیں ہے، علامہ شامی نے درمختار کی تائید میں ہدایہ کی عبارت پیش کی ہے(۱)۔

۲......سنت ہے:"وذكر في المحيط: الاضطجاعُ للمريض أنواع: أحدها في حالة الصلاة، وهو أن يستلقي على قفاه. والثاني: إذا قرب من الموت أن يضطجع على الأيمن، واختير الاستلقاء. والثالث في حالة الصلوة على الميت تضجع على قفاة معترضاًللقبلة. والرابع في اللحد يضطجع على شقه الأيمن، ووجه إلى القبلة، هكذاتوارث السنة"(۲)۔

اور اس میں کسی کا اختلاف نظر سے نہیں گزرا، بلاعذر قصداً خلافِ سنت کرنا موجبِ حرمانِ شفاعت

(۱) "(قوله: وجاز الاستلقاء) اختاره مشايخنابماوراء النهر؛ لأنه أيسر لخروج الروح". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الجنائز، ۲/۱۸۹، سعيد)

(۲) (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز، ۲/۲۹۹، رشيديه)

" قال محمد رحمه الله تعالىٰ في الجامع الصغير أيضاً: ويوجه المريض القبلة كمايوجه القبلة في اللحد، وأراد به المريض الذي قرب موته حيث أمر أن يفعل به مايفعل بالميت، وهذا لأنه في معنى تلقين الميت، قال عليه السلام: "لقنوا موتاكم"، وأراد به الذي قرب موته. واختار أهل بلادناالاستلقاء، فإنه أسهل لخروج الروح". (المحيط البرهاني في الفقه النعماني، كتاب الصلاة، الفصل الحادي والثلاثون في صلاة المريض، ۲/۲۶۹، مكتبه غفاريه)

وباعثِ عتاب ہے(۱)۔

''وضع علی شقه الأیمن'' کی صورت یہ ہے کہ شقِ ایسر زمین سے متصل رہے اور شقِ ایمن آسمان کی طرف مائل بمشرق رہے اور میت کو مشرقی حصۂ لحد سے سہارا دیا جائے اور چہرہ قبلہ کی جانب ہوجائے:

''ویوضع فی القبر علی شقه الأیمن مستقبل القبلة، کذافی الخلاصة''. عالمگیریة(۲)، هکذافی الخانیة(۳) وغیرها من کتب الفقه۔

۳......جسم سے جو کچھ زائد عرض میں قبر کھودی جاتی ہے اور بالکل جسم کے مساوی نہیں کھودی جاتی وہ اس وجہ سے کہ میت کو اس میں رکھنے میں سہولت رہے کیونکہ دو تین آدمی قبر میں اولاً اترتے ہیں ان کے کھڑے ہونے کیلئے بھی جگہ کی ضرورت ہے، اگر وہ جگہ زائد نہ رکھی جائے تو بجز اس کے کہ میت کو اوپر ہی سے چھوڑ

---

(۱) ''ترک السنة المؤکدة قریبٌ من الحرام، ویستحق حرمان الشفاعة، لقوله علیه السلام: ''من ترک سنتی لم ینل شفاعتی''. (ردالمحتار، کتاب الطهارة، أرکان الوضوء، مطلب فی السنة وتعریفها: ۱/۱۰۴، سعید)

(وکذا فی حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الطهارة، فصل فی سنن الوضوء، ص: ۲۴، قدیمی)

(۲) (الفتاوی العالمکیریة، کتاب الصلاة، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل السادس، فی الدفن الخ: ۱/۱۶۶، رشیدیه)

(۳)''ویوضع فی القبر علی جنبه الأیمن مستقبل القبلة''. (فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاوی العالمکیریة، کتاب الصلاة، باب فی غسل المیت ومایتعلق به الخ: ۱/۱۹۴، رشیدیه)

''وضع علی شقه الأیمن'' میں کروٹ دینے کا جو طریقہ ذکر کیا گیا ہے، خطائے کاتب- کہ کاتب نے بجائے ''أیمن'' کے ''أیسر'' اور بجائے ''أیسر'' کے ''أیمن'' لکھا ہے- کی بناء پر بظاہر عام عبارات کے خلاف ہے، کیونکہ اگر میت کو شقِ ایسر پر رکھ کر شقِ ایمن آسمان کی طرف مائل کیا جائے تو اس صورت میں استقبالِ قبلہ ممکن معلوم نہیں ہوتا۔ اور خطائے کاتب پر حضرت مفتی صاحب کے دو جملے دلالت کرتے ہیں: ایک جواب نمبر:۲، میں جملہ: ''اور میت کو مشرقی حصۂ لحد سے سہارا دیا جائے اور چہرہ قبلہ جانب ہوجائے'' اور دوسرا جواب نمبر:۳، میں جملہ: ''اس لئے قبر میں داخل کرنے سے پہلے ہی اس کی شقِ ایسر کو آسمان کی طرف کردینا اور شقِ ایمن کو ارض کی جانب کردینا......اھ''۔

لہٰذا میت کی شقِ ایمن کو زمین کے ساتھ لگا کر شقِ ایسر کو آسمان کی طرف مائل کردیا جائے۔

دیا جائے، بلکہ اس نالی میں ٹھونس دیا جائے، کوئی صورت نہ ہوگی، اور ظاہر ہے کہ میت کوقبر میں رکھنے سے قبل بحالتِ استلقاء ہوتی ہے اس لیے قبر میں داخل کرنے سے پہلے ہی اس کی شقِ ایسر کوآسمان کی طرف کردینا اور شقِ ایمن کوعرض کی جانب کرنا ہاتھ میں لئے ہوئے مشکل ہے۔

پھراوپر سے چھوڑنے اور ٹھونسنے میں احترام باقی نہیں رہتا بلکہ بے حرمتی ہوتی ہے، اس لیے کچھ زائد قبر چوڑی بنائی جاتی ہے تاکہ اتارنے اور رکھنے میں سہولت رہے، بخلافِ لحد کے کہ زائد کی ضرورت پیش نہیں آتی بلکہ جس وقت جانبِ قبلہ لحد میں داخل کیا جاتا ہے اس وقت ہی خود بخود اس کی ہیئتِ مسنونہ ہوجاتی ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، ۱۱/۱/۶۰ھ۔

جوابات صحیح ہیں۔

حدیث میں: "أوسعوا واعمروا" بھی آیا ہے(۲) اس لئے چھوٹی نالی کھودنا خلافِ سنتِ متوارثہ اور حدیث "أوسعوا" کے خلاف ہوگی۔

سعید احمد غفرلہ، ۱۲/محرم/۶۰ھ، صحیح: عبداللطیف۔

---

(۱) الحدیث بتمامه: "عن هشام بن عامر قال: جاء ت الأنصار إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم يوم أحد فقالوا: أصابنا قرح وجهد فكيف تأمرنا؟ قال: "احفروا، وأوسعوا". الحديث. (سنن أبي داؤد، كتاب الجنائز، باب في تعميق القبر، ۲/۱۰۲، ۱۰۳، امداديه، ملتان)

"(وحفر قبره) في غير دارٍ (مقدار نصف قامة) فإن زاد فحسن الخ". (الدر المختار، باب صلاة الجنائز، ۲/۲۳۳، سعيد)

"ومقدار عمق القبر قدر نصف قامة .... إلى صدر الرجل أو وسط القامة، فإن زادوا فهو أفضل، وإن عمقوا مقدار قامة، فهو أحسن الخ". (الحلبي الكبير، فصل في الجنائز، السادس في الدفن الخ، ص: ۵۹٦) سهيل اكيڈمی)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل السادس في الدفن الخ: ۱/۱٦٦، رشيديه)

(۲) (سنن أبي داؤد، كتاب الجنائز، باب في تعميق القبر: ۲/۱۰۲، ۱۰۳، امداديه، ملتان)

میت کو قبر میں رکھنے کا طریقہ

سوال[۴۱۸۵]: میت کو قبر میں رکھنے کا طریقہ کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

شمال کی طرف سر، جنوب کی طرف پیر، داہنی کروٹ قبلہ کی طرف چہرہ ہو(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/۶/۹۰ھ۔

طریقِ مشروع کے خلاف میت کو قبر میں رکھ کر اس کے اوپر مٹی ڈالنا

سوال[۴۱۸۶]: مندرجہ ذیل مسئلہ میں علمائے کرام کی کیا رائے ہے؟

مشہور ودیگر چند مقامات پر عرصۂ دراز سے یہ رواج ہے کہ میت کو قبر میں اتار کر اس کے کفن اور جسم پر ہی مٹی ڈال دی جاتی ہے، اس کا پورا امکان ہے کہ..... مٹی کے نیچے دب کر چند دن میں ہی نعش بگڑ جاتی ہے اور عوام دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ انسان مٹی سے بنا ہے اور مٹی ہی میں مل جاتا ہے اس لئے ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں، مگر بہت سے حضرات کو میت کے ساتھ اس سلوک میں احترام میت کے خلاف ایک انسانیت سوز حرکت نظر آتی ہے۔ اس بارے میں شریعت حقہ کی کیا ہدایت ہے؟ امید ہے کہ جلد سے جلد جواب باصواب سے نوازیں گے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ طریقہ خلافِ شریعت بھی ہے(۲)، میت کو دفن کرنے کی صورت حدیث، فقہ سے جو ثابت ہے وہ یہ

---

(۱) "(ویوجه إلیها) وجوباً، وینبغي کونه علی شقه الأیمن، ولاینبش لیوجه إلیها". (الدرالمختار، باب الجنائز، مطلب في دفن المیت: ۲/۲۳۵، ۲۳۶، سعید)

"(ووجه إلی القبلة) بذلک أمر رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم ویکون علی شقه الأیمن الخ".

(البحر الرائق، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته علیه: ۲/ ۳۳۹، رشیدیه)

(وکذا في الفتاوی العالمکیریة، کتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل السادس في الدفن والنقل الخ: ۱/۱۶۶، رشیدیه)

(۲) "عن عائشة رضي اللہ تعالیٰ عنها قالت: قال النبي صلی اللہ علیه وسلم: "من أحدث في أمرنا هذا =

ہے کہ قبر بنا کر اس میں میت کو رکھا جائے اور اس طرح مٹی ڈالی جائے کہ میت پر نہ پڑے، اس کی دو صورتیں ہیں: ایک یہ ہے کہ لحد بنا کر اس میں میت کو رکھا جائے اور کچی اینٹیں لگا دی جائیں تا کہ میت لحد میں محفوظ ہو جائے، پھر مٹی ڈال دی جائے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ شق بنا کر اس میں میت کو رکھ کر اس پر تختہ رکھ کر میت کو محفوظ کر دیا جائے پھر مٹی ڈالی جائے، غرض میت پر مٹی نہ ڈالی جائے۔ مسئلہ جب شریعت میں منصوص ہو تو پھر اس کے مقابلہ میں قیاس کرنا اور ایسی علت تجویز کرنا جس سے نص ہی بے عمل رہ جائے جائز نہیں، غلط ہے خلاف اصول ہے(١)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ٣٠/١١/٩٢ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دار العلوم دیوبند، ٢/١٢/٩٢ھ۔

قبر میں کفن کے تینوں بند کھولنا اور میت کو قبلہ کی طرف کروٹ دینا

سوال[۴۱۸۷]: جنازہ قبر میں رکھنے کے بعد بند تینوں کھولدیئے جائیں، نیز میت کا چہرہ بطرف قبلہ

= مالیس منه، فهورد". (صحیح البخاری، کتاب الصلح، باب: إذا اصطلحوا علی صلح جور، فهومردود: ١/٣٧٠، قدیمی)

"وعرّفها الشمنی بأنها(أی البدعة) ما أحدث علی خلاف الحق الملتقی عن رسول الله صلی علیه وسلم من علم أوعمل أوحال بنوع شبهة واستحسان، وجعل دیناً قویماً وصراطاً مستقیماً". (ردالمحتار، کتاب الصلوة، باب الإمامة ١/٥٦٠ سعید)

(١) "والسنة هواللحد دون الشقِ، کذافی محیط السرخسیَ. وصفة اللحد أن یحفر القبر بتمامهِ ثم یحفر فی جانبِ القبلة منه حفیرةِ، فیوضع فیه المیتِ، کذافی المحیط، ویجعل ذلک کالبیت المسقفِ، کذافی البحر الرائقَ. فإن کانت الأرض رخوةً، فلابأس بالشقِ، کذافی فتاوی قاضی خان. صفة الشق أن تحفر حفیرة کالنهر وسط القبر، ویُبنی جانباه باللبن وغیره، ویوضع المیت فیه ویسقف......... ویوضع فی القبر علی جنبه الأیمن مستقبل القبلةِ، کذافی الخلاصة. وتحلّ العقدة، ویسوی اللبن والقصب لا الآجرّ والخشب، ویسجی قبرهالاقبره، ویهال التراب". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الصلوة، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل السادس فی الدفن الخ: ١/١٦٥، ١٦٦ رشیدیه)

(وکذا فی الدر المختار مع رد المحتار، باب الجنائز، مطلب فی دفن المیت: ٢/٢٣٣، سعید)

کردینا بس ہے یا تمام جسم کی کروٹ دلادی جائے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

تینوں بند کھول دیئے جائیں، تمام جسم قبلہ کی طرف کروٹ دیدیا جائے (۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

قبر میں میت کو کروٹ دینا

سوال[۴۱۸۸]: قبر میں مردہ کو چت لٹا کر صرف چہرہ قبلہ کی طرف کردیا جائے یا اس کو قدرے داہنی کروٹ پر کردیا جائے کہ پورا رخ قبلہ کی طرف ہوجائے، کونسی صورت بہتر ہے؟

قدرت اللہ، امکانی انڈونیشیا۔

الجواب حامداًومصلیاً:

اس کو کروٹ دے کر قبلہ رخ کیا جائے، صرف چہرہ قبلہ کی طرف پھرانے پر کفایت نہ کی جائے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

قبر میں میت کو قبلہ رو کرنا

سوال[۴۱۸۹]: قبر میں بائیں طرف مٹی ڈال کر میت کو ایک طرف اٹھایا جائے تاکہ رخ قبلہ کی طرف ہوجائے، یہ جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

قبر میں میت کو دائیں کروٹ کچھ دے دی جائے کہ جس سے چہرہ قبلہ کی طرف ہوجائے خواہ مٹی کا سہارا

---

(۱) "ویوضع فی القبر علی جنبہ الأیمن مستقبل القبلة، وتحل العقدة الخ". (الفتاوی العالمکیریة، کتاب الصلاة، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل السادس فی الدفن والنقل الخ: ۱/۱۶۶، رشیدیہ)

"(و) یستحب، أن (یدخل من قبل القبلة .... ویوجه إلیها) وجوباً، وینبغی کونه علی شقه الأیمن، ولاینبش لیوجه إلیها(وتحل العقدة) الخ". (الدرالمختار، باب صلاة الجنائز: ۲/۲۳۶، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۲/۳۳۹، رشیدیہ)

(۲) (راجع، ص: ۶۱، رقم الحاشیة: ۱)

دے کر خواہ قبر ہی کی دیوار سے سہارا دے کر، اور یہی صورت بہتر ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود عفی عنہ۔

قبر میں میت کا سر کدھر ہو اور پاؤں کدھر؟

سوال[۴۱۹۰]: میت کو کس طرح لٹایا جائے اور پاؤں کی سمت کونسی ہو؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

قبر میں میت کو اس طرح لٹایا جائے کہ سر شمال کی طرف ہو اور پیر جنوب کی طرف ہو (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ۔

میت کو قبر میں رکھتے وقت کی دعاء

سوال[۴۱۹۱]: مٹی دیتے وقت کوئی مسنون دعاء ہو تو تحریر فرما دیجئے۔

---

(۱) "ویوجه إلیها وجوباً، وینبغي کونه علی شقة الأیمن". (الدر المختار، کتاب الصلوة، باب صلوة الجنائز، مطلب في دفن المیت: ۲/۲۳۶، سعید)

"ویوضع في القبر علی جنبه الأیمن مستقبل القبلة". (کتاب الصلوة، الفصل السادس في الدفن والنقل الخ: ۱/۱۶۶، رشیدیه)

(وکذا في البحر الرائق، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۲/۳۳۹، رشیدیه)

(۲) جب کہ میت کو قبر میں رکھ کر دایاں کروٹ دیا جاتا ہے کہ شقِ اَیمن زمین سے لگی ہو اور شقِ اَیسر آسمان کی طرف ہو کر قبلہ رُو کیا جاتا ہے، اسی صورت میں لازمی طور پر سر شمال کی طرف اور پَیر جنوب کی طرف ہوتے ہیں: "ویوجه إلیها وجوباً وینبغي کونه علی شقه الأیمن". (الدر المختار، کتاب الصلاة، باب صلوٰة الجنائز، مطلب في دفن المیت: ۲/۲۳۶، سعید)

"ویوضع في القبر علی جنبه الأیمن مستقبل القبلة". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الصلاة، الفصل السادس في الدفن والنقل الخ: ۱/۱۶۶ رشیدیه)

(وکذا في البحر الرائق، باب الجنائز، فصل السلطان أحق بصلاته: ۲/۳۳۹، رشیدیه)

الجواب حامداً و مصلیاً:

﴿منها خلقناکم، وفیها نعید کم، ومنها نخرجکم تارةً أخریٰ﴾(۱)۔ فقط۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

عورت کو اس کا شوہر قبر میں اتار سکتا ہے یا نہیں؟

سوال[۴۱۹۲]: شوہر کی حیات میں اگر عورت کا انتقال ہو جائے تو مرحومہ حلقۂ شوہریت سے نکل جاتی ہے یا نہیں اور مرد کا بحیثیتِ نامحرم ہونا درست ہے یا نہیں؟ نیز حقیقی محرم جیسے باپ، بھائی، بیٹا وغیرہ کی موجودگی میں شوہر مذکور مرحومہ کو قبر میں اتار سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

انتقال سے نکاح ختم ہو جاتا ہے(۲) ہاتھ نہیں لگا سکتا، البتہ دیکھنا درست ہے(۳)۔ جب محرم باپ

---

(۱) "قال فی الجوهرة: ويقول فی الحثية الأولیٰ ﴿منها خلقناكم﴾ وفی الثانية ﴿وفيها نعيدكم﴾ وفی الثالثة ﴿ومنها نخرجكم تارةً اخرى﴾. (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، ۲/ ۲۳۷، سعيد)

"ويستحب لمن شهد دفن الميت أن يحثوا فی قبره ثلاث...... ويقول: فی الحثية الأولى: ﴿منها خلقناكم﴾ وفی الثانية: ﴿وفيها نعيدكم﴾ وفی الثالثة: ﴿ومنها نخرجكم تارةً اخرىٰ﴾. (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل السادس فی الدفن الخ: ۱/ ۱۶۶، رشيديه)

(وكذا فی حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح، كتاب الصلاة، احكام الجنائز، فصل فی حملها ودفنها، ص: ۶۱۱، قديمی)

(۲) "إذا ماتت، فلا يغسلها لانتهاء ملك النكاح لعدم المحل، فصار أجنبياً". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/ ۱۹۹، سعيد)

"إذا ماتت المرأة حيث لا يغسلها الزوج؛ لأن هناك انتهى ملك النكاح لانعدام المحل، فصار الزوج أجنبياً الخ". (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، الجنائز، فصل: وأما بيان فيمن يغسل: ۲/ ۳۳، رشيديه)

(وكذا فی الحلبی الكبير، فصل فی الجنائز، ص: ۶۰۴، سهيل اكيڈمی)

(۳) "ويمنع زوجها من غسلها ومسها، لا من النظر إليها علی الأصح". (الدرالمختار، باب الجنائز: ۲/ ۱۹۸، سعيد)

بھائی وغیرہ موجود ہوں تو وہ مقدم ہیں، وہی قبر میں اتاریں، شوہر کو بھی اتارنا اور جنازہ کو ہاتھ لگانا درست ہے(۱)۔

عورت کی قبر میں غیر محرم کا اتارنا

سوال[۴۱۹۳]: عورت کی قبر میں غیر محرم مرد دفنانے اتر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بہتر یہ ہے کہ محرم قبر میں میت کو رکھنے کیلئے اترے، کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ رکھتے وقت کفن کا کچھ حصہ کھل جاتا ہے اور میت کے جسم پر ہاتھ لگ جاتا ہے، اگر محرم نہ ہو تو پھر دوسرے اہلِ دیانت وتقوی اس کو قبر میں رکھیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۱۰/۱۳۹۹ھ۔

میت کو قبر میں اتارتے وقت لانگ باندھنا

سوال[۴۱۹۴]: میت کو قبر اتارتے وقت لانگ باندھنا ضروری سمجھتے ہیں، زنانی میت کیلئے اس کا زیادہ اہتمام کرتے ہیں، تہبند باندھے ہوئے میت کو قبر میں اتارنے کو بے پردہ سمجھ کر نا جائز کہتے ہیں، موافقِ شرع شریف خلاصہ تحریر فرمایا جائے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ناف سے گھٹنوں کا حصہ تک چھپانا ضروری ہے، اس کو کسی کے سامنے کھولنا منع ہے، جو کپڑا اتنا حصہ (ناف سے گھٹنوں تک) چھپالے اس کو باندھ کر میت کو قبر میں رکھنا بالکل درست ہے، لانگ (۳) باندھنے میں کچھ حصہ

---

(۱) "وذوالرحم المحرم أولیٰ بإدخال المرأة من غیرھم، کذا فی الجوھرة النیرة. وکذا ذوالرحم غیر المحرم أولیٰ من الأجنبی، فإن لم یکن فلا بأس للأجانب وضعھا، کذا فی البحر الرائق". (الفتاویٰ العالمکیریة، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل السادس فی القبر والدفن اھ: ۱/۱۶۶، رشیدیه)

(وکذا فی البحر الرائق، فصل: السلطان أحق بصلاته، تحت قول الکنز: ویقول واضعه باسم الله اھ: ۲/۳۳۹، رشیدیه)

(۲) (راجع الحاشیة السابقة)

(۳) "لانگ: دھوتی کا وہ حصہ جو آگے لٹکتا رہتا ہے اور جسے پیچھے کی طرف اُڑس لیتے ہیں"۔ (فیروز اللغات، اردو تحت لفظ "ل" ص: ۱۱۴۵، فیروز سنز لاہور)

گھٹنوں یا ران کا کھل ہی جاتا ہے، اس لئے خیالِ مذکورہ کی اصلاح کی جائے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند۔

لنگی پہن کر میت کو قبر میں اتارنا

سوال[۴۱۹۵]: اپنے رواج کے مطابق زید لنگی پہن کر میت قبر میں اتارتا ہے اور اس کو مباح جانتا ہے، وجہ مباح جاننے کی یہ پیش کرتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اکثر لنگی پہنتے تھے اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر فعل کو اپناتے تھے، پس اصحابِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم لنگی کا استعمال کرتے اور قبر میں اترتے تھے۔ ایسی صورت میں لنگی پہن کر قبر میں اترنا کیسا ہے؟ نیز یہ عقیدۂ تسنن صحیح ہے یا باطل؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

زید اپنے اس عمل اور ماخذ کی وجہ سے مستحقِ اعتراض نہیں اور نیتِ صحیح ہونے کی وجہ سے مستحقِ اجر ہے (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۹۵/۱۱/۱۹ھ۔

---

(۱) "عن علي رضي الله تعالیٰ عنه أن النبي صلی الله علیه وسلم قال: "لاتبرز فخذک، ولاتنظر إلی فخذ حيّ ولامیت". (سنن أبي داؤد، کتاب الجنائز، باب في ستر المیت عند غسله، (رقم الحدیث: ۳۱۴۰): ۹۲/۲، امدادیه ملتان)

"والرابع (ستر عورته) ووجوبه عام في الخلوة علی الصحیح .... (وهي للرجل ماتحت سرته إلی ماتحت رکبتیه)". (الدرالمختار، کتاب الصلاة، باب شروط الصلاة: ۴۰۴/۱، سعید)

" واعلم أن ستر العورة خارج الصلاة بحضرة الناس واجب إجماعاً .... وهي من تحت سرته إلی تحت رکبته الخ". (البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب شروط الصلاة: ۴۶۸/۱، رشیدیه)

(وکذا في الفتاوی العالمکیریة، کتاب الصلاة، الباب الثالث في شروط الصلاة، الفصل الأول في الطهارة وستر العورة، ۵۸/۱، رشیدیه)

(۲) اسلئے کہ ازار پہننا سنت ہے: "عن أبي بردة رضي الله تعالیٰ عنه قال: أخرجت إلینا عائشة رضي الله تعالیٰ عنها کساءً ملبّداً وإزاراً غلیظاً، فقالت: قبض رسول الله صلی الله علیه وسلم في هذین". (شمائل الترمذي، باب ماجاء في صفة إزار رسول الله صلی الله علیه وسلم، ص:۸، سعید) .... =

عورت کیلئے دفن کے وقت پردہ

سوال[۴۱۹۶]: عورت کی قبر پر پردہ کرنا رات اور دن کو کس وقت شرعاً کیسا ہے اور کیوں کیا جاتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جنازہ کے ساتھ نامحرم بھی ہوتے ہیں اس لئے پردہ کیا جاتا ہے تاکہ قبر میں رکھتے وقت بدن کے جثہ کو نامحرم نہ دیکھیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۷/۲/۵۶ھ۔

صحیح: عبداللطیف، ۸/صفر/۵۶ھ، جواب صحیح ہے: سعید احمد غفرلہ۔

ایضاً

سوال[۴۱۹۷]: اگر عورت کا جنازہ ہو تو قبر میں اتارتے وقت کیا پردہ ضروری ہوگا؟

= "ولبس الإزار والرداء، قال الواقدي: كان رداءه وبرده طول ستة أذرع في ثلاثة وشبر، وإزاره من نسج عمان طول أربعة أذرع الخ". (زاد المعاد لابن قيم الجوزية، فصل في ملابسه صلى الله عليه وسلم، ص: ۳۵، دار الفكر، بيروت)

(وكذا في جمع الوسائل في شرح الشمائل للملاعلي القاري رحمه الله تعالىٰ، باب ماجاء في صفة إزار رسول الله صلى الله عليه وسلم: ۱/۲۱۰، ادارة تاليفات اشرفية)

(۱) "وقد رويت أنها (أي فاطمة بنت رسول الله صلى الله عليه وسلم) اغتسلت لماحضرها الموت وتكفنت وأمرت عليّا أن لايكشفها إذا توفيت وأن يدرجها في ثيابها كماهي ويد فنها ليلاً". (أسد الغابة في معرفة الصحابة لابن الأثير الجزري، رقم: ۷۱۷۵، مناقب فاطمة بنت رسول الله صلى الله عليه وسلم، ۶/۲۲۹، دار الفكر، بيروت)

"(قوله: ويسجي قبر ها): أي بثوب ونحوه استحباباً حال إدخالها القبر حتى يسوى اللبن على اللحد". (ردالمحتار، باب الجنائز، مطلب في دفن الميت: ۲/۲۳۶، سعيد)

" (ويسجى قبرها، لاقبره)؛ لأن مبنى حالهن على الستر والرجال على الكشف الخ". (البحر الرائق، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۲/۳۴۰، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، باب الجنائز: ۱/۲۷۵، مكتبه غفاريه)

الجواب حامداًومصلیاً:

جی ہاں، کمایشعر بہ التعلیل: "بأن مبنی حالهن علی الاستتار، اھ" مجمع الأنهر، وهوحاصل بالتابوت(۱)۔

حررہ العبدمحمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین، دارالعلوم دیوبند۔

قبر پراذان دینا

سوال[۴۱۹۸]: ہمارے یہاں مردے دفن کرنے کے بعد قبر پراذان دیجاتی ہے، یہاں کے امام نے بہشتی زیور، شامی وغیرہ کتب کے حوالہ سے بتایا کہ قبر پر اذان دینا درست نہیں، لیکن بعض لوگوں نے دفتر آستانہ دہلی سے اس بارے میں فتویٰ منگایا، اس میں درمختار اور فتاویٰ رضویہ کے حوالہ سے قبر پراذان دینے کو جائز لکھاہے۔صحیح کیاہے؟ مع حوالہ تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ مسئلہ کتبِ احناف میں کتبِ شافعیہ سے نقل کرکے لکھاہے اور کتبِ شافعیہ میں اس کی تردید بھی لکھی ہے(۲)، براہ راست کتبِ احناف اس سے ساکت ہیں۔

---

(۱) "(ويسجى قبر المرأة) بثوب حتى يسوى اللبن؛ لأن مبنى حالهن على الاستتار". (مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۱/۲۷۵، مكتبه غفاريه)

"ويسجى قبرها، لاقبره؛ لأن مبنى حالهن على الستر والرجال على الكشف، إلا أن يكون المطر أوثلج". (البحر الرائق، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته، ۲/۳۴۰، رشيديه)

"(قوله: ويسجى قبرها): أى بثوب ونحوه استحباباً حال إدخالها القبر حتى يسوى اللبن على اللحد الخ". (ردالمحتار، باب الجنائز، مطلب في دفن الميت: ۲/۲۳۶، سعيد)

(۲)"وفى حاشية البحر للرملي: رأيت في كتب الشافعية أنه قد يسن الأذان لغير الصلوة، كما فى أذن المولود، والمهموم، والمصروع والغضبان ...... قيل: وعند إنزال الميت القبر قياساً على أول خروجه للدنيا، لكن رده ابن حجر في شرح العباب". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الأذان، مطلب في المواضع التي يندب لها الأذان الخ: ۱/۳۸۵، سعيد)

مولانا احمد رضا خاں صاحب نے اس پر مستقل ایک رسالہ لکھا، مگر کوئی دلیلِ صریح اس کے ثبوت میں نقل نہیں کی۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

ایضاً

سوال[۴۱۹۹]: از تاج الدین صاحب ٹال والے۔ قصبہ مودہا کے لوگ حنفی ہیں بروقت دفنِ میت قبر پر اذان دیتے ہیں، یہ طریقہ حال ہی میں لوگوں نے ایجاد کیا ہے، کہتے ہیں کہ ہمارے پیر کا حکم ہے۔ کیا یہ جائز ہے؟ پیر صاحب بھی حنفی ہیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

قبر پر اذان دینا ثابت نہیں، فقہ حنفی کی معتبر کتاب ردالمحتار: ۱/ ۲۵۸ میں اس کو بعض شافعیہ سے نقل کر کے خود شافعیہ سے اس کی تردید نقل کی ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

ایضاً

سوال[۴۲۰۰]: ہمارے یہاں مردے دفن کرنے کے بعد قبر پر اذان دیجاتی ہے، یہاں کے امام نے بہشتی زیور، شامی وغیرہ کتب کے حوالہ سے بتایا کہ قبر پر اذان دینا درست نہیں، لیکن بعض لوگوں نے دفتر آستانہ دہلی سے اس بارے میں فتوی منگایا، اس میں درمختار اور فتاوی رضویہ کے حوالہ سے قبر پر اذان دینے کو جائز لکھا ہے۔ صحیح کیا ہے؟ مع حوالہ تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

یہ مسئلہ کتبِ احناف میں کتبِ شافعیہ سے نقل کر کے لکھا ہے اور کتبِ شافعیہ میں اس کی تردید بھی لکھی

---

(۱) "رأيت في كتب الشافعية أنه قد يسن الأذان لغير الصلاة .... قيل: وعند إنزال الميت القبر قياساً على أول خروجه للدنيا، لكن رده ابن حجر في شرح العباب". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الأذان: ۱/ ۳۸۵، سعيد)

"فلاآذان للوتر ولاللجنائز الخ". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الأذان: ۱/ ۴۴۵، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الثاني في الأذان: ۱/ ۵۳، رشيديه)

ہے، براہ راست کتبِ احناف اس سے ساکت ہیں (۱)۔ مولانا احمد رضا خاں صاحب نے اس پر مستقل ایک رسالہ لکھا مگر کوئی دلیل صریح اس کے ثبوت میں نقل نہیں کی۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

تلقین کی قسمیں اور کونسی قسم جائز ہے؟

سوال[۴۲۰۱]: تلقین کی کتنی قسمیں ہیں؟ قرآن اور حدیث کی رو سے کون سی تلقین جائز ہے؟ ہمارے یہاں یہ بھی رواج ہے کہ دفن وغیرہ سے فارغ ہونے کے بعد قبر ہی کے نزدیک جشن وغیرہ کا انتظام کرتے ہیں اور کچھ قرآن کی آیتیں پڑھ کر بخش دیتے ہیں۔ اس کا کیا حکم ہے؟ غزالی ملیشیاوی

الجواب حامداًومصلياً:

تلقین اس وقت کرنا جبکہ مرض الموت میں مبتلا ہو، آثار سے معلوم ہوتا ہو کہ عنقریب انتقال ہونے والا ہے، حدیث شریف سے ثابت ہے (۲)، وہ اس طرح کہ مریض محتضر کے نزدیک کلمہ شریف پڑھا جائے تاکہ وہ بھی پڑھ لے اور اس دنیا سے جاتے وقت سب سے آخری بات "لا إلــه إلا الله مـحمد رسول الله" ہو، کـذافی رد المحتار (۳)۔ پھر جس وقت بعد انتقال، غسل، کفن، نماز جنازہ سے فارغ ہونے کے بعد اس

---

(۱) "رأيت في كتب الشافعية أنه قد يسن الأذان لغير الصلاة .... قيل: وعند إنزال الميت القبر قياساً على أول خروجه للدنيا، لكن رده ابن حجر في شرح العباب". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الأذان: ۱/۳۸۵، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب الثاني في الأذان: ۱/ ۵۳، رشيديه)

(۲) "عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "لقنوا موتاكم لاإله إلاالله". (الصحيح لمسلم، كتاب الجنائز، باب في تلقين المحتضر بلاإله إلاالله، ۱/ ۳۰۰، قديمى)

"عن معاذبن جبل رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى عليه وسلم:" من كان آخر كلامه لاإله إلاالله، دخل الجنة". (سنن أبي داؤد، كتاب الجنائز، باب في التلقين: ۲/۸۸، إمداديه)

(۳) "(يلقن) ندباً، وقيل: وجوباً(بذكر الشهادتين الخ)". (الدرالمختار). "(قوله: ويلقن الخ) لقوله صلى الله عليه وسلم: "لقنوا". الخ". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، ۲/۱۹۰، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز، ۲ / ۲۹۹، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الأول في المحتضر، ۱/۱۵۷، رشيديه)

کولحد میں رکھا جائے تو رکھتے وقت پڑھے:"بسم اللّٰہ وبااللّٰہ و علی ملة رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم"۔ یہ دونوں تلقین تو ثابت ہیں(١)، پھر دفن کرنے (مٹی ڈالنے) کے بعد بھی بعض روایات میں تلقین کا ذکر ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:

"یافلان بن فلان! اذکر دینك الذی کنت علیه من شهادة أن لااله إلا اللّٰه وأن محمداً رسول اللّٰه، وأن الجنة حق، والنار حق، وأن البعث حق، وأن الساعة اٰتیة لاریب فیها، وأن اللّٰه یبعث من فی القبور، وأنك رضیت باللّٰه رباً وبالإسلام دیناً وبمحمد صلی اللّٰه علیه وسلم نبیاً وبالقراٰن إماماً وبالکعبة قبلةً وبالمؤمنین إخواناً"۔ ردالمحتار(٢)۔ سورۂ بقرہ کا اول وآخر پڑھنا بھی

(١) "عن ابن عمر رضی الله تعالیٰ عنه أن النبی صلی الله علیه وسلم قال: "إذاأدخل المیت القبر" قال: وقال أبوخالد: "إذاوضع المیت فی لحده" قال مرةً: "بسم الله و بالله وعلی ملة رسول الله" وقال مرةً: "بسم الله و بالله وعلی سنة رسول الله صلی الله علیه وسلم". (جامع التر مذی، أبواب الجنائز، باب ماجاء مایقول إذا أدخل المیت قبره: ١/٢٠٢، سعید)

"وأن یقول واضعه بسم الله وبالله وعلی ملة رسول الله صلی الله علیه وسلم ویوجه إلیها". (الدرالمختار، باب صلاة الجنائز، مطلب فی دفن المیت: ٢/٢٣٥، سعید)

(وکذا فی الفتاوی العالمکیریة، کتاب الصلاة، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل السادس فی الدفن الخ: ١/١٦٦، رشیدیه)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ٢/٣٣٩، رشیدیه)

(٢) (رد المحتار، باب صلاة الجنائز، مطلب فی التلقین بعد الموت: ٢/١٩١، سعید)

"وأماالتلقین بعد الدفن .... والذی علیه الجمهور أن المرادمن الحدیث مجازه کما ذکرنا، حتی إن من استحب التلقین بعد الموت لم یستدل به إلاعلی تلقینه عند الاحتضار .... وإنمالاینهی عن التلقین بعد الدفن؛ لأنه لاضر رفیه بل فیه نفع، فإن المیت یستأنس بالذکر". (الحلبی الکبیر، کتاب الصلاة، فصل فی الجنائز، ص: ٥٧٢، سهیل اکیڈمی، لاهور)

"واضح رہے کہ تلقین بعدالموت کے بارے میں فقہائے کرام کا اختلاف ہے، بعض جواز اور بعض عدم جواز کے قائل ہیں، اس دور فساد میں اعتقادی خرابی کی وجہ سے احتراز اولیٰ اور افضل ہے"۔ (احسن الفتاوی، باب الجنائز، ٤/٢٥٣، سعید)

(فتاوی رحیمیه، کتاب الجنائز، باب مایتعلق بالدفن: ٧/٦٨، دارالاشاعت)

اس وقت مروی ہے(۱)۔

جشن وغیرہ کا انتظام اور میلہ لگانا ہرگز ثابت نہیں (۲)، اس سے پورا پرہیز کیا جائے، دعائے مغفرت ودعائے تثبیت فی الجواب کر کے وہاں سے رخصت ہوجائیں (۳)، ہاں ایصالِ ثواب کرتے رہا کریں مگر اس

= "وأما التلقين بعد الموت، فلايلقن عندنافي ظاهر الرواية". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادى والعشرون فى الجنائز، الفصل الأول فى المحتضر: ١/١٥٧، رشيديه)

"فإن حقيقته التلقين بعد الموت، وقد اختلفوا فيه. وقولهم: إنه مجازتسمية الشئ باسم مايؤول إليه قول لادليل عليه؛ لأن الأصل الحقيقة. وقد أطال المحقق فى فتح القدير فى رده. وفى المجتبى: وإذاقالها مرةً كفاه، ولايكثر عليه مالم يتكلم بعد ذلک، الخ". (البحر الرائق، كتاب الجنائز، ٢/ ٢٩٩، رشيديه)

وانظر للتفصيل: (فتح القدير، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ٢/١٠٣، ١٠٥ مصطفى البابى الحلبى، مصر)

(١) "عن عبد الله ابن عمر رضى الله تعالىٰ عنه قال: سمعت النبى صلى الله عليه وسلم يقول: "إذامات أحدكم فلاتحبسوه، وأسرعوابه إلى قبره، وليقرأ عند رأسه فاتحة البقرة وعند رجليه بخاتمة البقرة". (مشكوة المصابيح، كتاب الجنائز، باب دفن الميت: ١/١٤٩، قديمى)

"وكان ابن عمر رضى الله تعالىٰ عنه يستحب أن يقرأ على القبر بعد الدفن أول سورة البقرة وخاتمتها .... فقد ثبت أنه عليه الصلوة والسلام قرأ أول سورة البقرة عند رأس الميت وآخر هاعند رجليه". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة: ٢/٢٣٧، ٢٤٢، سعيد)

(٢) "ويكره عند القبر كل مالم يعهد من السنة، والمعهود منها ليس إلازيارتها، الخ". (البحرالرائق، كتاب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته، قبيل باب الشهيد: ٢/٣٤٣، رشيديه)

(وكذا فى الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادى والعشرون فى الجنائز، الفصل السادس فى الدفن الخ: ١/١٦٦: رشيديه)

(وكذا فى فتح القدير، كتاب الصلاة، باب الجنائز، فصل فى الدفن، قبيل باب الشهيد: ٢/١٤٢، مصطفى البابى الحلبى، مصر)

(٣) "عن عثمان بن عفان رضى الله تعالىٰ عنه قال: كان النبى صلى الله عليه وسلم إذا فرغ من دفن الميت وقف عليه فقال: "استغفروا لأخيكم واسألوا له بالتثبيت، فإنه الآن يسأل". (سنن أبى داود، كتاب=

میں غیر ثابت امور کے اختلاط سے بچتے رہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۹/۵/۹۳ھ۔

الجواب صحیح، بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۹/۵/۹۳ھ۔

تلقین بعد الدفن

سوال [۴۲۰۲]: تلقین بعد دفنِ میت کے صحابہ وتابعین سے ثابت ہے یا نہیں؟ اکثر فقہاء نے اس کے پڑھنے کی یعنی اس کے عمل کی اجازت دی ہے جیسا کہ مظاہر حق، مأتہ مسائل، اربعین وغیرہ (مظاہر حق: ۱، کتاب الایمان، باب اثبات عذاب قبر) (۲)۔ تلقین بعد دفن میت کے اکثر حنفی مذھب سے ثابت نہیں ہے لیکن

= الجنائز، باب الاستغفار عند القبر للميت في وقت الانصر اف، ۲/۱۰۳، إمداديه)

"وجلوس ساعةً بعد دفنه لدعاء وقراءة بقدر ما ينحر الجزور و يفرق لحمه". (الدر المختار، باب صلاة الجنازة: ۲/۲۳۷، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادى والعشرون في الجنائز، الفصل السادس في الدفن والنقل الخ، ۱/۱۶۶، رشيديه)

(۱) "يقول: أنبأنا ابن عباس رضى الله تعالىٰ عنهما أن سعد ابن عبادة أخابنى ساعدة توفيت أمه وهو غائب عنها، فأتى النبى صلى الله عليه وسلم فقال: يارسول الله! إن أمي توفيت وأنا غائب عنها، فهل ينفعها شئ إن تصدقت به عنها؟ قال: "نعم" قال: فإني أشهدك أن حائطي المخراف صدقة عليها". (صحيح البخارى، كتاب الوصايا، باب الإشهاد في الوقف والوصية والصدقة: ۱/۳۸۷، قديمى)

"صرح علمائنا في باب الحج عن الغير: بأن للإنسان أن يجعل ثواب عمله لغيره صلاةً أوصوماً أوصدقةً أوغيرها......... الأفضل أن يتصدق نفلاً أن ينوى لجميع المؤمنين والمؤمنات؛ لأنها تصل إليهم ولاينقص من أجره شئ". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، مطلب في القراءة للميت واهداء الخ، ۲/۲۴۳، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، ۳/۱۰۵، رشيديه)

(۲) (مظاهر حق، كتاب الإيمان، باب إثبات عذاب القبر: ۱/۷۳، دار الإشاعت كراچى)

اکثر شافعیہ وحنفیہ کے نزدیک مستحب ہے۔ ایک حدیث حضرت ابوامامۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابی سے ذکر کی ہے۔ سیوطی سے جمع الجوامع میں حدیث طبرانی سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''کھڑا ہوا ایک شخص سرہانے اور کہے کہ فلاں بن فلاں اور کہا جائے کہ پروردگار تیرا خدا تعالیٰ ہے، محمد صلی اللہ علیہ وسلم پیغمبر تیرے ہیں، اور اسلام دین تیرا ہے اور قرآن امام تیرا ہے، جب یہ کہتا ہے تو پکڑ لیتا ہے منکر نکیر ایک دوسرے کا ہاتھ اور کہتا ہے کہ باہر نکل کیونکہ حق تعالیٰ نے اسے تلقین کی ہے''۔ اگر میت کا نام نہ معلوم ہو اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''بنت حواء یا بن آدم کہو''۔ عمل وجواز کس پر ہے، محدث دہلویؒ نے کیا تحریر کیا ہے سب آدمی جانے کے بعد کرے یا دو چار آدمی کی موجودگی میں کرے۔

الجواب حامداًومصلياً:

یہ مسئلہ فرع ہے مسئلہ سماع موتی کی، جن حضرات کے نزدیک ثابت ہے وہ تلقین بعد دفن کے قائل ہیں، جن کے نزدیک ثابت نہیں وہ قائل نہیں۔ سماع موتی کے متعلق صحابہ میں بھی اختلاف تھا اور بعد میں بھی اختلاف رہا۔ حنفیہ کے دو قسم کے اقوال موجود ہیں: قاضی خان ظہیر الدین صاحب الغیاث، صاحب الحقائق صغاریہ، سب فقہاء حنفی ہیں تلقین بعد دفن کے قائل ہے۔ جو روایت آپ نے لکھی ہے اس سے اور اس قسم کی دوسری روایات سے استدلال کرتے ہیں، کما في الشلبي هامش الزيلعي: ۱/۲۳۴ (۱) اور طریقہ تلقین کا وہی

(۱) "قوله: (يلقن لظاهر ماروينا الخ) ونسب إلى السنة والجماعة وخلافه إلى المعتزلة، كما قال قاضي خان: إن كان التلقين لاينفع لايضر أيضاً، فيجوز. قال في الحقائق: قال صاحب الغياث: سمعت أستاذي قاضي خان يحكي عن ظهير الدين المرغيناني أنه لقن بعض الأئمة بعد دفنه وأوصاني بتلقينه، فلقنته بعد مادفن. ثم نقل صاحب مانقلته أولاً عن قاضي خان وعبارته في المنظومة في باب الشافعي: ويحسن التلقين والتسميع. قال في الحقائق: ذكر الإمام الزاهد الصفار في التلخيص أن تلقين الميت مشروع؛ لأنه تعاد إليه روحه وعقله ويفهم مايلقن. قلت: ولفظ التسميع يخرج على هذا، وصورته أن يقول: يافلان بن فلان .... وعلى قول المعتزلة لايفيد التلقين بعد الموت؛ لأن الإحياء عند هم مستحيل".

(حاشية الإمام الشيخ الشلبي على تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۱/۵۶۱، سعيد)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۱۰۴، ۱۰۵، مصطفى البابي الحلبي، مصر)

ہے جو آپ نے نقل کیا ہے، کما فی مراقی الفلاح، ص:۳۰۷(۱)۔

سنیت سے عام طور پر حنفیہ اور معتزلہ منکر ہیں، مراقی الفلاح (۲) مجمع الأنہر(۳) در منتقیٰ(٤) جوہرۃ نیرۃ (٥) تبیین الحقائق (٦) میں دو قول نقل کئے ہیں۔فتاوی عالمگیری: ۱/۱۵۷) میں عینی اور معراج الدرایہ سے عدم تلقین کو ظاہر الروایہ نقل کیا ہے(۷)۔سب کا ماحصل یہ ہے کہ خود تلقین نہ کرے، اگر کوئی دوسرا کرے تو اس کو منع نہ کرے، دو چار آدمیوں کی موجودگی میں بھی اشکال معلوم نہیں ہوتا۔محدث

---

(۱) "(وتلقينه) بعد ماوضع (في القبر مشروع) لحقيقة قوله صلى الله عليه وسلم:"لقنواموتاكم شهادة أن لا إله إلا الله". أخرجه الجماعة إلا البخارى، ونسب إلى أهل السنة والجماعة. (وقيل: لايلقن) فى القبر ونسب إلى المعتزله. (وقيل: لايؤمر به ولاينهى عنه). وكيفيته أن يقال: يافلان بن فلان! اذكر دينك الذى كنت عليه فى دار الدنيابشهادة أن لا إله إلاالله وأن محمد ارسول الله. ولاشك أن لفظ "لايجوز" إخراجه عن حقيقته إلابدليل، فيجب تعيينه ....اهـ".(حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، كتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز، ص: ٥٦٠، ٥٦١، قديمى)

(۲) (راجع مراقى الفلاح، المصدر السابق)

(۳) "واختلفوافى تلقينه بعد الموت عند الوضع فى القبر فقيل: يلقن؛ لأنه يعاد روحه وعقله ويفهم مايلقن، وبه قال الشافعى رحمه الله تعالىٰ .... وقيل: لايؤمر به ولاينهى. وقال أكثر الأئمة والمشايخ: لايجوز، الخ".(مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز: ۱/۲٦۴، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۴) "ولايلقن بعد الموت، وإن فعل لاينهى عنه". (الدر المنتقى فى شرح الملتقى على هامش مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب الجنائز، ۱/۲٦۴، مكتبه غفاريه)

(۵) "وأماتلقين الميت فى القبر، فمشروع عند أهل السنة؛ لأن الله تعالى يحييه فى القبر وصورته .... وقال بعضهم: لايلقنه، بل: ألهمه الله حتى يجيب كما ألهم عيسى عليه السلام فى المهد". (الجوهرة النيرة على مختصر القدرى، كتاب الصلاة، باب الجنائز، ۱/۱۲۳، مكتبه حقانية ملتان)

(٦) "واختلفوافى تلقينه بعد الموت فقيل: يلقن لظاهر مارويناه، وقيل: لايلقن، وقيل: لايؤمر ولاينهى". (تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۱/۵٦۱، سعيد)

(۷) "وأما التلقين بعد الموت، فلايلقن عندنافى ظاهر الرواية، كذافى العينى شرح الهداية ومعراج الدراية". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادى والعشرون فى الجنائز، الفصل الأول فى المحتضر: ۱/۱۵۷، رشيديه)

دہلوی بھی تلقین کے قائل ہے، کذا فی شرح سفر السعادة، ص: ۲۵۱ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

تلقین بعد الدفن اور کفن پر عہد نامہ لکھنا

سوال [۴۲۰۲]: بہار شریعت میں ہے:۱...... ''شجرہ یا عہد نامہ قبر میں رکھنا جائز ہے اور بہتر یہ ہے کہ میت کے مونہہ کے سامنے قبلہ کی جانب طاق کھود کر اس میں رکھیں، بلکہ درمختار میں کفن پر عہد نامہ کو جائز کہا ہے اور فرمایا ہے کہ اس سے مغفرت کی امید ہے''۔

۲...... ''قبر کا طواف تعظیمی منع ہے، اگر برکت کے لئے گرد پھرے تو حرج نہیں مگر عوام منع کئے جاویں''۔

۳...... ''دفن کے کچھ دیر بعد مردہ کو تلقین کرنا مشروع ہے، اہلسنت کے لئے'' جوہرہ۔ یہ جو اکثر کتابوں میں یہ اضافہ کیا ہے، ردالمختار ۳۔ حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''جب تمہارا کوئی مسلمان بھائی مرے اور اس کو مٹی دے چکو، تو تم میں ایک شخص قبر کے سرہانے کھڑے ہو کر کہے: یا فلاں بن فلانہ وہ سنے گا اور جواب نہ دے گا، پھر کہے: یا فلاں بن فلانہ وہ سیدھا ہو کر بیٹھ جائے گا، پھر کہے: یا فلاں بن فلانۃ۔ مردہ کہے گا: ہمیں ارشاد کر اللہ تجھ پر رحم کرے گا۔ مگر تمہیں اس کے کہنے کی خبر نہ ہوگی، پھر: "أذكر ما خرجت عليه من الدنيا شهادة أن لا إله إلا الله وأن محمداً عبده ورسوله، وأنك رضيت بالله رباً، وبالإسلام ديناً، وبمحمد صلى الله عليه وسلم نبياً، وبالقرآن إماماً".(۲) نکیرین ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑ کر کہیں گے: چلو ہم اس کے پاس کیا بیٹھیں جسے لوگ اس کی حجت سکھا چکے''۔

اس حدیث کو طبرانی کبیر میں اور ضیاء نے احکام میں اور دوسرے محدثین نے روایت کیا۔ بعض اجلۂ تابعین فرماتے ہیں کہ جب قبر پر مٹی برابر کر چکے اور لوگ واپس جاویں تو مستحب سمجھا جاتا ہے میت کے اس کی قبر کے پاس کھڑے ہو کر یہ کہا جاوے: "فلان بن فلان قل: لا إله إلا الله" تین بار، پھر کہا جاوے: "ربي الله وديني الإسلام ونبيي محمد صلى الله عليه وسلم"۔

الجواب حامداً ومصلياً:

۱...... درمختار میں عہد نامہ لکھنے کو جائز کہا ہے، مگر کوئی دلیل شرعی جواب کے لئے پیش نہیں کی، شامی نے

---

(۱) (لم اظفر عليه)

(۲) (ردالمحتار، باب صلاة الجنازة، مطلب في التلقي بعد الموت: ۲/۱۹۱، سعيد)

اس کو رد کیا ہے: "وقدمنا قبيل باب المياه عن الفتح أنه تكره كتابة القرآن وأسماء الله تعالىٰ على الدراهم والمحارب والجدران وما يفرش، وما ذلك إلا لاحترامه وخشية وطئه ونحوه مما فيه إهانة الخ" (۱)۔ اس کے بعد نقل کیا ہے: "إن مما يكتب على جبهة الميت بغير مداد بالأصبع المسبحة: بسم الله الرحمن الرحيم، وعلىٰ الصدر: لا إله إلا الله محمد رسول الله، وذالك بعد الغسل قبل التكفين، اھ"(۲)۔ قبر میں طاق بنا کر اِساءتِ ادب نہیں لہٰذا گنجائش ہے۔

۲.....طواف قبر سے اگر چہ برکت ہی مقصود ہو، عوام وخواص سب کو منع کیا جائے گا، خواص کے لئے استثناء کہاں ہے: "ولا يطوف: أي يدور حوله (بقعة الشريفة)؛ لأن الطواف من مختصات الكعبة المنيفة فيحرم حول قبور الأنبياء والأولياء، ولا عبرة بما يفعله الجهلة ولو كانوا في صورة المشايخ والأولياء والعلماء، وهكذا في البحر والنهر، اھ". شرح مناسك (۳)۔

۳.....دفن کے بعد تلقین فرع ہے مسئلۂ سماعِ موتی کی، اور اس میں ہمارے ائمۂ ثلاثہ سے کوئی صحیح تصریح روایت منقول نہیں، جو حضرات سماعِ موتی کے قائل ہیں وہ تلقین کے بھی قائل ہیں (۴)، چنانچہ تنویر میں ہے: "ولا يلقّن بعد تدفينه، اھ"(۵)۔ درمختار میں ہے: " وإن فعل لا ينهىٰ عنه، اھ"(٦)۔ شیخ ابن ہمام نے فتح القدیر میں فریقین کے دلائل بیان کئے ہیں (۷)۔ شامی کے کلام کا ماحصل بھی یہی کہ کسی جانب تشدد نہیں

(۱) (ردالمحتار، باب صلاة الجنازة، قبيل باب الشهيد: ۲/۲۴٦، ۲۴۷، سعيد)

(۲) (ردالمحتار، راجع المصدر)

(۳) (إرشاد الساري إلى مناسك الملا على القاري، باب زيارة سيد المرسلين، فصل: وليغتنم أيام مقامه بالمدينة المشرفة، ص: ۵۲٦، دارالكتب العلمية، بيروت)

(۴) "وعندي أن مبنى ارتكاب هذا المجازهنا عند أكثر مشايخنا هو أن الميت لايسمع عند هم على ماصرحوا به في كتاب الأيمان .... الخ". (فتح القدير، باب الجنائز: ۲/۱۰۴، مصطفىٰ البابي الحلبي، مصر)

(۵) "(ولا يلقن بعد تلحيده)" (تنوير الأبصار متن الدرالمختار، باب صلاة الجنازة: ۲/۱۹۱، سعيد)

(٦) (الدر المختار شرح تنوير الأبصار، باب صلوٰة الجنازة: ۲/۱۹۱، سعيد)

(۷) (فتح القدير، باب الجنائز: ۲/۱۰۴، مصطفى البابي الحلبي مصر)

9

چاہئے(۱)۔طریقہ تلقین درمختار، شامی، فتح القدیر میں منقول ہے(۲)۔فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، مظاہر علوم سہانپور۔

میّت کے کان میں کچھ کہنا اور بوسہ دینا

سوال[۴۲۰۴]: زید انتقال کر گیا، اس کو قبر میں اتارتے وقت "بسم اللّٰہ وعلی ملة رسول اللّٰہ" نہیں پڑھا گیا اور قبر میں رکھ دینے کے بعد اس کے کان میں کوئی دعاء پڑھا اور اس کو بوسہ دیا۔ تو یہ از روئے شرع کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

لحد میں رکھتے وقت "بسم اللّٰہ وعلی ملة رسول اللّٰہ" اگر نہیں پڑھا تو گناہ نہیں ہوا، ایک مستحب ترک ہوگیا(۳)، اس وقت کان میں کچھ کہنا ثابت نہیں۔ لحد میں رکھ کر بوسہ دینا بھی ثابت نہیں۔ ثابت ومستحب

---

(۱) "وقد أطال في الفتح في تأييد حمل موتاكم في الحديث على حقيقته مع التوفيق بين الأدلة على أن الميت يسمع أولا، ...... قلت: وما في طعن الزيلعي، لم أره فيه وإنما الذى فيه قيل: يلقن لظاهر ما رويناه، وقيل: لا، وقيل: لا يؤمر به ولا ينهى عنه، اهـ. وظاهر استدلاله للأول اختياره، فافهم". (ردالمحتار، باب صلوٰة الجنازة، مطلب في التلقين بعد الموت: ۲/۱۹۱، سعيد)

(۲)"ويكفي قوله: يا فلان، يا فلان بن فلان! أذكر ما كنت عليه، وقل: رضيت بالله رباً وبالإسلام ديناً وبمحمد نبياً". (الدرالمختار، باب صلوة الجنازة: ۲/۱۹۱، سعيد)

(وكذا في رد المحتار تحته)

(وكذا في فتح القدير، باب الجنائز: ۲/۱۰۴، مصطفى البابي الحلبي، مصر)

(۳) "(مستحبه) ويسمى مندوباً وأدباً وفضيلةً، وهو مافعله النبيّ صلى الله تعالىٰ عليه وسلم مرةً وتركه، وما أحبه السلف". (الدرالمختار). "وحكمه الثواب على الفعل و عدم اللوم على الترك". (ردالمحتار، كتاب الطهارة، أركان الوضوء أربعة، مطلب لافرق بين المندوب والمستحب الخ: ۱/۱۲۳، سعيد)

"وفي شرح الهداية: هو(أى المستحب) ما فعله النبيّ صلى الله تعالىٰ عليه وسلم مرةً أو مرتين ولم يواظب عليه، وحكمه الثواب بفعله، وعدم اللوم على تركه". (حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، كتاب الطهارة، فصل من آداب الوضوء الخ، ص:۷۵، قديمى)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الطهارة، مستحبات الوضوء: ۱/۵۵، رشيديه)

کوترک کرنا اور غیر ثابت کو اختیار کرنا نہیں چاہئے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ محمود غفرلہ، دارلعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، ۹۴/۱/۱۴ھ۔

میت کولحد میں رکھ کر بانس وغیرہ رکھ کرمٹی ڈالی جائے

سوال[۴۲۰۵]: قبر میں نعش رکھ کر کبھی پوری مٹی بدن پر ڈال دیتے ہیں، کیا ایسا کرنا جائز ہے؟ بانس وغیرہ دینا یعنی فاصلہ کرنا واجب ہے یا مستحب ہے؟ بچوں میں عموماً ایسا ہی کیا جاتا ہے کہ کچھ فاصلہ دیئے بغیر پوری مٹی انڈیل دی جاتی ہے اور کچھ حرج نہیں سمجھا جاتا ہے، اس کی ابتداء: ﴿ومنها خلقناكم﴾ الخ پڑھ کر لوگ کسی ٹوکری میں رکھ کر سر کی جانب سے رکھتے ہوئے پیر تک ختم کرتے ہیں، پھر تختہ اوپر رکھتے ہیں یا بغیر پاٹے مٹی انڈیل دیتے ہیں۔ کیا شرعی طریقہ ہے؟ آیتِ مذکورہ یاد ہونے پر ضرور کوئی بھی دعاء پڑھ کر مٹی دیتے ہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

بغیر تختہ رکھے میت کے اوپر مٹی ڈالدینے کی اجازت نہیں، بچہ ہو یا بڑا، سب کیلئے یہی حکم ہے، لحد بنائیں پھر اس کو کچی اینٹ وغیرہ سے بند کریں، یا شق بنا کر تختہ یا بانس رکھیں تب مٹی ڈالیں (۲)۔ آیت:

---

(۱) "عن عائشة رضي الله تعالیٰ عنها قالت: قال النبيّ صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "من أحدث في أمرنا هذا مالیس منه فهو ردّ". (صحیح البخاري، کتاب الصلح، باب: إذا اصطلحوا علی صلح جور فهو مردود: ۱/ ۳۷۱، قدیمي)

"بأنها (أي البدعة) ما أحدث علی خلاف الحق المتلقی عن رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم من علم أو عمل أو حال بنوع شبهة و استحسان، وجعل دیناً قویماً وصراطاً مستقیماً". (ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/ ۵۶۰، ۵۶۱، سعید)

(۲) "عن ابن عباس رضي الله تعالیٰ عنهما عن النبي صلی الله علیه وسلم قال "حرّم الله مكة، فلم تحل لأحد قبلي، ولاتحل لأحد بعدي، أحلت لي ساعةً من نهار، لایختلی خلاها، ولایعضد شجرها"........ فقال العباس رضي الله تعالیٰ عنه: إلا الإذخر لصاغتنا وقبورنا، فقال: "إلا الإذخر". الحدیث. (صحیح البخاري، کتاب الجنائز، باب الإذخر والحشیش في القبر: ۱/ ۱۸۰، قدیمي)

"عن ابن عباس رضي الله تعالیٰ عنهما قال: قال النبي صلی الله علیه وسلم:" اللحد لنا، والشق لغیرنا". =

﴿منہا خلقناکم﴾ کا پڑھنا مستحب ہے واجب نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود۔

قبر میں میّت کا منہ دکھلانا

سوال[۴۲۰۲]: قبر کے اندر یا قبر کے باہر قبرستان میں مردہ کا چہرہ دکھلانا کیسا ہے؟ شرع میں اس کی کیا اصلیت ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

شرع میں اس کی کوئی اصل نہیں، یہ اہتمام کہ بعض جگہ قبر میں رکھنے کے بعد کفن کھول کر چہرہ دکھلایا جاتا ہے بے اصل ہے، شریعت میں اس کی کوئی تاکید نہیں (۲)، کفن کا بند لگا دینے کے بعد چہرہ کھولنا مناسب

= (جامع الترمذی، أبواب الجنائز، باب ماجاء فی قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم: اللحد لنا: ۱/۲۰۲، سعید)

"(وحفر قبره) .... (ويلحد ولايشق) إلافي أرض رخوة .... (ويسوى اللبن عليه والقصب لاالآجرّ) المطبوخ". (ردالمحتار، باب الجنائز، مطلب في دفن الميت: ۲/۲۳۴، ۲۳۶، سعيد)

"(ويحفر القبر ويلحد) لحديث السنن مرفوعاً) .... ويسوى اللبن عليه والقصب؛ لأنه جعل على قبره عليه الصلوة والسلام اللبن وطن من قصب الخ". (البحر الرائق، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته، ۲/ ۳۳۸، ۳۳۹، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادى والعشرون في الجنائز، الفصل السادس في الدفن والنقل الخ: ۱/۱۶۵، ۱۶۶، رشيديه)

(۱) "ويقول في الحثية الأولى: ﴿منها خلقناكم﴾ وفي الثانية: ﴿وفيها نعيدكم﴾ وفي الثالثة: ﴿ومنها نخرجكم تارةً أخرى﴾. (ردالمحتار، باب الجنائز، مطلب في دفن الميت، ۲/۲۳۷، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادى والعشرون في الجنائز، الفصل السادس في الدفن الخ: ۱/۱۶۶ رشيديه)

(۲) "عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: قال النبيّ صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من أحدث في أمرنا هذا ماليس منه فهوردّ". (صحيح البخاري، كتاب الصلح، باب إذا صطلحوا على صلح جور فهو مردود: ۱/۳۷۱، قديمي) .... =

نہیں، بسا اوقات آثارِ برزخ شروع ہوجاتے ہیں جن کا اخفاء مقصود ہے(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

بوقتِ دفن غیر مسلموں کو میّت کا چہرہ دکھانا

سوال[۴۲۰۷]: اگر مؤمن بندہ مرجائے اور بوقتِ دفن قبرستان کے روبرو غیر مسلم ہندو، عیسائی وغیرہ آکر تقاضا کرتے ہیں کہ ہم لوگ اس مردہ کے آشنا ہیں اور یہ مردہ ہمارا دوست تھا ہمیں مردہ کا چہرہ دکھایا جائے، نہ دیکھنے کی حالت میں شر اور شور وشغف کا خوف ہے۔تو کیا اس حالت میں قبل از نماز یا بعد از نماز ان غیر مسلموں کو مردہ کا چہرہ دکھانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جائز ہے(۲) لیکن اگر زیادہ شر کا اندیشہ نہ ہو تو انکار کردیا جائے کہ یہی احوط ہے(۳)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین ومفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲/۲۸/ ۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، یکم/ جمادی الاولیٰ/ ۵۷ھ۔

= من أصر علی أمر مندوب، وجعله عزماً، ولم يعمل بالرخصة، فقد أصاب منه الشيطان من الإضلال فكيف من أصر علی بدعة أو منكر". (مرقاة المفاتيح، كتاب الصلوة، باب الدعاء في التشهد، الفصل الأول: ۳/۳۱، رشيديه)

(۱) "وينبغي للغاسل ولمن حضر إذا رأی مايجب الميت ستره أن يستره ولايحدث به؛ لأنه غيبة، وكذا إذاكان عيباً حادثاً بالموت كسواد وجهٍ ونحوه، مالم يكن مشهوراًببدعة، فلابأس بذكره تحذيراًمن بدعته". (ردالمحتار، كتاب الصلوة،باب صلوة الجنازة:۲/۲۰۲، سعيد)

(وكذا في الحلبي الكبير، كتاب الصلوة، فصل في الجنائز، الثاني في الغسل، ص:۵۸۰، سهيل اكيڈمی لاهور)

(وكذا في حاشية الطحطاوي علی مراقي الفلاح، كتاب الصلوٰة، أحكام الجنائز، ص:۵۷۰،قديمي)

(۲) "عن أنس بن مالك رضي الله تعالیٰ عنه قال: قبض إبراهيم بن النبي صلی الله تعالیٰ عليه وسلم، قال لهم النبي صلی الله تعالیٰ عليه وسلم:"لا تدرجوه في أكفانه حتی أنظر إليه، فأتاه فانكب عليه وبكی". (سنن ابن ماجة، أبواب الجنائز،باب ماجاء في النظر إلی الميت الخ، ص:۱۰۶،قديمي)

(۳) چونکہ دفنِ میت مسلم کے وقت رحمت کے فرشتے اترتے ہیں، جبکہ غیر مسلموں پر لعنت برستی ہے اس لئے ان کو میت سے دور=

زچہ اور بچہ دونوں مر گئے تو ساتھ دفن ہوں یا الگ الگ؟

سوال[۴۲۰۸]: ایک عورت کی عندالولادت موت ہوگئی، ساتھ ہی بچہ کا بھی انتقال ہوگیا، اب آیا اس عورت کو اور بچہ کو ایک قبر میں دفن کرسکتے ہیں یا نہیں؟ اگر کرسکتے ہیں تو بچہ خواہ نر ہو یا مادہ ہو، ہر صورت میں یا فرق بھی ہے؟ اور اگر نہیں کرسکتے ہیں تو کیوں؟ نیز اگر بچہ پیدا ہوا ہے تو اس کو ماں کے ساتھ دفن کریں گے یا نہیں؟ نیز مردہ بچہ کو اس کی ماں کے جنازہ کے ساتھ شریک کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو بچہ زندہ پیدا ہوا پھر مرگیا اور اس کی ماں بھی مرگئی تو دونوں کے جنازہ کی نماز ایک ساتھ پڑھنا درست ہے (۱) مگر دونوں کو الگ الگ دفن کرنا چاہئے، بچہ کو ماں کی قبر میں دفن نہ کیا جائے (۲)۔ اگر بچہ مردہ پیدا ہوا تھا تو اس پر نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی (۳)، دفن اس کو بھی الگ کیا جائے ماں کے ساتھ نہیں (۴)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۹/۱۳۹۹ھ۔

= رکھنا زیادہ مناسب اور احوط ہے: "عن نافع قال: بلغني أنه شهد سعد بن معاذ رضي الله تعالیٰ عنه سبعون ألف ملک لم ينزلوا إلى الأرض". الحديث. (الطبقات الكبرى لابن سعد، طبقات البدريين عن الأنصار، مناقبة سعد بن معاذ رضي الله تعالیٰ عنه: ۳/۴۳۰، دار صادر، بيروت)

"عن ثوبان رضي الله تعالیٰ عنه قال: خرجنا مع النبي صلى الله تعالیٰ عليه وسلم في جنازة فرأى ناساً ركباناً فقال: "لاتستحيون أن ملائكة الله على أقدامهم وأنتم على ظهور الدواب". (جامع الترمذي، أبواب الجنائز، باب ماجاء في كراهية الركوب خلف الجنازة: ۱/۱۹۶، سعيد)

قال الملا علي القاري رحمه الله تعالیٰ تحت هذا الحديث: "حديث ثوبان يدل على أن الملائكة تحضر الجنازة، والظاهر أن ذلک عام مع المسلمين بالرحمة ومع الكفار باللعنة الخ". (مرقاة المفاتيح، كتاب الجنائز، باب المشي بالجنازة والصلاة عليها، الفصل الثاني، (رقم الحديث: ۱۶۷۲): ۴/۱۶۰، رشيديه)

(۱) "عن أبي مالک رضي الله تعالیٰ عنه: "أمر رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم يوم أحد بحمزة، فوضع وجيء بتسعة وصلى عليهم رسول الله صلى الله عليه وسلم، فرفعوا وترک حمزة، ثم جيء بتسعة =

....

=فوضعوا وصلى عليهم سبع صلوات حتى صلى على سبعين وفيهم حمزة رضى الله تعالىٰ عنه فى كل صلوة صلاها". (مراسيل أبى داؤد، فى الصلواة على الشهدآء، ص: ١٨، سعيد)

"وإذااجتمعت الجنائز، فإفراد الصلواة أولى". (الدر المختار على تنوير الأبصار، باب الجنائز: ٢/٢١٨، سعيد)

(وكذا فى البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الجنائز: ٢/٣٢٨، رشيديه)

" لواجتمعت الجنائز يخيّر الإمام إن شاء صل على كل واحد على حدة، وإن شاء صلى على الكل دفعةً بالنية على الجميع". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب الحادى والعشرون فى الجنائز، الفصل الخامس: ١/١٦٥ رشيديه)

(٢) "ولايدفن اثنان فى قبر واحد إلالضرورة". (فتح القدير، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، فصل فى الدفن: ٢/ ١٤١، مصطفى البابى الحلبى، بمصر)

"ولايدفن اثنان أو ثلاثة فى قبر واحد الخ". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادى والعشرون فى الجنائز، الفصل السادس فى الدفن: ١/١٦٦، رشيديه)

(وكذا فى رد المحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازه، مطلب فى دفن الميت، ٢/٢٣٣، سعيد)

(٣) "عن جابر رضى الله تعالىٰ عنه: عن النبى صلى الله عليه وسلم قال: " الطفل لايصلى عليه، ولا يرث، ولا يورث حتى يستهل". (جامع الترمذى، أبواب الجنائز، باب ما جاء فى ترك الصلوة على الطفل: ١/٢٠٠، سعيد)

(٤) قال ابن النجيم: "ومن استهل صلّى عليه، وإلالا......... وأفاد بقوله: "إلالا"أنه إذالم يستهل لا يصلى عليه، ويلزم منه أن لايغسل ولاير ث ولايورث ولايسمى، الخ". (البحر الرائق، كتاب الصلوة،باب الجنائز: ٢/٣٣٠، رشيديه)

"ومن ولد فمات، يغسل ويصلى عليه إن استهل، وإلاغسل وسمى وأدرج فى خر قه ودفن ولم يصل عليه". (الدرالمختار، كتاب الصلوة، باب الجنائز، ٢/٢٢٧،٢٢٨، سعيد)

(وكذا فى تبيين الحقائق، كتاب الصلوة، باب الجنائز، ١/٥٨١، دار الكتب العلمية، بيروت)

جڑواں بچوں کو کس طرح دفن کریں؟

سوال[۴۲۰۹]: ایک شخص کے دو جڑواں بچے پیدا ہوئے دونوں کی کمر ملی ہوئی ہے، ایک کا منہ مغرب کی طرف ہے اور دوسرے کا مشرق کی طرف اور دونوں کا انتقال ہوگیا، اب دفن کس طرح کریں؟ اگر ایک کا منہ قبلہ کی طرف کرتے ہیں تو دوسرے کا منہ قبلہ کی طرف نہیں ہوتا، اب کیا کریں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس مجبوری کی حالت میں دونوں کا منہ قبلہ کی طرف کرنا لازم نہیں، بلکہ کیا ہی نہیں جا سکتا، ایک ہی کا منہ رہے گا(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۶/۱۴۰۱ھ۔

بڑوں کی قبریں الگ الگ اور چھوٹوں کی الگ

سوال[۴۲۱۰]: ایک قبرستان ۶۰، ۶۵/ سال سے عمل میں آرہا ہے، عرصہ ۴، ۵/ سال سے ایک کمیٹی بنائی گئی اور سب کے مشورہ سے ایک شخص شمشوں خاں کو اس کا سیکریٹری مقرر کیا گیا۔ کمیٹی اور سیکریٹری صاحب کی رائے سے یہ فیصلہ ہوا کہ سیانی کی قبر ایک لائن میں کھودی جائے اور بچگانی کی قبر ایک لائن میں۔ یہ فیصلہ ٹھیک سے چلتا رہا، ۸/ فروری/ ۷۴ء کو ایک لڑکی جس کی عمر ۷/ سال تھی فوت ہوگئی، قبر کھدوانے کیلئے ناپ

---

(۱) میت کو قبر میں قبلہ رو کرنا ضروری ہے، لیکن صورتِ مسئولہ میں ضرورت کیوجہ سے صرف ایک ہی کا منہ قبلہ کی طرف کرنا ممکن نہیں ہے، چونکہ تکلیفِ انسانی کا مدار وسع اور قدرت ہے، قال اللہ تعالیٰ: ﴿لایکلف اللہ نفساً إلا وسعھا﴾ (سورة البقرة: ۲۸۶)

"لایکلف نفساً من النفوس إلا ماتطیق، وإلا ماھو دون ذلک کمافی سائر ماکلفنابه الخ".

(روح المعاني: ۳/ ۶۹، دارإحياء التراث العربي، بيروت)

"ویوجه إلیھا وجوباً، وینبغي کونه علی شقه الأیمن". (الدرالمختار، باب صلاة الجنائز، مطلب في دفن المیت، ۲/ ۲۳۶، سعید)

"ویوضع في القبر علی جنبه الأیمن مستقبل القبلة". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل السادس في الدفن: ۱/ ۱۶۶، رشیدیه)

(وکذا في البحر الرائق، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۲/ ۳۳۹، رشیدیه)

لیا گیا، اس وقت کمیٹی کے ایک ممبر موجود تھے، انہوں نے فرمایا کہ ناپ سے معلوم ہوتا ہے کہ قد میں بڑی ہے، اس لئے سیانی لائن میں قبر کھودی جائے، چنانچہ قبر کھودی گئی صفائی ہو رہی تھی کہ سیکریٹری صاحب نے پہونچ کر قبر کی صفائی سے روک دیا اور کہا کہ کسی حالت میں اس میں دفن نہیں ہونے دیں گے، بچکانی لائن میں دوسری قبر کھودی جائے۔

اب میرے پاس کوئی چارہ کار نہیں تھا، گھر والوں کو خبر دیا، وہ سیکریٹری صاحب کے پاس گئے اور عاجزی وانکساری سے کہا کہ جمعہ کا وقت ہوگیا غسل کرا کر جنازہ مسجد کو لے جانا ہے جو کچھ ہوا خواہ سہواً ہوا، ہم لوگ بہت پریشان ہیں، اب دفن ہونے دیجئے۔ اس پر سیکریٹری صاحب نے سخت الفاظ میں جواب دیا کہ میرا آرڈر ہے قبر بند ہو کر ہی رہے گی۔ بہر حال بعد نمازِ جمعہ جنازہ کی نماز ہوئی اور اسے قبرستان پہونچایا گیا، تو ایک شخص سیکریٹری صاحب کا حامی قبر میں جا کھڑا ہوا، اور کہا: دفن نہیں ہونے دیں گے۔ تمام عوام اس پر ناراض ہو کر بضد ہوگئی کہ اس قبر میں دفن ہو کر رہے گا اور اس شخص کو بدسلوکی سے قبر سے نکالا۔ اس وقت سیکریٹری صاحب بھی جذبات میں آگئے اور دفن سے روکا تو چند سنجیدہ اشخاص نے سیکریٹری صاحب کو پکڑ کر قبرستان سے باہر کر دیا۔ اب سیکریٹری صاحب سے بہت اندیشہ رہتا ہے کہ کسی وقت کشت وخون نہ ہو۔ ان کا ہر وقت سوال رہتا ہے کہ میرا آڈر رہے گا یا میرا استعفیٰ قبول کیا جائے۔ ایسی صورت میں علمائے دین کیا فتویٰ دیتے ہیں؟ تحریر فرمایا جائے۔

حبیب الرحمٰن شیو چران لال روڈ، ۲۳ آلہ باد۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ پابندی کہ سیانی قبریں الگ لائن میں ہوں اور بچکانی قبریں الگ لائن میں ہوں، کوئی شرعی حکم نہیں، اس پر اتنا زور دینا ہی غلط ہے (۱)، اگر قبروں کی خوشنمائی کیلئے یہ لائن بندی کی تجویز کی گئی ہے تب بھی جس کا قد

(۱) "من أصر على أمر مندوب، وجعله عزماً، ولم يعمل بالرخصة، فقد أصاب منه الشيطان من الإضلال، فكيف من أصر على بدعة أومنكر". (مرقاة المفاتيح، كتاب الصلاة، باب الدعاء في التشهد، الفصل الأول، (رقم الحديث: ۹۴۶): ۳/۳۱، رشيديه)

"الإصرار على المندوب يبلغه إلى حد الكراهة، فكيف إصرار البدعة التي لاأصل لها في الشرع". (السعاية، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، قبيل فصل في القراءة، ۲/ ۲۶۵، سهيل اكيڈمی)

طویل ہو اس کی قبر سیانی قبروں کے مناسب ہے، گو عمر کم ہو(۱)۔ اس سب کے باوجود جبکہ سیکرٹری صاحب سے معذرت کی گئی اور عاجزی کے ساتھ کہا گیا کہ جمعہ کا وقت ہوگیا ہے سہواً کیا ہے، اس وقت سب پریشان ہیں، قبر تیار ہوگئی، دفن ہونے دیجئے، بات کو نہیں بڑھایئے، آئندہ احتیاط کی جائے گی الخ، تو سیکرٹری صاحب کو بھی بلند اخلاق سے پیش آنے اور درگذر کرنے کی ضرورت تھی، موجودہ صورت میں ان کی ضد ہرگز مناسب نہیں، ان کو چاہئے کہ وہ بات ختم کردیں اور استعفیٰ نہ دیں (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۲/۹۴ھ۔

اپنی زندگی میں اپنی قبر کھدوانا، یا پکی بنوانا اور اس میں دفن کرنے کی وصیت کرنا

سوال[۴۲۱۱]: ا......اپنی زندگی میں اپنی قبر کھدوالینا یا پکی بنوالینا کیسا ہے؟

۲......والد صاحب نے اپنی ضد پر پکی قبر بنوالی، بعد وفات ہم لوگ قبرستان میں دفن کریں اور پکی خالی قبر کو مسمار کردیں تو کیا حکم ہے؟

۳......ہماری سوتیلی ماں کو بھی وصیت کردی ہے کہ ہمارے جنازہ کو اس پکی قبر میں دفن کروانا، ورنہ ہم قیامت میں دامن گیر ہوں گے۔

---

(۱) "(وحفر قبره) في غير دار (مقدار نصف قامة) فإن زاد فحسن الخ". (الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، ۲/۲۳۳، ۲۳۴، سعيد)

"وروى الحسن بن زياد عن أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ: طول قبر على الإنسان، وعرضه قدر نصف قامته، كذافي المضمرات". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل السادس في الدفن والنقل الخ، ۱/۱۶۶ رشيديه)

(وكذا في الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل في الجنائز، السادس في الدفن، ص: ۵۹۶، سهيل اكيڈمی، لاهور)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿لقد كان لكم في رسول الله أسوة حسنة﴾ (سورة الأحزاب: ۲۱)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "إنما بُعثتُ لأتمم صالح الأخلاق". (مسند أحمد، مسند أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه، (رقم الحديث: ۸۷۲۹): ۳/۸۰ دارإحياء التراث العربي، بيروت)

۴.....اگر ہم لوگ والد کی میت کو قبرستان لے جائیں اور ہماری سوتیلی والدہ، والد کے حکم کے مطابق ضد کر کے میت کو پکی قبر میں دفن کرائیں تب ہم لوگوں کو کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱.....اپنی زندگی میں قبر کھدوالینا درست ہے (۱) مگر پکی قبر کی اجازت نہیں (۲)، نیز قبرستان میں آبادی سے الگ مردہ کو دفن کرنا نہیں چاہیے (۳)۔

---

(۱) "ومن حفر قبراً لنفسه، فلابأس به، ويؤجر عليه، كذافي التاتارخانية". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل السادس فی الدفن الخ: ۱/۱۶۶، رشيديه)

"ومن حفر قبراً لنفسه قبل موته، فلابأس به، ويؤجر عليه، هكذا عمل عمر بن عبد العزيز والربيع بن خيثم وغيرهم". (التاتار خانية، كتاب الصلاة، الفصل الثانی والثلاثون فی الجنائز، نوع آخر من هذا الفصل فی القبر والدفن: ۲/۱۷۲، إدارة القرآن، كراچی)

(وكذا فی الحلبی الكبير، كتاب الصلاة، فصل: الجنائز، الثامن فی المتفرقات، ص: ۶۱۰، سهيل اكيڈمی، لاهور)

(۲) "عن جابر رضی الله تعالیٰ عنه قال: نهی النبی صلی الله تعالیٰ عليه وسلم أن تجصص القبور، وأن يكتب عليها، وأن يبنیٰ عليها، وأن توطأ". قال أبوعيسی: هذا حديث حسن صحيح". (جامع الترمذی، أبواب الجنائز، باب ماجاء فی كراهية تجصيص القبوروالكتابة عليها: ۱/۲۰۳، سعيد)

"(ولايجصص) للنهی عنه، (ولايطين، ولايرفع عليه بناء) الخ".(الدرالمختار، باب صلاة الجنازة: ۲/۲۳۷، سعيد)

"ويسنّم القبر قدر الشبر، ولايربع ولايجصص الخ".(الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل السادس فی الدفن الخ: ۱/۱۶۶، رشيديه)

(وكذا فی بدائع الصنائع، كتاب الصلاة الجنائز، فصل فی سنة الدفن: ۲/۶۵، رشيديه)

(۳) "(ولاينبغی أن يدفن) الميت (فی الدار ولو) كان (صغيراً) لاختصاص هذه السنة بالأنبياء". (الدرالمختار). "(قوله: فی الدار)..........بل ينقل إلی مقابر المسلمين، ومقتضاه أنه لايدفن فی مدفن خاص كمايفعله من يبنی مدرسة ونحوها، ويبنیٰ له بقربهامدفناً الخ". (ردالمحتار، باب صلاة الجنازة، مطلب فی دفن الميت: ۲/۲۳۵، سعيد) ....=

٢...... پکی قبر میں دفن نہ کریں، اس کو مسمار کردیں اور قبرستان میں کچی قبر میں دفن کریں (١)۔

٣......وہ بھی اس وصیت پر عمل نہ کریں، اس کی وجہ سے قیامت میں ان کا کچھ نہیں بگڑے گا (٢)۔

٤......آپ نمبر: ٢ کے موافق عمل کریں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ١٦/ ٥/ ٨٨ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ١٨/ ٥/ ٨٨ھ۔

اپنے لئے قبر کھود کر اس میں ذکر کرنا

سوال [٤٢١٢]: اپنے لئے قبر کھود کر رکھنا اور صبح وشام قبر کے اندر جا کر ذکر وغیرہ کرنا کیسا ہے؟ اگر جائز ہے تو شرع میں اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اپنی مملوکہ زمین میں اپنے لئے قبر کھودنا بھی درست ہے (٣)۔ اگر موت کی اہمیت اور قبر کے حالات

= "ولایدفن صغیر ولا کبیر فی البیت الذی کان فیه، فإن ذلک خاص بالأنبیاء، بل ینقل إلی مقابر المسلمین". (فتح القدیر، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، فصل فی الدفن: ١٤١/٢، مصطفی البابی الحلبی، مصر)

(وکذا فی الحلبی الکبیر، کتاب الصلاة، فصل فی الجنائز، الثامن فی المتفرقات، ص: ٦٠٧، سهیل اکیڈمی، لاهور)

(١) (راجع، ص: ٨٦، رقم الحاشیة: ٢)

(٢) "وکذا تبطل لو أوصی بأن یکفن فی ثوب کذا، أو یدفن فی موضع کذا، الخ". (ردالمحتار، باب صلاة الجنازة، مطلب: تعظیم أولی الأمر واجب: ٢٢١/٢، سعید)

"ولو أوصی بأن یحمل بعد موته إلی موضع کذا، ویدفن هناک .... ووصیته بالحمل باطلة". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوصایا، الباب الثانی فی بیان الألفاظ التی تکون وصیةً والتی لاتکون الخ: ٩٥/٦، رشیدیه)

(٣) "ومن حفر قبراً لنفسه، فلابأس به، ویؤجر علیه، کذا فی التاتارخانیة". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الصلاة، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل السادس الخ: ١٦٦/١، رشیدیه) .... =

کے استحضار کے لئے وہاں جا کر ذکر وتلاوت بھی کرلیا کرتا ہے کہ وہاں نور قائم ہوجائے تب بھی مضائقہ نہیں (۱) مگر اس کو حکم شرعی تصور کرتے ہوئے لازم سمجھنا غلط ہے (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۱۰/۹۲ھ۔

دور اور نزدیک دفن کرنے میں فرق

سوال [۴۲۱۳]: اپنے رشتہ داروں کی قبروں کے قریب دفن کرنے اور دور سے کسی اجنبی قبرستان میں دفن کرنے میں کوئی کسی قسم کا فرق پڑتا ہے؟

= "ومن حفر قبراً لنفسه قبل موته، فلابأس به، ويؤجر عليه، هكذاعمل عمر بن عبد العزيز والربيع بن خيثم وغيرهم". (التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الثاني والثلاثون الخ: ۲/۱۷۲، ادارة القرآن، كراچی)

(وكذا في الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل في الجنائز، الثامن في المتفرقات، ص: ۶۱۰، سهيل اكيڈمی، لاهور)

(۱) "ويزيارة القبور ولو للنساء لحديث "كنت نهيتكم عن زيارة القبور، ألا فزوروها" .... ويقرأ يٰس، وفي الحديث: "من قرأ الإخلاص أحد عشر مرةً، ثم وهب أجرها للأموات، أعطى من الأجر بعدد الأموات". (الدرالمختار).

"(قوله وبزيارة القبور): أى لابأس بها، بل تندب، كما في البحر عن المجتبى، .... ويقرء من القرآن ماتيسرله من الفاتحة وأول البقرة إلى المفلحون وآية الكرسي -وآمن الرسول- وتبارك الملك وسورة التكاثر والإخلاص اثنى عشر مرةً، الخ". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صلوة الجنازة، مطلب في زيارة القبور: ۲/۲۴۲، ۲۴۳، سعيد)

(۲) "من أصر على أمرمندوب وجعله عزماً ولم يعمل بالرخصة، فقد أصاب منه الشيطان من الإضلال، فكيف من أصر على بدعة أومنكر". (مرقاة المفاتيح، كتاب الصلاة، باب الدعاء في التشهد، (رقم الحديث: ۹۴۶): ۳/۳۱، رشيديه)

"الإصرار على المندوب يبلغه إلى حد الكراهة، فكيف إصرارالبدعة التى لاأصل لهافي الشرع". (السعاية، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۲/۲۶۵، سهيل اكيڈمی، لاهور)

الجواب حامداً ومصلیاً:

فرق تو پڑتا ہے وہ یہ کہ رشتہ داروں سے جوانس ہوتا ہے وہ بلاکسی وجہ کے غیروں سے نہیں ہوتا (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

ایرانی مردہ کو مسلم قبرستان میں دفن کرنا

سوال[۴۲۱۴]: یہاں پر کچھ ایرانی لوگ رہتے ہیں اور وہ ہمارے ساتھ عیدین کی نماز میں شرکت کرتے ہیں اور قربانی وغیرہ بھی کرتے ہیں۔ ایک صاحب ان ایرانی کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ لوگ شیعہ ہیں، شیعہ مسلک سے تعلق رکھتے ہیں، لہٰذا ان کے مُردوں کو اپنے قبرستان میں دفن کرنا جائز نہیں۔ آپ مطلع فرمائیں کہ ان کے مردوں کو ہمارے قبرستان میں دفنانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب کہ وہ ایرانی لوگ آپ کے امام کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں تو ان کے مردوں کو اپنے قبرستان میں دفن کرنے کی اجازت دینا درست ہے (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۸/۱۲/۲۶ھ۔

---

(۱) "حدثنا حصين بن عبد الرحمن عن عمرو بن ميمون الأودي قال: رأيت عمر بن الخطاب فقال: يا عبد الله بن عمر! اذهب إلى أم المومنين عائشة رضي الله تعالىٰ عنها فقل: يقرأ عمر بن الخطاب عليك السلام، ثم سلها أن أُدفَنَ مع صاحبي. قالت: كنت أريده لنفسي فَلأُوْثِرَنّه اليوم على نفسي. فلما أقبل قال له: مالديك؟ قال: أذنتْ لك يا أمير المؤمنين، قال: ماكان شئي أهم إليّ من ذالك المضجع، فإذاقبضتُ فاحملوني، ثم سلموا، ثم قل: يستأذن عمر بن الخطاب، فإن أذنت لي فادفنوني، وإلافردوني إلى مقابر المسلمين". (صحيح البخاري، كتاب الجنائز، باب ماجاء في قبر النبي صلى الله عليه وسلم وأبي بكر وعمر رضي الله تعالىٰ عنهما: ۱/۱۸٦، قديمي)

"وفيه الحرص على مجاورة الصالحين في القبور طمعاً في إصابة الرحمة إذانزلت عليهم، وفي دعاء من يزورهم من أهل الخير". (فتح الباري، كتاب الجنائز، باب ماجاء في قبر النبي صلى الله عليه وسلم وأبي بكر وعمر: ۳/۳۳۰، قديمي)

(۲) اس لئے کہ ان کا باجماعت نماز پڑھنا ان کے مسلمان ہونے کے لئے کافی ہے، لہٰذا ان کے مردوں کو مسلمانوں کے قبرستان =

غیر کی زمین میں میت کو دفن کرنا

سوال[۴۲۱۵]: بلا اجازت زبردستی دوتین میت کو کسی دوسرے کی زمین پر دفن کردیا گیا تو از روئے شریعت مطلع فرمائیں کہ یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بلا اجازتِ مالک اس کی زمین میں میت دفن کرنا جائز نہیں، گناہ ہے، مالک کو حق ہے کہ دفن کرنے والوں سے کہے کہ اپنی میت کو یہاں سے نکال کر دوسری جگہ دفن کردو، ورنہ ہم یہاں ہل چلا کر قبر کو برابر کردیں گے اور زمین میں کھیتی کردیں گے(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۱۲/۱۸ھ۔

کسی کی زمین میں اپنی میّت کو دفن کرنا

سوال[۴۲۱۶]: کریم اللہ خان صاحب کا ایک پرائیوٹ ذاتی خاندانی ملکیت کا قبرستان ہے، اس قبرستان میں صرف ان کے ہی خاندان کے مردے دفن ہوتے رہے ہیں، لیکن کسی ہمدردی سے زید کو اس شرط پر

= میں دفن کرنا درست ہے: "(ويحكم بإسلام فاعلها)بشروط أربعة: أن يصلي في الوقت (مع جماعة) مؤتماً متمماً الخ". (الدرالمختار، كتاب الصلاة: ۱/۳۵۳،سعيد)

"وإن قال: إني مسلم على دين الحق، لم يكن مسلماً، فإن لم يسئل حتى صلى بجماعة كان مسلماً الخ". (الفتاوى البزازية على هامش الفتاوى العالمكيرية ،كتاب السير، الرابع في المرتدومايصير الكافر به مسلماً: ۶/۳۱۴، رشيديه)

(۱) "قال رحمه الله تعالى: (إلا أن تكون الأرض مغصوبةً)فيخرج لحق صاحبها إن شاء، وإن شاء سوّاه مع الأرض وانتفع به زراعةً أو غيرها". (تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۱/۵۸۸، دارالكتب العلميه بيروت)

"(ولايخرج منه)بعد إهالة التراب (إلا) لحق آدمي (كأن تكون الأرض مغصوبةً أو أخذت بشفعة، ويخيّر المالك بين إخراجه ومساواته بالأرض، كماجاز زرعه والبناء عليه إذا بلي وصار تراباً، زيلعي". (الدرالمختار، باب الجنائز: ۲/۲۳۸،سعيد)

(وكذا في البحر الرائق ،كتاب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۲/۳۴۱،رشيديه)

اپنے مردے دفن کرنے کی اجازت دیدی تھی کہ وہ بغیر اجازتِ منتظم ومتولی اپنے مردے دفن نہ کرے۔اب جبکہ جگہ کم ہونے کی وجہ سے موجودہ منتظم ومتولی قبرستان میں دفن کرنے کی اجازت نہیں دیتا ہے، ایسی صورت مین بلا اجازت جبراً غیر ملکیت زید کے ورثاء کو مردے دفن کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور مردے اوران کے ورثاء پر کوئی مواخذہ یا عذاب تو نہیں ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر قبرستان مملوک ہے، وقفِ عام نہیں تو کسی کو اپنا مردہ بغیر اجازتِ مالک وہاں دفن کرنا درست نہیں، اگر زید کے ورثاء بلا اجازتِ مالک وہاں دفن کردیں گے تو ناجائز فعل کے مرتکب ہوں گے، مالک کو اختیار ہوگا کہ اپنی زمین کو خالی کرنے کا مطالبہ کرے(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۱۲/۱۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۱۲/۱۸ھ۔

بلا اجازتِ مالک اس کی زمین میں دفن کرنا

سوال[۴۲۱۷]: زید کے مرجانے کے بعد ورثاء یا مریدین نے بکر(مالک) وسرکاری زمین میں بغیر بکر اور سرکار سے اجازت لئے ہوئے زید کو دفن کردیا، چند ماہ بعد جب بکر مالکِ زمین یا سرکار کو معلوم ہوا کہ بغیر سرکاری اجازت کے زید کی نعش کو دفن کردیا گیا ہے اور پختہ قبر وگنبد بھی زید کا بنادیا گیا ہے تو کیا بکر وسرکار کو قانونی حق حاصل ہے کہ زید کو اپنی زمین میں جہاں دفن ہے قبر کھود کر اس کو نکال دے اور اس پر کوئی گناہ نہ ہوگا اور عام مسلمان اس لاش کو کسی قبرستان میں دفن کردیں، یا بعد دفن کرنے کے چند ماہ بعد بکر وسرکار کو حق حاصل ہے کہ زید کی لاش قبر سے جو اس کی مملوکہ زمین میں ہے نکال دے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسی صورت میں مالک زمین کو اختیار حاصل ہے کہ نعش کو باہر نکال دے، یا قبر کو زمین کے برابر کردے، اگر نعش کو باہر نکال دیا تو عام مسلمانوں کو چاہیئے کہ زید کی مملوکہ زمین یا عام موقوفہ قبرستان میں دفن

---

(۱) (تقدم تخریجہ تحت عنوان: ''غیر کی زمین میں میت کو دفن کرنا''۔)

کردیں، کذافی مجمع الأنہر: ص۱۵، ۱:۱۸۵/۱ (۱)۔ پختہ قبر وگنبد بنوانا گناہ ہے، کذافی شرح الکنز (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

چمار کی زمین جبراً میں میّت دفن کرنا

سوال[۴۲۱۸]: ا...... ہمارے گاؤں والوں نے جبراً چماروں کی زمین میں اپنے مُردے دفن کرنا شروع کردیئے، جب چمار مرگیا تو اس کے لڑکوں کے نام زمین ہوگئی، مال گذاری دیتے رہے اور چک بندی میں چماروں نے یہ کھیت مولیٰ بخش سے بدل لیا۔ دریافت طلب یہ ہے کہ مولیٰ بخش کواس کھیت سے انتفاع جائز ہے یا نہیں؟

---

(۱) "(لایخرج من قبر إلا أن تکون الأرض مغصوبةً) وأراد صاحب الأرض إخراجه کما إذا سقط فیها متاع الغیر، أو کفن بثوب مغصوب، فإنه یجوز نبشه". (مجمع الأنهر، کتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲۷۶/۱، مکتبه غفاریه)

"(ولایخرج منه) بعد إهالة التراب (إلا) لحق آدمي (کأن تکون الأرض مغصوبةً أو أخذت بشفعة، ویخیّر المالک بین إخراجه ومساواته بالأرض، کما جاز زرعه والبناء علیه إذا بلی وصار تراباً، زیلعي". (الدرالمختار، باب الجنائز: ۲۳۸/۲، سعید)

(وکذا في البحر الرائق، کتاب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۳۴۱/۲، رشیدیه)

(۲) "عن جابر رضي الله تعالیٰ عنه قال: نهی رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم أن تجصص القبور وأن یکتب علیها وأن یبنی علیها وأن توطأ". (جامع الترمذی، أبواب الجنائز، باب ماجاء في کراهیة تجصیص القبور والکتابة علیها: ۲۰۳/۱ سعید)

"(ولایجصص): أی لایعمل بالجصّ .... ویکره بناء القبة علی القبر: أی کمایصنع الأن في حق الأولیاء والصلحاء". (شرح الکنز لملامسکین علی هامش فتح المعین، کتاب الصلاة، باب الجنائز: ۳۶۲/۱ سعید)

"وعن أبي حنیفة رحمه الله تعالیٰ: یکره أن یبنی علیه بناء من بیت أوقبة أو نحو ذلک".

(ردالمحتار، باب صلاة الجنازة، مطلب في دفن المیت: ۲۳۷/۲، سعید)

(وکذا في الحلبي الکبیر، کتاب الصلاة، فصل في صلاة الجنائز، السادس في الدفن، ص: ۵۹۹، سهیل اکیڈمي، لاهور)

۲...... چک بندی گاؤں والوں نے قبرستان کے لئے زمین علیحدہ کردی، دو چار میت اس جگہ دفن بھی ہوگئیں، باقی ابھی خالی پڑی ہے۔تو اس کی آمدنی مسجد مدرسہ میں خرچ کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... چمار کی زمین میں بلا اجازت وبلا مرضی میت دفن کرنا ظلم اور غصب ہے، جبکہ وہ زمین مولیٰ بخش کی ملک میں آگئی ہے تو اس کو اختیار ہے کہ جن لوگوں نے اپنی اپنی میت کو دفن کیا ہے وہ ان سے کہہ دے کہ یہاں سے اپنے میت کو نکال کر دوسری جگہ دفن کردو، ورنہ میں یہاں کھیتی کروں گا، پھر اس کو کھیتی کرنا مکان بنانا سب درست ہے:

"ولایخرج منه بعد إهالة التراب إلا لحق ادمی بأن تکون الأرض مغصوبةً أو أخذه بشفعةٍ، ویخیّر المالك بین إخراجه ومساواته بالأرض، کماجاز زرعه. والبناء علیهاإذابلی وصار تراباً". زیلعی(۱) ودرمختار: ۱/۸۳۹(۲)۔

۲...... گاؤں والوں نے جو زمین قبرستان کے لئے وقف کرائی وہ قبرستان کی ہوگئی، اس کی آمدنی کو اسی قبرستان کی حفاظت اور ضروریات وغیرہ میں (مثلاً چہار دیواری کرادیں) صرف کیا جائے اور دیگر مصارف میں صرف نہ کریں:"قولهم: شرط الواقف کنص الشارع المعنی المفهوم والدلالة". کذافی الدر المختار علی هامش ردالمحتار: ۳/۵۷۵"(۳)۔فقط واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۷/۸۸ھ۔

---

(۱)قال رحمه الله تعالیٰ: (إلا أن تکون الأرض مغصوبةً) فیخرج لحق صاحبها إن شاء، وإن شاء سوّاه مع الأرض وانتفع به زرعه أو غیرها". (تبیین الحقائق، کتاب الصلاة، باب الجنائز: ۱/۵۸۸،دارالکتب العلمیه بیروت)

(۲) (الدر المختار، باب الجنائز: ۲/۲۳۸،سعید)

(وکذا فی البحر الرائق ،کتاب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۲/۳۴۱،رشیدیه)

(۳) (ردالمحتار، کتاب الوقف: ۴/۴۳۳، سعید)

"أجمعت الأمة أن من شروط الواقفین ما هو صحیح معتبر یعمل به". (البحر الرائق، کتاب الوقف: ۵/۴۱۱، رشیدیه)

دفنِ میّت سے روکنا

سوال[۴۲۱۹]: ایک شخص جوکہ حاجی بھی ہواوراپنے آپ کو باشرع ہونے کا دعویٰ بھی کرتا ہواور اپنے آپ کوسیّد بھی کہتا ہو، وہ اگر کسی ایک مسلمان کی میت کو دفن ہونے سے عملاً روکنے کی کوشش کرے اور دوسرے مسلمانوں کواس میں شریک ہونے سے روکے اوران کوخدااوررسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اوران کوان کے بچوں کی قسمیں دلاکرمیت میں شریک ہونے سے خوداس نے اوراس کے سب گھر والوں نے روکا، دیگر میت کی قبرکھودنے والوں کوبھی روکااوران کوڈرایادھمکایا، پولیس تھانہ جاکرمیت کے وارثوں پر جھوٹا الزام لگایاکہ اس کو زہردے کر ماراگیاہے۔علمائے دین ایسے شخص (سیدالحاج محمد شفیع) اوران کے گھر والوں پر کیا حکم شرع عائد کرتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ معلوم ہونے کی ضرورت ہے کہ کس وجہ سے حاجی صاحب مذکور نے ایسا کیا، اس خاص میت میں کیا بات تھی، موت تواَورلوگوں کوبھی آتی ہے، کیاوہ کسی بھی میت میں لوگوں کوشریک نہیں ہونے دیتے اوردفن کرنے سے روکتے ہیں؟ اگرایسا ہی ہے توجس جس میت کودفن نہ ہونے دیااورلوگوں کوشرکت سے روکااس وقت ان کے ساتھ کیامعاملہ کیاگیا، غرض جب تک بات صاف نہ ہواس کاحکم کیالکھاجائے (۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمودغفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۸/۱ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۸/۱ھ۔

---

(۱) "كان أبوحنيفة رحمه الله تعالىٰ ربما لايجيب عن مسئلة سنةً، وقال: لأن يخطى الرجل عن فهم خيرٌ من أن يصيب بغير فهم". (تنقيح الفتاوى الحامدية، كان أبو حنيفة رحمه الله تعالىٰ ربمالايجيب الخ: ۲/ ۳۷۰، مكتبه ميمنيه مصر)

"الرابعة: من آداب المفتي: ليتأمل الرقعة تأملاً شافياً وآخر هاآكد ..... وإذا وجد كلمةً مشتبهةً سأل المستفتي عنها ونقطها وشكلها، وكذا إن وجد لحناً فاحشاً أو خطأً يحيل المعنى، أصلحه الخ". (شرح المهذب للنووى الملحق بشرح عقود رسم المفتي، فصل في آداب الفتوى، ص: ۱۲، مير محمد كتب خانه)

لاش دوسال بعد دفن کرنا

سوال[۴۲۲۰] : دوسال بعد لاش کواسلامی طریقہ پر دفن کرسکتے ہیں یانہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اتنی تاخیر کی اجازت نہیں (۱)، اگر غلطی سے اتنی تاخیر کردی گئی تب بھی اسلامی طریقہ پر دفن کریں(۲)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبدمحمودغفرلہ،دارالعلوم دیوبند،۲۳/۲/۹۵ھ۔

پرانی قبر میں سر ملا تو اس کا کیا کیا جائے؟

الاستفتاء [۴۲۲۱]: تالاب کھودتے کھودتے چار ہاتھ کھودنے کے بعد انسان کا سر ملا، معلوم

---

(۱)"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه يبلغ به صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال:"أسرعوا بالجنازة، فإن تك خيراً تقدموها، وإن تك شراً تضعونها عن رقابكم". (جامع الترمذي، أبواب الجنائز، باب ماجاء في الإسراع بالجنازة: ۱/۱۹۶،سعيد)

"يندب دفنه في جهة موته وتعجيله الخ". (الدرالمختار). "(قوله:وتعجيله): أي تعجيل جهازه عقب تحقق موته، ولذا كره تأخير صلاته و دفنه ليصلي عليه جمعٌ عظيمٌ بعد صلاة الجمعة". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب صلاة الجنازة: ۲/۲۳۹،سعيد)

"قال رحمه الله تعالىٰ: (ويعجّل بلا خبب): أي يسرع بالميت وقت المشي بلاخبب، وحدُّه أن يسرع به بحيث لايضطرب الميت على الجنازة الخ". (تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۱/۵۸۸، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۲/۳۴۱،رشيديه)

(۲)مسلمان کا دفن کرنا فرض کفایہ ہے دفن نہ کرنے کی وجہ سے سارے مسلمان گنہگار ہوں گے:

"دفن الميت فرض على الكفاية". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل السادس في الدفن: ۱/۱۶۵،رشيديه)

"(والصلاة عليه) صفتها(فرض كفاية)......... (كدفنه)وغسله وتجهيزه، فإنهافرض كفاية". (الدرالمختار، باب صلاة الجنازة: ۲/۲۰۷،سعيد)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل: والكلام في الدفن الخ".: ۲/۶۰،رشيديه)

ہوا کہ بہت زمانہ پہلے کی قبر ہے تو اب کیا کیا جائے، آیا چھوڑ دیا جائے، یا کوئی صورت ہے؟ اور جان بوجھ کر قبر پر کوئی تالاب کھودنا یا کوئی مکان بنانا یا درخت لگانا جائز ہے یا نہیں؟ صدقہ دینا ہوگا یا اور کچھ کرنا ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر قبرستان بہت پرانا ہو کر وہاں میت موجود نہیں بلکہ مٹی ہو چکی ہو، اس کو کھود کر وہاں دوسری میت کو دفن کرنا درست ہے، اگر پرانی میت کے کچھ ناتمام اجزاء کوئی ہڈی وغیرہ نکلے تو اس کو اسی قبر میں ایک طرف کو دفن کر دیں باہر نکال کر نہ پھینکیں، اگر پرانا قبرستان مملوک ہو تو اس کو دوسرے کام میں لانا مکان بنانا، باغ لگانا بھی درست ہے۔ اگر وقف ہو تو اس کو دوسرے کام میں لانا جائز نہیں، جو سر نکلا ہے اس کو اسی جگہ دفن کر دیں(۱)، اس کا کوئی اور صدقہ وغیرہ لازم نہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۱۰/۸۵ھ۔

پرانی قبر میں نئی میت کو رکھنا

سوال[۴۲۲۲]: شہروں میں بوجہ تنگی گورستان پرانی قبر جس میں نشان وشناخت موجود ہے اس میں پھر دوبارہ قبر بنا کر دفن کرنا جائز ہوگا یا نہیں؟ نیز بر تقدیر عدم عذر ایسا کرنا جائز ہوگا یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو کیا صورت ہوگی؟

---

(۱) "أنه لا يدفن اثنان في قبر إلا لضرورة، وهذا في الإبتداء وكذا بعده. قال في الفتح: ولا يحفر قبر لدفن آخر إلا ان بلى الأول فلم يبق له عظم إلا أن لا يوجد، فتضم عظام الأول، ويجعل حاجز من تراب الخ". (ردالمحتار، باب صلاة الجنازة، مطلب في دفن الميت: ۲/۲۳۳ سعيد)

"عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "كسرُ عظم الميت ككسره حيًا". (سنن أبي داؤد، كتاب الجنائز، باب في الحفار يجد العظم الخ: ۲/۱۰۲، إمداديه)

"ولو بلى الميت وصار ترابًا، جاز دفن غيره في قبره وزرعه والبناء عليه. وفي الواقعات: عظام اليهود لها حرمة إذا وجدت في قبور هم كحرمة عظام المسلمين حتىٰ لا تكسر؛ لأن الذمي لما حرم إيذاءه في حياته لذمّته، فتجب صيانة نفسه عن الكسر بعد موته". (البحر الرائق، كتاب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۲/۳۴۲، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، باب الجنائز: ۱/۵۸۹، دارالكتب العلميه، بيروت)

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر قبراتنی پرانی ہوجائے کہ میت بالکل مٹی بن جائے تو اس قبر میں دوسری میت کو دفن کرنا درست ہے، ورنہ بلاضرورت ایسا کرنا منع ہے اور بوقتِ ضرورت جائز ہے اور ایسی حالت میں جب میت کی ہڈیاں وغیرہ کچھ قبر میں موجود ہوں تو وہ ایک طرف علیحدہ قبر میں رکھ دی جائیں، اگر میت بالکل صحیح سالم قبر میں موجود ہوتب بھی بوقتِ ضرورت اس کے برابر اسی قبر میں دوسری میت کو رکھنا جائز ہے، لیکن میت قدیم اور میت جدید کے درمیان مٹی کی آڑ بنادی جائے۔

اگر ایک وقت میں چند مُردوں کو ایک ہی قبر میں دفن کرنے کی ضرورت پیش آئے، اگر سب مَرد ہوں یا سب عورتیں ہوں تب تو افضل کو اول لحد میں رکھا جائے اس کے بعد غیر افضل کو۔ اگر موتی مخلوط ہوں تو اول مَرد کو رکھا جائے اس کے بعد لڑکے کو اس کے بعد خنثیٰ کو اس کے بعد عورت کو، اور ہردو کے درمیان مٹی کی آڑ بنادی جائے:

" ولايدفن اثنان أوثلثة في قبر واحد إلا عند الحاجة، فيوضع الرجل ممايلي القبلة، ثم خلفه الغلام، ثم خلفه الخنثى، ثم خلفه المرأة، ويجعل بين كل ميتين حاجزمن التراب، كذافي محيط السرخسي. وإن كان رجلين يقدم في اللحد أفضلهما، هكذافي المحيط. وكذا إذا كانتا امرأتين، هكذافي التاتارخانية. ولوبلي الميت وصارتراباً، جاز دفن غيره في قبره وزرعه والبناء عليه، كذافي التبيين، اهـ". هندية: ۱/ ۱۶۷ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل السادس في الدفن والنقل الخ: ۱/ ۱۶۶، ۱۶۷، رشيديه)

"لايدفن اثنان في قبر إلا لضرورة، وهذافي الابتداء، وكذابعده. قال في الفتح: ولايحفر قبر لدفن آخر إلا أن بلى الأول، فلم يبق له عظم، إلا أن لايوجد، فتضم عظام الأول ويجعل بينهماحاجز من التراب .... ولوبلي الميت وصار تراباً، جاز دفن غيره في قبره وزرعه والبناء عليه". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب في دفن الميت: ۲/ ۲۳۳، سعيد)

"ولايدفن اثنان أوثلثة في قبر واحد إلاعند الحاجة، فيوضع الرجل ممايلي القبلة ثم خلفه الغلام ثم خلفه الخنثى ثم خلفه المرأة، ويجعل بين كل ميتين حاجزمن التراب ليصير في حكم قبرين .... ولوبلي الميت وصار تراباً جاز دفن غيره في قبره وزرعه والبناء عليه. وفي الواقعات: عظام لها=

میت کے ساتھ قرآن پاک دفن کرنا

سوال[۴۲۲۳]: خورجہ میں ایک عورت کا انتقال ہوگیا تو اس کی قبر میں قرآن پاک دفن کیا ہے جبکہ مولانا صاحب بھی موجود تھے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

کسی عورت کے انتقال پر قرآن پاک اس کے ساتھ دفن کرنا شرعی حکم نہیں، غلط طریقہ ہے، اگر اس کے اوپر رکھدیا ہے تو جسم کے پھٹنے سے بے ادبی بھی ہوگی جس کی ہرگز اجازت نہیں (۱)۔ اگر کوئی عالم ایسے وقت میں موجود ہو تو اس کو نکیر کرنا چاہئے، کسی مصلحت سے وہ نکیر نہ کرے تو یہ جواز کا فتویٰ نہیں ہے (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۲۲/۱۰/۹۲ھ۔

= حرمة إذا وجدت فی قبور هم كحرمة عظام المسلمين حتى لاتكسر الخ". (البحر الرائق، كتاب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۲/ ۳۴۱، ۳۴۲، رشيديه)

"عن عبد الرحمٰن بن كعب أن جابربن عبدالله رضی الله تعالیٰ عنهم أخبره أن النبی صلى الله تعالیٰ عليه وسلم كان يجمع بين الرجلين من قتلى أحد". (صحيح البخاری، كتاب الجنائز، باب دفن الرجلين أوالثلثة فی قبر واحد: ۱/ ۱۷۹، قديمی)

(۱) "وقد أفتى ابن الصلاح بأنه لايجوز أن يكتب على الكفن يٰسين والكهف ونحوهماخوفاً من صديد الميت .... عن الفتح: أنه تكره كتابة القرآن وأسماء الله على الدراهم والمحاريب والجدران ومايفرش، وماذاك إلالاحترامه وخشية وطئه ونحوه ممافيه إهانة، فالمنع هنابالأولى مالم يثبت عن المجتهد أوينقل فيه حديث ثابت". (ردالمحتار، باب الجنائز، مطلب فيما يكتب على كفن الخ: ۲/ ۲۴۶، سعيد)

"الاستفسار: "قد تعارف فی بلادنا أنهم يلقون على قبر الصلحاء ثوباً مكتوباً فيه سورة الإخلاص هل فيه بأس؟ الاستبشار: هو استهانة بالقرآن؛ لأن هذاالثوب إنمايلقى تعظيماً للميت، ويصير هذاالثوب مستعملاً مبتذلاً، وابتذال كتاب الله من أسباب عذاب الله". (فتاویٰ اللكنوی المسماة نفع المفتی والسائل بجميع متفرقات المسائل، مايتعلق بتعظيم اسم الله واسم حبيب الله الخ، ص: ۴۰۳، دارابن حزم، بيروت)

(۲) "ولايظن فی المشايخ أنهم فعلوامثل مايفعل أهل زماننامن أهل الفسق والذين لاعلم لهم بأحكام =

قرآن کریم کے اوراق کو قبر میں رکھنا

سوال[۴۲۲۴]: ایک شخص نے قرآن کے بوسیدہ اوراق مختلف جگہوں سے گرے پڑے اٹھائے اور انہیں پاک وصاف کر کے رکھ دیا۔ اب وہ وصیت کرنا چاہتے ہیں کہ میرے پاس میری قبر میں کسی جگہ رکھ دئے جائیں، یہ وصیت اس کی پوری کرنا درست ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

قبر میں طاق بنا کر پاک وصاف کپڑے میں رکھ دئے جائیں کہ اس پر مٹی نہ گرے، نہ میت کے بدن کے ساتھ متصل ہوں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۳/۲۶ھ۔

الجواب صحیح: العبد نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۳/۲۶ھ۔

مسجد کی بوسیدہ چٹائی قبر میں رکھنا

سوال[۴۲۲۵]: یہاں پر عام دستور ہے کہ مسجد کی بوسیدہ چٹائی قبر میں ڈالدیتے ہیں اور پھر اس کے عوض میں نئی چٹائی خرید کر رکھ جاتے ہیں۔ کیا یہ دستور جائز ہے یا نہیں؟

= الشرع، وإنما يتمسك بأفعال أهل الدين". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب السابع عشر في الغناء واللهو الخ: ۵ /۳۵۲، رشيديه)

(۱) قبر میں سے الگ جگہ پر طاق بنا کر دفن کرنے میں میت کے بدن سے متصل نہیں ہوتے، اسی وجہ سے حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے قبر میں الگ جگہ پر قرآن کریم کے مقدس اوراق کو دفنانے کی اجازت دیدی ہے: "المصحف إذا صار بحال لا يقرأ فيه، يدفن كالمسلم". (الدر المختار). "(قوله: كالمسلم) فإنه مكرّم، وإذا مات عدم نفعه، وكذلك المصحف، فليس في دفنه إهانة له بل ذلك إكرام خوفاً من الامتهان". (ردالمحتار، كتاب الطهارة، مطلب، يطلق الدعاء على مايشمل الثناء: ۱/۱۷۷، سعيد)

"المصحف إذا صار خلقاً لا يقرأ منه، ويخاف أن يضيع، يجعل في خرقة طاهرة ويدفن، ودفنه أولى من وضعه موضعاً يخاف أن يقع عليه النجاسة أو نحو ذلك، ويلحد له؛ لأنه لو شق ودفن يحتاج إلى إهالة التراب عليه، وفي ذلك نوع تحقير، إلا إذا جعل فوقه سقف بحيث لا يصل التراب إليه، فهو حسن". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد والقبلة والمصحف الخ: ۵/۳۱۹، رشيديه)

الجواب حامداًومصلیاً:

قبر میں میت کے نیچے چٹائی بچھانا مکروہ ہے، کذافی الطحطاوی(۱)، مسجد میں اگر کسی نے چٹائی لاکر بچھادی اوراب وہ بوسیدہ ہوگئی اور مسجد میں استعمال کے قابل نہ رہی تو بچھانے والے اصل مالک کواختیار ہے کہ جو چاہے کرے، کذافی الفتاوی الهندیه(۲) اگر مسجد کے پیسہ سے خریدی گئی تواس کومسجد کے کسی کام میں لائیں یافروخت کرکے پیسہ مسجد میں خرچ کردیں (۳)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبدمحمودغفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۵/۸۹ھ۔

میّت کے دفن کے بعد قبر پر پانی چھڑکنا

سوال[۴۲۲۶]: یہاں رواج ہے کہ مردے کودفن کرنے کے بعد مٹی ڈالنے کے بعد اس کے اوپر لوٹے سے تین مرتبہ پانی ڈالتے ہیں مثل تین لکیر کے، سر سے پاؤں تک ڈالتے ہیں اور کچھ آیات پڑھتے ہیں۔ اس کی اصل کہاں تک ہے؟ اس کوضروری سمجھنا کیسا ہے؟

---

(۱)"ويكره إلقاء الحصير في القبر". (حاشية الطحطاوي على مراقي، أحكام الجنائز، فصل في دفنهاالخ، ص: ۶۱۰، قديمى)

"وأماالحصير المتخذ من البردى، فإلقاؤه في القبر مكروه". (التاتارخانية ،كتاب الصلاة، الفصل الثاني والثلاثون في الجنائز، نوع آخر من هذاالفصل في القبر والدفن: ۲/ ۱۶۸، إدارة القرآن، كراچی)

(وكذا في البحر الرائق، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۲/ ۳۳۹، رشيديه)

(۲)"وذكر أبوالليث في نوازله: حصير المسجد إذاصار خلقاً واستغنى أهل المسجد عنه، وقد طرحه إنسان إن كان الطارح حياً فهوله، وإن كان ميتاً ولم يدع له وارثاً، أرجوا أن لاباس بأن يد فع أهل المسجد إلى فقير أو ينتفعو به في شراء حصير آخر للمسجد، والمختار أنه لايجوز لهم أن يفعلواذلك بغير أمر القاضي". (الفتاوى العالمكيرية ،كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد، الفصل الأول فيما يصير به مسجداوفي أحكامه الخ: ۲/۴۵۸، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل من بنى مسجداً الخ: ۵/ ۴۲۳، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الر جل يجعل داره مسجداً الخ: ۳/ ۲۹۳، رشيديه)

(۳) (راجع الحاشية المتقدمة)

الجواب حامداً ومصلیاً:

دفن کرنے کے بعد قبر پر کچھ پانی ڈال دینا تاکہ مٹی منتشر نہ ہوجائے مستحب ہے: "لابأس برش الماء عليه حفظاً لترابه عن الاندراس، بل ينبغي أن يندب؛ لأنه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فعله بقبر سعد رضي الله تعالىٰ عنه، كمارواه ابن ماجة، وبقبر ولده إبراهيم، كما رواه أبوداؤد في مراسيله، وأمربه في قبر عثمان بن مظعون رضي الله تعالىٰ عنه، كما رواه البزار، الخ".

شامی: ۱/ ۶۵۱، ۶۰۱، نعمانیہ(۱)۔

دفن کے بعد سر کی جانب سورۂ بقرہ کا اول اور پیر کی جانب اس کا آخر پڑھنا بھی حدیث شریف سے ثابت ہے، جیسا کہ مشکوٰۃ شریف میں ہے(۲)، مگر یہ بھی مستحب ہے، فرض سمجھنا غلط ہے بے اصل ہے(۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/ ۲/ ۸۹ھ۔

---

(۱) (الدرالمختار مع ردالمحتار، باب صلاة الجنازة: ۲/ ۲۳۷، سعيد)

"وعن عبدالله بن محمد يعني ابن عمر عن أبيه رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم رشّ على قبر ابنه إبراهيم رضي الله تعالىٰ عنه". (مراسيل أبي داؤد، ماجاء في الجنائز، في الدفن، ص: ۱۸، سعيد)

"ولابأس برش الماء عليه: أي القبر". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل السادس في الدفن الخ: ۱/ ۱۶۶، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، الجنائز، فصل في سنة الدفن: ۲/ ۲۵، رشيديه)

(۲) "عن عبدالله بن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما قال: "سمعت النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول: "إذامات أحدكم، فلاتحبسوه، وأسرعوا به إلىٰ قبره، وليقرأ عند رأسه فاتحة البقرة وعند رجليه بخاتمة البقرة، الخ". (مشكوٰة المصابيح، كتاب الجنائز، باب دفن الميت: ۱/ ۱۴۹، قديمي)

"وكان ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما يستحب أن يقرأعلى القبر بعد الدفن أول سورة البقرة وخاتمتها .... فقد ثبت أنه عليه الصلوٰة والسلام قرأ أول سورة البقرة عند رأس الميت وأخرها عندرجليه". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة: ۲/ ۲۳۷، ۲۴۲، سعيد)

(۳) "من أصر على أمرمندوب وجعله عزماًولم يعمل بالرخصة، فقد أصاب منه الشيطان من الإضلال، فكيف من أصر على بدعة أومنكر". (مرقاة المفاتيح، كتاب الصلاة، باب الدعاء في التشهد، (رقم الحديث: ۹۴۶): ۳/ ۳۱، رشيديه)

"الإصرار على المندوب يبلغه إلى حد الكراهة، فكيف إصرارالبدعة التي لاأصل لهافي الشرع". (السعاية، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، قبيل فصل في القراءة: ۲/ ۲۶۵، سهيل اكيڈمی، لاهور)

دفن کے بعد قبر پر پانی چھڑکنا، پھول پتی ڈالنا

سوال[۴۲۲۷]: میت کی قبر کو ہموار کر کے قبر پر پانی چھڑکنا اور پھول پتی ڈالنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

پانی چھڑکنا مستحب ہے تاکہ قبر کی مٹی جم جائے منتشر نہ ہو(۱)، پھول ڈالنا ثابت نہیں (۲)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/۶/۹۳ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/۶/۹۳ھ۔

قبر میں خوشبو چھڑکنا

سوال[۴۲۲۸]: قبر کے اندر کیوڑہ، گلاب وغیرہ خوشبو کا وقتِ دفن چھڑکنا کیسا ہے، شرع میں اس کی کیا اصلیت ہے؟

---

(۱)"عن عبدالله بن محمد يعني ابن عمر عن أبيه رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم رش على قبر ابنه إبراهيم رضي الله تعالىٰ عنه "(مراسيل أبي داؤد،ماجاء في الجنائز،في الدفن، ص:۱۸،سعيد)

"(ولابأس برش الماء عليه)حفظاً لترابه عن الاندراس". (الدرالمختار). "(قوله :ولابأس برش الماء عليه)بل ينبغي أن يندب؛ لأنه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فعله بقبر سعد، كمارواه ابن ماجة. وبقبر ولده إبراهيم كما رواه أبوداؤد في مراسيله. وأمربه في قبر عثمان بن مظعون رضي الله تعالىٰ عنه، كما رواه البزار، الخ". (ردالمحتار، باب صلاة الجنازة : ۲/۲۳۷،سعيد)

"ولابأس برش الماء عليه: أى القبر". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادى والعشرون في الجنائز، الفصل السادس في الدفن الخ: ۱/۱۶۶،رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، الجنائز،فصل في سنة الدفن: ۲/۶۵،رشيديه)

(۲) "وقال العيني رحمه الله تعالىٰ: إن إلقاء الرياحين ليس بشيئ، الخ".(فيض الباری، كتاب الجنائز، فصل الجريدعلى القبر: ۲/۴۸۹،خضر راه بک ڈپو دیوبند)

"وكذلک مايفعله أكثر الناس من وضع مافيه رطوبة من الرياحين والبقول ونحوهماعلى القبورليس بشيئ، الخ". (عمدة القاری، كتاب الوضوء، بابٌ: من الكبائر أن لايستترمن بوله،بيان استنباط الأحكام: ۳/۱۲۱،مطبعه منيريه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

"ویوضع الحنوط فی القبر؛ لأنه علیه الصلوٰۃ والسلام فعل ذلك بابنه إبراهیم، حموی عن الروضة". فتح المعین: ۳٤٦/۱(۱) ۔ خوشبو قبر میں ڈالنا ثابت ہے، البتہ قبر میں میت کو رکھ کر میت پر عرق گلاب چھڑکنا بدعت ہے، طحطاوی شرح مراقی الفلاح، ص: ۳۳۳(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند۔

حفاظت کے لئے قبر پر کانٹے رکھنا

سوال[۴۲۲۹]: قبر کو جانوروں کے کھودنے اور کھا جانے کے ڈر سے قبر پر کانٹے رکھ کر مٹی ڈالنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

کانٹے حفاظت کے لئے اوپر رکھ دیئے جائیں تو مضائقہ نہیں (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۳/۶/۶ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۹۳/۶/۶ھ۔

---

(۱)(فتح المعین علی شرح الکنز لملامسکین للعلامة محمد أبی السعود المصری، کتاب الصلاة، باب الجنائز: ۳٤٦/۱، سعید)

(۲)"وذکر ابن الحاج فی المدخل: أنه ینبغی أن یجتنب ما أحدثه بعضهم من أنهم یأتون بماء الورد، فیجعلونه علی المیت فی قبره، فإن ذلک لم یُروَ عن السلف رضی الله تعالیٰ عنهم، فهو بدعة، قال: یکفیه من الطیب ماعمل له، وهو فی البیت، فنحن متبعون لامبتدعون، فحیث وقف سلفنا وقفنا". (حاشیة الطحطاوی علی المراقی الفلاح، أحکام الجنائز، فصل فی حملها ودفنها، ص: ۶۰۸، قدیمی)

(۳)"وقد اعتاد أهل مصر وضع الأحجار حفظاً للقبور عن الاندارس والنبش، ولابأس به". (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، أحکام الجنائز، فصل فی حملها ودفنها الخ، ص: ۶۱۱، قدیمی)

(وکذا فی حاشیة الطحطاوی علی الدرالمختار، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة: ۳۸۲/۱، دارالفکر، بیروت)

قبر میں بیری کی ٹہنی ڈالنا

سوال[۴۲۳۰]: تختہ لگانے کے بعد قبر میں بیری کی ٹہنی ڈالنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

فقہ کی کتاب میں اس کو نہیں دیکھا، اگر یہ چیز ثابت ہوتی تو فقہاء ضرور لکھتے، فتاوی رشیدیہ میں اس کو روافض کا شعار لکھا ہے(۱) لہٰذا اس سے بچنا چاہئے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

قبر میں بیری کی شاخ

سوال[۴۲۳۱]: مُردے کے دفن کے وقت بیری کی لکڑی رکھ دیتے ہیں، کیا یہ درست ہے؟ مشہور ہے کہ فرشتے اس لکڑی کو لے کر سوال کرتے ہیں۔

---

(۱) ''الجواب: اس کا ضروری سمجھنا بدعت ہے، اور بیری کی خصوصیت میں مشابہت روافض کی ہے، لہٰذا اس کو ترک کرنا چاہئے اور اس کی کچھ اصل نہیں۔ فقط رشید احمد''۔ (تالیفات رشیدیہ مع فتاوی رشیدیہ، کتاب الأخلاق والتصوف: جنازے اور میت اور قبروں کے مسائل کا بیان، ص ۲۴۰، ادارہ اسلامیات لاھور)

"عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم :"من تشبه بقوم فهو منهم". (سنن أبی داؤد، کتاب اللباس، باب ماجاء فی الأقبیة: ۲/۲۰۳، إمدادیه)

"قال الطیبی: هذا عام فی الخلق والخلق والشعار، ولما کان الشعار اظهر فی الشبه ذکر فی هذا الباب، قلت: بل الشعار هو المراد ابالتشبه لاغیر". (مرقاة المفاتیح، کتاب اللباس، الفصل الثانی، (رقم الحدیث: ۴۳۴): ۸/۱۵۵، رشیدیه)

"من أصر علی أمر مندوب وجعله عزماً ولم یعمل بالرخصة، فقد أصاب منه الشیطان من الإضلال، فکیف من أصر علی بدعة أو منکر". (مرقاة المفاتیح، کتاب الصلاة، باب الدعاء فی التشهد، تحت حدیث عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنه رقم الحدیث: ۹۴۶، ۳/۳۱، رشیدیه)

"ویکره عند القبر مالم یعهد من السنة الخ". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الصلاة، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل السادس فی الدفن الخ: ۱/۱۶۶، رشیدیه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

میت کے دفن کے وقت بیری کی لکڑی کا رکھنا شرع شریف سے ثابت نہیں، یہ عقیدہ کہ فرشتے بیری کی لکڑی کو لے کر سوال کرتے ہیں غلط ہے، اس سے اجتناب لازم ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/۱/۸۸ھ۔

قبر میں بیری کے پتے ڈالنا

سوال[۴۲۳۲]: میت کے دفن کرنے کے بعد بیری کے پتے تختے کے اوپر عام طور سے ڈالتے ہیں اس کے بعد مٹی ڈالتے ہیں، کیا بوجہ بیری کے ٹہنی کے کچھ عذاب میں تخفیف ہوتی ہے یا بدعت ہے؟ کہتے ہیں کہ بیری کا درخت سدرۃ المنتہیٰ یعنی ساتویں آسمان پر ہے اس کی فضیلت سے گناہ میں کمی ہوتی ہے۔ مذہب میں اس کی اصلیت کیا ہے؟ بیری کی شاخ قبر میں تختے کے اوپر ڈالنی چاہیئے یا اس کو خود ترک کر دینا چاہیئے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ترک کر دیا جائے اس کی شرعاً کوئی اصل نہیں ہے، بدعت اور شعائرِ روافض ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین ومفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۵/۶/۶۱ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، الجواب صحیح: عبداللطیف، ۲۵/۶/۶۱ھ۔

---

(۱) "من أصر على أمر مندوب وجعله عزماً ولم يعمل بالرخصة، فقد أصاب منه الشيطان من الإضلال، فكيف من أصر على بدعة أومنكر". (مرقاة المفاتيح، كتاب الصلاة، باب الدعاء في التشهد، (رقم الحديث: ۹۴۶): ۳/۳۱، رشيديه)

"الإصرار على المندوب يبلغه إلى حد الكراهة، فكيف إصرار البدعة التي لا أصل لها في الشرع". (السعاية، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، قبيل فصل في القرأة: ۲/۲۶۵، سهيل اكيڈمی، لاهور)

(۲) راجع: (تاليفات رشيديه مع فتاوی رشيديه، كتاب الاخلاق والتصوف: جنازے اور میت اور قبروں کے مسائل کا بیان، ص: ۲۴۰، إداره اسلاميات لاهور)

"عن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من تشبه بقوم فهو منهم". (أبو داؤد، كتاب اللباس، باب ماجاء في الأقبية: ۲/۲۰۳، إمداديه) .... =

دفن کے وقت جھاڑ کی لکڑی قبر میں رکھنا

سوال[۴۲۳۳]: بعض جگہ دیہات میں قبر کے اندر تقریباً ایک بالشت لمبی جھاڑ کی لکڑی رکھتے ہیں جس کی وجہ بعض تو یہ کہتے ہیں کہ میت مسواک کرے گی، اور بعض کہتے ہیں کہ اس کی وجہ سے مردے پر عذاب کم ہوگا۔ یہ لکڑی رکھنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بے اصل ہے، غلط ہے، نہیں رکھنا چاہیے (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ، دارالعلوم دیو بند، ۱۵/۱۰/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیو بند۔

جذامی کی قبر میں چونا، پانی ڈالنا

سوال[۴۲۳۴]: ۱...... جذام کی بیماری میں جب کسی آدمی کا انتقال ہوتا ہے تو اس کی قبر میں پچاس کلوگرام چونا اور چالیس گھڑے پانی ڈالا جاتا ہے۔ شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟

۲...... اسی طرح سفیدی کی بیماری اور جلد کی بیماری میں کسی آدمی کا انتقال ہوتا ہے تو اس کی بھی قبر میں

= "من اصر على أمر مندوب وجعله عزماً ولم يعمل بالرخصة، فقد أصاب منه الشيطان من الإضلال، فكيف من أصر على بدعة أو منكر". (مرقاة المفاتيح، كتاب الصلاة، باب الدعاء في التشهد، (رقم الحديث: ۹۴۶): ۳/۳۱، رشيديه)

"ويكره عند القبر ما لم يعهد من السنة، الخ". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل السادس في الدفن الخ: ۱/۱۶۶، رشيديه)

(۱) "عن عائشة رضي الله عنها: قالت: قال النبي صلى الله عليه وسلم: "من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه فهو رد". (صحيح البخاري، كتاب الصلح، بابٌ: إذا اصطلحوا على صلح جور فهو مردود: ۱/۳۷۱، قديمي)

"بأنها (أي البدعة) ما أحدث على خلاف الحق المتلقى عن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم من علم أو عمل أو حال بنوع شبهة واستحسان، وجعل ديناً قويماً وصراطاً مستقيماً". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مطلب: البدعة خمسة أقسام: ۱/۵۶۰، سعيد)

پچاس کلو چونا اور چالیس گھڑا پانی ڈالنا لازم قرار دے رکھا ہے۔ جب قبر میں چونا اور پانی ڈالا جاتا ہے تو چونا اور پانی دونوں مل کر اُبلتا اور کھولتا ہے تو میت کا کیا حال ہوگا، گویا کہ ایک قسم کے جلانے کی مثال ہے۔ اس بارے میں شرعی حکم سے مطلع فرمائیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... یہ طریقہ شریعت نے تجویز نہیں کیا، کسی نے خود ہی گھڑ لیا ہے، یہ طریقہ غلط ہے، خلافِ سنت ہے، اس کو ترک کرنا لازم ہے(۱)۔

۲......اس کا حکم بھی نمبر:۱ کی طرح ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۱/۱۴۰۱ھ۔

میت کے پیر اور سر کی طرف سورۂ بقرہ کا اول وآخر سراً پڑھا جائے یا جہراً؟

سوال[۴۲۳۵]: دفن کرنے کے بعد مردہ کے سرہانے: "الٓمٓ" تا "مفلحون"، اور پاؤں کی طرف ﴿آمن الرسول﴾ جہراً آواز سے پڑھی جائے یا خفیہ آواز سے؟ فقط۔

احقر غوث محمد از کالکا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

خفیہ آواز سے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

---

(۱) (راجع للتخریج العنوان السابق: "دفن کے وقت جھاڑ کی لکڑی قبر میں رکھنا"۔)

(۲) قال اللہ تعالیٰ: ﴿واذکر ربک فی نفسک تضرعاً وخیفةً ودون الجھر﴾ الآیة (سورة الأنفال، پارہ: ۹، آیة: ۲۰۵)

"وھو عام لکل ذکر فإن الإخفاء أدخل فی الإخلاص وأقرب من القبول". (روح المعانی: ۹/۱۵۴، دار إحیاء التراث، بیروت)

(وکذا فی فتاوی دار العلوم دیوبند، کتاب الجنائز، فصل سادس: (قبر، دفن اور ان کے متعلقات، سوال نمبر: ۳۰۶۷): ۵/۲۷۵، دار الإشاعت)

بعد دفن سورۂ بقرہ کا اول وآخر پڑھنا

سوال [۴۲۳۶]: جب لوگ کسی مردے کو قبر میں دفن کر کے سورۂ بقرہ کی آیات پڑھتے ہیں تو کیا اس وقت مٹی میں سرہانے اور پائنتی کے پڑھنے والوں کو انگشتِ شہادت قبر کے اندر دیکر پڑھنا چاہیے؟ اور کیا اس کے پڑھنے کے بعد لوگوں کو فوراً ہی قبرستان سے چلے جانا چاہئے یا کہ ٹھہرنا چاہئے، یا کم از کم رشتہ داروں کو ٹھہرنا چاہیے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

سورۂ بقرہ کا اول وآخر پڑھنا حدیث سے ثابت ہے، انگشتِ شہادت کا مٹی میں رکھنا ثابت نہیں، بلکہ معمولِ مشائخ ہے، لہٰذا دونوں صورتوں میں مضائقہ نہیں (۱)۔ میت کو دفن کرنے کے بعد کچھ دیر تک ٹھہرنا اور ذکر وتسبیح میں مشغول رہنا اور دعاء کرنے میں مضائقہ نہیں، بلکہ بہتر ہے کہ اس سے سوال وجواب میں آسانی ہوتی ہے، بعض صحابہ نے اس کی وصیت بھی فرمائی ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) "عن عبد الله بن عمر رضی الله تعالیٰ عنهما قال: سمعت النبی صلی الله علیه وسلم یقول: "إذامات أحد کم، فلاتحبسوه، وأسرعوا به إلی قبره، ولیقرأ عند رأسه فاتحة البقرة، وعند رجلیه بخاتمة البقرة". (مشکوة المصابیح، کتاب الجنائز، باب فی دفن المیت، الفصل الثالث، (رقم الحدیث: ۱۷۱۷): ۱/۱۴۹، قدیمی)

"وکان ابن عمر رضی الله تعالیٰ عنهما یستحب أن یقرأعلی القبر بعد الدفن أول سورة البقرة وخاتمتها" ....: فقد ثبت أنه علیه السلام قرأ أول سورة البقرة عند رأس المیت وآخرها عند رجلیه". (ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، ۲/۲۳۷، ۲۴۲، سعید)

(۲) "عن عثمان بن عفان رضی الله تعالیٰ عنه قال: کان النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم إذا فرغ من دفن المیت وقف علیه فقال: "استغفروا لأخیکم، واسألوا له بالتثبیت، فإنه الآن یسئل". (سنن أبی داؤد، کتاب الجنائز، باب الاستغفار عند قبر المیت فی وقت الانصراف: ۲/۱۰۳، امدادیه ملتان)

"ویستحب .... وجلوس ساعةً بعد دفنه لدعاء وقراءة بقدر ما یُنحر الجزور ویفرق لحمه". (الدرالمختار). "(قوله: وجلوس الخ) لما فی سنن أبی داؤد: کان النبی صلی الله علیه وسلم: إذا فرغ. الحدیث .... وروی أن عمرو بن العاص رضی الله تعالیٰ عنه قال –وهو فی سیاق الموت–: إذا متّ فلا تصحبنی نائحة ولانار، وإذا دفنتمونی فشنوا علیّ التراب شناً، ثم أقیموا حول =

9

میت کو غلط طریقہ پر رکھ کر دفنانا

سوال[۴۲۳۷]: اگر میت کا رخ نماز پڑھتے وقت غلط ہوگیا، سر کی جگہ پیر اور پیروں کی جگہ سر اور امام نے نماز پڑھادی تو کیا نماز ہوگئی؟ اسی طرح قبر میں غلط رکھ دیا تو کیا دوبارہ قبر کھول کر رخ صحیح کرنا ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

قبر میں دفن کرنے کے بعد اس غلطی کی اصلاح کے لئے قبر کھود کر نکالنا درست نہیں: "إذا دفن بلاغسل أو صلوٰة، أووُضع علی غیر یمینه أوعلی غیر القبلة، فإنه لاینبش علیه بعد إهالة التراب". شامی: ۱/۶۰۲(۱)۔ اگر نماز پڑھاتے وقت میت کا جنازہ اس طرح رکھا گیا کہ اس کا سر جنوب کی طرف ہوگیا اور پیر شمال کی طرف اور نماز اسی طرح پڑھادی گئی تو بھی نماز ہوگئی، دوبارہ پڑھنے کی ضرورت نہیں، لیکن قصداً اسی طرح کرنا اساءت ہے: "وصحت لووضعوا الرأس موضع الرجلین، وأساؤا إن تعمدوا". درمختار: ۱/۵۸۳(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۶/۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۶/۹ھ۔

= قبری قدر ما ینحر جزور ویقسم لحمها، حتی أستأنس بکم وأنظر ماذا أراجع رسل ربی".

(ردالمحتار، باب صلاة الجنازة، مطلب فی دفن المیت: ۲/۲۳۷، سعید)

(وكذا فی الفتاوی العالمکیریة، کتاب الصلاة، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل السادس فی الدفن الخ: ۱/۱۶۶، رشیدیه)

(۱) (ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة: ۲/۲۳۸، سعید)

"ولووضع المیت لغیرالقبلة أو شقه الأیسر أو جعل رأسه موضع رجلیه وأهیل علیه التراب، لم ینبش". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الصلاة، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل السادس فی الدفن الخ: ۱/۱۶۷، رشیدیه)

(وكذا فی البحرالرائق، کتاب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۲/۳۳۹، رشیدیه)

(۲) (الدرالمختار، باب صلاة الجنازة: ۲/۲۰۹، سعید)

"ولوأخطاؤا عند الوضع، فوضعوا رأسه ممایلی یسار الإمام، جازت الصلاة، وإن تعمدوه فقد =

دفن کے بعد وہیں ہاتھ دھونا

سوال[۴۲۲۸]: قبر میں مٹی ڈالنے کے بعد اسی وقت قبرستان میں ہاتھ دھوڈالتے ہیں، بعض اس کو منع کرتے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ دھوڈالنا چاہیے۔ شرعاً کیا کرنا چاہیے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو دل چاہے کوئی پابندی نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۵/۶/۶۱ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، الجواب صحیح: عبد اللطیف، ۲۵/۶/۶۱ھ۔

مسِ ذکر سے مذی آگئی اسی ہاتھ سے میت کو مٹی دینا

سوال[۴۲۲۹]: کوئی شخص اپنے کسی بھی رشتہ دار کے گذر جانے کی خبر پا کر گھر سے پاک صاف ہوکر نکلتا ہے مگر راستہ میں موٹر پر یا گاڑی میں جاتا ہے، سامنے کوئی عورت بیٹھی ہے۔ مطلب غیر عورت، اور وہ شیطانی حرکت سے جان بوجھ کر اپنے عضو تناسل کو اس کے کندھے یا ہاتھ میں لگاتا ہوا گیا، اب اس شخص کو مذی آنے کا بھی شک ہوگیا پھر بھی اس نے جا کر مٹی دی۔ اب بتایئے اس کا مٹی دینا جائز ہے یا نہیں؟ یا جو مٹی وہ اپنے

= أساء وا، وجازت، كذافي التاتارخانية". (الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل في الجنائز، الرابع في الصلاة عليه، ص: ۵۸۸، سهيل اكيڈمی)

(وكذافي التاتارخانية، كتاب الصلوٰة، الفصل الثاني والثلاثون في الجنائز، نوع آخر من هذا الفصل في المتفرقات: ۲/۱۷۷، إدارة القرآن، كراچي)

(۱) آدابِ قبور کا خیال رکھتے ہوئے قبروں سے ذرا ہٹ کر ہاتھ دھونا چاہئے: "ويكره الجلوس على القبر ووطؤه .... ويكره النوم عند القبر وقضاء الحاجة، بل وكل مالم يعهد من السنة، الخ". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة: ۲/۲۴۵، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل السادس في الدفن الخ: ۱/۱۶۶، رشيديه)

(وكذا في البحرالرائق، باب صلاة الجنازة، فصل: السلطان أحق بصلاته، قبيل باب الشهيد: ۲/۳۴۳، رشيديه)

ہاتھ سے دیا اس میت کی وہ مٹی کیا ہمیشہ کے لئے ناپاک ہوگئی؟ اور قیامت تک اس شخص کو جو مٹی قبرستان میں رہے گی اس کو گناہ ملے گا، یا برسات سے وہ مٹی پگھل کر چاروں طرف پھیل جائے گی تو جتنی میت وہاں ہیں سب کا گناہ پڑے گا اور اس شخص کی بخشش نہ ہوگی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

راستہ کی اس نالائق حرکت کی وجہ سے نہ اس کا ہاتھ ناپاک ہوا، نہ مٹی ناپاک ہوئی، نہ قبر ناپاک ہوئی، نہ قبر پر کوئی گناہ پہونچا، نہ اس کی وجہ سے میت کو عذاب ہوگا(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۹۶/۱/۲۱ھ۔

دفنِ میت کے بعد چارپائی الٹ دینا

سوال[۴۲۴۰]: عام طور پر دیکھا جاتا ہے کہ میت کو قبر میں اتارنے کے بعد فوراً چارپائی کو الٹا کر دیتے ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

شرعاً اس کی کچھ اصل نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶۱/۷/۳۰ھ۔

صحیح: عبداللطیف مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۴/شعبان/۶۱ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۴/شعبان/۶۱ھ۔

قبر کے دھنس جانے پر مٹی ڈالنا

سوال[۴۲۴۱]: پرانی قبر کو نئی مٹی سے بھر دینا کیسا ہے؟

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿ولا تزر وازرة وزر أخرى﴾. (سورة الإسراء، پاره: ۱۵، آية: ۱۵)

قال العلامة آلوسی البغدادی فی تفسير هذه الآية: "(ولا تزر وازرة وزر أخرىٰ) تاكيد للجملة الثانية اى لاتحمل نفس حاملة للوزر وزر نفس أخرىٰ حتىٰ يمكن تخلص النفس الثانية عن وزرها ويختل مابين العامل وعمله من التلازم". (تفسير روح المعانی، سورة الإسراء: ۱۵، ۱۵/۳۵، دار إحياء التراث العربی، بيروت)

الجواب حامداً ومصلیاً:

درست ہے، خاص کر جب کہ اس میں میت موجود ہو مٹی نہ ہوئی ہو، یا کسی کے اس میں گر جانے کا اندیشہ ہو:"لأن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم مرّ بقبر ابنہ إبراھیم، فرأی فیہ حجراً سقط فیہ فسدّہ وقال: "من عمل عملاً فلیتقنہ، اھ". طحطاوی، ص: ۳۳۵(۱)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/ جمادی الاولیٰ/ ۶۷ھ۔

ایضاً

سوال[۴۲۴۲]: اگر قبر بارش کے سبب سے دھنس جائے تو اس کا دوبارہ مٹی سے درست کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

درست ہے: "وإذا خربت القبور، فلا بأس بتطیینها، کذا فی التاتارخانیة. وهو الأصح، وعلیه الفتوی، کذا فی جواهر الأخلاطی، اھ". عالمگیری: ۱/۱۶۶(۲)۔ لیکن اگر قبر پرانی ہو اور

---

(۱) (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، أحکام الجنائز،فصل فی حملها ودفنها، ص: ۶۱۱، قدیمی)

"وإذا خربت القبور، فلاباس بتطیینها، کذا فی التاتارخانیة. وهو الأصح، وعلیه الفتویٰ، کذا فی جواهر الأخلاطی، اھ". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الصلاة، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز،الفصل السادس فی الدفن الخ: ۱/۱۶۶،رشیدیه)

"وإذا خربت القبور، فلاباس بتطیینها، لما روی أن النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم مر بقبر ابنه إبراهیم، فرای فیه حجراً سقط منه فسدّه وأصلحه، ثم قال: "من عمل عملاً فلیتقنه". (التاتارخانیة، کتاب الصلوٰة، الفصل الثانی والثلاثون فی الجنائز،نوع آخر من هذا الفصل فی القبر والدفن: ۲/۱۷۰، إدارة القرآن، کراچی)

(وکذا فی مجمع الأنهر، کتاب الصلاة، باب الجنائز: ۱/۲۷۶،غفاریه کوئٹه)

(۲) (الفتاویٰ العالمکیریة، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز،الفصل السادس فی الدفن الخ: ۱/۱۶۶، رشیدیه)

(وکذا فی التاتارخانیة، کتاب الصلوٰة، الفصل الثانی والثلاثون فی الجنائز،نوع آخر من هذا الفصل فی القبر والدفن: ۲/۱۷۰،ادارة القرآن) =

میت اس میں مٹی ہوچکی ہوتو اس کا حکم قبر کا نہیں رہے گا، اس کو مٹی ڈال کر درست کرنے کی ضرورت نہیں: " جاز زرعه والبناء عليه إذا بلى وصار تراباً، زيلعي، ١هـ". درمختار: ١/ ٨٤٠(١)۔

بعض روایات میں آیا ہے کہ قبر جس قدر پرانی ہوتی جاتی ہے اوراس پر بارشیں ہوتی ہیں، اسی قدر صاحب قبر پر رحمتیں نازل ہوتی ہیں، لہٰذا قبر کا بارش کی وجہ سے دھنس جانا ہی موجب رحمت کی زیادتی ہے(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۶/۱۰/۶۴ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۷/شوال/۶۴ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

پرانی قبر پر مٹی ڈالنا

سوال[۴۲۴۳]: جو قبر بالکل منہدم ہوگئی ہو، دوبارہ اس کو مثل نئی کے بنادینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

قبر کی اہانت شرعاً ممنوع ہے، اس لئے اس پر بیٹھنا، چلنا، نجاست ڈالنا یہ سب چیزیں ناجائز ہیں(۳)۔

= (وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ١/٢٧٦، غفاريه كوئٹه)

(١) (الدر المختار، باب صلاة الجنازة: ٢/٢٣٨، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الجنائز، فصل السلطان أحق بصلاته: ٢/٣٤٢، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، باب الجنائز: ١/٥٨٩، دار الكتب العلميه، بيروت)

(٢) لم أقف عليه.

(٣) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "لأن يجلس أحدكم على جمرة، فتحرق ثيابه حتى تخلص إلى جلده خيرٌ من أن يجلس على قبر"......... وقال أيضاً: "لاتجلسوا على القبور، ولاتصلوا إليها". (سنن أبي داؤد، كتاب الجنائز، باب في كراهية العقود على القبر: ٢/١٠٣، إمداديه ملتان)

"(ويكره وطئ القبر والجلوس والنوم) والبول والغائط". (الدر المنتقى في شرح الملتقى على هامش مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ١/٢٧٦، مكتبه غفاريه كوئٹه) .... =

جو قبر منہدم ہوگئی تو اس نیت سے کہ اہانت سے محفوظ رہے اس پر مٹی ڈالنا درست ہے: "المختار أن التطيين غير مكروه، وكان عصام بن يوسف يطوف حول المدينة ويعمّر القبور الخربة، الخ". مجمع الأنهر: ۱/۱۸۷(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۹/۱/۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم۔

قبر پر بوقتِ ضرورت مٹی ڈالنا

سوال[۴۲۴۴]: کچی قبر بعد بیٹھ جانے کے اس پر مٹی ڈلوانا یا سال دو سال بعد پھر دوبارہ مٹی ڈلوانا تا کہ نشان باقی رہے درست ہے یا نہیں؟ اور چبوترہ معمولی کچی اینٹ سے بنوانا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

مٹی ڈلوانا درست ہے(۲)۔ اگر قبر مملوکہ زمین میں ہے تو معمولی کچا چبوترہ بنوانا فی حدِ ذاتہ بھی درست

= "وكره أبو حنيفة رحمه الله تعالىٰ أن يوطأ على قبر أو يجلس عليه أو ينام عليه أو تقضى عليه حاجة من بول أو غائط". (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل في سنة الدفن: ۲/۲۵، رشيديه)

(وكذا في رد المحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة: ۲/۲۴۵، سعيد)

(۱) (مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۱/۲۷۶، مكتبه غفارية)

(وجامع الرموز للقهستاني، كتاب الصلاة، فصل في الجنائز: ۱/۲۸۹، مطبعه كريميه)

"ثم يهال التراب ولا يزاد على التراب الذى خرج من القبر، وتكره الزيادة، وعن محمد: لابأس به". (غنية المستملي (الحلبي الكبير)، كتاب الصلاة، فصل في الجنائز، السادس في الدفن، ص: ۵۹۸، سهيل اكيڈمى، لاهور)

(۲) "ثم يهال التراب ولا يزاد على التراب الذى خرج من القبر، وتكره الزيادة، وعن محمد: لابأس به". (الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل في الجنائز، السادس في الدفن: ۵۹۸، سهيل اكيڈمى، لاهور)

"وكان عصام بن يوسف يطوف حول المدينة، ويعمّر القبور الخربة". (مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۱/۲۷۶، مكتبه غفارية)

(وكذا في فتاوى دار العلوم ديوبند، كتاب الجنائز، فصل سادس: قبر دفن اور ان کے متعلقات (سوال نمبر: ۲۹۹۹): ۵/۲۵۶، دار الاشاعت، كراچى)

ہے، لیکن آگے چل کر اس میں دیگر مفاسد کا مظنہ ہے اس لئے نہیں چاہیے (۱)۔ وقف کی زمین میں کوئی گنجائش نہیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

قبر پر تالاب کی مٹی ڈالنا

سوال [۴۲۴۵]: بنگال میں عام طور دیکھا جا رہا ہے کہ تالاب کے کنارے جس کو یہ لوگ پاٹ کہتے ہیں قبر ہوتی ہے، اب تالاب کو گہرا کرنے کی ضرورت ہے۔ تو سوال یہ ہے کہ تالاب کی مٹی کو قبر پر رکھا جا سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

تالاب کی مٹی قبر پر ڈالنے سے قبر زیادہ بلند ہو جائے گی، لہٰذا وہاں نہ ڈالی جائے، قبر کے لئے وہی مٹی کافی ہوتی ہے جو قبر کھودنے سے نکلتی ہے: "ویکره أن یزید فیه علی التراب الذی خرج منه، ویجعله مرتفعاً عن الأرض قدر شبر أو أکثر بقلیل". مراقی الفلاح، ص: ۳۷۰ (۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۷/ ۳/ ۹۰ھ۔

---

(۱) "والسنة أن یفرش فی القبر التراب ثم لم یتعقبوا الرخصة فی اتخاذه من حدید بشیء، ولاشک فی کراهته، کما هو ظاهر شرحه. البحر". (رد المحتار، باب صلاة الجنازة، مطلب فی دفن المیت: ۲/ ۲۳۵، سعید)

(وکذا فی فتاوی رحیمیه، کتاب الجنائز، باب ما یتعلق بالدفن: ۷/ ۱۰۲، دار الاشاعت، کراچی)

(۲) "قولهم: شرط الواقف کنص الشارع: أی فی المفهوم والدلالة". (الدر المختار، کتاب الوقف، فصل یراعی شرط الواقف فی إجارته: ۴/ ۴۳۳، سعید)

"أجمعت الأمة أن من شروط الواقفین ما هو صحیح معتبر، یعمل به". (البحر الرائق، کتاب الوقف: ۵/ ۴۰۲، رشیدیه)

(وکذا فی تبیین الحقائق، کتاب الوقف: ۴/ ۲۶۹، دار الکتب العلمیه، بیروت)

(۳) (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الصلاة، أحکام الجنائز، فصل فی حملها ودفنها، ص: ۶۱۰، قدیمی)

"(ویهال التراب علیه، وتکره زیادة علیه) من التراب؛ لأنه بمنزلة البناء". (الدر المختار، باب=

قبر میں مٹی کے ڈھیلے رکھنا

سوال[۴۲۴۶] : قبر میں مٹی کے چھوٹے ڈھیلے اور قرآن کریم کی آیات پڑھ کر وہ ڈھیلے قبر میں میت کے بازو میں رکھ دیتے ہیں۔ یہ کیسا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

یہ فعل کتبِ حدیث میں موجود نہیں، بعد کے بعض لوگوں کا عمل ہے جو شرعی حجت نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

قبر کی مٹی لانا

سوال[۴۲۴۷] : بزرگوں کی قبر سے قبر کی مٹی لانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس مقبرہ سے مٹی لائی جائے گی، وہ دو حال سے خالی نہیں: موقوفہ ہے یا مملوکہ، اگر موقوفہ ہے تو منشائے واقف کے خلاف ہے، لہٰذا ناجائز ہے (۲)۔ اگر مملوکہ ہے تو پھر دو حال سے خالی نہیں: یا تو مالک کی اجازت سے

= صلاة الجنازة: ۲/۲۳۶، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته : ۲/۳۴۰، رشيديه)

(۱) "عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: قال النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم : "من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه، فهورد". (صحيح البخاري، كتاب الصلح، بابٌ: إذا اصطلحوا على صلح جور فهو مردود: ۱/۳۷۱، قديمي)

(۲) "قولهم: شرط الواقف كنص الشارع: أي في المفهوم والدلالة". (الدرالمختار، كتاب الوقف، فصل: يراعى شرط الواقف في إجارته : ۴/۴۳۳، سعيد)

"أجمعت الأمة أن من شروط الواقفين ماهو صحيح معتبر، يُعمل به". (البحر الرائق، كتاب الوقف : ۵/۴۱۱، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الوقف، ۴/۲۶۹، دارالكتب العلمية، بيروت)

لائی جائے گی یا بغیر اجازت، اگر بغیر اجازت لائی گئی تو بالکل نادرست اور ناجائز ہے(۱)، اگر اجازت سے ہوتو جائز ہے بشرطیکہ اعتقاد صاف ہو یعنی مؤثرِ حقیقی نہ خاک کو سمجھا جائے اور نہ مُردے کو(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/ ۵/ ۸۸ھ۔

قبر کی مٹی کھانا

سوال[۴۲۴۸]: ایک مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ بزرگوں کی قبروں کی مٹی یا پختہ قبر سے قلیل چونہ چاٹ لینا درست ہے کہ اس میں فائدہ مرتب ہوتا ہے جیسے کہ مولانا عبدالحق صاحب علیہ الرحمۃ نے اپنے فتاویٰ میں نصاب الاحتساب وخزینۃ الروایات ومجمع البرکات سے پان میں چونہ کھانے کو مفید تحریر فرمایا ہے(۳) یا مطلقاً قدرِ قلیل مٹی کو کھالینا درست بلا کراہت لکھا ہے۔ لہٰذا عرض ہے کہ مدلل جواب سے اطلاع دیں کہ عوام اس گمراہی سے احتراز کریں۔ فقط۔

عبدالمجید، قصبہ کرت پور، ضلع بجنور۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

"الطين الذي يحمل من مكة ويسمى طين حمرة، هل الكراهية فيه كالكراهية في أكل الطين على ما جاء في الحديث؟ قال: الكراهية في الجميع متحدة، كذا في جواهر الفتاوىٰ، اهـ".

(۱)" لايجوز لأحد أن يتصرف في ملك غيره بلا إذنه الخ". (شرح المجلة لسليم رستم باز، المقالة الثانية في بيان القواعد الفقهية، (رقم المادة: ۹۶) : ۱/ ۶۱، مكتبه حنفية كوئته)

"لايجوز التصرف في مال غيره بلا إذنه الخ". (الدرالمختار، كتاب الغصب : ۶/ ۲۰۰، سعيد)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿وإذا مرضت فهو يشفين، والذي يميتني ثم يحيين﴾ (سورة الشعراء: ۸۰، ۸۱)

"﴿وإذامرضت﴾ الاية: أي إذا وقعت في مرض، فإنه لايقدر على شفائي أحدٌ غيره بما يقدر من الأسباب الموصلة إليه، قوله تعالى: ﴿والذي يميتني﴾ الآية :أي هوالذي يحيي، يميت، لايقدر على ذلك أحد سواه، فإنه هوالذي يبدئ ويعيد". (تفسير ابن كثير : ۳/ ۳۳۸، سهيل اكيڈمي، لاهور)

(۳) "وعلى هذا يقاس أنه يباح أكل النورة مع الورق المأكول في ديار الهند؛ لأنه قليل نافع، فإن الغرض المطلوب من الورق المذكور لايحصل بدونها". (نصاب الاحتساب، الباب العاشر في الاحتساب على الأكل والتسوب والتداوى، ص: ۵۲، دارالعلوم للطباعة والنشر)

عالمگیری: ٤/ ٢٢٠(١)۔

اس سے معلوم ہوا کہ طین مکہ معظمہ اور طین غیر مکہ معظمہ ہر دو مکروہ اور کراہت ہر دونوں میں متحد ہے اور کراہت حدیث شریف سے ثابت ہے:

"أكل الطين مكروه .... وكراهية أكله لا لحرمته بل لتهييج الداء. وعن المبارك كان ابن أبي ليلى يرد الجارية عن أكل الطين، وسئل أبو القاسم عمن أكل الطين قال: ليس ذلك من عمل العقلاء". كذا في الحاوي للفتاوى(٢)۔

مٹی کے کھانے کی ممانعت حرمت کی وجہ سے نہیں، بلکہ مورثِ امراض ہونے کی وجہ سے ہے، نیز یہ فعل عقلاء کا نہیں، اگر مٹی کا کھانا مورثِ امراض نہ ہو، نیز اس میں منفعت ہو اور ایسی منفعت کہ کسی اَور چیز سے حاصل نہ ہو تو بقدرِ ضرورت کھانا درست ہوگا:

"في نصاب الاحتساب: و ذكر الحلواني أن أكل الطين إن كان يضر، يكره، و إلا فلا، و إن كان يتناوله قليلاً أو يفعله أحياناً، لا يكره. قال العبد أصلح الله شأنه: و يقاس على هذا أنه يباح أكل النورة مع الورق مأكول في ديار الهند؛ لأنه قليل نافع، فإنه الغرض المطلوب من الورق المذكور لا يحصل بدونه، وهو الحمرة، انتهى. وقد نقل عنه في خزانة الروايات ومجمع البركات أيضاً". نفع المفتي، ص: ١١٠(٣)۔

اب معلوم ہونا چاہئے کہ بزرگوں کے مزارات کی مٹی کھانے میں کیا منفعت ہے، اگر کوئی ایسی منفعت ہے جو خصوصیت مزار پر مرتب ہوتی ہے تو اس سے عوام کے عقائد خراب ہوتے ہیں کہ وہ ان بزرگوں کی روح کو

---

(١) (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الحادي عشر في الكراهة في الأكل وما يتصل به: ٥/ ٣٤٠، ٣٤١، رشيديه)

(٢) (المصدر السابق من الهندية: ٥/ ٣٤٠، ٣٤١)

(٣) (فتاوىٰ اللكنوي المسماة نفع المفتي والسائل .... الخ، كتاب الحظر والإباحة، مايتعلق بالأكل والشرب، ص: ٣٧٩، دار ابن حزم، بيروت)

"ويكره أكل الطين؛ لأنه تشبه بفرعون". (البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الفصل الخامس في الأكل: ٦/ ٣٦٥، رشيديه)

متصرف سمجھتے ہیں، ان سے مرادیں مانگتے ہیں، ان کی نذر مانتے ہیں حتی کہ قبر کو سجدہ کرتے ہیں وغیرہ وغیرہ، اس لئے یہ ہرگز جائز نہیں۔ اگر کوئی منفعت ہے جو نفسِ قبر کی مٹی سے حاصل ہوجاتی ہے اور خصوصیتِ مزار سے متعلق نہیں تو بزرگوں کی قبر کی تخصیص کیوں ہے، ہر ایک قبر کی مٹی چاٹنے پر وہ فائدہ مرتب ہونا چاہئے، تو اس میں قبر وغیر قبر سب برابر ہے، قبر کی مٹی میں مذکورہ بالا مفاسد ہیں، اس لئے غیر قبر کو مٹی سے وہ فائدہ حاصل کرلیا جائے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۱۹/ ذیقعدہ/ ۵۵ھ۔

قبر کی مٹی تبرکاً لیجانا

سوال [۴۲۴۹]: اگر کوئی شخص بزرگوں کی قبر پر سے مٹی اٹھا کر کے تبرکاً اپنے پاس رکھے تو جائز ہے یا نہیں؟ اگر شقِ ثانی ہو تو ممانعت کی وجہ کیا ہے؟ اگر شقِ اول ہے تو قرآن وحدیث سے ثبوت ہونا چاہئے۔ اور اگر کوئی بزرگوں کے مزار سے مٹی لے بھی آوے تو اس کو کیسی جگہ پر ڈالنا چاہئے؟ عام راستہ میں پھینک دینا درست ہے یا نہیں؟ ایسی صورت میں کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

شبیر علی متعلم مدرسہ ہذا، ۷/صفر/ ۵۴ھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

قبرستان وقف سے مٹی اٹھا کر لانا ناجائز ہے، لأنه وقف (۱) اور اپنے مملوک قبرستان سے مٹی اٹھا کر لانا جائز ہے لأنه ملكه۔ البتہ تبرکاً کسی بزرگ کی قبر سے مٹی لانا اور اپنے پاس رکھنا امرِ محدث ہے، میت جب خاک بن جائے تو قبر کی جگہ بشرطیکہ مملوک ہو، کھیتی کرنا درست ہے، اس سے معلوم ہوا کہ قبر کی مٹی کا کوئی خاص احترام شریعت نے نہیں بتایا، بلکہ میت کا احترام بتایا ہے، لہٰذا اس مٹی کو عام راستہ میں پھینکنا بھی درست ہے۔ اگر

---

(۱) "فإذا تم (أي الوقف) ولزم، لا يملك ولا يملك ولا يعار ولا يرهن". (الدر المختار). "أي لا يكون مملوكاً لصاحبه، ولا يملك: أي لا يقبل التمليك لغيره بالبيع ونحوه". (ردالمحتار، كتاب الوقف: ۳۵۲/۴، سعيد)

عالم کسی قبر کی مٹی کو تبرکاً لاکر اپنے پاس رکھے گا تو جاہل قبر کو سجدہ کرنے سے دریغ نہ کریگا، لہٰذا اجتناب چاہئے۔ واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/۲/۵۴ھ۔

صحیح: عبداللطیف، مظاہر علوم سہارنپور، ۱۰/صفر/۵۴ھ۔

قبرستان کی مینڈھ باندھنے کے لئے وہاں کی مٹی لینا

سوال [۴۲۵۰]: قبرستان کی مینڈھ باندھنا چاہتے ہیں، مگر مینڈھ میں بعض جگہ مٹی قبر پر سے اٹھانی پڑتی ہے۔ اگر مینڈھ چاروں طرف کی نہ باندھی گئی تو مویشی پیشاب پاخانہ کرتے ہیں جس کی وجہ سے قبرستان کی بے حرمتی ہوتی ہے۔ اس حال میں مینڈھ باندھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ضرور مینڈھ باندھ کر حفاظت کر دیں لیکن مٹی قبروں کے آس پاس سے یا کسی دوسری جگہ سے لے لیں، قبروں کی مٹی نہ اتاریں، ایسا نہ ہو کہ قبریں کھل جائیں، ہاں اگر قبروں پر مقدارِ شرع سے زائد مٹی ہو تو اس کو اتار سکتے ہیں(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۷/۸۸ھ۔

قبر کھود کر میّت کو دیکھنا اور ایصالِ ثواب کا طریقہ

سوال [۴۲۵۱]: میرے لڑکے کا بعمر دس سال انتقال ہو گیا جس سے بہت صدمہ ہے، مرحوم کی طرف سے کیا کام کیا جائے جس سے اس کے درجات بلند ہوں اور آخرت میں وہ ہمارے لئے ذخیرۂ آخرت

---

(۱) "ويهال التراب عليه، وتكره زيادة عليه من التراب؛ لأنه بمنزلة البناء الخ". (الدر المختار، باب صلاة الجنازة: ۲/۲۳۶، رشيديه)

"(ويهال التراب) سترا له، و يكره أن يزاد على التراب الذى أخرج من القبر؛ لأن الزيادة عليه بمنزلة البناء". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۲/۳۴۰، رشيديه)

(وكذا فى الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادى والعشرون فى الجنائز، الفصل السادس فى الدفن الخ: ۱/۱۶۶، رشيديه)

بنے۔ایصالِ ثواب کے لئے قرآن خوانی کرنا کیسا ہے؟اگر بچہ کی قبر کھول کر دیکھ لوں تو کچھ اطمینان ہو جائے گا، اس خیال سے میت دکھلادی جائے تو جائز ہے یا نہیں؟مرحوم کی قبر پر قرآن پاک بلند آواز سے سنانے میں کچھ حرج تو نہیں،مرحوم کی قبر پر تاریخ وفات لکھوانا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

دس سال کا بچہ معصوم ہے، اس پر کوئی گناہ نہیں، اس کے لئے ایصالِ ثواب اور دعائے مغفرت کی ضرورت نہیں، تاہم جو کچھ ثواب پہنچایا جائے گا وہ رفعِ درجات کا سبب بنے گا(۱)۔قبر کھود کر صورت دیکھنے کی اجازت نہیں، ایسا کرنا حرام ہے(۲)، صبر میں بڑا اجر ہے(۳)۔ میت کو ثواب پہنچانے کے لئے غرباء

---

(۱) "(ولایستغفر فیها لصبی ومجنون)ومعتوه لعدم تکلیفهم ....وقد قالوا: حسنات الصبی له، لالأبویه، بل لهماثواب التعلیم". (الدرالمختار، باب صلاة الجنازة: ۲/۲۱۵،سعید)

"وتصح عباداته (أی الصبی)وان لم تجب علیه، واختلفوافی ثوابها، والمعتمدأنه له وللمعلم ثواب التعلیم، وکذاجمیع حسناته". (الحموی شرح الأشباه والنظائر، الفن الثالث، احکام الصبیان: ۳/۲۲،ادارة القرآن، کراچی)

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: (أحکام الصغار علی هامش جامع الفصولین، فی مسائل الکراهیة: ۱/۱۴۸،اسلامی کتب خانہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی)

(۲)"مات ولدهافی غیربلدهاوهی لاتصبر، فأرادت أن تنبش، لایجوز، ویترک هناک". (الفتاوی البزازیة علی هامش الفتاوی العالمکیریة، کتاب الصلاة، الخامس والعشرون فی الجنائز،نوع آخر ذهب إلی المصلی الخ".: ۴/۸۱، رشیدیه)

"(قوله ولاینبش لیوجه): أی لودفن مستدبراً لها وأهالوا التراب لاینبش؛ لأن التوجه إلی القبلة سنة والنبش حرام". (ردالمحتار، باب صلاة الجنازة: ۲/۲۳۶،سعید)

"ولووضع المیت لغیر القبلة، أوشقه الأیسر، أوجعل رأسه موضع رجلیه، وأهیل علیه التراب، لم ینبش". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الصلاة،الباب الحادی والعشرون فی الجنائز،الفصل السادس فی الدفن الخ: ۱/۱۶۷،رشیدیه)

(وکذا فی البحرالرائق، کتاب الجنائز،فصل: السلطان أحق بصلاته : ۲/۳۳۹،رشیدیه)

(۳) قال اللّٰه تعالیٰ: ﴿یاأیهاالذین اٰمنوا استعینوابالصبر والصلوة، إن اللّٰه مع الصّٰبرین﴾ (سورة البقرة: ۱۵۳) =

کو کھانا کھلانا بھی درست ہے، کپڑے وغیرہ ضرورت کی چیز دینا بھی درست ہے(۱)، مگر جو کچھ ہو، اخلاص کے ساتھ ہو، ریاوفخر کے طور پر نہ ہو۔ قرآن پاک پڑھوا کر پڑھنے والوں کی دعوت کرنا درست نہیں، یہ قرآن خوانی کی اجرت کے درجہ میں ہے اس سے ثواب نہیں ہوگا(۲)۔ کسی بڑے بزرگ کی قبر پر پتھر پر نام کندہ کرا کے لگانے کی

= "عن محمد بن خالد السلمی عن ابیه عن جده رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "إن العبد إذا سبقت له من الله منزلة لم يبلغها بعمله، ابتلاه الله في جسده أو في ماله أو في ولده، ثم صبره على ذلك، حتى يبلغه المنزلة التي سبقت من الله". (مشكوة المصابيح، كتاب الجنائز، باب عيادة المريض: ۱/۱۳۷، قديمي)

(۱) "إن سعد بن عبادة رضي الله تعالى عنه توفيت أمه وهو غائب عنها فقال: يارسول الله! إن أمي توفيت وأنا غائب عنها أينفعها شيء إن تصدقت به عنها قال: "نعم" قال: فإني أشهدك أن حائطي المخراف صدقة عليها". (صحيح البخاري، كتاب الوصايا، بابٌ: إذا قال: أرضي وبستاني صدقة لله عن أمي فهو جائز: ۱/۳۸۶، قديمي)

"صرح علماءنا في باب الحج عن الغير بأن للإنسان أن يجعل ثواب عمله لغيره صلاةً أو صوماً أو صدقةً أو غيرها.........الأفضل لمن يتصدق نفلاً أن ينوي لجميع المؤمنين والمؤمنات؛ لأنها تصل إليهم، ولا ينقص من أجره شيئ". (ردالمحتار، باب صلاة الجنازة، مطلب في القراءة للميت وإهداء ثوابها له: ۲/۲۴۳، سعيد)

"والأصل فيه أن الإنسان له أن يجعل ثواب عمله لغيره صلاةً أو صوماً أو صدقةً أو قراءة قرآن أو ذكراً أو طوافاً أو حجاً أو عمرةً أو غير ذلك عند أصحابنا بالكتاب والسنة". (البحر الرائق، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۳/۱۰۵، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب المناسك، الفصل الخامس عشر في الرجل يحج عن الغير: ۲/۵۴۵، إدارة القرآن، كراچی)

(۲) "عن عبادة بن الصامت رضي الله تعالىٰ عنه قال: علّمتُ ناساً من أهل الصفة القرآن والكتاب، فأهدى إليّ رجلٌ منهم قوساً، فقلت: ليست بمال، وأرمي عليها في سبيل الله، لآتينّ رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فلأسئلنّه، فأتيته فقلت: يارسول الله! رجل أهدى إليّ قوساً ممن كنت أعلّمه الكتاب والقرآن وليست بمال وأرمي عنها في سبيل الله تعالى، قال: "إن كنت تحب أن تطوق طوقاً من نار فاقبلها". (سنن أبي داؤد، كتاب الإجارة، باب كسب المعلم: ۲/۱۲۹، إمداديه) .... =

گنجائش ہے(۱) تاکہ زیارت کے لئے جولوگ دور دور سے آتے ہیں ان کو دشواری نہ ہو، وہ خود ہی پہچان لیں، بچے کی قبر پر اس کی ضرورت نہیں، بہت سے بہت درخت کا پودا قریب ہی لگادیں۔ قبر کے قریب قرآن پاک تلاوت کرنے سے میت کو اُنس ہوگا (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۸/۲/۸۹ھ۔

= "واتخاذ الدعوة لقرأة القرآن، وجمع الصلحاء والقرآء للختم، أولقرأة سورة الأنعام أو الإخلاص، والحاصل أن اتخاذ الطعام عند قراءة القرآن لأجل الأكل يكره .... هذه الأفعال كلها للسمعه والرياء، فيحترز عنها؛ لأنهم لايريدون بها وجه الله". (ردالمحتار، باب صلاة الجنازة، مطلب في كراهة الضيافة من أهل الميت: ۱/۲۴۰ سعيد)

"ونصه أقول: المفتي به جواز الأخذ استحساناً على تعليم القرآن لاعلى القراءة المجردة، كماصرح به في التاتارخانية قال: لامعنى لهذه الوصية ولصلة القارى بقراء ته: لأن هذابمنزلة الأجرة، والإجارة في ذلك باطلة". (رسائل ابن عابدين، رسالة شفاء العليل وبل الغليل الخ، ص: ۱۶۸، سهيل اكيڈمی، لاهور)

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: (تنقيح الفتاوى الحامدية، كتاب الإجارة، مطلب في حكم الاستئجار على التلاوة: ۲/۱۳۷، مطبع ميمنيه مصر)

(۱) "لابأس بالكتابة إن أحتيج إليها حتى لايذهب الأثر ولايمتهن". (الدرالمختار، باب صلاة الجنائز: ۲/۲۳۷، سعيد)

"وإن احتيج إلى الكتابة حتى لا يذهب الأثر و لا يمتحهن، فلا بأس به". (البحر الرائق، كتاب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۲/۳۴۰، رشيديه)

(۲) "عن عمرو بن العاص رضي الله تعالىٰ عنه، قال لابنه -وهو في سياق الموت-: إذاأنامتُّ فلا تصحبني نائحة ولانار. فإذا دفنتموني، فشنوا على التراب شناً، ثم أقيموا حول قبري قدر ماينحر جزور ويقسم لحمها حتى أستأنس بكم، وأعلم ماذا أراجع به رسل ربي". (مشكوٰة المصابيح، كتاب الجنائز، باب دفن الميت الفصل الثالث: ۱/۱۴۹، قديمي)

"وإن قرأ القرآن عند القبور إن نوى بذلك أن يُونسهم صوت القرآن فإنه يقرأ". (فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الحظر والإباحة، فصل في التسبيح والتسليم والصلوٰة على النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم الخ: ۳/۴۲۲، رشيديه)

قبر میں نوٹ وغیرہ گر گیا اس کے لئے قبر دوبارہ کھولنا

سوال[۴۲۵۲]: قبر کے اندر میت کے دفن کرتے وقت کچھ قیمتی چیز نوٹ وغیرہ گری تو پھر دوسرے دن قبر کو کھودنا اور اس کو ادھر ادھر سے دیکھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نوٹ وغیرہ جو چیز قبر میں غلطی سے رہ گئی ہو، اس کو احتیاط سے نکالنے کی اجازت ہے، میت کو ہرگز نہ ہلائیں نہ اس کا کفن کھول کر دیکھیں (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

بہادر شاہ ظفر مرحوم کی قبر کی منتقلی

سوال[۴۲۵۳]: ہندوستان کے آخری تاجدار مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر مرحوم کو انگریزوں نے ظلماً ہندوستان سے جلاوطن کیا اور ان کو رنگون میں نظر بند کیا، وہاں ان کا اب سے ڈیڑھ سو برس پہلے انتقال ہوا، اور وہیں ان کو دفن کر دیا گیا، اب کچھ مسلم زعماء گورنمنٹ ہند کی مدد سے ان کو ہندوستان منتقل کرنا چاہتے ہیں اس مسئلہ میں حسب ذیل امور کی طرف بھی جناب کی توجہ مبذول کرانا مناسب ہوگا:

---

(۱) "عن بجير بن أبي بجير قال: سمعت عبدالله بن عمرو رضي الله تعالىٰ عنهما يقول: سمعت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول: حين خرجنا معه إلى الطائف، فمررنا بقبر، فقال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "هذا قبر أبي رغال .... وآية ذلك أنه دفن معه غصن من ذهب، إن أنتم نبشتم عنه أصبتموه معه، فابتدره الناس فاستخرجوا الغصن". (سنن أبي داؤد، كتاب الخراج والفئ والإمارة، باب نبش القبور العادية: ۲/۸۴، إمدادية)

"ولو دفن بثوب أو درهم للغير .... يخرج منه". (الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل في الجنائز، الثامن في المتفرقات، ص: ۶۰۵ سهيل اكيڈمي، لاهور)

"وأشار بكون الأرض مغصوبةً إلى أن يجوز نبشه لحق الآدمي، كما إذا سقط فيها متاعه ......ولو كان المال درهما". (كتاب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۲/۳۴۱، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صلوة الجنازة: ۲/۲۳۸، سعيد)

۱......ان کو دفن ہوئے اتنا عرصہ گذر چکا ہے کہ فقہاء کی تصریحات کی بناء پر ان کی قبر پر کھیتی اور تعمیر مکان جائز ہے۔

۲......قرنِ اول میں بعض شہدائے احد کو اور ۱۹۳۰ء میں حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان کی قبروں کے منتقل کئے جانے کا فتویٰ علماء نے اس بنیاد پر دیا کہ یہ قبریں پانی کے بہاؤ کی زد میں آگئی تھیں۔

۳...... بہادر شاہ ظفر کی قبر کو ہندوستان میں منتقل کرنا اسلام اور مسلمانوں کی شوکت کا باعث ہے اور ہندوستان میں ایک اسلامی اثر کا قیام ہے۔

۴...... بہادر شاہ ظفرؒ کی یہ خود آرزو تھی کہ وہ ہندوستان میں مدفون ہوں، جیسا کہ ان کے بعض اشعار سے ظاہر ہوتا ہے۔

۵......اس منتقلی کی یہ صورت نہ ہوگی کہ قبر کو کھود کر ان کی ہڈیاں نکالی جائیں اور وہ منتقل کی جائیں، بلکہ اب ایسے آلات ایجاد ہوئے ہیں کہ اس کے ذریعے پوری قبر اصل حالت میں مع کچھ اطراف کے منطقۂ زمین کے منتقل ہو سکے گی۔

۶......حضرت یوسف علیہ السلام کی وصیت کے مطابق ان کے تابوت کو مصر سے حضرت موسیٰ علیہ السلام شام لے کر آئے۔

۷......حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے والد حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ شہیدِ اُحد کو ان کی قبر سے نکال کر جنت البقیع میں دفن کیا۔

الجواب حامداً مصلياً:

۱......قبر کا احترام لازم ہے، لیکن جب قبر میں میت باقی نہ رہے مٹی بن جائے تو اس کا حکم بدل جاتا ہے، احترام لازم نہیں رہتا، وہاں تعمیر وزراعت کی اجازت ہو جاتی ہے(۱)۔ بہادر شاہ ظفر مرحوم کی قبر کو منتقل کرنے کیلئے

---

(۱) "ولو بلي الميت وصار تراباً، جاز دفن غيره في قبره وزرعه والبناء عليه". (تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۱/۵۸۹، دار الكتب العلمية بيروت)

"جاز زرعه والبناء عليه إذا بلي وصار تراباً، زيلعي". (الدر المختار، باب الصلاة الجنائز، مطلب في دفن الميت: ۲/۲۳۸، سعيد) .... =

وجہِ جواز اگر نمبر:۱کو تجویز کیا جائے تو نمبر:۲، ۶، ۷، کی طرف توجہ مبذول کرانا بے محل اور بے سود ہے، کیونکہ شہداء اورانبیاء علیہم السلام کا جسم محفوظ رہتا ہے اس کوزمین نہیں کھاتی (۱)۔ نمبر:۵ کا ذکر بے ضرورت ہے۔

نمبر:۴ کیلئے وجہِ جواز کیا ہے، فقہاء نے لکھا ہے کہ کسی نے وصیت کی کہ مجھے فلاں جگہ دفن کیا جائے تو وصیت باطل ہے، قابلِ نفاذ نہیں: "وكـذاتبطل (أى الوصية) لوأوصى بأن يكفن فى ثوب كذا أويد فن فى موضع كذا". شامى: ۱/۵۹۱(۲)۔ یہاں تو وصیت بھی نہیں ہے، محض اشعار سے آرزو مستفاد ہے۔

=(وكذا فى الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادى والعشرون فى الجنائز، الفصل السادس فى الد فن الخ : ۱/۱٦٧، رشيديه)

(۱) "وعن أوس بن أوس رضى الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول صلى الله عليه وسلم: "إن من أفضل أيامكم يوم الجمعة، فيه خلق آدم، وفيه قبض، وفيه النفخة، وفيه الصعقة، فأكثِروا علىّ من الصلاة فيه، فإن صلاتكم معروضة علىّ". قال: قالوا: يارسول الله! –صلى الله عليه وسلم– وكيف تعرض صلاتناعليك وقد أرمت؟ قال : يقولون بليت، فقال: "إن الله عزوجل حرّم على الأرض أجساد الأنبياء". (سنن أبى داؤ د، باب تفريع أبواب الجمعة: ۱/۱۵۷، إمداديه)

"(إن الله حرم على الأرض)": أى منعها، وفيه مبالغة لطيفة "(أجساد الأنبياء)": أى من أن تأكلها، فإن الأنبياء فى قبور هم أحياء. قال الطيبى: فإن قلت: ماوجه الجواب بقوله : إن الله حرم على الأرض أجساد الأنبياء، فإن المانع من العرض والسماع هوالموت وهوقائم؟ قلت : لاشك أن حفظ أجسادهم من أن ترم خرق للعادة المستمرة، فكما أن الله تعالى يحفظهامنه .... ويحصل لبعض ورّاثهم من الشهداء والأولياء والعلماء الحظ الأوفى بحفظ أبدانهم الظاهرة". (مر قاة المفاتيح، كتاب الصلاة، باب الجمعة، الفصل الثانى، (رقم الحديث : ۱۳٦۱): ۳/۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، رشيديه)

"لماروى أن يعقوب صلوات الله عليه الخ، مانصه أن ذلك شرع من قبلنا، ولم تتوفر فيه شروط كونه من شرعنا، ولأن أجساد الأنبياء عليهم السلام أطيب مايكون حال الموت كالحياة والشهداء كسعد رضى الله تعالىٰ عنه ليسواكغيرهم من جيفتهم أشد نتناً من جيفة البهائم فلايلحق".

(حاشية الطحطاوى، أحكام الجنائز، فصل فى حملهاودفنها، ص: ۶۱۴، قديمى)

(وكذا فى رد المحتار، باب صلوة الجنائز، مطلب فى دفن الميت: ۲/۲۳۹، سعيد)

(۲) (رد المحتار، باب صلوة الجنائز، مطلب: تعظيم أولى الأمر واجب: ۲/۲۲۱، سعيد) .... =

اسلام اور مسلمانوں کی شان وشوکت تو اسلام کا جھنڈا سر بلند کرنے اور احکام اسلام کو غالب کرنے میں ہے، پرانی ہڈیوں یا ہڈیوں کی مٹی منتقل کرنے میں نہیں، بلکہ اس میں اندیشہ تو یہ ہے کہ اس مٹی کے ساتھ وہی معاملہ کیا جائے گا جو دیگر معظم قبور کے ساتھ کیا جاتا ہے کہ اس پر چراغ جلائیں گے، غلاف چڑھائیں گے، طواف کریں گے، سجدہ کریں گے، شاہی آداب بجالائیں گے، قبہ اور گنبد بنائیں گے وغیرہ وغیرہ، ظاہر ہے کہ ان امور سے اسلام کی خلاف ورزی ہوگی نہ کہ شوکت میں اضافہ، لہٰذا نمبر:۳ بھی وجہ جواز نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۱۱/۹۵ھ۔

میت کو بعد دفن منتقل کرنا، بہادر شاہ ظفر سے متعلق

سوال[۴۲۵۴]: حضرت محترم دامت برکاتہم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ مزاج اقدس!

جنرل شاہ نواز کے خط کی نقل ہمرشتہ ہے اس سلسلہ میں بات خاص طور سے قابل توجہ ہے کہ حضرت

= "ولو أوصى بأن يحمل بعد موته إلى موضع كذا ويدفن هناك .... ووصيته بالحمل باطل". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوصايا، الباب الثاني في بيان الألفاظ التي تكون وصيةً والتي لاتكون الخ: ۹۵/۲، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الوصايا: ۶/ ۶۶۶، سعيد)

(۱) "عن جابر رضي الله تعالىٰ عنه نهى رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم عن تجصيص القبور، وأن يكتب عليها، وأن يبنى عليها". (الصحيح لمسلم، كتاب الجنائز، فصل: النهي عن تجصيص القبور والقعود والبناء عليها: ۳۱۲/۱، قديمي)

قال الإمام النووي رحمه الله تعالىٰ تحته: "وفي الحديث كراهة تجصيص القبر وأن يبنى عليه .... هذامذهب الشافعي وجمهور العلماء". (المصدر السابق لمسلم)

"عن أبي حنيفه رحمه الله تعالىٰ يكره أن يبنى بناء من بيت أوقبة أونحو ذلك، لماروى جابر رضي الله تعالىٰ عنه: نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم الخ". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، ۲۳۷/۲، سعيد)

" لايجوز التجصيص عند أحد ولاالبناء". (العرف الشذى على هامش الترمذي، أبواب الجنائز، باب كراهية تجصيص القبور والكتابة عليها: ۲۰۲/۱، سعيد)

وانظر للتفصيل: (الفصل السادس من هذا الباب، عنوان: "قبر پر قبر بنانا" ص:۱۵۳)

مولانا ابوالکلام آزاد اور مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمان صاحب کی زندگی میں بھی یہ مسئلہ آیا تھا، ان حضرات کا خیال تھا کہ منتقل کرنے کی صورت یہ ہونی چاہیئے کہ قبر کو کھودنے اور لحد کو کھولنے کے بجائے پوری اٹھائی جائے، یعنی قبر کے چاروں طرف سے دوڈھائی گز تک زمین کھود کر یہ پورا ٹکڑا جس میں لحد اور قبر ہے اس طرح اٹھالیا جائے جیسے بڑے درخت کا پینڈا اٹھایا جاتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا اس صورت میں بھی وہی حکم ہوگا جو لحد کھولنے اور جنازہ کو اس سے نکالنے کا ہوتا ہے، بینوا توجروا۔ انشاء اللہ۔

نیازمند محتاج دعا (حضرت مولانا) محمد میاں ۴/ جمادی الآخر/۸۳ھ۔
۳۔ صفدر جنگ روڈ، نئی دہلی، مورخہ، ۱۷/ اکتوبر/۶۳ء۔

شاہنواز کا خط

محترم جناب مولانا صاحب مدظلہ السلام علیکم۔

۷/ نومبر/۶۳ھ، کو چھ بجے شام لال قلعہ دہلی میں جناب بہادر شاہ ظفر کی برسی منائی جارہی ہے جس کی رسم افتتاح جناب جواہر لال نہرو فرمارہے ہیں، اس موقعہ پر یہ سوال بھی اٹھے گا کہ بہادر شاہ ظفر کی قبر کو رنگون سے دہلی کے لال قلعہ میں منتقل کیا جائے، یہ وہ حسرت ہے جس کو اپنے دل میں لئے ہوئے حضرت ظفر نے وفات پائی، یہ حسرت ان کے اس شعر سے صاف ظاہر ہوتی ہے کہ جس میں انہوں نے فرمایا ہے کہ ۔

دوگز زمین بھی نہ ملی کوئے یار میں

۴۳ء میں جنگِ آزادی کے دوران نیتاجی سبھاش چندر بوس پہلی مرتبہ رنگون گئے تو انہوں نے شہنشاہ بہادر شاہ ظفر کے مزار کے اوپر کھڑے ہو کر ان کی یہ نظم دہرائی تھی ۔

غازیوں میں بو رہے گی جب تلک ایمان کی
تخت لندن تک چلے گی تیغ ہندوستان کی

نیتاجی سبھاش چندر بوس نے وعدہ فرمایا تھا کہ میں سبھاش چندر بوس آپ کے سامنے یہ وعدہ کرتا ہوں کہ میں ہندوستان کی تلوار لندن تک چلاؤں گا اور جو کام جنگِ آزادی کا آپ نے شروع کیا ہے، اس کو پایہ تکمیل تک پہنچاؤں گا۔ اس موقعہ پر آپ نے یہ بھی فرمایا کہ جب ہندوستان آزاد ہوگا اور دہلی کے لال قلعہ کے اوپر ''یونین جیک'' کی جگہ ترنگا جھنڈا لہرائے گا تب آپ کو جنگِ آزادی کے شہنشاہ کی حیثیت سے پوری شان

وشوکت کے ساتھ ولیس واپس لایا جائے گا۔ ظفر کمیٹی کی خواہش ہے کہ نیتاجی سبھاش چندر بوس کے اقرار کو پورا کیا جائے اور شہنشاہ بہادر شاہ ظفر کے مزار کو دہلی کے لال قلعہ میں لایا جائے اور اس کے اوپر ایک شاندار مقبرہ تعمیر کیا جائے۔ ممبران کمیٹی یہ جاننا چاہتے ہیں کہ دینی نقطہ نگاہ سے مزار کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے میں کوئی اعتراض تو نہیں ہے؟ میں بہت مشکور ہوں گا کہ اگر آپ مجھے اس کا جواب دوسرے علمائے کرام سے مشورہ کر کے جلد از جلد دیں۔

زیادہ آداب، آپ کا مخلص (دستخط) شاہنواز خان۔

الجواب حامداًومصلياً:

اصل بات یہ ہے کہ آدمی کا جس بستی میں انتقال ہوا اسی بستی میں اس کو دفن کیا جاوے، اگر اس نے وصیت کی ہو کہ مجھ کو فلاں جگہ دفن کرنا تو اس وصیت پر عمل کرنا لازم نہیں، شرعاً یہ وصیت باطل ہے(۱)۔ "يندب دفنه في جهة موته: أي في مقابر أهل المكان الذي مات فيه أوقتل". شامی (۲)۔

---

(۱) "أوصى بأن يصلي عليه فلان أويحمل بعد موته إلى بلد آخر أويكفن في ثوب كذا .... فهي باطلة". (الدرالمختار، كتاب الوصايا: ٦ /٦٦٦، سعيد)

"ولوأوصى بأن يحمل بعد موته إلى موضع كذا ويد فن هناك .... ووصيته بالحمل باطلة". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوصايا، الباب الثاني في بيان الألفاظ التي تكون وصيةً والتي لاتكون الخ: ٦/٩٥، رشيديه)

"وإذاأوصى بأن ينقل إلى بلد آخر، لاتنفذ وصيته، فإن النقل حرام على المذهب الصحيح المختار الذي قاله الأكثرون وصرح به المحققون". (الأذكار للنووي، باب وصية الميت أن يصلي عليه إنسان بعينه أويد فن على صفة مخصوصة وفي موضع مخصوصة الخ، ص: ١١٦، دار ابن حزم بيروت)

(۲) (ردالمحتار، كتاب الصلاة، صلاة الجنائز، مطلب في دفن الميت: ۲/ ۲۳۹، سعيد)

"القتيل أوالميت يستحب لهما أن يدفنا في المكان الذي قتل أومات فيه في مقابر أولئك القوم، الخ". (البحر الرائق، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۲ /۳۴۲، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية : كتاب الصلاة، الباب الحادي العشرون في الجنائز، الفصل السادس في الدفن والنقل: ١/١٦٧، رشيديه)

حضرت عبد الرحمان ابن ابی بکر کو انتقال کے بعد دوسرے مقام پر لیجاکر دفن کیا گیا، جہاں انتقال ہوا وہاں دفن نہیں کیا، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ایک سفر میں جاتے ہوئے جب ان کی قبر میں پر گذریں تو فرمانے لگیں کہ اگر میرا بس چلتا تو تم یہاں دفن نہ کئے جاتے بلکہ جہاں انتقال ہوا تھا وہیں دفن ہوتے (۱)۔

تاہم اس مسئلہ میں اتنی تنگی نہیں، امام محمد رحمہ اللہ نے میل دو میل کو مقامِ وفات سے حسبِ مصالح دور لیجاکر دفن کرنے کی بھی گنجائش بتائی ہے:

"ولا بأس بنقله قبل دفنه قيل: مطلقاً، وقيل: إلى مادون السفر. وقيده محمد رحمه الله تعالىٰ بقدر ميل أوميلين؛ لأن مقابر البلد ربمابلغت هذه المسافة، فيكره فيمازاد. قال في النهر عن عقد الفرائد: هوالظاهر". شامی(۲)۔ لیکن دفن کے بعد منتقل کرنے کی اجازت نہیں دی: "وأمانقله بعد دفنه، فلامطلقاً". شامی(۳)۔

---

(۱) "عن ابن أبي مليكة، قال: لماتوفي عبد الرحمان ابن أبي بكر رضي الله تعالىٰ عنه بالحبشي وموضع فحمل إلى مكة، فدفن بها، فلماقدمت عائشه رضي الله تعالىٰ عنها أتت قبر عبد الرحمان بن أبي بكر رضي الله عنه، فقالت:

كنا كندماني جزيمةً حقبةً من الدهر حتى قيل لن يتصدّعا
فلما تفرّقنا كأني ومالكاً لطول اجتماعٍ لم نَبِتْ ليلة مّعا

ثم قالت: والله لوحضرتك مادفنت إلاحيث متّ، ولوشهدتك مازرتك". (مشكوة المصابيح، كتاب الجنائز، باب دفن الميت، الفصل الثالث: ۱/۱۴۹، قديمي)

(وكذا في البحر الرائق، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۲/۳۴۲، رشيديه)

(وكذا في حاشية الشيخ الشلبي على تبيين الحقائق، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۱/۵۸۸، دارالكتب العلميه بيروت)

(۲) (الدر المختار مع ردالمحتار، باب الجنائز: ۲/۲۳۹، سعيد)

"وإن نقل قبل دفن إلى قدر ميل أوميلين، فلابأس .... ولاينبغي إخراج الميت من القبر بعد مادفن الخ". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل السادس في الدفن والنقل الخ، ۱/۱۶۷، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۲/۳۴۱، ۳۴۲، رشيديه)

(۳) (الدرالمختار، المصدر السابق)

طحطاوی نے دفن کے بعد منتقل کرنیکی تین صورتیں لکھی ہیں: ایک یہ کہ میت کوکسی غیر کی زمین میں بغیر اجازتِ مالک دفن کر دیا گیا، جس سے وہ حصۂ زمین غصب ہوگیا اور مالک کسی طرح میت کے یہاں رہنے پر رضا مند نہیں ہے بلکہ اس کے نکالنے پر مصر ہے تو ایسی حالت میں مجبوراً دوسری قبر میں منتقل کر دیا جائے، یہ صورت بالاتفاق جائز ہے۔ دوسری صورت کہ میت کو دوسرے قبرستان میں منتقل کرنا مقصود ہے، (خواہ میت کی عظمت ومحبت کی وجہ سے یا اس کی تمنا اور وصیت کی خاطر) یہ صورت بالاتفاق ناجائز ہے۔ تیسری صورت یہ ہے کہ میت کی قبر پر پانی غالب آجائے جس سے میت محفوظ نہ رہ سکے اس صورت میں بعض حضرات نے میت کو منتقل کرنیکی اجازت دی ہے، بعض نے منع کیا ہے(۱)۔

واقعہ مسئولہ دوسری صورت میں داخل ہے جوکہ بالاتفاق ناجائز ہے، یہ تاویل کہ دوڈھائی گز زمین کھود کر اٹھالی جائے کارآمد نہیں، کیونکہ اصل مقصود نعش کو منتقل کرنا ہے اور جو کچھ مٹی ساتھ آئے گی وہ نعش کے تابع ہوکر منتقل ہوگی جس طرح کے میت کے ساتھ کفن، تابوت ہو کہ وہ تابع میت ہے نہ کہ مقصود اصل، لہٰذا اس منتقل کرنے کو بھی کہا جائے گا کہ میت کو منتقل کیا گیا ہے، یہ نہیں کہا جائے گا کہ قبر کی مٹی منتقل کر کے لائے ہیں، پھر دہلی لاکر شاندار مقبرہ تعمیر کیا جائے گا، یہ بناء علی القبر ہے جس کی حدیث پاک میں ممانعت آئی ہے(۲) اور فقہاء نے اس کو حرام لکھا ہے:" وفي الشرنبلاني عن البرهان: يحرم البناء عليه للزينة ويكره للإحكام بعد

---

(۱) "النقل بعد الدفن على ثلاثة أوجه، في وجه يجوز بالاتفاق، وفي وجه لايجوز بالاتفاق وفي وجه اختلاف: أما الأول فهوإذا دفن في أرض مغصوبة أو كفن في ثوب مغصوب ولم يرض صاحبه إلا بنقله عن ملكه أو نزع ثوبه، جاز أن يخرج منه، جاز بالاتفاق. وأما الثاني فكالأم إذا أرادت أن تنظر إلى وجه ولدها أو نقله إلى المقبرة أخرى، لايجوز بالاتفاق. وأما الثالث إذا غلب الماء على القبر، فقيل: يجوز تحويله، الخ". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، باب أحكام الجنائز، فصل في حملها ودفنها، ص: ۶۱۵، قديمي)

(وكذا في الدر المختار مع رد المحتار، باب الجنائز: ۲۳۸/۲، سعيد)

(وكذافي البحر الرائق، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۳۴۱/۲، رشيديه)

(۲) "أنه سمع جابراً رضي الله تعالىٰ عنه يقول: سمعت النبي صلى الله عليه وسلم نهى أن يقعد على القبر إن يقصص ويبنى عليه". (سنن أبي داؤد، كتاب الجنائز. باب في البناء على القبر: ۱۰۴/۲، امداديه)

الدفن". طحطاوی(۱)۔

تنبیہ: شہنشاہ کا لفظ غیر اللہ کیلئے استعمال کرنا جائز نہیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

دفن کے بعد میت نے خواب میں کہا کہ "میں زندہ ہوں" تو کیا اس کو نکالا جائے؟

سوال[۴۲۵۵]: ایک لڑکا تقریباً ۲۳/سال عمر کا رمضان المبارک میں سحری کھا کر نماز کے لئے مسجد جارہا تھا کہ راستہ میں وہ گر گیا، ایسا معلوم ہوا کہ اس کو دورہ ہو گیا ہے، کیونکہ اس سے پہلے بھی اس کو دو مرتبہ دورے پڑے تھے اور وہ راستہ میں ایسی حالت میں تھا جیسے سجدہ کر رہا ہو۔ اس کے وارثین کو اطلاع دی گئی اور پھر ڈاکٹروں کو دکھلایا گیا تو معلوم ہوا کہ وہ ختم ہو چکا ہے، لیکن اس کے بشرے اور چہرے وہیئت سے مُردنی کے آثار آٹھ گھنٹے تک معلوم نہیں ہوئے، بعدہ اس کو دفن کر دیا گیا۔ رات کو اس کی ہمشیرہ نے خواب میں دیکھا کہ وہ کہہ رہا ہے میں تو زندہ ہوں، مجھے کیوں دفنا دیا، میں تو نجیب آباد گیا تھا اور دیکھا کہ مسجد کی طرف سے زندہ اپنی قبر کی طرف آرہا ہے وغیرہ ذلک۔ اب اقرباء کا کہنا ہے کہ اس مسئلہ میں علماء سے رجوع کریں، مرحوم نہایت پابندِ صوم و صلوٰۃ تھا۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ آیا اسے قبر کھود کر نکال لیا جائے یا نہیں؟ جواب سے ممنون فرمائیں۔

المستفتی: حشمت اللہ خان، محلّہ احمد تیل کردو، ضلع بجنور (یوپی)۔

---

(۱) (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، باب أحكام الجنائز، فصل في حملها ودفنها، ص: ۶۱۱، قديمي)

"(قوله: ولايرفع عليه بناء): أي يحرم لو للزينة". (ردالمحتار، باب الجنائز، مطلب في دفن الميت: ۲/۲۳۷، سعيد)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، الجنائز، فصل: وأماسنن الدفن: ۲/۶۵، رشيديه)

(۲) "عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه يبلغ به النبي صلى الله عليه وسلم، قال: "أخنع اسم عند الله يوم القيامة رجلٌ تسمى بملك الأملاك". قال سفيان: "شاهان شاه" هذاحديث صحيح، وأخنع يعني أقبح". (جامع الترمذي، أبواب الاستيذان والأدب، باب ماجاء مايكره من الأسماء: ۲/۱۱۱، سعيد)

(وكذا في زاد المعاد لابن قيم الجوزية، فصل في هديه صلى الله عليه وسلم في الأسماء والكنى، ص: ۳۴۹، دارالفكر، بيروت)

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب ماہر ڈاکٹر نے دیکھ کر تجویز کردیا کہ موت واقع ہوگئی ہے اور اس یقین کے ساتھ اس کو دفن کیا گیا تو محض خواب کی بنا پر قبر کھودنے کی اجازت نہیں، کذا فی الشامی(۱)، خواب شرعی حجت نہیں (۲) کہ اس کا

---

(۱) "لو دفن مستدبراً لها و أهالو التراب، لا ينبش؛ لأن التوجه إلى القبلة سنة والنبش حرام".
(ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الجنازة : ۲/۲۳۸، سعيد)

"و لو وضع الميت لغير القبلة أو على شقه الأيسر أو جعل رأسه موضع رجليه وأهيل على التراب، لم ينبش". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادى والعشرون فى الجنائز، الفصل السادس فى الدفن والنقل : ۱/۱٦۷، رشيديه)

(۲) "إن أباقتادة الأنصاى رضى الله تعالىٰ عنه –وكان من أصحاب النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم و فرسانه– قال: سمعت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "الرؤيا من الله، والحلم من الشيطان". الحديث". (صحيح البخارى ، كتاب التعبير، باب الحلم من الشيطان : ۲/۱۰۳۷، قديمى)

"الصحيح ماعليه أهل السنة أن الله يخلق في قلب النائم اعتقادات كما يخلقها في قلب يقظان، فإذا خلقها فكأنه جعلها علماً على أمور اخرى يخلقها فى ثانى الحال، ومهما وقع منها على خلاف المعتقد، فهو كما يقع لليقظان، و نظيره أن الله خلق الغيم علامةً على المطر و قد يتخلف. وتلك الاعتقادات تقع تارةً بحضرة الملك فيقع بعدها ما يسر، أو بحضرة الشيطان فيقع بعدها ما يضر، والعلم عند الله تعالىٰ". (كتاب المنامات للشيخ عبد السلام، الفصل الثالث فى حقيقة الرؤيا، ص: ۵۹، دار المعرفة ، بيروت)

"إن الله سبحانه يخلق فى قلب النائم اعتقادات كما يخلقها فى قلب اليقظان و هو سبحانه يخلق ما يشاء لا يمنعه نوم و لا يقظة، و قد جعل سبحانه تلك الاعتقادات عَلَماً على أمور يخلقها فى ثانى الحال، ثم إنّ مايكون علما على ما يسر يخلقه بغير حضرة الشيطان وما يكون علما على ما يضر يخلقه بحضرته، الخ". (روح المعانى، (سورة يوسف، پ: ۱۳، آیت : ۵) ۱۲/ ۱۸۱، دار إحياء التراث العربى، بيروت)

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے:(فتح البارى، كتاب التعبير، باب أول ما بدىء به رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم الخ، (رقم الباب : ۹۱): ۱۲ /۴۳۷، قديمى)

یقین ضروری ہو۔ اچانک اس طرح موت واقع ہوجانے سے عامۃً تعجب بھی ہوتا ہے اور ذہنوں میں خیال رہتا ہے بسا اوقات اسی کے مطابق خواب نظر آجاتا ہے۔

اگر واقعتاً وہ زندہ دفن کردیا گیا اور خواب پر اعتماد ہے تو خواب میں اس نے یہ کہا میں تو نجیب آباد گیا تھا تو کیا وہ قبر سے نکل کر، یا بجائے قبر کے نجیب آباد گیا تھا۔ نیز اس کو خواب میں دیکھا کہ وہ مسجد کی طرف سے آرہا ہے اور اپنی قبر کی طرف جارہا ہے تو کیا وہ قبر سے نکل کر مسجد کی طرف گیا تھا۔ غرض یہ سب خیالات ہیں، ان کی بناء پر قبر نہ کھودی جائے گی اور ایک کھلی ہوئی ظاہری بات ہے کہ اتنی مٹی کے نیچے جہاں ہوا نہ ہو وہاں کوئی زندہ کیسے رہ سکتا ہے، اگر بطورِ خرق عادت کے محض قدرت خداوندی کی بنا پر وہ زندہ ہے اور حق تعالیٰ کو اس کو زندہ رکھنا منظور ہے تو اللہ پاک کو قدرت ہے کہ بغیر قبر کھودے اس کو خرق عادت کے طور پر باہر نکال کر بھیج دے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۱۰/۸۹ھ۔

پوسٹ مارٹم کے لئے قبر کھود کر میّت کو نکالنا

سوال[۴۲۵۶]: ۱..... کیا زہر خوانی وغیرہ کے معاملات میں نعش دفن ہوجانے کے بعد بغرضِ پوسٹ مارٹم نعش برآمد کرنے کی شرعاً ممانعت ہے؟ نعش کا پوسٹ مارٹم ایک وجہ ثبوت ہچوقسم معاملات میں فراہم کرتا ہے۔

۲..... اگر ایسا ہو تو کیا پولیس کو نعش برآمد کرنے سے روکنا، اس کے خلاف احتجاجی کارروائی کرنا مسلمانوں پر واجب ہے؟ خواہ وہ سلسلہ میں مزاحمت سرکاری ملازم کی زد میں بھی آتے ہوں۔

۳..... کیا احترامِ قبر ومیت شرع میں اس حد تک رکھا گیا ہے کہ قصاصی کارروائی کے سلسلہ میں بھی اگر نعش برآمد کرنے کی قانوناً ضرورت ہو تو بھی نہ کی جائے۔

۴..... جو شخص پولیس میں اس مرگِ مفاجات کی رپورٹ کرتا ہے وہ کسی حکم شرعی کی خلاف ورزی کا ذمہ دار قرار دیا جاسکتا ہے اور کسی شرعی سزا کا مستوجب ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... دفن کرنے کے بعد مذکورہ مقصد کے لئے نعش کو قبر کھود کر نکالنا شرعاً درست وجائز نہیں (۱)، نعش کو

(۱) "إذا دفن بلاغسل أو صلوة أو وضع على غير يمينه أو غير القبلة، فإنه لاينبش عليه بعد إهالة التراب".

(ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة: ۲/۲۳۸، سعید) .... =

چیرنا بھی جائز نہیں(۱)۔زہرخوانی کا ثبوت مجرم کے اقرار یا گواہوں کے ذریعہ ہوسکتا ہے(۲)، پوسٹ مارٹم کے

= ولووضع الميت لغير القبلة أو شقه الأيسر أو جعل رأسه موضع رجليه وأهيل عليه التراب، لم ينبش". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل السادس في الدفن الخ: ١/١٦٧، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ٢/٣٣٩، رشيديه)

(١) قال الله تعالىٰ: ﴿ولقد كرمنا بني آدم وحملنهم في البر والبحر﴾ الاية. (سورة الإسراء، پاره: ١٥، آية: ٧٠)

"عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "كسرُ عظم الميت ككسره حياً". (سنن أبي داؤد، كتاب الجنائز، باب في الحفار يجد العظم هل يتنكب ذلك المكان: ٢/١٠٢، إمداديه)

"ولايجوز بيع شعور الإنسان ولاالانتفاع بها؛ لأن الآدمي مكرّم لامبتذل، فلايجوز أن يكون شيئ من أجزائه مهاناً ومبتذلاً .... والآدمي مكرم وإن كان كافراً، فإيراد العقد عليه وإبْداله به وإلحاقه بالجمادات إذلالٌ له". (فتح القدير، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ٦/٤٢٥، مصطفى البابي الحلبي، مصر)

(وكذا في الدر المختار مع رد المحتار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، مطلب الآدمي مكرم شرعاً ولو كافراً: ٥/٥٨، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الثامن عشر في التداوي والمعالجات: ٥/٣٥٤، رشيديه)

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: (الأشباه والنظائر، القاعدة الخامسة: ١/٢٧٥، إدارة القرآن، كراچی)

(٢) "المرء مواخذ بإقراره". "يعني إذا أقرّ الحر البالغ لزمه، أقره مجهولاً كان ما أقره أو معلوماً، وقد رجم -صلى الله تعالىٰ عليه وسلم- ماعزاً بإقراره أربع مرات". (القواعد الفقهية مع حاشية عميم الاحسان المجددي، رقم القاعدة: ٣١٤، ص: ١٢٠، الصدف پبلشرز)

"وهي (الشهادة) إخبار صدق لإثبات حق .... بلفظ الشهادة في مجلس القاضي .... ونصابها للزنا أربعة رجال ليس منهم ابن زوجها، الخ". (الدرالمختار، كتاب الشهادات: ٥/٤٦١، ٤٦٤، سعيد)

"تنبيه: بقي طريق ثبوت الحكم: أي بعد وقوعه .... فقال: له وجهان، أحدهما: اعترافه حيث كان .... الثاني: الشهادة على حكمه بعد دعوى صحيحة". (ردالمحتار، كتاب القضاء: ٥/٣٥٤، سعيد)

ذریعہ جو ثبوت ہو وہ شرعی ثبوت نہیں اور ایسے ثبوت پر کسی کو مجرم قرار دے کر سزا دینے کا بھی حق نہیں۔

۲......ایسی صورت میں قانونی چارہ جوئی وکیلوں سے کی جاسکتی ہے، قانون کو اپنے ہاتھ میں لے کر مقابلہ کرنے کے نتائج بسا اوقات اتنے خطرناک ہوتے ہیں کہ ان کا تحمل دشوار ہوتا ہے اور ایسا فتنہ کھڑا ہوجاتا ہے جس کا خمیازہ بہت سے بے قصوروں کو بھگتنا پڑتا ہے۔

۳......اس کا جواب نمبر ایک میں آگیا ہے۔

۴......اخفائے واردات جرم ہے، اگر اس جرم سے بچنے کے لئے اطلاع کی ہے کہ اگر اطلاع نہ کرتا تو وہ مستوجبِ سزا ہوتا تب تو مضائقہ نہیں ہے(۱)، اگر اس تحفظ کے علاوہ دوسرا مقصد ہے کہ دوسروں کو بلا وجہ شرعی ذلیل کیا جائے تو یہ سخت معصیت ہے(۲)، اس نے قبر کی بھی بے حرمتی کی اور میت کی بھی بے حرمتی کی، اگر اقتدار اعلیٰ ایسے شخص کے ہاتھ میں ہو جو شرعی سزا دینے کا مجاز ہو تو وہ حسبِ صوابدید تعزیر کرسکتا ہے، ہر شخص کو تعزیر کا حق نہیں(۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۷/۸۹ھ۔

---

(۱) "الضرورات تبیح المحظورات". (قواعد الفقه، رقم القاعدة: ۱۷۰، ص: ۸۹، الصدف پبلشرز)

(وکذا فی شرح الأشباه والنظائر، القاعدة الخامسة: ۱/۲۵۱، إدارة القرآن، کراچی)

(وکذا فی شرح المجلة، (رقم المادة: ۲۱): ۱/۲۹، مکتبه حنفية کوئٹه)

(۲) قال الله تعالیٰ: ﴿ویل لکل همزة لمزة﴾. (سورة الهمزة، پاره: ۳۰)

قال ابن کثیر تحتها: "الهماز بالقول واللّماز بالفعل، یعني یزدری الناس وینتقص بهم". (تفسیر ابن کثیر: ۵۴۸/۴، سهیل اکیڈمی، لاهور)

"عن عقبة بن عامر رضی الله تعالیٰ عنه أن رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قال: "من ستر مؤمناً کان کمن أحییٰ موء ودة من قبرها". (مسند أحمد، أحادیث عقبة بن عامر رضی الله تعالیٰ عنه، رقم الحدیث، ۱۶۸۸۰: ۱۴۳/۵، دار إحیاء التراث العربی، بیروت)

(۳) "وعزر کل مرتکب منکر أو مؤذی مسلم بغیر حق بقول أو فعل". (الدر المختار، کتاب الحدود، باب التعزیر: ۶۶/۴، سعید)

"قالوا: لکل مسلم إقامة التعزیر حال مباشرة المعصیة، وأما بعد المباشرة، فلیس ذلک لغیر الحاکم..........الأصل فی وجوب التعزیر أن کل من ارتکب منکراً أو آذی مسلماً بغیر حق بقوله أو بفعله یجب التعزیر، الخ". (الفتاوی العالمکیریة، کتاب الحدود، فصل فی التعزیر: ۱۶۷/۲، ۱۶۸، رشیدیه)

قبر پر کھیتی

سوال[۴۲۵۷]: زید کے باغ میں کوئی قبر تھی اس نے اس کو بذریعہ ہل کے بے نشان کردیا اور وہاں پر اناج بودیا، فرمایئے اس قبر کا اناج پیدا شدہ اس کے لئے کیا ہوگا، نیز قبر کا بے نشان کرنا شرعاً کیسا ہے؟

بندہ محمد یامین بہٹوی، ۳۰/ جمادی الثانیہ/ ۱۳۵۶ھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ قبر اتنی پرانی تھی کہ اس میں میت مٹی بن چکی تھی تو اس میں ہل چلانے میں مضائقہ نہیں بلکہ وہاں کھیتی وغیرہ درست ہے(۱)، یا کسی نے بغیر زید کی اجازت کے زید کی زمین میں اپنے مردہ کو دفن کردیا تھا تب بھی زید کو جائز ہے کہ وہ اس جگہ کھیتی وغیرہ کرے(۲)۔ اور اگر خود کوئی زید کا مردہ تھا، یا زید کی اجازت سے اس میں دفن کیا گیا تھا تو زید کو اس مردہ کے اس قدر پرانا ہونے سے پہلے کہ مٹی ہوجائے اس جگہ کھیتی کرنا درست نہیں، تاہم وہاں کے اناج میں اس سے خرابی نہیں آتی، اس سے قبر کے بے نشان کرنے کا حکم بھی معلوم ہوگیا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۴/ ۷/ ۵۶ھ۔

---

(۱) "ولوبلى الميت وصار تراباً، جاز دفن غيره في قبره، وزرعه والبناء عليه". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب الحادى والعشرون في الجنائز، الفصل السادس في الدفن الخ: ۱/ ۱۶۷، رشيديه)

"ولوبلى الميت وصار تراباً، جاز دفن غيره في قبره، وزرعه والبناء عليه". (تبيين الحقائق، باب الجنائز: ۱/ ۵۸۹، دار الكتب العلميه، بيروت)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة: ۲/ ۲۳۸، سعيد)

(۲) "(ولا يخرج منه) بعد إهالة التراب (إلا) لحق آدمي (بأن تكون الأرض مغصوبةً أو أخذت بشفعة، ويخيّر المالك بين إخراجه ومساواته بالأرض، كما جاز زرعه والبناء عليه إذا بلى وصار تراباً، زيلعي". (الدر المختار، باب الجنائز: ۲/ ۲۳۸، سعيد)

"قال رحمه الله تعالىٰ: (إلا أن تكون الأرض مغصوبةً) فيخرج بحق صاحبها إن شاء، وان شاء سواه مع الأرض و انتفع به زراعة أو غيرها". (تبيين الحقائق، باب الجنائز: ۱/ ۵۸۸، دار الكتب العلميه، بيروت)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۲/ ۳۴۱، رشيديه)

قبرستان کو عیدگاہ میں شامل کرنا اور پختہ قبروں کو ہموار کرنا

سوال[۴۲۵۸]: عیدگاہ کے متصل جو زمین ہے وہ کسی زمانہ میں قبرستان تھا اور وہ قبرستان کے نام سے کاغذات میں درج ہے لیکن عرصہ سے وہاں مردے دفن نہیں ہوتے، البتہ چند پختہ قبریں موجود ہیں، وہ زمین پر پڑی ہوئی ہے تو اس کو عیدگاہ میں شامل کر سکتے ہیں یا نہیں اور یہ پکی قبریں ہموار کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر مردے دفن کرنے کے لئے اس زمین کی ضرورت نہیں وہ بیکار پڑی ہے اور عیدگاہ میں داخل کرنے کی ضرورت ہے، قبر جب اتنی پرانی ہو جائے کہ اس میں میت باقی نہ رہے بلکہ مٹی بن چکی ہو تو اس کا حکم بھی بدل جاتا ہے، نہ اس کا احترام باقی رہتا ہے، نہ وہاں نماز ممنوع ہوتی ہے، نہ تعمیر اور کھیتی منع رہتی ہے بلکہ حسبِ ضرورت ان سب چیزوں کی اجازت ہو جاتی ہے۔ پختہ قبر بنانا تو شرعاً درست ہی نہیں، اگر فتنہ کا خوف نہ ہو تو پختہ قبروں کو برابر کیا جائے (۱) اور زمین کو عیدگاہ میں شامل کر لیا جائے (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۱۲/۱۹/ ۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۱۲/۲۰/ ۸۸ھ۔

---

(۱) "شرطهما (الأمر والنهي) أن لا يؤدي إلى الفتنة، كما علم من الحديث، وأن يظن قبوله، فإن ظن أنه لا يقبل فيستحسن إظهار شعار الإسلام". (مرقاة المفاتيح، كتاب الآداب، باب الأمر بالمعروف: ۸/۸۲۲، رشيديه)

(۲) "جاز زرعه والبناء عليه إذا بلىٰ وصار تراباً". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة: ۲/۲۳۸، سعيد)

"ولو بلى الميت وصار تراباً، جاز دفن غيره في قبره وزرعه، والبناء عليه". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الثالث في الدفن الخ: ۱/۱۶۷، رشيديه)

"ولو بلى الميت وصار تراباً، جاز دفن غيره في قبره وزرعه والبناء عليه". (تبيين الحقائق، باب الجنائز: ۱/۵۸۹، دار الكتب العلمية، بيروت)

قبرستان کے درمیان میں راستہ بنانا

سوال[۴۲۵۹]: قبرستان کے درخت وغیرہ صاف کر کے بیچ میں راستہ بنانا کیسا ہے؟ اور راستہ میں مرد و عورت سب چلتے ہیں، مع حوالہ تحریر کیجئے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر قبرستان وقف ہو تو وہاں کو راستہ، سڑک بنانا درست نہیں، درختوں کو کاٹ کر جتنی جگہ کو راستہ بنایا جاوے گا اس میں مردے دفن نہیں کئے جاسکیں گے، یہ منشائے واقف کے خلاف ہے: "شرط الواقف کنص الشارع، اھ" شامی(۱)۔ ہاں اگر مردے لے جانے کے لئے راستہ نہیں تو راستہ بنایا جاوے تاکہ وہاں کو مردے لے جاسکیں تو اس میں مضائقہ نہیں ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۴/۹۰ھ۔

قبروں پر چلنا

سوال[۴۲۶۰]: قبرستان میں قبروں کے ٹوٹے ہوئے اور بے ترتیب ہونے کے باعث قبرستان میں میت لاتے وقت لوگ قبروں کو اپنے پیروں سے مسلتے چلے جاتے ہیں، اس وجہ سے اگر چند قبروں کو ہموار کر کے سیدھے راستے بنادیئے جائیں تو کیا یہ جائز ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جہاں قبریں ہوں وہاں میت کو لے کر سب آدمی جمع ہو کر نہ جائیں جس سے قبروں پر پیر آئیں، بلکہ بچا بچا کر بقدرِ ضرورت آدمی جائیں اور قبروں کو بچا کر جائیں (۲)، اسی طرح دفن کرنے کے لئے آنے جانے

---

(۱) (ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب الوقف، فصل یراعی شرط الواقف فی إجارته: ۴/۴۳۳، سعید)

"أجمعت الأمة أن من شروط الواقفين ماهو صحيح معتبر يُعمل به". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۴۱۱، رشيديه)

"لأنّ شرط الواقف معتبر فيراعى كالنصوص، الخ". (تبيين الحقائق، كتاب الوقف: ۴/۲۶۹، سعيد)

(۲) "عن جابر رضى الله تعالىٰ عنه قال: نهى رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أن تجصص القبور =

کے قابل جگہ چھوڑ کر قبر بنائیں، قبروں کو ہموار کر کے راستہ بنانے کی گنجائش ہے، جبکہ قبر اتنی پرانی ہو کہ میت مٹی بن چکی ہو(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

کسی کی قبر پر ٹیک لگانا

سوال[۴۲۶۱]: قبر سے ٹیک لگانا یہ احتراماً ممنوع ہے یا اس سے مردے کو بھی تکلیف پہونچتی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

خلافِ احترام سے بھی اذیت ہوتی ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۴/۸۶ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۴/۱۳۸۶ھ۔

جواب صحیح ہے: سید مہدی حسن غفرلہ۔

= وأن يكتب عليها وأن يبنى عليها وأن توطأ". (جامع الترمذی، أبواب الجنائز، باب ماجاء في كراهية تجصص القبور والكتابة عليها: ۱/۲۰۳، سعید)

"ويكره الجلوس على القبر ووطؤه". (ردالمحتار، باب صلاة الجنازة: ۲/۲۴۵، سعید)

"ويكره أن يطأ القبر أو يجلس أو ينام عليه، الخ". (البحر الرائق، باب صلاة الجنازة، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۲/۳۴۱، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادى والعشرون في الجنائز، الفصل السادس في الدفن والنقل الخ: ۱/۱۶۶، رشيديه)

(۱) "ولو بلى الميت وصار تراباً، جاز دفن غيره في قبره وزرعه والبناء عليه". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادى والعشرون في الجنائز، الفصل السادس الخ: ۱/۱۶۶، رشيديه)

"ولو بلى الميت وصار تراباً، جاز دفن غيره في قبره وزرعه والبناء عليه". (تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۱/۵۸۹، دارالكتب العلميه، بيروت)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الصلوٰة، باب صلوة الجنازة: ۲/۲۳۸، سعيد)

(۲) "عن عمرو بن حزم رضى الله تعالىٰ عنه قال: رانى النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم متكئاً على قبر، =

9

قبر کے قریب پیشاب کرنا

سوال[۴۲۶۲]: اگر کوئی شخص کسی بزرگ کی قبر سے گز دوگز کے فاصلہ پر پیشاب واستنجا کرے تو کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

عین قبر پر پیشاب یا پاخانہ کرنا حرام ہے، بزرگانِ دین کی قبر کا زیادہ احترام کرنا چاہیئے، قبر سے فاصلہ پر ضرورت پوری کرنے کی گنجائش ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۱۰/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۱۰/۸۷ھ۔

= فقال: "لا تؤذ صاحب هذا القبر" أو "لاتؤذه". (مشكوة المصابيح، كتاب الجنائز، باب دفن الميت: ۱۴۹/۲، قديمي)

"ويكره الجلوس على القبر ووطؤه". (ردالمحتار، باب صلاة الجنازة: ۲۴۵/۲، سعيد)

"ويكره أن يطأ القبر أويجلس أو ينام عليه، الخ". (البحر الرائق، باب صلاة الجنازة، فصل: السلطان أحق بصلاته الخ: ۳۴۱/۲،رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل السادس في الدفن والنقل الخ": ۱۶۶/۱،رشيديه)

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لأن يجلس أحدكم على جمرة، فتحرق ثيابه، حتى تخلص إلى جلده خيرٌ من أن يجلس على قبر" .... وقال أيضاً: "لاتجلسوا على القبور ولا تصلّوا إليها". (سنن أبي داؤد، كتاب الجنائز، باب في كراهية القعود على القبر: ۱۰۴/۲، إمداديه)

"(ويكره وطئ القبر والجلوس والنوم) والبول والغائط". (الدر المنتقى في شرح الملتقى على هامش مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲۷۶/۱، مكتبه غفاريه كوئته)

"وكره أبوحنيفة رحمه الله تعالىٰ أن يوطأ على قبر أو يجلس عليه أو ينام عليه أو تقضى عليه حاجة من بول أو غائط". (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل في سنة الدفن: ۶۵/۲،رشيديه)

(وكذا في رد المحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة: ۲۴۵/۲، سعيد)

قبرستان میں خاردار پودوں کو آگ لگانا

سوال[۴۲۶۳] : یہاں قبرستان میں بہت زیادہ خاردار پودے لگے ہوئے ہیں جس کی وجہ سے بغیر جوتا پہنے قبرستان میں جانا مشکل ہے بلکہ ناممکن ہے۔اب سوال یہ ہے کہ:

(الف)......جوتا پہن کر قبرستان میں جاسکتے ہیں،اس میں کوئی کراہت تو نہیں ہے؟

(ب)......خاردار پودے سوائے جلانے کے ختم نہیں ہوسکتے تو کیا قبرستان میں آگ جلاکر ان پودوں کو ختم کر سکتے ہیں؟

(ج)......میت پر بلند آواز سے قرآن پاک پڑھنا اور ہاتھ اٹھا کر دعاء مانگنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

(الف)......اس حالت میں کراہت نہیں(۱)۔

(ب)......قبرستان سے جو اصل غرض متعلق ہے (تدفین) جب اس کا حصول ان خاردار پودوں کی وجہ سے دشوار ہوگیا اور بغیر جلائے ان کانٹوں کو دور نہیں کیا جاسکتا تو جلاکر ان کو ختم کردیا جائے(۲)۔

(ج)......غالباً سائل کا مقصود میت کو دفن کرنے کے بعد قبر کے پاس قرآن کریم پڑھنے کو دریافت کرنا ہے تو شرعاً جائز ہے، نافع ہے، دفن کے بعد سر کی طرف سورۂ بقرہ کا اول اور پیر کی طرف سورۂ بقرہ کا اخیر

---

(۱) "والمشي في المقابر بنعلين لايكره عندنا". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز،الفصل السادس في الدفن الخ".: ۱/۱۶۷،رشيديه)

"ولايكره المشي في المقابر بالنعلين عندنا".(حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، أحكام الجنائز،ص: ۶۲۰، قديمي)

(۲)"عن أبي هريرة رضي الله تعالیٰ عنه قال :قال رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم:" الإيمان بضع وسبعون أو بضع و ستون شعبةً، فأفضلهاقول: لاإله إلاالله، وأدناها إماطة الأذى عن الطريق، والحياء شعبة من الإيمان".

"قوله :صلى الله تعالیٰ عليه وسلم: "أدناها إماطة الأذى عن الطريق". أي تنحيته وإبعاده، والمراد بالأذى كل مايؤذي من حجر أومدر أوشوك أوغير". (الصحيح لمسلم مع شرحه للنواوي رحمه الله تعالیٰ، كتاب الإيمان، باب بيان عدد شعب الإيمان الخ: ۱/۴۷، قديمي)

پڑھنا بعض آثارِ صحابہ سے ثابت ہے(۱)۔

مشکوٰۃ شریف،ص:۱۴۹:"عن عبداللّٰہ بن عمررضی اللّٰہ تعالیٰ عنهما قال: سمعت النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم یقول: "إذا مات أحدکم، فلاتحبسوه، وأسرعوابه إلیٰ قبره، ولیقرأ عند رأسه ......فاتحة البقرة وعند رجلیه بخاتمة البقرة، الخ"(۲)۔

تلاوتِ کلام پاک سراً وجہراً دونوں طرح درست ہے،دعاء ہاتھ اٹھا کراور بغیر ہاتھ اٹھائے دونوں طرح درست ہے،اگر ہاتھ اٹھائے تو رخ قبلہ کی طرف کرے،کذافی فتح الباری(۳)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ،دارالعلوم دیو بند،۵/۴/۹۲ھ۔

جنات کا مدفن

سوال[۴۲۶۴]:جنات کہاں دفن ہوتے ہیں؟اس کے بارے میں لکھیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

زمین میں،سمندر میں اور پہاڑوں میں بھی دفن ہوتے ہیں۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ،دارالعلوم دیو بند،۲۵/۵/۹۱ھ۔

الجواب صحیح:بندہ نظام الدین عفی عنہ،دارالعلوم دیو بند۔

---

(۱)"قال لی أبی اللجلاج أبو خالد رضی الله تعالیٰ عنه: "یابنیّ! إذا أنامت فالحد لی، فإذا وضعتنی فی لحدی فقل: بسم الله وعلی ملة رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم، ثم سن عليّ التراب سنا، ثم اقرأ عند رأسی بفاتحة البقرة وخاتمها، فإنی سمعت رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم یقول ذلک". رواه الطبرانی فی المعجم الکبیر وإسناده صحیح". (آثار السنن،کتاب الجنائز،باب قرأة القرآن للمیت، ص: ۳۳۸، مکتبه امدادیه)

(۲)(مشکوٰة المصابیح، کتاب الجنائز،باب فی دفن المیت، الفصل الثالث: ۱/۱۴۹، قدیمی)

(۳) "وفی حدیث ابن مسعود رضی الله تعالیٰ عنه: رأیت رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم فی قبرعبدالله ذی النجادین" الحدیث. وفیه: "فلما فرغ من دفنه، استقبل القبلة رافعاً یدیه" أخرجه أبوعوانة فی صحیحه". (فتح الباری، کتاب الدعوات،باب الدعاء،مستقبل القبلة، (رقم الحدیث: ۶۳۴۳،ورقم الباب: ۳۵) : ۱۱/۱۷۳، قدیمی)

بعد دفن ہاتھ اٹھا کر دعاء مانگنا

سوال[۴۲۶۵]: قبرستان میں فاتحہ کے بعد ایصال ثواب کے لئے دعا کے وقت ہاتھ اٹھانا چاہئے یا نہیں؟

احقر الناس بندہ محمد احسن۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ثواب پہنچانے کے لئے ہاتھ اٹھانا ضروری نہیں، بغیر ہاتھ اٹھائے بھی ثواب پہنچ جاتا ہے، نیز اس سے دیکھنے والوں کو شبہ ہوتا ہے کہ شاید صاحبِ قبر سے کچھ مانگ رہا ہے، اس لئے بہتر یہ کہ ہاتھ نہ اٹھائے جائیں(۱)، اگر اٹھانا ہی ہو تو قبلہ رو ہو کر اٹھائے جائیں تا کہ شبہ مذکورہ نہ رہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

---

(۱)"عن ابن عباس رضي الله تعالیٰ عنهما قال: مرّ رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم بقبور المدینة، فأقبل علیهم بوجهه فقال:" السلام علیکم یاأهل القبور، یغفرالله لناولکم، أنتم سلفنا،ونحن بالأثر". (جامع الترمذی، أبواب الجنائز،باب مایقول إذادخل المقابر: ۱/۲۰۳، سعید)

(وکذافی الأذکار للنووی رحمه الله تعالیٰ،باب مایقوله زائر القبور، ص:۱۱۸،دارابن حزم)

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے:(شرح الصدور في أحوال الموتی والقبور للإمام جلال الدین السیوطی رحمه الله تعالی، باب زیارة القبور وعلم الموتی بزوارهم ورؤیتهم لهم، ص: ۲۰۱-۲۲۵)

(۲) "وفي حدیث ابن مسعود رضي الله تعالیٰ عنه: رأیت رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم في قبر عبدالله ذي النجادین". الحدیث. وفیه: "فلمافرغ من دفنه، استقبل القبلة رافعاً یدیه" أخرجه أبوعوانه في صحیحه". (فتح الباري، کتاب الدعوات،باب الدعاء مستقبل القبلة، (رقم الحدیث:۶۳۴۳، ورقم الباب: ۲۵): ۱۱/۱۷۳،قدیمي)

"عن محمد بن قیس بن مخرمة بن المطلب أنه قال یوماً: ألا أحدثکم عني وعن أمّي؟ قال: فظننا أنه یرید أمه التي ولدته. قال: قالت: عائشة رضي الله تعالیٰ عنها: ألا أحدثکم عني وعن رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم؟ قلنا:بلیٰ، قال: قالت: لمّا کانت لیلتي التي کان النبي صلی الله تعالی علیه وسلم =

ایضاً

سوال[۴۲۶۶]: میت کودفن کرنے کے بعدفوراً قبر پرمیت کے لئے دعاء کرنا کیسا ہے؟اگر درست ہے تو قبر کے پاس ہی یا الگ ہٹ کر؟ نیز فاصلہ کی بھی اگر کہیں تصریح ہوتو تحریر فرمائیں۔

مفہوم حدیث: نیز حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جوفرمایا کہ دعاء کرو اپنے بھائی کے لئے، اس کو قبر میں دفن کرنے کے بعد اتنی دیر تک جتنی دیر نکیرین سوال کرتے ہیں، کیونکہ اس عمل سے مردہ کو جواب دینے میں سہولت ہوتی ہے(۱) اور وہ نکیرین کے سوال سے گھبراتا نہیں ہے، یہ حکم عام تھا یا خاص؟

دوسرے اگر دعاء مانگی جائے تو ہاتھ اٹھا کر یا ایسے ہی؟ نیز گذشتہ سال دو طالب علموں کے دفن میں شرکت کا موقع ملا، لیکن کسی کو اجتماعی شکل میں دفن کے بعد دعاء کرتے نہیں دیکھا، البتہ موجودہ حضرت شیخ الحدیث صاحب کو دیکھا گیا کہ دفن کے بعد قبر پر بیٹھے رہے۔ فقط۔

الجواب حامداً ومصلياً:

میت کو دفن کرنے کے بعد ایصال ثواب نہ صرف یہ کہ جائز ہے بلکہ متعدد احادیث میں رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کی ترغیب فرمائی ہے، دفن کے بعد کسی جگہ کھڑے ہو کر کیا پڑھے، اس میں مختلف صورتیں ہیں:

ایک صورت یہ بھی ہے کہ دفن کے بعد میت کے قریب سرہانے ہو کر سورۂ فاتحہ یا سورۂ بقرہ کی ابتدائی آیات تا ﴿أولئك هم المفلحون﴾ پڑھے اور پیروں کی طرف کھڑے ہو کر سورۂ بقرہ کا آخری رکوع ﴿لله

= فيهاعندي انقلب ....حتى جاء البقيع، فقام فأطال القيام، ثم رفع يديه ثلاث مرات". الحديث.

(قولها: جاء البقيع، فأطال القيام، ثم رفع يديه الخ)فيه استحباب إطالة الدعاء وتكريره ورفع اليدين فيه، الخ". (الصحيح لمسلم مع شرحه للنووي رحمه الله تعالى، كتاب الجنائز،فصل في الذهاب إلى زيارة القبور: ۱/۳۱۳،قديمى)

(۱)"عن عثمان بن عفان رضي الله تعالىٰ عنه قال: كان النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم إذافرغ من دفن الميت وقف عليه، فقال: "استغفروا لأخيكم، واسألوا له بالتثبيت، فإنه الآن يسئل". (سنن أبي داؤد،كتاب الجنائز،باب الاستغفار عند القبر للميت في وقت الانصراف: ۲/۱۰۳، إمداديه)

مافی السمٰوات والأرض﴾ تا آخر پڑھے اور میت کو ایصال ثواب کر کے میت کے لئے سہولتِ سوال وجواب وتخفیفِ ہول قبر واثبات علی الایمان کی دعاء کرے:

"وأخرج الطبراني والبيهقي في الشعب عن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما قال: سمعت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول: "إذا مات أحدكم، فلا تحبسوه، وأسرعوا به إلى قبره، ويقرأ عند رأسه الفاتحة الكتاب". ولفظ البيهقي: "فاتحة البقرة، وعند رجليه بخاتمة البقرة في قبره". شرح الصدور، ص:٦٨(١)۔

"يستحب الوقوف بعد الدفن قليلاً والدعاء للميت مستقبلاً وجهه بالثبات". شرح الصدور، ص: ٦٩(٢)۔

اس سلسلہ میں قبر پر دعاء کے لئے ہاتھ نہ اٹھانا بہتر ہے اور جہاں کہیں کسی غلط فہمی کا اندیشہ نہ ہو تو ہاتھ اٹھا کر دعاء کرنے میں مضائقہ بھی نہیں لیکن اس صورت میں رخ قبلہ کی طرف کرے:

"وفي حديث ابن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه: رأيت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم

---

(١) (شرح الصدور في أحوال الموتى والقبور للإمام جلال الدين السيوطي، باب مايقال عند الدفن والتلقين، ص: ١٠٩، دار المعرفة بيروت)

(وكذا في مشكوٰة المصابيح، كتاب الجنائز، باب دفن الميت: ١/١٤٩، قديمي)

"وكان ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما يستحب أن يقرأ على القبر بعد الدفن أول سورة البقرة وخاتمتها .... فقد ثبت أنه عليه الصلوٰة والسلام قرأ أول سورة البقرة عند رأس الميت وأخرها عند رجليه". (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة: ٢/٢٣٧، ٢٤٢، سعيد)

(٢) (شرح الصدور في أحوال الموتى والقبور للإمام جلال الدين السيوطي، باب مايقال عند الدفن والتلقين، ص: ١١١، دار المعرفة بيروت)

"جلوس ساعةٍ بعد دفنه لدعاء وقراءة بقدر ماينحر الجزور ويفرق لحمه". (الدر المختار، باب صلاة الجنازة: ٢/٢٣٧ سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل السادس في الدفن الخ: ١/١٦٦، رشيديه)

فی قبر عبداللّٰہ ذی النجادین". الحدیث. وفیہ: "فلمافرغ من دفنہ، استقبل القبلة رافعاً یدیہ" أخرجہ أبوعوانة فی صحیحہ، اھ". فتح الباری شری بخاری شریف:۱۲۲/۱۱(۱)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند،۲۹/۲/۸۸ھ۔

ایضاً

سوال[۴۲۶۷]: میت کو دفن کرنے کے بعد جو دعائے مغفرت کی جاتی ہے وہ ہاتھ اٹھا کر کی جائے یا بغیر ہاتھ اٹھائے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

دعاء بغیر ہاتھ اٹھائے بھی کی جاسکتی ہے اور ہاتھ اٹھا کر بھی، حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دفن کے بعد قبلہ کی طرف رخ فرما کر ہاتھ اٹھا کر دعاء کی ہے، اگر ہاتھ اٹھا کر دعاء کرنا چاہے تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پیروی کرتے ہوئے قبر کی طرف رخ نہ کیا جائے بلکہ قبلہ کی طرف رخ کرلیا جائے:

"وفی حدیث ابن مسعود رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ: رأیت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالی علیہ وسلم فی قبر عبداللّٰہ ذی النجادین". الحدیث. وفیہ: "فلمافرغ من دفنہ، استقبل القبلة رافعاً یدیہ"۔ أخرجہ أبوعوانة فی صحیحہ، اھ". فتح الباری شرح بخاری شریف:۱۲۲/۱۱(۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱)(فتح الباری، کتاب الدعوات، باب الدعاء مستقبل القبلة، (رقم الحدیث:۶۳۴۳، ورقم الباب: ۲۵): ۱۷۳/۱۱، قدیمی)

(۲)(فتح الباری، کتاب الدعوات، باب الدعاء مستقبل القبلة، (رقم الحدیث:۶۳۴۳، ورقم الباب ۲۵): ۱۷۳/۱۱، قدیمی)

"عن محمد بن قیس بن مخرمة بن المطلب أنه قال یوماً: ألا أحدثکم عنی وعن أمّی؟ قال: فظننا أنه یرید أمه التی ولدته، قال: قالت عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنها: ألا أحدثکم عنی وعن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم؟ قلنا: بلیٰ، قال: قالت:" لمّا کانت لیلتی التی کان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم فیها عندی انقلب ....حتی جاء البقیع، فقام فأطال القیام، ثم رفع یدیه ثلاث مرات". الحدیث. "(قولها: جاء البقیع، فأطال القیام، ثم رفع یدیه الخ)فیه استحباب إطالة الدعاء وتکریره ورفع الیدین فیه الخ". =

دفنِ میت کے بعد دعاء اور فاتحہ

سوال[۴۲۶۸]: میت کو قبر میں دفن کرنے کے بعد دعاء کرنا کہ اللہ پاک سوالِ قبر کے جواب میں اس کو ثابت قدم رکھے اور آخر میں ''الفاتحہ'' کہہ کر کچھ پڑھتے ہیں۔ تو یہ حدیث سے ثابت ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

میت کو قبر میں دفن کرنے کے بعد دعاء کرنا کہ اللہ پاک سوال قبر کے جواب میں اس کو ثابت قدم رکھے اور اس کی مغفرت فرمائے، حدیث شریف سے ثابت ہے، مشکوۃ شریف میں یہ حدیث موجود ہے (۱)، لیکن ''الفاتحہ'' کا طریقہ ثابت نہیں، اس کو ترک کرنا چاہیے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا طریقہ اختیار کیا جائے کہ یہی ہدایت ونجات کا ذریعہ ہے: "من أحدث في أمرنا هذا ماليس منه فهو رد" متفق عليه (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۹/۸۹ھ۔

= (الصحيح لمسلم مع شرحه للنووي رحمه الله تعالىٰ، كتاب الجنائز، فصل في الذهاب إلى زيارة القبور: ۱/۳۱۳، قديمي)

(۱) "عن عمرو بن العاص رضي الله تعالىٰ عنه قال لابنه - وهو في سياق الموت -: "إذا أنامتُّ فلا تصحبني نائحة ولا نار، فإذا دفنتموني فشنوا عليَّ التراب شناً، ثم أقيموا حول قبري قدر ماينحر جزور ويقسم لحمها، حتى أستانس بكم وأعلم ماذا أراجع به رسل ربي". (مشكوٰة المصابيح، كتاب الجنائز، باب دفن الميت، الفصل الثالث: ۱/۱۴۹، قديمي)

"عن عثمان بن عفان رضي الله تعالىٰ عنه قال: كان النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم إذا فرغ من دفن الميت وقف عليه فقال: "استغفروا لإخيكم واسألوا له بالتثبيت، فإنه الآن يسئل". (سنن أبي داؤد، كتاب الجنائز، باب الاستغفار عند القبر للميت في وقت الانصراف: ۲/۱۰۳، إمداديه)

"جلوس ساعة بعد دفنه لدعاء وقراءة بقدر ماينحر الجزور ويفرق لحمه". (الدر المختار، باب صلاة الجنازة: ۲/۲۳۷، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، باب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل السادس في الدفن الخ: ۱/۱۶۶، رشيديه)

(۲) (صحيح البخاري، كتاب الصلح، باب: إذا اصطلحوا على صلح جور فهو مردود: ۱/۳۷۱، قديمي)=

دفن کے وقت اگربتی جلانا اور بعد دفن دعاء کرنا

الاستفتاء [۴۲۲۹]: قبرستان میں اگربتی لوبان جلانا کیسا ہے؟ قبر پر دونوں ہاتھ اٹھا کر فاتحہ پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

قبرستان میں اگربتی اور لوبان جلانا نہیں چاہیے، میت کو غسل دیتے وقت اس تختے کو دھونی دینا درست ہے جس پر غسل دیا جائے (۱)، نیز کفن کو دھونی دے کر میت کو پہنایا جائے (۲)، باقی قبر پر ثابت نہیں ہے،

= "(من أحدث) أی أنشأ واخترع وأتی بأمر حديث من قبل نفسه. .... (مالیس منه): أی رأیاً لیس له فی الکتاب أوالسنة عاضد ظاهر أو خفی، ملفوظ أومستنبط (فهورد): أی مردود علی فاعله لبطلانه الخ". (فیض القدیر، رقم الحدیث: ۸۳۳۳): ۱۱/۵۵۹۴، مکتبه نزار مصطفی الباز، ریاض)

(۱) "(ویوضع) کما مات (کماتیسر) فی الأصح (علی سریر مجمر وتراً) إلی سبع، فقط". (الدرالمختار). "(مجمر): أی مبخر، وفیه إشارة إلی أن السریر یجمر قبل وضعه علیه تعظیما وإزالة للرائحة الکریهة". (ردالمحتار، باب صلاة الجنازة: ۲/۱۹۵، سعید)

"ویوضع علی سریر مجمر وتراً قبل وضع المیت علیه". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الصلاة، الباب الحادی العشرون فی الجنائز، الفصل الثانی فی الغسل: ۱/۱۵۸، رشیدیه)

(وکذا فی البحر الرائق، باب صلاة الجنازة: ۲/۳۰۰، رشیدیه)

(۲) "عن أبی وائل قال: عند علی رضی الله تعالیٰ عنه مسکٌ، فأوصی أن یحنط به. وقال: هوفضل حنوط رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم". قال النووی: إسناده حسن". (نصب الرایة، کتاب الصلاة، باب الجنائز، فصل فی الغسل، (رقم الحدیث، ۲۹۹۷): ۲/۲۵۹، مکتبة المکیه جده)

"(وجعل علی رأسه ولحیته)؛ لأن التطیب سنة. وذکر الرازی أن هذا الجعل مستحب. والحنوط عطر مرکب من أشیاء طیبة ولابأس بسائر الطیب غیرالزعفران والورس اعتباراً بالحیاة، وقد ورد النهی عن المزعفر للرجال، وبهذا یعلم جهل من یجعل الزعفران فی الکفن عند رأس المیت فی زماننا". (البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۳۰۳، رشیدیه)

(وکذا فی حاشیة الطحطاوی علی الدرالمختار، کتاب الصلاة، باب الجنائز: ۱/۳۶۷، دارالمعرفة، بیروت)

بدعت اور منع ہے۔ بہتر یہ ہے کہ بغیر ہاتھ اٹھائے فاتحہ پڑھی جائے (۱)۔ اگر ہاتھ اٹھانا ہو تو قبر کی طرف پشت کرے اور قبلہ کی طرف رخ کرے، ایسا کرنا حدیث شریف سے ثابت ہے (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "عن عائشة رضي الله تعالیٰ عنها قالت: قال النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه فهورد". (صحيح البخاری، كتاب الصلح، باب إذا صطلحوا على صلح جور فهو مردود: ۱/۳۷۱، قديمی)

"(من أحدث): أی أنشأ و اخترع وأتى بأمر حديث من قبل نفسه .... (ما ليس منه): أی رأياً ليس له في الكتاب أو السنة عاضد ظاهر أو خفي، ملفوظ أو مستنبط (فهورد): أی مردود على فاعله لبطلانه، الخ". (فيض القدير، (رقم الحديث: ۸۳۳۳): ۱۱/۵۵۹۴، مكتبه نزار مصطفى الباز، رياض)

"ويكره عند القبر كل مالم يعهد من السنة، الخ". (البحر الرائق، كتاب الجنائز، قبيل باب الشهيد: ۲/۳۴۳، رشيديه)

(۲) "عن ابن عباس رضي الله تعالیٰ عنهما قال: مر رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم بقبور المدينة فأقبل عليهم بوجهه فقال: "السلام عليكم يا أهل القبور! يغفر الله لنا ولكم أنتم سلفنا ونحن بالأثر". (جامع الترمذی، أبواب الجنائز، باب مايقول إذا دخل المقابر: ۱/۲۰۳، سعيد)

(وكذا في الأذكار للنووی رحمه الله تعالیٰ، باب مايقوله زائر القبور، ص: ۱۱۸، دار ابن حزم)

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: (شرح الصدور في أحوال الموتى والقبور للإمام جلال الدين السيوطی رحمه الله تعالیٰ، باب زيارة القبور وعلم الموتى بزوارهم ورؤيتهم لهم، ص ۲۰۱-۲۲۵)

"وفي حديث ابن مسعود رضي الله تعالیٰ عنه رأيت رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم في قبر عبدالله ذی النجادين". الحديث. وفيه: "فلما فرغ من دفنه، استقبل القبلة رافعاً يديه" أخرجه أبو عوانة في صحيحه". (فتح الباری، كتاب الدعوات، باب الدعاء مستقبل القبلة، (رقم الحديث: ۶۳۴۳، رقم الباب: ۲۵): ۱۱/۱۷۳، قديمی)

"عن محمد بن قيس بن مخرمة بن المطلب أنه قال يوماً: ألا أحدثكم عني وعن أمّي؟ قال: فظننا أنه يريد أمه التي ولدته، قال: قالت: عائشة رضي الله تعالیٰ عنها: ألا أحدثكم عني وعن رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم؟ قلنا: بلیٰ، قال: قالت: لمّا كانت ليلتي التي كان النبي صلی الله تعالیٰ علیه وسلم فيها عندی انقلب ....حتى جاء البقيع، فقام فأطال القيام، ثم رفع يديه ثلاث مرات". الحديث. =

قبرستان میں ہاتھ اٹھا کر دعا

سوال[۴۲۷۰]: قبرستان میں ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

فی نفسہ میت کے لئے استغفار کرنا اور ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا قبرستان میں جائز ہے، بغیر ہاتھ اٹھائے ہوئے بھی درست ہے(۱)، لیکن چونکہ لوگ بکثرت اپنی مرادیں مزارات پر جا کر اصحابِ قبور سے مانگتے ہیں جو کہ حرام اور شرک ہے(۲)، اس لئے ہاتھ نہ اٹھایا جائے تا کہ ان کے ساتھ تشبہ نہ ہو اور ان کے عمل کو تقویت

= "(قولها: جاء البقيع، فأطال القيام، ثم رفع يديه الخ)فيه استحباب إطالة الدعاء وتكريره ورفع اليدين فيه، الخ". (الصحيح لمسلم مع شرحه للنواوی رحمه الله تعالىٰ، كتاب الجنائز،فصل فی الذهاب إلی زيارة القبور: ۱/۳۱۳، قديمی)

(۱) "قالت عائشة ألا أحدثكم عنی وعن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قلنا بلی .... واختمرت وتقنعت ازاری ثم انطلقت علی اثره حتی جاء البقيع فقام فاطال القيام ثم رفع يديه ثلاث مرات".

وفی شرح النووی لمسلم: "(قوله: جاء البقيع فأطال القيام، ثم رفع يديه ثلاث مرات) فيه استحباب اطالة الدعاء وتكريره ورفع اليدين فيه، وفيه أن دعاء القائم أكمل من دعاء الجالس فی القبور". (الصحيح لمسلم مع شرح النووی لمسلم، كتاب الجنائز: ۱/۳۱۳، قديمی)

"ومن آدابه أن يسلم بلفظ سلام .... ثم يدعوا قائماً طويلاً، وإن جلس يجلس بعيداً منه وقريباً بحسب مراتبه فی حال حياته". (المسلک المنقسط فی المنسک المتوسط، فصل يستحب زيارة أهل المعلی، ص: ۱۵۵، دارالكتب العلمية، بيروت)

(وكذا فی المدخل لابن الحاج، فصل زيارة القبور: ۱/۲۵۴، دارالفكر)

(۲) "ويحذرهم من تلک البدع التی أحدثت هناک، فتری من لاعلم عنده يطوف بالقبر الشريف كما يطوف بالكعبة الحرام، ويمتسح به، ويقبله، ويلقون عليه مناديلهم، وثيابهم، يقصدون به التبرک، وذالک كله من البدع؛ لأن التبرک إنما يكون بالاتباع له عليه الصلوة والسلام، وماكان سبب عبادة الجاهلية للأصنام إلامن هذا الباب". (المدخل لابن الحاج، فصل فی زيارة القبور: ۱/۲۶۳، دارالفكر)

(وكذا فی المسلک المتقسط فی المنسک المتوسط، فصل وليغتم أيام مقامه بالمدينة المشرفة، ص: ۵۲۶، دارالكتب العلمية، بيروت) .... =

وتائید حاصل نہ ہو سکے(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

دفن میت کے بعد چھوارے تقسیم کرنا

سوال[۴۲۷۱]: میت کے دفن کے بعد چھوارے یا کھجور تقسیم کرتے ہیں۔یہ فعل کیسا ہے،اس کی کوئی اصل ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

بالکل نہیں،کہیں ثابت نہیں،شاید یہ تصور کرتے ہوں گے کہ میت کا قبر سے نکاح ہوا ہے،اس خوشی میں چھوارے تقسیم کرتے ہیں،یہ جہالت ہے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ،دارالعلوم دیوبند،۲۹/۸/۱۳۹۹ھ۔



= "ولا يجوز مايفعله الجهال بقبور الأولياء والشهداء من السجود والطواف حولها واتخاذ السروج إليها ومن اجتماع بعد الحول كالعباد ويسمونه عرساً". (تفسير مظهرى، بحواله فتاوىٰ رحيميه: ۹۵/۲، دار الاشاعت)

(۱) "من تشبه بقوم فهو منهم". مشكوة المصابيح، كتاب اللباس: ۳۷۵/۲، قديمى)

"(من تشبه بقوم) أى من شبه نفسه بالكفار مثلاً فى اللباس وغيره أو بالفساق أو الفجار أو بأهل التصوف والصلحاء الأبرار (فهو منهم) : أى : فى الإثم والخير". (مرقاة المفاتيح، كتاب اللباس: ۱۵۵/۸، رشيديه)

الفصل السادس فی البناء علی القبور

(قبر پکی کرنے اور اس پر قبہ بنانے کا بیان)

قبر پر قبہ بنانا

سوال [۴۲۷۲]: مسلمانوں کی عام قبور پر یا علماء، صلحاء، اولیائے کرام کی قبر پر پختہ قبہ بنانا، یا قبر پختہ بنانا جائز ہے یا حرام؟ قرآن شریف، فقہ حنفی کی مستند کتب کے حوالہ سے جواب ارقام فرمایا جائے۔ اور کیا عینی شرح بخاری و مرقاة شرح مشکوة و تفسیر روح البیان و تحریر المختار حاشیة در مختار میں قبہ یا قبر کا جائز ہونا واقعی لکھا ہے، اگر ایسا ہی ہے تو کیا قرآن وحدیث وفقہ حنفی کی معتبر مستند کتب میں سے ہیں یا نہیں؟ مخالف جو مولوی قبہ کے جائز ہونے کا فتوی دیتے ہیں ان کی نسبت شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہے؟

جن بزرگوں کی قبروں پر قبہ بنانے کا جھگڑا ہے وہ خود اپنی حیات میں پختہ قبر وقبہ کو ناجائز ہی فرماتے تھے حتی کہ اپنی قبر کو پختہ نہ بنانے کی وصیت بھی فرمائی تھی، مگر مریدین نے راتوں رات قبر کو پختہ ہی بنایا اور اب سترہ اٹھارہ سال بعد قبہ بنانے کا جھگڑا نکالا ہے۔ اس میں کون فریق حق ہے، آیا روکنے والے یا بنانے والے؟ بینوا توجروا۔

مستفتی: عبداللطیف ابن شاکر، مالیگاؤں، ضلع ناسک، ۱۳/ جون/ ۵۴ء۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

قبر پختہ بنانا اور قبر پر قبہ وغیرہ پختہ تعمیر کرنا شرعاً ناجائز اور ممنوع ہے، یہ ممانعت حدیث وفقہ سے ثابت ہے، اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ سے بصراحت منقول ہے، امام محمدؒ ''کتاب الآثار، ص: ۴۳'' میں فرماتے ہیں:

"و لا نری أن یزاد علی ما خرج منه (أی من القبر)، و نکره أن یجصص، أو یطین، أو

يجعل عنده مسجداً أو عَلَماً، أو يكتب عليه، و يكره الآجر أن يبنى به، أو يدخل القبر. ولا نرى برش الماء عليه بأساً. و هو قول أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ"(١).

علامہ طحطاوی نے حاشیہ مراقی الفلاح،ص:۳۳۵، میں لکھا ہے:

"و لا يجصص، به قالت الثلاثة، لقول جابر رضي الله تعالىٰ عنه: "نهىٰ رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم عن تجصيص القبور، و أن يكتب عليها، و أن يبنىٰ عليها". رواه مسلم وأبو داؤد والترمذي، وصححه، و زاد: "وأن توطأ"(٢).

---

(١) (كتاب الآثار للإمام محمد رحمه الله تعالىٰ، كتاب الصلوة، باب تسنيم القبور و تجصيصها، ص: ۵۲، إدارة القرآن كراچى)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلوة، باب أحكام الجنائز، فصل في حملها و دفنها، ص: ۶۱۱، قديمي)

(٢) (حاشية الطحطاوي، باب أحكام الجنائز، فصل في حملها ودفنها، ص: ۶۱۱، قديمي)

والحديث رواه الإمام مسلم رحمه الله تعالىٰ في صحيحه في كتاب الجنائز، فصل النهي عن تجصيص القبور والقعود والبناء عليها: ۳۱۲/۱، قديمي)

قال الإمام النووي رحمه الله تعالىٰ تحته: "و في هذا الحديث كراهة تجصيص القبر و أن يبنى عليه .... هذا مذهب الشافعي و جمهور العلمآء". (شرح النووي على الصحيح لمسلم، فصل في النهي عن تجصيص القبور اهـ: ۳۱۲/۱، قديمي)

وقال القاري رحمه الله تعالىٰ تحته: "قال في الأزهار: النهي عن تجصيص القبور للكراهة إن كان في ملكه، و للحرمة في المقبرة المسبلة، ويجب الهدم وإن كان مسجداً. و قال التور بشتي يحتمل وجهين: أحدهما: البنآء على القبر بالحجارة و ما يجري مجراها، والثاني: أن يضرب عليها خبآء ونحوه، و كلاهما منهيٌّ لعدم الفائدة .... ثم قال التور بشتي: و لأنه من صنيع الجاهلية: أي كانوا يظلّلون على الميت إلى سنة، قال: و عن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما أنه رأى فسطاطاً على قبر أخيه عبد الرحمن، فقال: إنزعه ياغلام، و إنما يظله عمله". (مرقاة المفاتيح، كتاب الجنائز، باب دفن الميت، الفصل الأول: ۱۷۷/۴، ۱۷۸، رقم الحديث: ۱۶۹۷، رشيديه)

(وأبو داؤد في سننه في كتاب الجنائز، باب في البنآء على القبر: ۱۰۳/۲، مكتبه امداديه ملتان) ...... =

مراقی الفلاح میں ہے:"و یحرم البناء علیه للزینة لما روینا، و یکره البناء علیه للأحکام، اهـ. (قوله: لما روینا من النهی عن التجصیص والتربیع) فإنه من البناء. (وقوله: یکره البناء علیه) ظاهر إطلاقه الکراهة أنها تحریمیة. قال فی غریب الخطابی: نهی عن تقصیص القبور والتکلیل بناء الکل، و هی القباب والصوامع التی تبنیٰ علی القبر، اهـ".(۱)۔

طحطاوی نے اس حدیث کی شرح "شرح مجمع البحار:۳/۲۲۶" میں اس طرح کی ہے:"نهی عن تقصیص القبور و تکلیلها: أی رفعها بالبناء مثل الکل، و هی الصوامع والقباب، وقیل: هوضرب الکلة علیها، وهی ستر مربع بقرب علی القبور، وقیل: ستر رقیق، وهی کالبیت یتوقی قبه من البق اهـ(۲)۔

عـــــرف الشـــذی، ص:۳۸٦ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مسئلہ اجماعی ہے اس میں کسی کا اختلاف نہیں (۳)، کتاب "المدخل" میں اس کو بہت بسط وتفصیل سے بیان کیا ہے (۴) ان تصریحاتِ حدیثیہ وفقہیہ کے بعد کسی اور دلیل کی ضرورت نہیں، بلکہ ان کے خلاف اگر اقوالِ رجال سے کوئی استدلال کرے تو وہ معتبر نہیں۔

"تحریر المختار:۱/۱۲۳" میں تفسیر روح البیان سے قبوں کا جواز نقل کیا ہے (۵)، لیکن تفسیر روح البیان خود کوئی معتبر کتاب نہیں، اس میں بہت سے مسائل غیر معتبر موجود ہیں، پھر یہ کہ اس جواز کے لئے کوئی سند نقل نہیں، کی محض قصدِ تعظیم واجلال پر اعتماد کیا ہے، ایسے مسائلِ منصوصہ میں کسی کا قول بغیر سند خلافِ نص کیسے حجت ہوسکتا

= (والترمذی فی سننه فی أبواب الجنائز، باب فی کراهیة تجصیص القبور والکتابة علیها: ۱/۲۰۳، سعید)

(۱) (مراقی الفلاح، باب أحکام الجنائز، فصل فی حملها ودفنها، ص: ٦١١، قدیمی)

(۲) لم أظفر علی شرح مجمع البحار، وقد وجدت فی مجمع بحار الأنوار بلفظه: "وفیه نهی عن "تقصیص" القبور" بناء ها بالقصة وهی الجص". (باب القاف مع الصاد: ۴/۲۸۳، مجلس دائرة المعارف الإسلامیه، حیدر آباد، دکن)

(۳) قال: "باب کراهیة تجصیص القبور والکتابة علیها، لا یجوز التجصیص عند أحدٍ و لا البنآء".

(العرف الشذی علی هامش الترمذی: ۱/۲۰۲، سعید)

(۴) (المدخل لابن الحاج، مبحث صفة القبر، قبیل الختان: ۳/۲٦۳، ۲٦۴، دارالفکر، بیروت)

(۵) (التحریر المختار علی رد المحتار (تقریرات الرافعی)، باب الجنائز: ۲/۱۲۳، سعید)

ہے۔ اصل عبارت روح البیان کی یہ ہے:

"فبناء القباب على قبور العلماء والأولياء والصلحاء، و وضع الستور والعمائم والثياب على قبورهم أمرٌ جائزٌ إذا كان القصد بذلك التعظيم في أعين العامة، حتى لا يحتقروا هذا القبر، وكذا إيقاد القناديل والشمع عند قبور الأولياء والصلحاء من باب التعظيم والإجلال أيضاً للأولياء، فالمقصد فيها مقصد حسن، اهـ"۔

حالانکہ ردالمحتار: ۱/۸۳۹، میں ہے:" وأما البناء عليه، فلم أر من اختار جوازه .... عن أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ: يكره أن يبنىٰ بناء من بيت أو قبة أو نحو ذلك، لما روى جابر رضي الله تعالىٰ عنه: نهى رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم الخ"(۱)۔ بس روح البیان کا یہ مسئلہ خلافِ اجماع ہے۔

اس (روح البیان) میں نقل کیا ہے: "و نذر الزيت والشمع للأولياء يوقد عند قبورهم تعظيماً لهم و محبةً فيهم جائز أيضاً لا ينبغي النهي عنه"(۲)۔

حالانکہ درمختار، طحطاوی، بحر وغیرہ میں اس نذر کو بالا جماع باطل وحرام لکھا ہے: "واعلم أن النذر الذي يقع للأموات من أكثر العوام، و ما يؤخذ من الدراهم والشمع والزيت و نحوها إلى ضرائح الأولياء الكرام تقرباً إليهم بالإجماع باطل و حرام، اهـ". درمختار، قبل الاعتکاف (۳)۔ بحر، طحطاوی میں اس کی وجوہ بیان کی ہیں (۴)۔

تحریر المختار بھی کوئی فتویٰ کی کتاب نہیں بلکہ اس میں از قبیلِ لطائف وغرائب کچھ تحریرات جمع ہیں، بعض

---

(۱) (رد المحتار، كتاب الصلوة، باب الجنائز: ۲/۲۳۷، سعيد)

(۲) (راجع التحرير المختار على رد المحتار (تقريرات الرافعي) الملحق برد المحتار، باب الجنائز: ۲/۱۲۳، سعيد)

(۳) (رد المحتار، كتاب الصوم، قبيل باب الاعتكاف: ۲/۴۳۹، سعيد)

(۴) (البحر الرائق، كتاب الصوم، قبيل باب الاعتكاف: ۲/۵۲۰، رشيديه)

(وحاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصوم، باب ما يلزم الوفآء به، ص: ۶۹۳، قديمي)

محلِ اشکالات ہیں، کہیں اشکالات کے جواب ہیں، کہیں طبی نکات ہیں، کہیں تاریخی لطائف۔ چنانچہ مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ کی رائے نہیں تھی کہ یہ کتاب منظر عام پر آوے اور اپنی زندگی میں اس رائے میں کامیابی ہوئی جیسا کہ ناشر نے شروع میں لکھا ہے:

"ولم يسمح رحمه الله أن يخرج تحريره للناس في صورته مع شدة الحاجة إليه بتوارد الطلاب عليه تواضعاً منه في جانب الله تعالىٰ". إلى آخره. تحرير المختار (۱)۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پوتے کا جب انتقال ہوا تو ان کی زوجہ نے ان کی قبر پر قبہ لگایا، اس کی تفسیر ملا علی القاری نے مرقات شرح مشکوۃ: ۲/۴۰۰، میں خیمہ سے کی ہے (۲)، پھر ایک سال کے بعد اکھاڑ دیا گیا: "فسمعت المرأة صائحاً: أي هاتفاً غيبياً يقول: ألا! هل وجدوا ما فقدوا، فأجابه اخر: بل يئسواو الظاهر سئموا ولكن لما كان في صورة اليأس، قال: يئسوافانقلبوا: أي رجعوا إلى اخره" مرقاة شرح مشكوة: ٤/١٠٥ (۳)۔

اس خیمہ کو شارحِ مشکوۃ نے لکھا ہے کہ یہ ذکر، قراءت وغیرہ کے جمع ہونے کے لئے تھا، اس کو فعلِ عبث مکروہ پر حمل کیا، جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے اہلِ بیت کی شان کے مناسب نہیں (۴)۔

غور کیا جائے کہ اولاً یہ دلیل نصوصِ حدیث وغیرہ کے مقابلہ میں کیا حیثیت رکھتی ہے، ثانیاً اس سے قبہ متعارفہ پر استدلال کرنا کہاں تک برمحل ہے، وہاں صرف خیمہ تھا یہاں پختہ قبہ ہے، وہاں سال بھر بعد اکھاڑ دیا گیا

---

(۱) (تحرير المختار المسمىٰ بتقريرات الرافعي على حاشية ابن عابدين: ۱/۲، سعيد)

(۲) (راجع، ص: ۱۵۸، رقم الحاشية: ۲)

(۳) (المرقاة شرح المشكوة، كتاب الجنائز، باب البكاء على الميت، الفصل الثالث: ۴/۲۳۷، رقم الحديث: ۱۷۴۹، رشيديه)

(والحديث رواه البخاري في صحيحه في كتاب الجنائز، باب ما يكره من اتخاذ المساجد على القبور: ۱/ قديمي)

(۴) "الظاهر أنه لاجتماع الأحباب للذكر والقرآءة، وحضور الأصحاب للدعآء والمغفرة والرحمة، وأما حمل فعلها على العبث المكروه، كما فعله ابن حجر، فغير لائق بصنيع أهل البيت". (مرقاة المفاتيح، باب البكاء على الميت، الفصل الثالث: ۴/۲۳۷، رقم الحديث: ۱۷۴۹، رشيديه)

تھا یہاں ۱۷، ۱۸/ سال بعد بنانے کی تجویز ہے۔ اگر ملا علی القاری اس کے جواز کے قائل ہوتے تو ''شرح نقایہ:۱/ ۱۳۹، میں تجصیص کی ممانعت تحریر نہ فرماتے (۱)۔ ''عینی نے شرح بخاری:۴/ ۱۴۹ (۲) میں قبر پر خیمہ لگانے کے متعلق مختلف اقوال نقل کئے ہیں، بعض میں حرمت ہے، بعض میں جواز۔ حضرت امام احمد، حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور سعید بن المسیب وغیرہ سے کراہت نقل کی ہے۔ ابن حبیب کہتے ہیں کہ دو تین روز تک نبشِ قبر کی رعایت سے خیمہ کی گنجائش ہے، پختہ قبر بنانے کا جواز کہیں منقول نہیں۔

نیز علامہ عینی رحمہ اللہ تعالیٰ ''شرح ہدایہ:۱/ ۱۴۹'' میں خود فرماتے ہیں: "و کرہ أبو حنیفة رحمه

---

(۱) "قال: ذكره الآجر والخشب، وليقال .... ويسنم القبر.......... ويكره التربيع عندها، وليس عندمالک والشافعي لما في صحيح مسلم .... قلنا: هو محمول على ما كانوا يفعلونه من تعلية القبور بالبناء العالي، رواه محمد بن الحسن في الآثار: أخبرنا أبو حنيفة قال: حدثنا شيخ لنا يرفعه إلى النبي صلى الله تعالى عليه وسلم أنه نهى عن تربيع القبور وتجصيصها". (شرح النقاية، كتاب الصلوة، باب في الجنائز: ۱/ ۱۳۹، مكتبه اعزازيه، سهارنپور، هند)

(۲) "وقال ابن بطال: ضربت القبة على الحسن، و سكنت فيها، فصارت كالمسجد، وأورد البخاري ذلک دليلاً على الكراهة، و كره أحمد أن يضرب على القبر فسطاطاً، و أوصى إبراهيم مرةً أن لا تضربوا عليّ فسطاطاً .... وقال ابن التين: و ممن كره ضربه على قبر الرجل ابن عمر و أبو سعيد، و ابن المسيب، و ضربت عائشة رضي الله تعالىٰ عنها على قبر أخيها، فنزعه ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما.......... و قال ابن حبيب: أراد في اليوم واليومين والثلاثة واسعاً إذا خيف من نبشٍ أو غيره، والحسن بن الحسين .... مات سنة سبع و تسعين، وامرأته فاطمة بنت حسين بن عليّ .... قال الجوهري: القبة بالضم من البناء .... وقال ابن الأثير: القبة من الخيام بيت صغير مستدير، و هو من بيوت العرب، وضرب القبة نصبها و إقامتها على أوتار مضروبة في الأرض .... و قال الجوهري: الفسطاط بيت من شعر، و في المغرب: خيمة عظيمة .... وقال الزمخشري: هو ضرب من الأبنية في السفر دون السرادق، وقال ابن قرقول: هو الخباء ونحوه، وقال ابن السكيت: الفسطاط". (عمدة القاري، كتاب الجنائز، باب ما يكره من اتخاذ المساجد على القبور: ۸/ ۱۳۴، ۱۳۵، إدارة الطباعة المنيرية بيروت)

اللہ تعالیٰ أن يبنى على القبر". الی آخرہ.(۱)۔ جس قبہ میں عینی کے کلام سے اختلاف معلوم ہوتا ہے اس کی تفسیر نہایہ میں یہ ہے: "القبة من الخيام بيت صغير"(۲)۔ مسند میں: "و هو من بيوت العرب". الی آخرہ۔ حافظ عینی نے ایک دوسری روایت نقل کی ہے جس میں لفظ ''قبہ'' کے بجائے لفظ ''فسطاط'' ہے جس کے متعلق "مجمع البحار: ۷۷/۳" میں ہے: "خباء" من شعر أو غيره" إلى آخره(۳)۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پوتے کی وفات ۹۷ھ میں ہوئی اور وہ تابعی ہیں۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ نے ''فتح الباری شرح بخاری: ۱۶۱/۳'' میں ان کی زوجہ کے اس فعل کو بھی رد کیا ہے، اور نا قابلِ استدلال قرار دیا ہے(۴)، حالانکہ ان کے اس فعل سے اور مندرجہ سوال قبہ تعمیر کرانے میں کوئی مناسبت نہیں، پھر اس سے استدلال کیسے درست ہوسکتا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۵/ رجب/ ۶۴ھ۔

پختہ قبر کا حکم

سوال[۴۲۷۳]: قبروں کو چونے، گچ سے پختہ قبے تعمیر کرنا، روشنی کرنا، عرس کرنا، قوالی گانا وغیرہ کیسا ہے؟

---

(۱) (البنايه للعيني، كتاب الصلوة الجنائز، فصل في حمل الجنازة: ۱۱۳/۱، ملک سنز، فيصل آباد)

(۲) (النهاية: ۱۳۹/۴، دائرة معارف نعمانيه، حيدر آباد، دكن)

(۳) (مجمع بحار الأنوار، باب الفاء والسين: ۱۳۹/۴، مطبعة مجلس دائرة المعارف العثمانيه، حيدر آباد، دكن)

(۴) "و مناسبة هذا الأثر لحديث الباب أن المقيم في الفسطاط لا يخلو من الصلوة هناك، فيلزم اتخاذ المسجد عند القبر، وقد يكون القبر في جهة القبلة، فتزداد الكراهة، وقال ابن المنير: إنما ضربت الخيمة هناك للاستمتاع بالميت بالقرب منه تعليلاً للنفس .... كما يتعلل بالوقوف على الأطال البالية و مخاطبة المنازل الخالية، فجاء تهم الموعظة على لسان الهاتفين بتقبيح ما صنعوا، وكأنهما من الملائكة، أو من مؤمني الجن". (فتح الباری، كتاب الجنائز، باب ما يكره من اتخاذ المساجد على القبور: ۲۵۷/۳، قديمي)

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ سب چیزیں ناجائز اور معصیت ہیں: "لما روی جابر رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه: "نهی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم عن تجصیص القبور، و أن یکتب علیها، وأن یبنی علیه". رواه مسلم، اهـ".(۱) شامی: ۱/۶۰۱(۲)۔ "أما الغناء المعتاد الذی یحرك الساکن و یهیّج الکبامن الذی فیه وصف محاسن الصبیان والنساء و نحوها من الأمور المحرمة، فلا یختلف فی تحریمه، اهـ". تنقیح الفتاوی الحامدیة(۳)۔ فقط واللّٰہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللّٰہ عنہ، دارالعلوم دیو بند، ۲۴/۹/۹۰ھ۔

پکی قبر کا حکم

سوال[۴۲۷۴]: پکی قبر بنانا سنت ہے یا کچی؟ اگر پکی سنت ہے تو عام مسلمانوں کی قبریں خلافِ سنت ہوئیں، اگر کچی سنت ہے تو خلافِ سنت کو ثواب قرار دینے والا یعنی پکی قبر بنانے کو ثواب کہتا ہے، اور ہر طرح کی جانی و مالی کوشش کرتا ہے، اس کا کیا حکم ہے؟ اس کے گھر کا کھانا پینا اور اس کی مدد کرنا کیسا ہے؟ مع حوالۂ کتب جواب تحریر فرماویں۔

---

(۱) (الصحیح لمسلم رحمه الله تعالیٰ، کتاب الجنائز، فصل: النهی عن تجصیص القبور والقعود والبناء علیها: ۱/۳۱۲، قدیمی)

(وسنن أبی داؤد، کتاب الجنائز، باب فی البناء علی القبر: ۲/۱۰۴، مکتبه امدادیه ملتان)

(وجامع الترمذی، باب فی کراهیة تجصیص القبور والکتابة علیها: ۱/۲۰۳، سعید)

(۲) رد المحتار، باب الجنائز: ۲/۲۳۷، سعید)

(۳) (تنقیح الفتاوی الحامدیة، مسائل و فوائد شتی من الحظر والإباحة، مطلب فی تحریم الغناء: ۲/۳۵۹، المطبعة المیمنیة مصر)

وأما الأعراس فراجع "المدخل لابن الحاج" فیه تفصیلٌ یحتوی علی خمسة و ثلاثین صفحةً، فصل فی المولد: ۲/۱، ۳۵، مصطفیٰ البابی الحلبی، مصر)

الجواب حامداً ومصلیاً:

کچی قبر بنانا سنت ہے، پکی قبر بنانا خلافِ شرع اور گناہ ہے، الطحطاوی، ص: ۳۳۵(۱)۔ ناجائز کام میں جانی ومالی کوشش کرنے والا گنہ گار ہے، اس کو سمجھا کر اس سے روکنا چاہئے، اگر وہ نہ مانے تو اس کام میں اس کی اعانت نہ کی جائے، اگر توقع ہو کہ اس کے گھر کھانا پینا چھوڑنے سے اس کی اصلاح ہو جائے گی تو اس سے دریغ نہ کیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

اپنی زندگی میں پختہ قبر بنانا اور ایسی میت کے جنازہ میں شرکت کرنا

سوال[۴۲۷۵]: میرے والد کی پکی قبر میرے سوتیلے بھائی کی زمین میں بنی ہے اور میں کہتا ہوں کہ میت اس پکی قبر میں دفن نہ کی جائے، بلکہ قبرستان میں دفن کی جائے، ایسی صورت میں والد صاحب کے جنازے میں شریک ہونا چاہئے یا نہیں، جب کہ والد صاحب نے اپنی حیات میں ہی پختہ قبر بنالی ہے اور جو جائیداد ہے اس کو ہم تینوں بھائیوں میں تقسیم کر کے ہبہ کر دیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

غسل وکفن اور نماز جنازہ میں ضرور شرکت کرنی چاہئے، پکی قبر بنانا جائز نہیں (۲)۔ اگر کوئی اپنی زندگی

---

(۱) "قوله: (و لا يجصص) به قالت الثلاثة، لقول جابر رضي الله تعالىٰ عنه: "نهى رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم عن تجصيص القبور، و أن يكتب عليها، وأن يبنى عليه" رواه مسلم وأبو داؤد والترمذي .... قوله: (ويكره البناء عليه) ظاهر إطلاقه الكراهة أنها تحريمية. قال في غريب الخطابي: نهى عن تقصيص القبور و تكليلها، انتهى. التقصيص التجصيص، والتكليل بناء الكاسل، وهي القباب، والصوامع التي تبنى على القبر". (حاشية الطحطاوي، كتاب الصلوة، باب أحكام الجنائز، فصل في حملها و دفنها، ص: ۶۱۱، قديمي)

(وكذا في رد المحتار، باب الجنائز: ۲/۲۳۷، سعيد)

(۲) "عن جابر رضي الله تعالىٰ عنه قال: نهى النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم عن تجصيص القبور، وأن يكتب عليها، وأن يبنىٰ عليها". (الصحيح لمسلم، كتاب الجنائز، فصل: النهي عن تجصيص القبور والقعود والبناء عليها: ۱/۳۱۲، قديمي)

قال الإمام النووي رحمه الله تعالىٰ تحته: "وفي هذا الحديث كراهة تجصيص القبر وأن يبنى =

میں پکی قبر بنا کر اس میں دفن ہونے کی وصیت کردے تو یہ وصیت ہی قابلِ عمل نہیں (۱)۔فقط واللہ سبحانہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۱۰/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

روضۂ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر گنبد

سوال[۴۲۷۶]: حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مزار، گنبد پختہ کیوں بنایا گیا؟ کیا حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیات میں اس کا انتظام کیا گیا تھا، یا بعد وصال خلیفہ اور صحابہ کرام کے وقت شرعی اسلامی حکومت میں بنایا گیا؟ اور آپ کا اصلی مقام تو بالکل خام ہے اور کس نے بنوایا تھا اور کیا حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مزار مبارک پر اگربتی، لوبان، عود، پھول وغیرہ سلگایا جاتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اصل مقام تو اب بھی خام ہے، ولید بن عبدالحکیم کے زمانہ میں حجرہ خام کو گرا کر منقش پتھروں سے تعمیر کیا گیا اور ایک حظیرہ بنایا گیا، حضرت عروہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منع بھی کیا لیکن ان کی شنوائی نہ ہوئی، پھر وقتاً فوقتاً تغییر وتزئین ہوتی رہی، حتیٰ کہ ۶۷۸ھ میں قبۂ خضراء تعمیر کیا گیا، جذب القلوب۔اور اب اصل مزار تک پہونچنے ہی کی جگہ نہیں، پھر پھول لوبان وغیرہ کی گنجائش کہاں۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳۰/۷/۶۱ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۴/شعبان/۶۱ھ۔

= علیہ.....هذا مذهب الشافعي وجمهور العلماء". (شرح النووي، المصدر السابق لمسلم)

"عن أبي حنيفة رحمه الله تعالى: يكره أن يبني بناء من بيت أوقبة أونحو ذلک لماروى جابر رضي الله تعالىٰ عنه: نهى رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم الخ". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۲۳۷، سعيد)

(۱) "وكذا تبطل ولو أوصى بأن يكفن في ثوب كذا، أو يدفن في موضع كذا". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة: ۲/۱۲۱، سعيد)

"ولو أوصى بأن يحمل بعد موته إلى موضع كذا، ويدفن هناک، ووصيته بالحمل باطلة". =

ایضاً

سوال[۴۲۷۷]: ارشاد ہوتا ہے کہ "تم سے پہلی قوموں نے انبیائے کرام اور اولیاء کی قبروں کو مساجد بنالیا تم ایسا ہرگز نہ کرنا" اور "لعن اللّٰه اليهود والنصارى جعلوا قبور أنبياءهم مساجد". أو كما قال۔ سوال یہ ہے کہ ان صریح احکامات کے بعد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبر مبارک کیوں صحن مسجد نبوی میں بنائی گئی اور پکی قبر پختہ کیوں بنایا گیا اور "العلماء ورثة الانبياء" کو مدِ نظر رکھتے ہوئے پھر ان کے لئے بھی یہ جائز اور درست ہونا چاہئے، یا پھر چوں کفر از کعبہ بر خیزد کجا ماند مسلمانی، و ما توفيقي إلا بالله۔

الجواب حامداً ومصلياً:

صحن مسجد میں قبر شریف نہیں بنائی گئی بلکہ وہ تو حجرہ شریفہ میں ہے، پھر مسجد شریف کی توسیع کی گئی اس لئے وہ حجرہ شریفہ مسجد کے اندر آ گیا، اس کے طرف دیواریں ہیں، وہ سجدہ گاہ نہیں، اگر ایسا ہوتا تو اس کی طرف پشت کر کے نماز ادا نہ کی جاتی۔ قبر شریف پر پختہ قبہ بھی نہیں بنایا گیا بلکہ اس پر تو کوئی بھی تعمیر نہیں، قبہ تو حجرہ شریفہ پر بنایا گیا جو کہ قبر شریف سے پہلے سے بنا ہوا ہے، پھر وہ کسی آیت وحدیث کے ماتحت نہیں بنایا گیا، نہ ایسے لوگوں نے بنایا ہے جن کا عمل حجت میں پیش کیا جا سکے، علماء یا مشائخ کے لئے اس کا جواز نکالنا بے محل ہے، جب کہ علماء سے اس پر نکیر منقول ہے(۱)، تاہم اب اس کا ہدم درست نہیں بلکہ احتراز لازم ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ۔

الجواب صحیح بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیو بند۔

روضۂ اقدس پر گنبد کیوں ہے؟

سوال[۴۲۷۸]: زید کہتا ہے کہ جب علمائے دیو بند قبروں پر گنبد بنانے سے منع کرتے ہیں تو حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روضۂ اطہر پر گنبد کیوں ہے؟ اولیائے کرام میں سے حضرت غوث اعظم اور خواجہ معین الدین چشتی، خواجہ قطب الدین بختیار کاکی، حضرت نظام الدین رحمہ اللہ تعالیٰ کی قبروں پر گنبد

= (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوصايا، الباب الثاني في بيان الألفاظ التي تكون وصيةً والتي لاتكون الخ: ۹۵/۲، رشيديه)

(۱) (راجع، للتخريج، ص: ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۷)

کیوں بنے ہوئے ہیں؟ ان کو کس نے بنایا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

قبروں پر تعمیر (گنبد وغیرہ) کو حضرت رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خود ہی منع فرمایا ہے، اپنے مزار مبارک پر بھی بنانے کا حکم نہیں دیا، جس نے بنایا خلافِ حدیث شریف بنایا، اس کو قصوروار کہا جائے، حدیث پاک کے خلاف کرنے سے اس کو سراہا نہیں جائے گا اور اس کے عمل کی وجہ سے حدیث شریف کو ترک نہیں کیا جائے گا، اتباع کے لئے حدیث شریف ہے نہ کہ بادشاہوں کا عمل۔ اولیائے کرام نے اپنے قبور پر گنبد بنانے کو نہیں فرمایا اور فرماتے بھی کیسے، جب کہ حدیث پاک میں مخالفت ہے، بعد والوں نے جو کچھ کیا اس کے ذمہ داری اولیائے کرام پر نہیں۔

"عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ "نهى رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم عن تجصيص القبور، وأن يبنى عليه أن يقعد عليه". الحديث. مسلم(۱) وأصحاب السنن(۲) جمع الفوائد(۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۱/۸۹ھ۔

اولیاء اللہ کے مزارات پر گنبد کیوں ہیں؟

سوال[۴۲۷۹]: جب کہ پختہ قبریں وگنبد بنوانا حرام ہے تو زمانہ سابقہ میں اور اسلامی حکومتوں میں

---

(۱) (الصحيح لمسلم، كتاب الجنائز، فصل في النهي عن تجصيص القبور، والقعود، والبناء عليها: ۱/۳۱۲، قديمي)

(۲) (سنن أبي داؤد، كتاب الجنائز، باب في البناء على القبر: ۲/۱۰۴، إمداديه)

(وجامع الترمذي، كتاب الجنائز، باب ما جاء في كراهية تجصيص القبور و الكتابة عليها: ۱/۲۰۳، سعيد)

(وسنن ابن ماجة، كتاب الجنائز، باب ما جاء في النهي عن البناء على القبور الخ، ص: ۱۱۲، قديمي)

(وسنن النسائي، كتاب الجنائز، باب البناء على القبر: ۱/۲۸۵، قديمي)

(۳) (جمع الفوائد، كتاب الجنائز، تشييع الجنازه وحملها ودفنها، (رقم الحديث: ۲۶۱۲): ۱/۳۶۵، إدارة القرآن كراچي)

پھر کیوں بڑے اولیاء اللہ کے مزار وگنبد بنوائے گئے تھے، جیسے روضۂ بغداد، روضۂ اجمیری، روضۂ کلیری، روضۂ نظام الدین وغیرہ وغیرہ، حالانکہ زمانۂ سابقہ میں بڑے بڑے جید علماء موجود تھے اور خلیفہ؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جید علماء نے منع کیا مگر حکومت نے نہیں مانا، حکومت کا یہ فعل سند نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳۰/ ۷/ ۶۱ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، 　　صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۴/ شعبان/ ۶۱ھ۔

قبور مشائخ پر قبہ کا حکم

سوال[۴۲۸۰]: مولوی امجد علی صاحب رضوی بریلوی کی کتاب ''بہار شریعت'' ص:۱۵۲، حصہ چہارم میں ہے: ''علماء ومشائخ وسادات کی قبور پر قبہ وغیرہ بنانے میں حرج نہیں اور قبر کو پختہ نہ کیا جاوے، درمختار اور ردالمحتار۔ یعنی اندر سے پختہ نہ کیا جاوے اور اگر اندر خام ہو اوپر سے پختہ ہو تو حرج نہیں''۔ فقط عبارت ختم ہوئی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس کتاب کے مسائل کا پورا حال تو اصل کتاب کے دیکھنے سے معلوم ہوگا، لیکن مسائلِ مذکورہ کا جواب یہ ہے:

درمختار میں مذکور نہیں ہے، درمختار کی عبارت یہ ہے: ''و لا يطين و لا يرفع عليه بناء، وقيل: لابأس به، و هو المختار، كما في كراهة السراجية''(۱)۔

اس عبارت میں علماء، مشائخ، سادات کا ذکر تک نہیں، نیز اس عبارت کو فتاویٰ سراجیہ سے نقل کیا ہے اور نقل میں تقدیم وتاخیر ہوگئی، جیسا کہ علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس پر متنبہ کیا ہے: '(قوله: وقيل: لابأس به الخ) المناسب ذكره عقب قوله: ولا يطين؛ لأن عبارة السراجية -كما نقله الرحمتي- ذكر في تجريد أبي الفضل أن تطين القبور مكروه، والمختار أنه لا يكره، اهـ''(۲)۔

---

(۱) (الدر المختار، باب الجنائز من كتاب الصلوة: ۲/ ۲۳۷، سعيد)

(۲)(ردالمحتار مع الدر المختار، المصدر السابق)

اختلاف تطیین قبور میں ہے نہ کہ بناء علی القبور میں اور چونکہ درمختار میں: (قولہ: لا بأس به) کو مؤخر ذکر کرنے سے معلوم ہوتا تھا کہ اختلاف بناء علی القبور میں ہے، اس لئے شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس پر تنبیہ کی ہے اور اس کے بعد صراحۃً تردید بھی کردی، ہے چنانچہ لکھا ہے: "و أما البناء عليه فلم أر من اختار جوازه اهـ"(۱)۔ البتہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس سے قبل "و لا يرفع عليه بناء" کے ذیل میں لکھا ہے:"أي يحرم لو للزينة، ويكره لو للإحكام بعد الدفن، و أما قبله فليس بقبر"، امداد. و في الأحكام عن جامع الفتاوى: وقيل لا يكره البناء إذا كان الميت من المشايخ والعلماء والسادات اهـ"(۲)۔

سو اولاً تو اس کو"قيل" کے ساتھ نقل کیا ہے جو کہ "لا يرفع عليه بناء" کے مقابلہ میں ضعیف ہے۔ ثانیاً: "لا يرفع" کی تفسیر"يحرم" اور"يكره" سے کی ہے اور اس کے مقابل کو لاکر"يكره" سے بیان کیا ہے، اور محرم، مبیح میں جب تقابل ہوتا ہے تو محرم کو ترجیح ہوتی ہے، کما تقرر في الاصول (۳)۔ ثالثاً:"لا يرفع" متون میں ہے اور"لا يكره" فتاویٰ میں ہے اور متون کو تقدیم ہوتی ہے شروح اور فتاویٰ پر کما في شرح عقود رسم المفتي(٤)۔ رابعاً: شامی نے خود آگے اس کے خلاف تحریر کیا ہے یعنی:

"وأما البناء عليه فلم أر من اختار جوازه، و في شرح المنية عن منية المفتي: المختار أنه لا يكره التطيين. وعن أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ: يكره أن يبنى عليه بناءٌ من بيت أو قبة أو نحو ذلك، لما روى جابر رضي الله تعالىٰ عنه: نهى رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم عن

---

(۱) (ردالمحتار، المصدر السابق)

(۲)(ردالمحتار، المصدر السابق)

(۳) "إذا تعارض المانع والمقتضي، يقدم المانع". (قواعد الفقه، ص:۵٦، الصدف پبلشرز)

(۴) "التاسعة .... قلت: حاصله أن أصحاب المتون التزموا وضع القول الصحيح، فيكون ما في غيرها مقابل الصحيح ما لم يصرح بتصحيحه، فقدم عليها .... إذ صرّحوا بأنه إذا تعارض ما في المتون والفتاوى، فالمعتمد ما في المتون اهـ". (شرح عقود رسم المفتي، ص:۸۴، عند بحث الترجيح، مير محمد كتب خانه)

تجصیص القبور، وأن یکتب علیھا، و أن یبنیٰ علیھا". رواہ مسلم وغیرہ"(۱)۔

اس سے معلوم ہوا کہ اصل مذہب عدمِ جواز ہے، پھر اس کے مقابلہ میں "قیــــل" کی حیثیت کچھ نہیں، لہذا علامہ شامی کی رائے کے موافق بھی جواز پر استدلال نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ اگر ان کی رائے جواز کی ہوتی تو آگے اس کی تردید نہ کرتے۔ نیز مشایخ کی قبور پر جو بدعات وخرافات عام طور پر ہوتی ہیں وہ اظہر من الشّمس ہیں، لہٰذا قبر کو نہ اندر سے پختہ بنانا جائز ہے نہ اوپر سے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی۔

پختہ قبر کو ڈھادینا

سوال[۴۲۸۱]: پختہ قبر بنانا جائز ہے یا نہیں؟ اگر چاروں طرف پختہ ہو، اور بیچ میں مٹی ہو تو کیا حکم ہے؟ فتویٰ اور احتیاط دونوں صورتوں میں تحریر فرمائیں۔

میرے ایک رشتہ دار کا انتقال ہوا، باوجود بہت منع کرنے کے ان کے لڑکے نے قبر پختہ بنادی، چاروں طرف اینٹ اور درمیان میں مٹی ہے۔ اب تک ہمارے یہاں کچی ہی قبر کا رواج تھا، لیکن اس سے پختہ کرنے کا عام رواج پڑنے کا خوف ہے، آگے یہ فتنہ کی صورت بن سکتی ہے، اگر اسے میں ڈھادوں تو کوئی لڑائی جھگڑے کی صورت نہیں بنے گی۔ ایسی حالت میں میں کیا کروں، غیر کی ملک میں تصرف کرنے سے گناہ گار تو نہیں ہوں گا؟ اس فتنہ کے روکنے کے لئے مجھے کیا کرنا چاہئے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

باوجود بہت منع کرنے کے بھی جب قبر پختہ بنادی گئی، تو آپ خود غور کرلیں کہ اگر اسے آپ ڈھادیں گے تو جھگڑا ہوگا یا نہیں، "تغییر منکر" بڑا منصب ہے مگر اس کے لئے بڑی اہلیت کی ضرورت ہے اور شرائط بھی سخت ہیں(۲)، بسا اوقات ایسی صورت میں بڑا فتنہ ہوجاتا ہے، جس کو دینی اور دنیوی حیثیت سے برداشت کرنا دشوار

(۱) (رد المحتار، کتاب الصلوة، باب الجنائز: ۲/۲۳۷، سعید)

(والصحیح لمسلم، کتاب الجنائز، فصل: النھی عن تجصیص القبور اھ: ۱/۳۱۲، قدیمی)

(و راجع أیضاً عنوان: "قبر پر قبہ بنانا"۔)

(۲) "و شرطھا (أی الأمر والنھی) أن لا یؤدی إلی الفتنة، کما علم من الحدیث، وأن یظن قبولہ، فإن ظن =

ہوتا ہے میت کے ورثاء کو اگر مسئلہ سمجھا کر صاف کیا جائے، اور وہ اپنی غلطی کا خود ہی تدارک کریں اس سے ان شاء اللہ تعالیٰ اچھا اثر پڑے گا، اور عام رواج نہیں ہوگا، بلکہ دوسرے لوگ سمجھ جائیں گے کہ یہ طریقہ غلط ہے اور کوئی فتنہ بھی نہیں ہوگا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیو بند، ۱۳/ ۷/ ۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیو بند، ۱۴/ ۷/ ۹۰ھ۔

پختہ قبر کو منہدم کرنا

سوال [۴۲۸۲]: پہلے پکی قبریں جو بنی ہوئی ہیں ان کے لئے انہدام جائز ہوگا کہ نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

انہدام جائز ہے، پختہ قبریں گرا کر کچی قبر کا نشان باقی رکھا جائے، لیکن اگر اس سے شورش پیدا ہو اور فتنہ برپا ہو، تو اس سے اجتناب کیا جائے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیو بند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیو بند۔

= أنه لا يقبل، فيستحسن إظهار الشعار الإسلام". (مرقاة المفاتيح، كتاب الأدب، باب الأمر بالمعروف، الفصل الأول: ۸/۸۲۲، رقم الحديث: ۵۱۳۷، رشيديه)

(۱) "وعن أبي الهياج الأسدي، قال: قال لي علي: ألّا ابعثك على مابعثني عليه رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: أن لاتدع تصالاً إلا طمسته، ولا قبراً مشرفاً إلّا سويته .... عن جابر رضى الله تعالىٰ عنه، قال: نهى رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أن يجصص القبر وأن يُبنى عليه وأن يقعد عليه رواه مسلم (مشكاة المصابيح، كتاب الجنائز، باب دفن الميت، الفصل الأول، ص: ۱۴۸، قديمی)

قال الملا علي القاري في شرحه: "(ولا قبراً مشرفاً) هو الذي بني عليه حتى ارتفع .... ويستحب الهدم .... قال في الازهار: النهي عن تجصيص القبور للكراهة، وهو يتناول البناء بذلك وتجصيص وجهه والنهي في البناء للكراهة إن كانا في ملكه، والحرمة في المقبرة المسبلة ويجب الهدم وإن كان مسجداً". (مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح، باب دفن الميت، (رقم الحديث: ۱۶۹۶، ۱۶۹۷): ۴/۱۷۷، رشيديه)

قبر پر پختہ فرش بنانے کے لئے والد کو اینٹ دینا جائز ہے یا نہیں؟

سوال[۴۲۸۳]: والد صاحب نے اپنی کل جائداد مع دونوں مکانوں کے ہم تینوں لڑکوں کے نام ہبہ کردیا ہے اور اسی جائداد کے ساتھ میں قریب تین ہزار پکی اینٹیں ہم کو ملی ہیں، اب انہیں اینٹوں میں سے پانچ سو اینٹ اپنی قبر کے اوپر چبوترہ بنانے کے لئے مانگ رہے ہیں۔ ایسی صورت میں ہم والد صاحب کو اینٹ دیں یا نہ دیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

ابھی اینٹ دیدیں پھر ان کے انتقال کے بعد ان کو قبرستان میں کچی قبر میں دفن کردیں (۱) اور اس دی ہوئی اینٹ کو چبوترہ توڑ کر بطورِ ترکہ تقسیم کرلیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/ ۵/ ۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/ ۵/ ۸۸ھ۔

---

(۱) چونکہ قبر پکی کرنے سے احادیث میں منع آیا ہے اس لئے اس قسم کی وصیت درست اور قابلِ نفاذ نہیں:

"(أو صى بأن يطين قبره أو يضرب عليه قبة فهي باطلة) كما في الخانية وغيرها وقد مناه عن السراجية وغيرها .... فينبغي أن يكون القول ببطلان الوصية بالتطين مبنياً على القول بالكراهة لأنها حينئذٍ وصية بالمكروه". (الدر المختار). "ولم يتعرض لبناء القبة فهو مكروه اتفاقا". (رد المحتار، قبيل باب الوصية بالخدمة والسكنى والثمرة: ۶/ ۶۹۰، سعيد)

عن جابر رضي الله تعالىٰ عنه قال: نهىٰ رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "أن يجصص القبر وأن يبنىٰ عليه وأن يقعد عليه". (مشكوة المصابيح، كتاب الجنائز، باب دفن الميت، ص: ۱۴۸، قديمى)

نقل الملا علي القاري عن الأزهار تحت هذا الحديث: "النهي عن تجصص القبور للكراهة، وهو يتناول البناء بذٰلك وتجصص وجهه، والنهي في البناء للكراهة إن كان في ملكه، وللحرمة في المعتبرة المسبلة ويجب الهدم وإن كان مسجداً، وقال التور پشتي: يتحمل وجهين أحدهما: البناء على القبر بالحجارة وماتجرى مجراها، والأخر أن يضرب عليها ضباء ونحوه وكلاهما منهي لعدم الفائدة فيه". (مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح، كتاب الجنائز، باب دفن الميت، (رقم الحديث: ۱۶۹۷): ۴/ ۱۷۷، رشيديه)

قبروں پر آڑ لگانا

سوال[۴۲۸۴]: قبرستان پر اگر پکی قبریں نہ بنا کر آڑ لگادیا جائے تو کیا جائز ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جائز بلکہ بہت مناسب ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند۔



(۱) اگر کفن چور کرنے کا خطرہ ہو تو اس کے لئے تین دن تک قبر پر خیمہ لگانے کو فقہائے کرام نے جائز قرار دیا ہے، لہذا اسی طرح اگر قبر کو مویشی وغیرہ سے نقصان پہنچنے کا خطرہ ہو تو بطورِ حفاظت آڑ لگانا چاہئے: "و قال ابن حبيب : أراد(أي ضرب الفسطاط على القبر) في اليوم واليومين والثلاثة واسعاً إذا خيف من نبشٍ أو غيره". (عمدة القاري، كتاب الجنائز، باب ما يكره من اتخاذ المساجد على القبور : ۱۳۴/۸، إدارة الطباعة المنيرية بيروت)

الفصل السابع فی إلقاء الریاحین وغیرها علی القبور

(قبروں پر پھول، چادر ڈالنے اور روشنی کا بیان)

قبر پر پھول ڈالنا

سوال[۴۲۸۵]: قبر پر پھول ڈالنا کیسا ہے؟ ردالمحتار کی عبارت سے اس کا جواز معلوم ہوتا ہے، ردالمحتار میں ہے: ''قبر پر پھول ڈالنا بہتر ہے کہ جب تک تر رہیں گے، تسبیح کریں گے اور میت کا دل بہلے گا''۔ ردالمحتار۔ یوں ہی جنازہ پر پھول، چادر ڈالنے میں کوئی حرج نہیں!

الجواب حامداً ومصلیاً:

عبارت ردالمحتار جس کو پھول ڈالنے کے لئے نقل کیا ہے دراصل گھاس کو قبر سے کاٹنے کے متعلق ہے اصل عبارت یہ ہے: "یکره أیضاً قطع النبات الرطب والحشیش من المقبرة دون الیابس، کما فی البحر والدر وشرح المنیة. وعلله فی الإمداد بأنه مادام رطباً یسبح الله تعالیٰ، فیونس المیت وتنزل بذکره الرحمة، اهـ"(۱)۔ اس کے بعد شامی نے بطورِ قیاس لکھا ہے: "ویقاس علیه ما اعتید فی زماننا من وضع أغصان الآس ونحوه اهـ"(۲)۔ اپنی طرف سے صرف یہ قیاس کیا ہے اور مجتہدین سے کوئی نقل پیش نہیں کی۔ شافعیہ سے نقل کیا ہے: "وصرح بذلك أیضاً جماعة من الشافعیة، اهـ" (۳)۔ محدثین کی ایک بڑی جماعت حدیث "وضع الجریدة" کی تخصیص ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک کی برکت تھی، علامہ شامی کو شافعیہ کی رائے پسند ہے: "وهذا أولیٰ مما قاله بعض المالکیة من أن

(۱) (رد المحتار، کتاب الصلوة، باب صلوة الجنازة، مطلب فی وضع الجرید ونحو الآس علی القبور: ۲/۲۴۵، سعید)

(۲) (ردالمحتار، المصدر السابق)

(۳) (ردالمحتار، المصدر السابق)

التخفيف عن القبرين إنما حصل ببركة يده الشريفة صلى الله عليه وسلم أو دعائه لهما، فلا يقاس عليه غيره، اھ"(۱)۔ اگر قیاس ہی کرنا ہے تو جس قدر کا ثبوت ہے اس کو اتنی ہی مقدار میں قیاس کیا جاوے:"وقد ذكر البخاري في صحيحه أن بريدة ابن الحصيب رضي الله تعالىٰ عنه أوصى بأن يجعل في قبره جريدتان، اھ"(۲)۔ پھر یہ کہ عامۂ مشائخ اور اولیائے کرام کے مزارات پر پھول چڑھاتے ہیں جن کے متعلق یہ عقیدہ رکھنا بھی دشوار ہے کہ ان کے لئے تخفیفِ عذاب کی ضرورت ہے اور اگر کوئی دنیا دار آدمی ہو جس کے ذمہ بہت سے حقوق ہوں اور بحکمِ نصوص عذاب قبر کے مستحق ہوں ان کی قبر پر پھول نہیں ڈالے جاتے۔ جنازہ پر پھول چادر ڈالنا اگر کسی صحابی، تابعی، مجتہد سے ثابت ہو تو اس کو پیش کیا جائے۔ کفن میں خوشبو، حنوط وغیرہ لگانا درمختار نے جہل لکھا ہے(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، مظاہر علوم سہارنپور۔

قبر پر پھول وغیرہ ڈالنا

سوال[۴۲۸۶]: جب دین مکمل ہے تو ہر چیز کا حکم اور نہی موجود ہوگی، اسی طرح فاتحہ اور پھول مالا وغیرہ رسوم کی مخالفت بھی موجود ہوگی، خصوصاً جبکہ ان امور کو مستحب سمجھ کر کیا جاتا ہو تو پھر دیوبندی حضرات کیوں نہیں کرتے اور کیوں منع کرتے ہیں جبکہ مخالفت کی صریح دلیل نہیں اور حنفیہ کے یہاں مفہوم مخالف کا اعتبار بھی نہیں، دیوبندی حضرات بھی مفہوم مخالف کا اعتبار کر کے امر مستحب پھول، مالا، دعائے ثانیہ وغیرہ سے منع کرتے ہیں۔

الجواب حامداً و مصلياً:

میت اور قبر سے متعلق فرائض، واجبات، سنن مستحبات سب احکام کتبِ فقہ میں مذکور ہیں، جو کہ کتاب، سنت، اجماع، قیاس سے ماخوذ ہیں۔ اگر یہ پھول وغیرہ اور دعائے ثانیہ دین کی لازمی چیزیں ہوتیں تو ان کا بھی

---

(۱)(رد المحتار، باب صلوة الجنائز، مطلب في وضع الجريد .... على القبور: ۲/۲۴۰، سعيد)

(۲) (ردالمحتار، المصدر السابق)

(۳) "(ويجعل الحنوط) وهو بفتح الحاء العطر المركب من الأشياء الطيبة غير زعفران وودس) لكراهتهما للرجال وجعلهما في الكفن جهل". (الدرالمختار، باب صلوة الجنائز: ۲/۱۹۷، سعيد)

ثبوت ہوتا، مدعی کے لئے ثبوت کی ضرورت ہوتی ہے منکر کے لئے عدمِ ثبوت کافی ہے(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

کفن یا قبر پر پھول ڈالنا

سوال[۴۲۸۷]: قبر یا کفن پر پھول ڈالنا کیسا ہے؟ خوشبو لگانا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

میت کو کفن پہناتے وقت جو خوشبو لگائی جاتی ہے وہ ثابت ہے(۲) اور وہی کافی ہے، نہ کفن پر پھول ڈالے جائیں نہ قبر میں(۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند، ۹۴/۹/۱۱ھ۔

ایضاً

سوال[۴۲۸۸]: میت کو کفن پہناتے وقت کفن کے اندر پھول چھڑک دیتے ہیں اسی طرح قبر میں پھول ڈال دیتے ہیں۔ کیا یہ صحیح ہے؟

---

(۱) قال العلامة النووی: "وجاء فی روایة البیهقی وغیره بإسناد حسن أو صحیح ...... عن ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنه عن النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قال ..... "البینة علی المدعی" ....اهـ" الحدیث .....قال: وهذا الحدیث قاعدة کبیرة من قواعد أحکام الشرع، ففیه: أنه لا یقبل قول الإنسان فیما یدعیه بمجرد دعواه، بل یحتاج إلی بینة". (شرح النووی علی الصحیح لمسلم، کتاب الأقضیة، باب الیمین علی المدعی علیه: ۷۴/۲، قدیمی)

(۲) "وجمیع ما یجمّر فیه المیت ثلاثة مواضع: عند خروج روحه لإزالة الرائحة الکریهة، وعند غسله، وعند تکفینه، ولا یجمّر خلفه ولا فی القبر". (البحر الرائق، کتاب الجنائز: ۳۰۱/۲، رشیدیه)

(وکذا فی الدر المختار مع رد المحتار، باب صلوة الجنازة، ۱۹۵/۲، سعید)

(وفتح القدیر، باب الجنائز، فصل فی الغسل: ۱۰۸/۲، مصطفی البابی الحلبی مصر)

(۳)"قال العینی رحمه الله تعالیٰ: إن إلقاء الریاحین لیس بشیئ". (فیض الباری، کتاب الجنائز، باب الجرید علی القبر: ۴۸۹/۲، مکتبه حضر راه بکڈپو دیوبند)

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ ثابت نہیں غلط طریقہ ہے(۱)، البتہ کفن پہناتے وقت میت کو خوشبو لگانا ثابت ہے(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

قبر پر پھول، چادر، روشنی کرنا

سوال[۴۲۸۹]: قبر کے گرد روشنی کرنا، قبر پر غلاف ڈالنا اور پھولوں کی چادر جنازہ یا قبر پر ڈالنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

یہ سب چیزیں بھی بدعت ہیں (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

---

(۱) قال العلامة العینی رحمه الله تعالیٰ: "أنكر الخطابی و من تبعه وضع الجريد اليابس، و كذلك ما يفعله أكثر الناس من وضع ما فيه رطوبة من الرياحين و البقول و نحوهما على القبور ليس بشیء".
(عمدة القاری، كتاب الوضوء، قبيل باب ما جاء فی غسل البول: ۳/۱۲۱، إدارة الطباعة المنيرية، دمشق)

(و كذا فی فيض الباری، باب من الكبائر أن لا يستتر من البول: ۱/۳۱۱، خضر راه بکڈپو دیوبند)

(و بمعناه فی شرح النووی على الصحيح لمسلم، كتاب الطهارة باب الدليل على نجاسة البول و وجوب الاستبراء منه: ۱/۱۴۱، قديمی)

(۲) "أخرج الحاكم فی المستدرك .... عن أبی وائل، قال: كان عند علیّ رضی الله تعالیٰ عنه مسك فأوصى أن يحنط به، و قال: هو فضل حنوط رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم". (نصب الراية لأحاديث الهداية، باب الجنائز: ۲/۲۵۹، مؤسسة الريان)

"وتجمّر الأكفان قبل أن يدرج فيها الميت و تراً؛ لأنه صلی الله تعالیٰ علیه وسلم أمر بإجمار أكفان بنته وتراً والإجمار هو التطيب". (الهداية، باب الجنائز، قبيل فصل فی الصلوة على الميت: ۱/۱۸۰، مكتبه شركة علميه، ملتان)

(و كذا فی الحلبی الكبير، فصل فی الجنائز، ص: ۵۸۲، سهيل اكيڈمی لاهور)

(۳) (سیأتی تخرجه تحت عنوان: ''مصنوعی قبروں پر پھول چادر چڑھانا''۔) ....=

مصنوعی قبر پر پھول، چادر چڑھانا

سوال[۴۲۹۰]: اکثر مقامات پر مصنوعی قبریں بنا کر چادر وغیرہ چڑھاتے ہیں، کیا مصنوعی قبروں پر ایسا کرنا جائز ہے؟ ایسے لوگ مثال دیتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دو قبروں پر کھجور کی سبز ٹہنی گاڑ دی تھی، وہ تو قبر والوں پر عذاب ہورہا تھا، لہٰذا اس کا منشاء اور تھا، لیکن اس جگہ تو زینت کے لئے پھول وغیرہ چڑھاتے ہیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

مصنوعی قبروں کو بنا کر مخلوق کو دھوکا دینا ہے جو کہ معصیت ہے (۱) اور قبروں پر پھول وغیرہ چڑھانا درست نہیں ہے (۲)۔ حدیث شریف میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دو قبروں پر شاخ گاڑنا منقول ہے وہ بھی اس لئے کہ ان دونوں پر عذاب قبر ہورہا تھا (۳)، وہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک کی برکت

= "وما يؤخذ من الدراهم والمشمع والزيت ونحوها إلى ضرائح الأولياء الكرام تقرباً إليهم، فهو بالإجماع باطل وحرام". (الدرالمختار، كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم ومالا يفسد، مطلب في النذر الذي يقع للأموات الخ: ۲/۴۳۹، سعيد)

"وإخراج الشموع إلى رأس القبور الليالي الأولى بدعة، كذا في السراجية" (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب السادس عشر في زيارة القبور الخ: ۵/۳۵۱، رشيديه)

(۱) "فقال السيد: هو (أي الخداع) أن يوهم صاحبه خلاف ما وأما المؤمنون وإن جاز أن يخدعوا إلا أنه يبعد أن يقصدوا خدع المنافقين، لأنه غير مستحسن، بل مذموم مستهجن، وهي أشبه شئ بالنفاق، وهم في غنى عنه .... ﴿وما يشعرون﴾ ...... هلاك أنفسهم وإيقاعها في الشقاء الأبدي بكفرهم ونفاقهم ...... والمراد لا يشعرون بشئ". (روح المعاني، (سورة البقرة: ۹) : ۱/۱۴۵، ۱۴۸، دارإحياء التراث العربي، بيروت)

(۲) "وقال العيني رحمه الله تعالىٰ: إن إلقاء الرياحين ليس بشئ". (فيض الباري، كتاب الجنائز، باب الجريد على القبر: ۲/۴۸۹، مكتبه خضر راه بكڈپو ديوبند)

(۳) "عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما قال: مرّ النبي صلى الله عليه وسلم على قبرين، فقال: إنهما يعذبان ...... ثم دعا بعسيب رطب، فشقه بإثنين، ثم غرس على هذا واحداً وعلى هذا واحداً، وقال: "لعله يخفف عنهما ما لم ييبسا". (صحيح البخاري، كتاب الجنائز، باب الجريد على القبر: ۱/۱۸۱-۱۸۲، قديمي)

(وسنن أبي داؤد واللفظ له، كتاب الطهارة، باب الاستبراء من البول: ۱/۴، مكتبه دار الحديث ملتان)

شامل تھی (۱)۔ اگر اس سے استدلال کر کے بزرگان دین کے مزارات پر پھول چڑھائے جاتے ہیں تو کیا یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ ان بزرگان دین کو عذاب قبر ہو رہا ہے (معاذ اللہ)۔ ان دو قبروں کے علاوہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہیں شاخ کا گاڑنا بھی ثابت نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ کانپور۔

صحابہ کے مزارات پر پھول ڈالنا

سوال [۴۲۹۱]: اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کثیر تعداد میں شہید ہوئے اور امامانِ شریعت وطریقت بھی ہوئے۔ کیا ان کے مزارات پر غلاف یا پھول وغیرہ چڑھایا جاتا ہے اور ان کا سویم، دسواں، چالیسواں وغیرہ بھی ہوتا ہے جس طرح ہندوستان میں ہوتا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

ہندوستان میں بزرگانِ دین کے مزارات پر جو کچھ بھی لوگ کرتے ہیں مجھے علم نہیں کہ کسی دوسرے ممالک میں بھی یہ سب کیا جاتا ہے، بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور اولیائے کرام رحمہ اللہ تعالیٰ کے مزارات تو ان چیزوں سے محفوظ ہیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

قبروں پر پھول چڑھانے کے لئے ایک آیت اور حدیث سے استدلال

سوال [۴۲۹۲]: جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دو قبروں پر تر شاخ کو شق کر کے گاڑ دیا اور فرمایا کہ ''جب تک تر رہیں گی، عذاب میں تخفیف رہے گی''۔ اس سے قبروں پر پھول وغیرہ چڑھانے کی دلیل پکڑتے ہیں (۳)۔ کہتے ہیں: ﴿وإن من شيء إلا يسبح بحمده ولكن لا تفقهون

---

(۱) "قال الطرطوشي: لأن ذلك خاص ببركة يده صلى الله تعالىٰ عليه وسلم". (إعلاء السنن، كتاب الجنائز، باب استحباب غرز الجريد الرطبة على القبر: ۸/۲۸۹، إدارة القرآن، كراچی)

(۲) بلکہ سب سے زیادہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم عرب ممالک میں دفن ہیں اور ان تمام ممالک میں کسی بھی ملک میں نہ غلاف چڑھائے جاتے ہیں اور نہ پھول وغیرہ، اگر اس طرح کا کوئی عمل مسنون یا مستحب ہوتا، تو وہ لوگ اس کے زیادہ مستحق ہیں، کہ وہ اس پر عمل پیرا ہوں، لیکن یہ طریقے اہلِ بدعت کے ایجاد کردہ ہیں۔

(۳) "عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما قال: مر النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم على قبرين، فقال: =

تسبیحھم﴾ الآیۃ قول اللہ تعالیٰ ہے(۱) اور یہ ذی حیات کے ساتھ مخصوص ہے اور تر لکڑی ذی حیات ہے۔ تو یہ استدلال صحیح ہے یا نہیں؟ اگر یہ خصوصیت حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ہے تو اس کی کیا دلیل ہے، وہ دونوں قبریں مسلمانوں کی تھیں یا کفار کی؟ اور اس کی دلیل۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس روایت سے استدلال کرنے میں اشکال ہے، وہ یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو وحی کے ذریعہ سے علم ہوگیا تھا کہ قبر میں عذاب ہو رہا ہے(۲)، کیا آج بھی کسی پر وحی آتی ہے کہ فلاں قبر میں عذاب ہو رہا ہے؟ نیز جن مزارات پر یہ لوگ پھول چڑھاتے ہیں، کیا یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ ان اولیاء اللہ پر عذاب ہو رہا ہے، مثلاً: اجمیر شریف، کلیر شریف، دہلی شریف میں عامۃً حاضر ہو کر مقابرِ اہل اللہ کی قبروں پر چڑھاتے ہیں، کیا یہی عقیدہ ہوتا ہے(۳) کسی فاسق فاجر کی قبر پر نوبت کم آتی ہے؟!

اس حدیث کے ذیل میں علماء نے تخصیص کا احتمال بھی لکھا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خصوصیت تھی(۴) اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس حدیث میں تیقن کا صیغہ استعمال نہیں فرمایا، بلکہ

= "إنهما يعذبان" .... ثم دعا بعسيب رطب، فشقه باثنين، ثم غرس على هذا واحداً وعلى هذا واحداً، وقال: "لعله يخفّف عنهما ما لم ييبسا". (سنن أبي داؤد، كتاب الطهارة، باب الإستبراء من البول: ١/٤، دار الحديث ملتان)

(و رواه البخاري في الجنائز، باب الجريد على القبر: ١/١٨١، ١٨٢ قديمي)

(١) (الإسراء: ٤٤)

(٢) "قال المازري: يحتمل أن يكون أوحي إليه أن العذاب يخفف عنهما هذه المدة". (فتح الباري، كتاب الوضوء، باب من الكبائر أن لا يستتر من بوله: ١/٤٢٥، قديمي)

(٣) "قلت .... إن كانوا يدّعون اتباع الحديث، فعليهم أن يضعوا الجرائد دون الرياحين، وعلى المعذبين دون المقربين؛ لأن الحديث إنما ورد في المعذبين ..... الخ". (البدر الساري على حاشية فيض الباري، باب من الكبائر أن ..... الخ: ١/٣١١، خضر راه بكڈپو ديوبند)

(٤) "بعض العلماء قال: إنها واقعة عين يحتمل أن تكون مخصوصةً بمن اطلعه الله تعالىٰ على حال الميت". (فتح الباري، كتاب الجنائز، باب الجريدة على القبر: ٣/٢٢٤، دار المعرفة، بيروت) ......=

"لعلّ" فرمایا ہے(۱)۔اس حدیث کی شرح میں حافظ عینی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "إن إلقاء الرياحين ليس بشيء،اهـ" (۲) ۔حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ نے فتح الباری:۱/ ۲۷۷ میں لکھا ہے:

"وأما حديث الباب فظاهر من مجموع طرقه أنهما كانا مسلمين، ففي رواية ابن ماجة: "مر بقبرين جديدين" (۳)، فانتفىٰ كونهما في الجاهلية. و في حديث أبي أمامة عند أحمد: أنه صلى الله تعالى عليه وسلم مر بالبقيع فقال: "من دفنتم اليوم ههنا"(٤)؟ فهذا يدل على أنهما كانا مسلمين۔ و في رواية أبي بكرة عند أحمد،والطبراني بإسناد صحيح: "يعذبان، و ما يعذبان في كبير، و ما يعذبان إلا في الغيبة والبول"(٥). فهذا الحصر ينفي كونهما كانا كافرين؛ لأن الكافر وإن عذب على ترك أحكام الإسلام، فإنه يعذب مع ذلك على الكفر بلاخلاف"(٦)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

= "و قد استنكر الخطابي و من تبعه وضع الناس الجريدة و نحوه في القبر عملاً بهذا الحديث، قال الطرطوسي: لأن ذلك خاص ببركة يده صلى الله تعالىٰ عليه وسلم..... الخ".(فتح الباري، كتاب الوضوء، باب من الكبائر أن لايستتر من بوله: ۱/۳۲۵، قديمي)

(وكذا في فيض الباري، كتاب الوضوء، باب من الكبائر أن ...... الخ: ۱/۳۱۱، خضر راه بكڈپو ديوبند)

(۱) و "لعل" للترجي.

(۲) (عمدة القاري، كتاب الوضوء، باب من الكبائر أن لا يستتر من بوله:۳/۱۸۰، دار الكتب العلمية بيروت)

(۳)(سنن ابن ماجة، كتاب الطهارة، باب التشديد في البول، ص: ۲۹ ،قديمي)

(۴) (مسند الإمام أحمد، حديث أبي أمامة، (رقم الحديث: ۲۱۷۸۹): ۵/۳۵۷، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۵) (مسند الإمام أحمد، حديث أبي بكرة نفيع بن حارث، (رقم الحديث: ۱۹۸۶۰): ۵/۱۳، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"عن عائشة رضي الله عنها: قالت: مرّ النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بقبرين يعذبان ،فقال: "إنهما يعذبان، و ما يعذبان في كبير، كان أحدهما لا يتنزه من البول". الحديث. رواه الطبراني في الأوسط". (مجمع الزوائد: ۱/۲۰۷، دار الفكر، بيروت)

(٦) (فتح الباري، كتاب الوضوء، باب من الكبائر أن لا يستتر من بوله: ۱/۳۲٦، قديمي)

قبور پر چادر

سوال[۴۲۹۳]: مزارات پر چادر چڑھانا، اولیاء اللہ سے استمداد چاہنا کن صورتوں میں جائز ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

مزارات پر چادر چڑھانا منع ہے: "ویکرہ الستور علی القبور" (۱)۔ اولیاء اللہ کی ارواح سے استمداد کرنا یعنی یہ عقیدہ رکھنا کہ ہم جب مصیبت میں گرفتار ہوکر ان بزرگوں کو آواز دیتے اور ان سے مدد مانگتے ہیں تو وہ ہماری فریاد کو ہر جگہ سنتے اور ہماری مدد کے لئے آتے ہیں، یہ عقیدہ اسلامی عقیدہ نہیں بلکہ مشرکانہ عقیدہ ہے۔اس سے اسلام سلامت رہنا دشوار ہے:"ویکفر بقوله أرواح المشايخ حاضرة تعلم". مجمع الأنهر: ۶۹۹/۲(۲)۔فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

قبر پر چراغ، اگربتی، لوبان وغیرہ

سوال[۴۲۹۴]: قبر کے اوپر چراغ، اگربتی، لوبان وغیرہ کا جلانا کیسا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

بدعت اور ممنوع ہے، میت کے لئے خوشبو لگانا تین وقت ثابت ہے: ایک جب اس کی روح نکلے، دوسرے جب اس کو غسل دیا جائے، تیسرے کفن پہنانے کے قریب، بحر: ۱۹۱/۲ (۳)۔ قبر پر ثابت نہیں نہ دفن سے پہلے اور نہ دفن کے بعد جو لوگ قبر پر چراغ جلاتے ہیں ان پر حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت

---

(۱) (رد المحتار، كتاب الحظر والإباحة، قبيل فصل في النظر واللمس: ۳۶۳/۲، سعيد)

(۲) (مجمع الأنهر، كتاب السير والجهاد، باب المرتد، ثم ألفاظ الكفر أنواع: ۵۰۵/۲، المكتبة الغفارية كوئٹه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب السير، باب أحكام المرتدين: ۲۰۹/۵، رشيديه)

(۳)"وجميع ما يجمّر فيه الميت ثلاثة مواضع: عند خروج روحه لإزالة الرائحة الكريهة، وعند غسله، وعند تكفينه، ولا يجمّر خلفه ولا في القبر."(البحر الرائق، كتاب الجنائز: ۳۱۰/۲، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار مع رد المحتار، باب صلوة الجنازة: ۱۹۵/۲، سعيد)

(وكذا في فتح القدير، باب الجنائز. فصل في الغسل: ۱۰۸/۲، مصطفى البابي الحلبي مصر)

فرمائی ہے۔مشکوۃ شریف،ص:۷۱(۱)۔فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

شبِ براءت میں قبروں پر روشنی اوراگربتی

سوال[۴۲۹۵]: شب براءت میں قبروں پر روشنی کرنااوراگربتی جلانا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

رسم جہالت ہے،جس سے بچنا ضروری ہے(۲)۔فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

قبر پراگربتی جلانا،اذان دینا،تیجہ کرنا

سوال[۴۲۹۶]: بعض جگہ میں عام دستور ہے کہ اگر کوئی مرجاتا ہے تو تین روز تک قبر پر بتیاں جلائی جاتی ہیں اوراذان پڑھی جاتی ہےاور تیسرے دن تیجہ کے نام سے کلام مجیداورآیت کریمہ پڑھنالازمی اورضروری سمجھا جاتا ہے۔کیا شرعاً یہ صورتیں جائز ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ امور بدعت اور ناجائز ہیں(۳)۔قرآن کریم پڑھ کر،یا نماز پڑھ کر،یاروزہ رکھ کر،یا غرباء کو کھانا،کپڑا،نقد دیکر بلاتعیینِ تاریخ ثواب پہنچانااورجس قدرجلدی ممکن ہواس میں جلدی کرنا بلکہ دفن سے پہلے پہلے کرنا مستحسن اورباعثِ ثواب ہے(۴)۔واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمودگنگوہی عفی عنہ،معین مفتی مدرسہ مظاہرعلوم سہارن پور،۹/۹/۵۹ھ۔

صحیح:عبداللطیف،مفتی مدرسہ مظاہرعلوم سہارن پور،۱۰/ ذیقعدہ/۵۹ھ۔

صحیح:سعیداحمدغفرلہ،۱۰/ ذیقعدہ/۵۹ھ۔

---

(۱) "وعن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنهما قال: لعن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم زائرات القبور، والمتخذین علیها المساجد والسرج". رواه أبو داود والترمذی والنسائی". (مشکوة المصابیح، کتاب الصلوة، باب المساجد ومواضع الصلوة، ص: ۷۱، قدیمی)

(۲) "وإخراج الشموع إلی رأس القبور فی اللیالی الأولی بدعة". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الکراهیة، الباب السادس عشر فی زیارة القبور الخ: ۵/ ۳۵۱، رشیدیه)

(۳) (تقدم تخریجه تحت عنوان: "شب براءت میں قبروں پر روشنی اوراگربتی")

(۴) "فللإنسان أن یجعل ثواب عمله لغیره عند أهل السنة والجماعة صلوة کان أو صوماً أو صدقةً أو =

قبروں پر پانی چھڑکنا

سوال[۴۲۹۷]: قبر کے اوپر مٹی ڈالنے کے بعد لوٹے سے ایک لوٹا پانی ڈالتے ہیں اس نیت سے کہ میت کو ٹھنڈک پہونچے۔ کیا یہ صورت یا یہ عقیدہ درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ عقیدہ غلط ہے، البتہ مٹی جمنے کی غرض سے پانی ڈالتے ہیں کہ ہوا سے منتشر نہ ہوجائے، یہ ثابت ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

قبر سے متعلق چند خرافات

سوال[۴۲۹۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین شرع متین مسائل ذیل کے بارے میں کہ ایک شخص کا انتقال ہوگیا اس کے ماننے والوں نے تجہیز وتکفین وتدفین کے سلسلے میں مندرجہ ذیل امور کیے:

= قراءةً للقرآن أو الأذكار أو غير ذلك من أنواع البر، ويَصِل ذلك إلى الميت، وينفعه، قاله الزيلعي في باب الحج عن الغير." (مراقي الفلاح كتاب الصلوٰة، فصل في زيارة القبور، ص: ۵۲۱، ۵۲۲، قديمي)

(وكذا في البحر والفتح، والهداية كلهم في باب الحج عن الغير)

(۱) "وعن جعفر بن محمد، عن أبيه مرسلاً، أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم حثا على الميت ثلاث حثيات بيديه جميعاً، و أنه رش على قبر ابنه إبراهيم، و وضع عليه حصباء". رواه في شرح السنة". (مشكوة المصابيح، كتاب الجنائز، باب دفن الميت، الفصل الثاني، ص: ۱۴۸، قديمي)

(و مراسيل أبي داؤد الملحق بسننه، ما جاء في الجنائز، في الدفن، ص: ۱۸، سعيد)

(وابن ماجة، كتاب الجنائز، باب ماجاء في إدخال الميت القبر، ص: ۱۱۱، قديمي)

"ولا بأس برش الماء عليه حفظاً لترابه عن الاندراس". (الدرالمختار). "بل ينبغي أن يندب؛ لأنه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فعله بقبر سعد، كما رواه ابن ماجة. و بقبر ولده إبراهيم، كما رواه أبو داؤد في مراسيله. و أمر به في قبر عثمان بن مظعون، كما رواه البزار". (ردالمحتار، باب الجنائز: ۲/۲۳۷، سعيد)

۱......نماز جنازہ پڑھ لینے کے بعد بالقصد قبر کھودنے میں دیر کرنا بایں وجہ کہ ان کے مریدین دور دراز سے آنے والے ہیں وہ لوگ پیر کے چہرہ کو دیکھ لیں:

۲......قبر میں مردہ کو رکھ کر ایک دو روز تک قبر کھلی ہوئی رکھنا،

۳......چھوٹی الائچی پیس کر مُردے کے بدن پر لگانا۔

۴......میت کے غسالہ (دھوون) کو تبرک سمجھ کر پینا، پلانا۔

۵......قبر کو چھ فٹ گہرا کھودنا تاکہ پیر قبر میں کھڑے ہو کر نماز پڑھ سکے۔

۶......قبر میں گدے بچھانا، پھولوں کی سیج بچھانا، تین تکیے: ایک دائیں جانب، دوسرے بائیں جانب، تیسرے سرہانے کی جانب رکھنا، چھڑی اور بدھنا رکھنا، ٹوپی وغیرہ پہنانا۔

۷......شخص مذکور کے ماننے والے نے اس قسم کی باتیں بھی کہی ہیں، مثلاً تمام نبیوں سے اعلیٰ ہے میرا پیر، نیز یہ بھی کہا ہے کہ اسی سیرت کی پوجا کرو اسی میں کامیابی ہے (العیاذ باللہ)۔

نوٹ: جمیع سوالات کے جوابات مدلل ومفصل بحوالہ کتب عنایت فرمادیں۔

محمد مصطفیٰ قاسمی، جامع العلوم، جامع مسجد فیروز آباد، آگرہ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

میت اور اس کے غسل اور دفن اور قبر سے متعلق چھوٹے سے چھوٹے مستحبات بھی کتب فقہ میں مذکور ہیں، امورِ مسئولہ کا ذکر نہ قرآن کریم میں ہے، نہ حدیث شریف میں ہے، نہ فقہ کی مستند کتب میں، پس یہ سب چیزیں بے اصل ہیں، بے دلیل ہیں، جہالت ہیں، ضلالت ہیں، بدعت ہیں(۱) اور بعض ان میں شرک

---

(۱) "عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: قال النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه، فهو رد". (صحيح البخاري، كتاب الصلح، بابٌ: إذا اصطلحوا على صلح جور فهو مردود: ۱/۳۷۱، قديمي)

(والصحيح لمسلم، كتاب الأقضية، باب نقض الأحكام الباطلة و رد محدثات الأمور: ۲/۷۷، قديمي)

قال العلامة المناوي تحته: "أي أنشأ و اخترع و أتى بأمر حديث من قِبَل نفسه ......(ما ليس منه): أي رأياً ليس له في الكتاب، أو السنة عاضد ظاهر أو خفي، ملفوظ أو مستنبط، (فهو رد): أي مردود على فاعله لبطلانه". (فيض القدير: ۱۱/۵۵۹۴، حديث رقم: ۸۳۳۳، مكتبه نزار مصطفى الباز رياض) =

ہیں(۱)، اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو صحیح راستے پر چلائے۔ اگر دلائل کا مطالبہ کرنا ہے تو جو لوگ ان چیزوں کے مرتکب ہیں ان سے ثبوت طلب کیا جائے، ہمارے واسطے تو اتنی بات کافی ہے کہ ان چیزوں کا کہیں ثبوت نہیں۔

میت کی تجہیز وتکفین اور تدفین میں جلدی کرنے کا حکم حدیث وفقہ میں موجود ہے(۲)۔ قبر کا اتنا گہرا کھودنا غلط ہے بلکہ اتنی گہری ہونی چاہئے کہ میت کو اس میں رکھنے کے بعد جو تختہ وغیرہ رکھا جائے تو اس کے جسم سے مس نہ کرے، البتہ اوپر کا حصہ ایک آدمی کی قد کے برابر یا اس سے کچھ کم گہرا ہونا چاہیے(۳)۔ میت کے

= (و بمعناه مفصلاً في المرقاة شرح المشكوة ، كتاب الإيمان ، باب الاعتصام بالكتاب والسنة ، الفصل الأول: ۱/۳٦٦، ۳٦٧، رشيديه)

(۱) قوله: ''اسی سیرت کی پوجا کرو'' پوجا کرنا شرک ہے، کیونکہ سجدہ کے لائق صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے. "وقال شمس الأئمة السرخسي : السجود لغير الله على وجه التعظيم كفرٌ". (البحر الرائق ، كتاب الكراهية ، قبيل فصل في البيع :۸/۳٦۴، رشيديه)

(و بمعناه في شرح الفقه الأكبر للقاري، أواخر فصل في الكفر صريحاً و كناية ،ص:۱۹۳ ، قديمي)

(۲) " عن عبد الله بن عمر رضي الله تعالىٰ عنه قال: سمعت النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول: "إذا مات أحدكم ، فلا تحبسوه، وأسرعوا به إلى قبره". الحديث. رواه البيهقي في شعب الإيمان". (مشكوة المصابيح، كتاب الجنائز ، باب دفن الميت ، الفصل الثالث ،ص: ۱۴۹، قديمي)

قال القاري : "(فلا تحبسوه): أي لا تؤخروا دفنه من غير عذر. قال ابن الهمام : يستحب الإسراع بتجهيزه كله حين يموت(و أسرعوا به إلى قبره) هو تاكيد و إشارة إلى سنة الإسراع في الجنازة". (المرقاة ، باب دفن الميت :۴/۱۹۷ ، رقم الحديث:۱۷۱۷ ، رشيديه)

(۳) "و عن هشام بن عامر رضي الله تعالىٰ عنه أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال يوم أحد :"احفروا و أوسعوا و أعمقوا و أحسنوا". الحديث. (مشكوة المصابيح، كتاب الجنائز ، باب دفن الميت ، الفصل الثاني ،ص: ۱۴۸ ، قديمي)

"قال المظهر : أي اجعلوا عمقه قدر قامة الرجل إذا مدّيَدَه إلى رؤوس أصابعه ". (المرقاة ، باب دفن الميت :۴/۱۸۱ ، رقم الحديث:۱۷۰۲ ، رشيديه)

(وكذا في رد المحتار ، باب الجنائز ، مطلب في دفن الميت : ۲/۲۳۴، سعيد)

نیچے گدا بچھانا صحابہ کرام، ائمۂ مجتہدین اور جملہ اصحابِ عظام سے کہیں ثابت نہیں۔ تین تکیوں کی مصلحت بھی وہی بتائیں گے، حدیث وفقہ میں تو کہیں نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

مزارات پر خرافات

سوال [۴۲۹۹]: قبروں پر قبے بنانا، چادریں ڈالنا، چڑھاوے چڑھانا، جھنڈے لگانا، نذر و نیاز کے طور پر مزاروں پر بکرے ذبح کرنا، شیرینی تقسیم کرنا، قرآن وحدیث وفقہ سے ثابت ہے یا نہیں اور سنت طریقہ ہے یا بدعت ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ سب کام شرعاً ناجائز، مکروہ اور گناہ ہیں (۲)۔

---

(۱) بلکہ اس کو شارحینِ حدیث اور فقہائے کرام نے مکروہ تحریمی قرار دے کر رد کیا ہے: قال النووی فی شرحہ علی مسلم: "و قد نص الشافعي و جميع أصحابنا وغيرهم من العلماء على كراهة وضع قطيفة أو مضربة أو مخدة و نحو ذلک تحت الميت في القبر، و شذّ منهم البغوی من أصحابنا .... و الصواب كراهته كما قاله الجمهور. وأجابوا عن هذا الحديث بأن شقران انفرد بفعل ذلک، و لم يوافقه غيره .... و خالفه غيره، فروی البيهقی عن ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما أنه كره أن يجعله تحت الميت ثوب في قبره، والله تعالیٰ أعلم". (الكامل للنووی، باب الجنائز، فصل فی استحباب اللحد: ۱/۳۱۱، قديمی)

(وكذا فی رد المحتار، باب الجنائز، مطلب فی دفن الميت: ۲/۲۳۳، سعيد)

(وكذا فی المرقاة شرح المشكوة، باب دفن الميت: ۴/۱۷۵، رقم الحديث: ۱۶۹۴، رشيديه)

(۲) أما بطلان قوله: "قبروں پر قبے بنانا" فلِمَا فی الدر المختار: "ولا يجصص للنهی عنه، ولا يطين، ولا يرفع عليه بناء." قال ابن عابدینؒ: "وعن أبی حنيفة رحمه الله تعالیٰ: يكره أن يبنی عليه بناءٌ من بيت أو قبة أو نحو ذلک، لماروی جابر رضی الله تعالیٰ عنه: نهی رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم عن تجصيص القبور، وأن يكتب عليها، وأن يبنی عليها" رواه مسلم وغيره". (ردالمحتار، باب صلوٰة الجنازة: ۲/۲۳۷، سعيد)

(وكذا فی البحر الرائق، كتاب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۲/۳۴۰، رشيديه)

اور بعض شرک کی حدتک پہونچے ہوئے ہیں (۱)، نظام تصوف نمبر، اگست، ۶۳ء میں ملاحظہ فرمائیں۔

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔



وأما قوله: "چادریں ڈالنا، جھنڈے لگانا" فراجع للتخريج (ص: ۱۷۴، رقم الحاشية: ۱، وص: ۱۷۳، رقم الحاشية: ۳)

وأيضاً قال العلامة الشاميؒ: "وكره بعض الفقهاء وضع الستور والعمائم والثياب على قبور الصالحين والأولياء، قال في فتاوى الحجة: وتكره الستور على القبور". (ردالمحتار، كتاب الكراهية، قبيل فصل في النظر واللمس: ۶/۳۶۳، سعيد)

(۱) وأما قوله: "چڑھاوے چڑھانا، نذرونیاز کے طور پر مزاروں پر بکری ذبح کرنا" فلِمَا قال العلامة الطحطاوی رحمه الله: "واعلم أن النذر الذی يقع للأموات من أكثر العوام، وما يؤخذ من الدراهم، والشمع والزيت، ونحوها إلى ضرائح الأولياء الكرام تقرباً إليهم فهو باطل، وحرام. قال في البحر: لوجوه: منها أنه نذر لمخلوق، ولا يجوز؛ لأنه عبادة، والعبادة لاتكون لمخلوق. ومنها أن المنذور له ميت، والميت لا يملك. ومنها أنه إن ظن أن الميت يتصرف في الأمور دون الله تعالىٰ، كفر. اللهم! إلا أن يقول: يا الله! إني نذرت لک إن شفيت مريضي ...... اهـ.....أن أطعم الفقرآء الذين بباب السيدة نفيسة .... إلى غير ذلک ممايكون فيه نفع للفقرآء". (حاشية الطحطاوی على مراقی الفلاح، كتاب الصوم، باب ما يلزم الوفاء به، ص: ۶۹۳، قديمی)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصوم، فصل في النذر: ۲/۵۲۰، ۵۲۱، رشيديه)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الصوم، فصل في المتفرقات، قبيل كتاب المناسک: ۱/۲۱۶، رشيديه)

(وحاشية الطحطاوی على الدر المختار، كتاب الصوم، قبيل باب الاعتكاف: ۱/۴۷۱، دار المعرفة، بيروت)

باب زیارة القبور

(زیارتِ قبور کا بیان)

زیارت قبور کا طریقہ

سوال[۴۳۰۰]: قبرستان جانے اور فاتحہ پڑھنے کا مسنون طریقہ تحریر فرمادیجئے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

پنجشنبہ یا جمعہ کو بغیر کسی خاص پابندی کے جاکر قبلہ کی طرف پشت کرکے قبر کی طرف رخ کرکے سورۂ یٰسین، قل هو الله أحد الخ وغیرہ پڑھ کر کہہ دے: یا اللہ! اس کا ثواب فلاں کو پہونچادے اور پڑھنے سے پہلے وہاں جاکر کہے: "السلام علیکم دار قوم مؤمنین وإنا إنشاء الله بكم لاحقون" (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۱۲/۸۸ھ۔

---

(۱) "ولا بأس ...... "زيارة القبور .... و يقول: السلام عليكم دار قوم مؤمنين وإنا إنشاء الله بكم لاحقون، و يقرأ يٰس، و في الحديث: "من قرأ الإخلاص أحد عشر مرةً، ثم وهب أجرها للأموات، اعطى من الأجر بعدد الأموات". (الدرالمختار).

"(قوله: وبزيارة القبور): أى لا بأس بها، بل تندب .... و تزار في كل أسبوع .... والأفضل يوم الجمعة والاثنين والخميس، الخ". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة: ۲/۲۴۲، سعيد)

"يستحب زيارة القبور، و كيفية الزيارة كزيارة ذلك الميت في حياته من القرب والبُعد. وإذا أراد زيارة القبور، يستحب له أن يصلي في بيته ركعتين يقرأ في كل ركعة الفاتحة وأية الكرسي مرةً واحدةً، والإخلاص ثلاث مرات، ويجعل ثوابها للميت، يبعث الله تعالىٰ إلى الميت في قبره نوراً ويكتب للمصلي ثواباً كثيراً. .... "ثم يقف مستدبر القبلة مستقبلاً لوجه الميت، و يقول: السلام عليكم =

اقسامِ زیارتِ قبور

سوال[۴۳۰۱]: زیارة القبور لیست مشروعةً مطلقاً، بل نوعان: شرعية وغير شرعية، فالمسنونة منها شرعية، و غير المسنونة غير شرعية، فبعضها معصية كبيرة و بعضها كفر و شرك؟

الجواب حامداً ومصلياً:

زيارة القبور من حيث المقاصد والأعمال مختلفة بعضها: مستحبة، والبعض مباحة، والبعض بدعة محرمة، والبعض شرك (۱)۔ واخر دعوانا أن الحمد للّٰه رب العالمين، والصلوة على سيد المرسلين و اله و أصحابه أجمعين۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفرلہ، دارالعلوم دیو بند، ۱۴/۱۱/۸۸ھ۔

= يا أهل القبور! يغفر الله لنا و لكم أنتم لنا سلف ونحن بالأثر.............. وأفضل أيام الزيارة أربعة: يوم الاثنين والخميس والجمعة والسبت والزيارة يوم الجمعة بعد الصلاة حسن". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب السادس عشر في زيارة القبور و قراءة القرآن في المقابر: ۳۵۰/۵، رشيديه)

(۱) "الزيارة تنقسم إلى قسمين: زيارة شرعية وزيارة بدعية، فالزيارة الشرعية: السلام على الميت، والدعاء له، بمنزلة الصلاة على جنازته .... وأما الزيارة البدعية: فمن جنس زيارة اليهود والنصارى، وأهل البدع الذين يتخذون قبور الأنبياء والصالحين مساجد .... فالزيارة البدعية مثل قصد قبر للصلاة عنده .... أو طلب الحوائج منه، الخ". (مجموعة الفتاوىٰ لابن تيمية، باب زيارة القبور: ۱۸۷/۱۲، ۱۸۸، مكتبة العبيكان الرياض)

وتفصيل هذه المسئلة في: (اقتضاء الصراط المستقيم لابن تيمية، فصل في مقامات الأنبياء والصالحين، ص: ۴۱۱، ۴۱۷، مكتبه نزار مصطفىٰ الباز)

"عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها أنها قالت: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم كلما كان ليلتها من رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، يخرج من آخر الليل: إلى البقيع فيقول: "السلام عليكم دار قوم مؤمنين، و أتاكم ما توعدون غداً مؤجلون وإنا إن شاء الله بكم لاحقون، اللهم اغفر لأهل بقيع الغرقد". (الصحيح لمسلم، فصل في الذهاب إلى زيارة القبور: ۳۱۳/۱، قديمى) .... =

ہر سال کی ابتداء میں زیارتِ قبور

سوال[۴۳۰۲]: بنارس میں اعراس کے شیدائی اوراہلِ بدعت کے غوغائی حضرات نے اس وقت موسم کے لحاظ سے نیاز، فاتحہ، عرس اور دوسرے تمام لوازمات کی غزل پڑھنا شروع کردی ہے، اس سلسلہ میں سالانہ مزارات کی حاضری کے بارے میں فریقِ مخالف نے بس یہ تحریر کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر سال صحابہ کولیکر اُحد جاتے تھے۔ میں نے جب تلاش کیا تو شنبہ میں آپ کا جانا ثابت ہے، اور حضرت عقبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے، وہ ضرور تھے کہ دعائے مغفرت کے سماں کا کیف وسرور کو انھوں نے انتہائی ذوق وشوق سے بیان فرمایا ہے، اَور بھی دوجگہ ہے، مگر صحابہ کے ساتھ ہر سال کا جانا صحاح میں نظر سے نہیں گذرا، البتہ مولانا فرنگی محلی کے مجموعہ فتاویٰ میں ابن جریرہ کے حوالہ سے ایک حدیث "علی رأس کل حول" ملی۔

اس کے بعد فتاویٰ دارالعلوم ج پنجم ،ص:۱۹۶، میں یہ حدیث ملی: "لما أخرج ابن جريرة عن محمد بن إبراهيم قال: كان النبي صلى الله عليه وسلم يأتي قبور الشهداء على رأس كل حول

= قال الإمام النوويّ: "قوله: وإنا إن شاء الله الحديث .... و في هذا الحديث: دليل لاستحباب زيارة القبور والسلام على أهلها والدعاء لهم والترحم عليهم". (شرح النووي على الصحيح لمسلم، كتاب الجنائز، فصل في ذهاب إلى زيارة القبور: ۳۱۳/۱، قديمي)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: زار النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قبر أمه، فبكى وأبكىٰ من حوله، فقال النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم..........: "فزوروا القبور، فإنها تذكركم الموت". (الصحيح لمسلم: ۳۱۴/۱)

"ولا بأس بزيارة القبور والدعاء للأموات .... و صرح في المجتبى بأنها مندوبة، وقيل: تحرم على النساء، والأصح أن الرخصة ثابتة لها". (البحر الرائق، كتاب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۳۴۲/۲، رشيديه)

"و لا بأس .... بزيارة القبور ولو للنساء". (الدرالمختار). "(قوله: و بزيارة القبور): أي لا بأس بها بل تندب (قوله: و لو للنساء) وقيل: تحرم عليهن، والأصح أن الرخصة ثابتة لهن، .... فلا بأس إذا كن عجائز". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، ۲۴۲/۲، سعيد)

فيقول: "سلام عليكم بما صبرتم، فنعم عقبى الدار" وأبو بكر وعمر وعثمان"(۱)۔

اس حدیث کے بارے میں دریافت طلب بات یہ ہے کہ سنداً یہ حدیث کس درجہ کی ہے اور یہ توتعیینِ تاریخ کے لئے بہت مفید ہے۔ راویوں میں اگر کوئی راوی کمزور ہوتو اس کا نام تحریر فرمادیں گے اور صاحبِ رجال نے جو اس کے بارے میں تحریر فرمایا ہو اس کو بھی۔

چونکہ ابن جریر یہاں نہیں ہے، دوسرے یہ کہ مجھ میں صلاحیت کہاں، یقین ہے کہ جواب سے شکرگذار فرمائیں گے۔

الجواب حامداً ومصلياً:

شہدائے احد کے ساتھ بعض خصوصی معاملات بھی ہوئے، مثلاً یہ کہ قبل دفن ان پر صلوٰۃ جنازہ پڑھ لینے کے باوجود ان پر حیاتِ طیبہ میں بھی دوبارہ نماز جنازہ پڑھی گئی ہے، جیسا کہ امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تصریح فرمائی (۲) اور حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر بار بار تمام شہدائے احد کے ساتھ نماز پڑھی گئی (۳)، ہوسکتا ہے کہ یہ "على رأس كل حول" کی زیارت بھی خصوصیات میں سے ہو، ورنہ اس قسم کی چیز شہدائے بدر کی زیارت سے متعلق بھی ثابت ہوتی، خاص کر جبکہ ان کا مقام شہدائے احد سے بلند ہے، اور مدفون بقیع کی زیارت کے متعلق بھی ثابت ہوتی کہ ان کے مناقب مستقلاً احادیث میں موجود ہیں۔

---

(۱)(لم أطلع عليه في فتاوى دارالعلوم ديوبند)

(۲)"وقد روى أيضاً عن عقبة بن عامر رضي الله تعالىٰ عنه أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم صلى على قتلى أحد بعد مقتلهم بثمان سنين. حدثنا يونس .... أنه سمع عقبة بن عامر رضي الله تعالىٰ عنه يقول: إن آخر ما خطب لنا رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أنه صلى على شهداء أحد". الحديث. (شرح معاني الآثار للطحاوي رحمه الله تعالىٰ، كتاب الجنائز، باب الصلوٰة على الشهداء: ۱/۳۳۸، سعيد)

(وأخرجه البخاري في المغازي، باب غزوة أحد: ۲/۵۷۸، قديمي)

(۳)"عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يوضع بين يديه يوم أحد عشرة، فيصلي عليهم وعلى حمزة، ثم يرفع العشرة وحمزة رضي الله تعالىٰ عنه موضوع، ثم يوضع عشرة، فيصلي عليهم وعلى حمزة معهم". (شرح معاني الآثار المرجع السابق)

نیز غزوۂ احد شوال میں ہوا(۱) اور"رأس کل حول" کا مصداق محرم ہے اور اعراس کا معمول تاریخ وفات پر ہے نہ کہ رأس کل حول پر پھر اس زیارت پر راس کل حول سے استدلال کیسے صحیح ہوگا۔ علاوہ ازیں یہ زیارت رأس کل حول بھی مسلسل اور دائمی ثابت نہیں، ورنہ خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم بعد میں بھی اس کا اہتمام فرماتے اور محدثین ومجتہدین بھی (۲)۔ اس لئے مبتدعین کا استدلال بالکل بے محل ہے، روایت پر جرح کی ضرورت نہیں۔ شامی نے مصنف ابن ابی شیبہ کے حوالہ سے بھی نقل کی ہے (۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۲۸/۷/۹۱ھ۔

قبر کی مشرقی جانب سے زیارت کی جائے یا مغرب کی جانب سے؟

سوال[۴۴۰۲]: ۱..... زید نے قبر کی شرق کی جانب سے قبلہ رو ہو کر جیسے نماز جنازہ کے لئے کھڑے ہوتے ہیں فاتحہ پڑھی، بکر کہتا ہے کہ اس سے مردہ کو تکلیف ہوتی ہے، شرق یا شرق کے کسی گوشہ کی جانب رخ کر کے پڑھنا چاہئے۔ شرعاً بکر کا قول کس درجہ میں ہے؟

۲..... جب کہ ہر چہار سو قبریں ہوں اور یہ شخص اپنے عزیز کی قبر پر فاتحہ کے لئے جائے تو فاتحہ کے لئے کونسی سمت کو اختیار کرنا چاہئے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱، ۲..... اگر میت کے سر کی جانب کھڑے ہو کر زیارت کی جائے تو یہ میت پر باعث دشواری ہے، لہٰذا پیر کی جانب کھڑے ہو کر زیارت اور فاتحہ پڑھنی چاہئے:

" يأتي الزائر من قبل رجلي الموتى لا من قبل رأسه؛ لأنه أتعب لبصر الميت، بخلاف الأول؛ لأنه يكون مقابل بصره". شامي: ۱/ ۹٤۲(٤)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۱۷/۱۱/۵۳ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، ۱۹/ ذی قعدہ/ ۵۳ھ۔

---

(۱) قال ابن حجر رحمه الله تعالى: "وكان الواقعة (أي واقعة أحد) المشهورة في شوال سنة ثلاث باتفاق الجمهور". (فتح الباري، كتاب المغازي، باب غزوة أحد: ۷/ ۳۴۶، دار المعرفة، بيروت)

(۲) یعنی وہ خصوصیت بھی حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیات طیبہ تک تھی، ورنہ تو کسی نہ کسی حدیث میں اس کی ترغیب بھی دوسرے اعمال کی طرح ثابت ہوتی۔

(۳) (ردالمحتار، باب صلاة الجنازة، مطلب في زيارة القبور: ۲/ ۲۴۲، سعيد)

(۴) (رد المحتار، باب صلاة الجنازة، مطلب في زيارة القبور: ۲/ ۲۴۲، سعيد) .... =

جنابت کی حالت میں قبر کی زیارت

سوال[۴۳۰۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ کسی شخص کا حالتِ ناپاکی میں قبرستان میں یا قبر کے پاس جانا کیسا ہے یعنی حالتِ جنابت میں؟ بینوا و توجروا۔

مستفتی: نیازمند، احسان الحق، سرمحمد اسحاق، محلہ سرائے قیصر علی، سہارنپور۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

قبر کی زیارت کے لئے پاکی کی حالت میں جانا چاہئے، کیونکہ وہاں جاکر قرآن شریف پڑھنا بھی مسنون ہے اور قرآن شریف ناپاکی کی حالت میں پڑھنا ناجائز ہے، اگر قرآن شریف نہ پڑھے تو بحالتِ جنابت جانا بھی گناہ نہیں، البتہ خلافِ افضل ضرور ہے: " والأفضل أن يكون ذلك يوم الخميس متطهراً". شامی، بحث زیارۃ القبور: ۹۴۲/۱(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

عورتوں کا قبرستان میں جانا

سوال[۴۳۰۵]: عورتیں قبرستان جاسکتی ہیں یا نہیں؟

جمیل احمد آرہ بہار۔

= "من آداب زيارة القبور مطلقاً ما قالوا من أنه يأتي الزائر من قِبَل رجل المتوفى لا من قبل رأسه، فإنه أتعب لبصر الميت، بخلاف الأول؛ لأنه يكون مقابل بصره ناظر إلى جهة قدمه إذا كان على جنبه". (مناسک الملا علی القاری، باب المتفرقات، فصل: يستحب زيارة أهل المعلى الخ، ص: ۵۰۱، إدارة القرآن كراچی)

(۱) (رد المحتار، باب صلاة الجنازة، مطلب في زيارة القبور: ۲۴۲/۲، سعيد)

"(والأفضل)، وفي نسخة: يستحب (أن يكون ذلک): أي وقت زيارتهم (يوم الخميس متطهراً): أي الأقذار والأوزار الخ". (مناسک الملا علی القاری، باب زيارة سيد المرسلين صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فصل في زيارة جبل أحد وأهله، ص: ۵۲۵، إدارة القرآن كراچی)

الجواب حامداً ومصلیاً:

جائز تو ہے لیکن نہ جانا ہی زیادہ بہتر ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

عورتوں کے لئے زیارتِ قبور کا حکم

سوال[۴۳۰۶]: عورتوں کا بزرگان دین کی زیارت کے لئے جانا کیسا ہے اور کیا بزرگان دین کی قبروں کے لئے اور قبروں پر جانا اسی میں ہے، یا اس سے مستثنیٰ ہے؟ اور مولانا کفایت اللہ صاحب دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ جائز فرماتے ہیں اور مولانا محمد طیب صاحب دیوبندی ناجائز فرماتے ہیں اور کتاب بہشتی زیور اور مجالس الابرار میں ایسی عورتوں پر لعنت فرماتے ہیں، کتاب رکن دین میں بھی جائز فرمارہے ہیں۔ ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ کیا بات ہے؟ اس کو مفصل تحریر فرمائیے گا تاکہ خوب سمجھ میں آجائے۔ اور کس پر عمل کیا جائے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اصل یہ ہے کہ عورتوں میں تحمل کم ہوتا ہے، قبروں کو دیکھ کر بسا اوقات بے صبری کی حالت میں رونا، چلانا، کپڑے پھاڑنا، منہ پیٹنا وغیرہ حرکات شروع کردیتی ہیں۔ نیز مطلقاً عورتوں کا گھر سے نکلنا فتنہ ہے اور اس

---

(۱) "والأصح أن الرخصة ثابتة لهن .... وإن كان للاعتبار والترحم من غير بكاء والتبرك بزيارة قبور الصالحين، فلا بأس إذا كن عجائز، و يكره إذا كن شواب كحضور الجماعة في المساجد، وهو توفيق حسن". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، ۲/۲۴۲، سعيد)

"واختلف المشايخ في زيارة القبور للنساء، قال شمس الأئمة: الأصح أنه لا باس بها". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب السادس عشر في زيارة القبور الخ: ۵/۳۵۰، رشيديه)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، باب أحكام الجنائز، فصل في زيارة القبور، ص: ۶۲۰، قديمي)

"وحاصل الكلام من هذا كله أن زيارة القبور مكروهة للنساء بل حرام في هذا الزمان، ولاسيما نساء مصر؛ لأن خروجهن على وجه الفساد والفتنة الخ". (عمدة القاري، كتاب الجنائز، باب زيارة القبور، بيان ما يستفاد منه: ۸/۶۹، ۷۰، مطبعه منيريه، بيروت)

میں مفاسدِ کثیرہ ہیں (۱) اس لئے ممنوع ہے۔ مجالس الابرار میں صحیح لکھا ہے کہ حدیث میں لعنت وارد ہوئی ہے (۲)۔ جن لوگوں نے اجازت دی ہے انہوں نے مفاسد پر غور نہیں کیا ہوگا، مولانا کفایت اللہ صاحبؒ کی تحریر ہمارے سامنے نہیں، رکن دین کی بعض روایتیں ضعیف ہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، مظاہر علوم سہارنپور۔

---

(۱) "و قال ابن عبد البر: أن يكون هذا قبل الإباحة، قال: و توقى ذلك للنساء المتجملات أحب إليّ، وأما الشواب فلا يؤمن من الفتنة عليهن و بهن حيث خرجن، ولا شيء للمرأة أحسن من لزوم قعر بيتها، ولقد كره أكثر العلماء خروجهن إلى الصلوات، فكيف إلى المقابر .... و حاصل الكلام من هذا كله أن زيارة القبور مكروهة للنساء، بل حرام في هذا الزمان و لا سيما نساء مصر؛ لأن خروجهن على وجه الفساد والفتنة، وإنما رخصة الزيارة لتذكر أمر الآخرة و للاعتبار بمن مضى و للتزهد في الدنيا". (عمدة القاري، كتاب الجنائز، باب زيارة القبور، بيان ما يستفاد منه: ۸/۶۹، ۷۰، مطبعه منيريه، بيروت)

"(قوله: و لو للنساء) و قيل: تحرم عليهن، والأصح أن الرخصة ثابتة لهن .... إن كان ذلك لتجديد الحزن والبكاء والندب على ما جرت به عادتهن، فلا تجوز، وعليه حمل الحديث: "لعن الله زائرات القبور". وإن كان للاعتبار والترحم من غير بكاء والتبرك بزيارة قبور الصالحين، فلا بأس إذا كن عجائز، و يكره إذا كن شواب كحضور الجماعة في المسجد، وهو توفيق حسن". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، ۲/۲۴۲، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، باب أحكام الجنائز، فصل في زيارة القبور، ص: ۶۲۰، قديمي)

(۲) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه: أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم لعن زوّارات القبور" قال أبو عيسى: هذا حديث حسن صحيح. و قد رأى بعض أهل العلم أن هذا كان قبل أن يرخص النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم في زيارة القبور، فلما رخّص دخل في رخصته الرجال والنساء. وقال بعضهم: إنما كره زيارة القبور في النساء لقلة صبرهن و كثرة جزعهن". (جامع الترمذي، أبواب الجنائز، باب ما جاء في كراهية زيارة القبور للنساء: ۱/۲۰۳، سعيد)

ایضاً

سوال[۴۳۰۷]: کیا عورتیں قبور کی زیارت کرسکتی ہیں؟حسبِ ذیل احادیث کی روشنی میں جواب دیجئے:

۱-"لعن اللّٰہ زوارات القبور". مشکوۃ شریف، باب زیارۃ القبور(۱)۔

۲-"کنت نھیتکم عن زیارۃ القبور، فزوروھا فإنھا تذھد فی الدنیا و تذکر الأخرۃ"(۲)۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ان دوحدیثوں کی وجہ سے اس مسئلہ میں دوقول ہیں:بعض حضرات نے ممانعت کوصرف مَردوں کے حق میں منسوخ مان کرعورتوں کے حق میں ممانعت کو بدستور باقی مانا اور موجبِ لعنت قرار دیا ہے۔اور بعض علماء نے ممانعت کو عورتوں کے حق میں بھی بدستور منسوخ مان کران کے لئے زیارتِ قبور کوفی نفسہ تو جائز قرار دیا ہے،لیکن عورتیں اگر زیارتِ قبورکوقبرستان جائیں تو اس میں دوسرے مفاسد ہیں مثلاً پردہ کا اہتمام نہیں کریں گی، وہاں جاکر قبورکودیکھ کر خاص کرجب کہ وہ ان کے اعزہ،اولاد،والدین،شوہروغیرہ کی قبریں ہوں بےصبری کے ساتھ چلا کر بیان کرکے روئیں گی،سینہ کوبی کریں گی، بال نوچیں گی،منہ پیٹیں گی،اگر وہ بزرگوں کی قبریں ہوں تو وہ ان کا طواف کریں گی،ان کوسجدہ کریں گی،ان سے مرادیں مانگیں گی،ان پرچادرڈالیں گی،وہاں چراغ جلائیں گی،چڑھاوا چڑھائیں گی۔

غرض شرکیات ومحرمات میں مبتلا ہوں گی جیسا کہ عامۃً اولیاء اللہ کے مزارات پر بہت سے مقامات پر ہوتا ہے،اس لئے عورتوں کوزیارت قبور کے لئے جانے سے منع فرماتے ہیں کہ ایک مستحب کی خاطر کسی ناجائز چیز کوبرداشت نہیں کیا جاسکتا اورجن مَردوں کا حال بھی عورتوں کی طرح ہوان کوبھی منع کیا جائے گا(۳)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) (مشکوۃ المصابیح، کتاب الجنائز، باب زیارۃ القبور : ۱/۱۵۴، قدیمی)

(و ورواہ الترمذی فی سننہ فی أبواب الجنائز، باب ما جاء فی کراھیۃ زیارۃ القبور للنساء، ۱/۲۰۳، سعید)

(۲) (سنن ابن ماجۃ أبواب ما جاء فی الجنائز، باب ما جاء فی زیارۃ القبور، ص:۱۱۲، قدیمی)

(۳) "عن أبی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ أن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم "لعن زوّارات القبور". =

ایضاً

سوال[۴۳۰۸]: عورتوں کا قبروں پر جانا درست ہے یا نہیں؟ ان کے جانے کے متعلق کوئی حدیث ہو تو تحریر فرماویں۔

آپ کا خادم پیش امام: افتخار احمد تھانوی، ۱۷/ اگست/ ۶۷ء۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

رونے اور غم تازہ کرنے کے لئے قبروں پر جانا منع ہے، صلحاء کی قبور پر تبرک اور عبرت کے لئے بوڑھی عورت کو پردہ کے ساتھ جانا درست ہے اور جوان عورت کو ہر حال میں جانا منع ہے کیونکہ عورتیں عموماً جا کر ضرور منکرات میں مبتلا ہوتی ہیں خواہ جوان ہوں خواہ بوڑھی، اس لئے جہاں تک ہو سکے ان کو جانے سے روکنا چاہئے:

" و لا بأس بزيارة القبور و لو للنساء لحديث: "كنت نهيتكم عن زيارة القبور، ألا! فزوروها". در مختار- وفي رد المحتار: " (قوله : ولو للنساء) و قيل: تحرم عليهن، والأصح أن الرخصة ثابتة لهن، بحر. وجزم في شرح المنية بالكراهة لما مر في اتباعهن الجنازة. وقال الخير الرملي : إن كان ذلك لتجديد الحزن والبكاء والندب على ما جرت به عادتهن، فلا تجوز،

= قال أبو عيسى: هذا حديث حسن صحيح. وقد رأى بعض أهل العلم أن هذا كان قبل أن يرخص النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم في زيارة القبور، فلما رخص دخل في رخصته الرجال والنساء. قال بعضهم: إنما كره زيارة القبور في النساء لقلة صبرهن و كثرة جزعهن". (جامع الترمذي، أبواب الجنائز، باب ما جاء في كراهية زيارة القبور للنساء، ۱/۲۰۳، سعيد)

"(قوله : ولو للنساء) وقيل: تحرم عليهن، والأصح أن الرخصة ثابتة لهن......... وقال الخير الرملي: إن كان ذلک لتجديد الحزن والبكاء والندب على ما جرت به عادتهن، فلا تجوز، وعليه حمل الحديث : "لعن الله زائرات القبور". وإن كان للاعتبار والترحم من غير بكاء والتبرک بزيارة قبور الصالحين، فلا بأس إذا كن عجائز، و يكره إذا كن شواب كحضور الجماعة في المساجد، وهو توفيق حسن". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، ۲/۲۴۲، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، باب أحكام الجنائز، فصل في زيارة القبور، ص: ۶۲۰، قديمي)

وعليه حمل الحديث : "لعن الله زائرات القبور". وإن كان للاعتبار والترحم من غير بكاء والتبرك بزيارة قبور الصالحين، فلا بأس إذا كن عجائز، و يكره إذا كن شواب كحضور الجماعة في المساجد و هو توفيق حسن، اهـ". ردالمحتار (۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/۶/۵۵ھ۔

جوابات صحیح ہیں: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۴/۶/۵۵ھ۔

عورتوں کا زیارتِ اولیاء کے لئے جانا

سوال [۴۳۰۹]: عورتوں کا اولیائے کرام کی زیارت کے لئے جانا جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نامحرم کو دیکھنا، چاہے وہ اولیائے کرام ہوں چاہے کوئی اَور، ممنوع ہے (۲) اوران کے مزارات پر

---

(۱) (الدر المختار، باب صلاة الجنازة، مطلب في زيارة القبور : ۲/۲۴۲، سعيد)

"(ندب زيارتها) ...... (للرجال والنساء)، وقيل: تحرم على النساء، والأصح أن الرخصة ثابتة للرجال والنساء، فتندب لهن أيضاً". (مراقي الفلاح). "(وقيل: تحرم على النساء) وسئل القاضي عن جواز خروج النساء إلى المقابر، فقال: لاتسأل عن الجواز والفساد في مثل هذا، و إنما تسأل عن مقدار ما يلحقها من اللعن فيه، و اعلم بأنها كلما قصدت الخروج كانت في لعنة الله و ملائكته، وإذا خرجت تحفها الشياطين من كل جانب، وإذا أتت القبور تلعنها روح الميت، و إذا رجعت كانت في لعنة الله .... و أما النساء إذا أردن زيارة القبور إن كان ذلك لتجديد الحزن والبكاء والندب كما جرت به عادتهن، فلا تجوز لهن الزيارة .... و لا بأس به إذا كن عجائز، و كره ذلك للشابات، الخ".
(حاشية الطحطاوي، كتاب الصلاة ، باب أحكام الجنائز، فصل في زيارة القبور، ص: ۶۲۰، قديمي)

"و حاصل الكلام من هذا كله أن زيارة القبور مكروهة للنساء بل حرام في هذا الزمان، ولا سيما نساء مصر: لأن خروجهن على وجه الفساد والفتنة الخ". (عمدة القاري، كتاب الجنائز، باب زيارة القبور، بيان ما يستفاد منه : ۸/۶۹، ۷۰، مطبعه منيريه، بيروت)

(۲) "أن أم سلمة رضى الله تعالىٰ عنها حدثته أنها كانت عند رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وميمونة رضى الله تعالىٰ عنها قالت : فبينما نحن عنده، أقبل ابن أم مكتوم، فدخل عليه، و ذلك بعد ما=

جانے سے مفاسد زیادہ پیدا ہوتے ہیں اسلئے ان کو منع کیا جاتا ہے(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح سعید احمد غفرلہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۷/صفر/ ۶۸ھ۔

اجمیر شریف کی زیارت کے لئے سفر

سوال[۴۳۱۰]: اگر ہم گھر سے نیت کرکے چلے اجمیر شریف کی زیارت کرنے کے لئے اور وہاں پر پہونچ کر زیارت کی اور جو کچھ ہوسکا ہم نے درود شریف پڑھا اور بخشا اور چلے آئے، یہ درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

قبروں کی زیارت کرنا مستحب ہے، اس سے دنیا کی محبت کم ہوتی ہے اور آخرت یاد آتی ہے(۲)،

= أمرنا بالحجاب، فقال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "احتجبا منه" فقلت: يا رسول الله! أليس هو أعمى لا يبصرنا؟ ولا يعرفنا، فقال رسو ل الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "أفعميا وَان أنتما، ألستما تبصرانه"؟ هذا حديث حسن صحيح". (جامع الترمذى، أبواب الاستيذان، باب ما جاء في احتجاب النساء من الرجال: ۱۰۶/۲، سعيد)

(۱) "وحاصل الكلام من هذا كله أن زيارة القبور مكروهة للنساء بل حرام في هذا الزمان، ولا سيما نساء مصر؛ لأن خروجهن على وجه الفساد والفتنة، الخ". (عمدة القارى، كتاب الجنائز، باب زيارة القبور، بيان ما يستفاد منه: ۷۰/۸، مطبعه منيريه، بيروت)

"إن كان ذلك لتجديد الحزن والبكاء والندب على ما جرت به عادتهن، فلا تجوز .... ويكره إذا كن شواب كحضور الجماعة في المساجد". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، ۲۴۲/۲، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوى على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز، فصل في زيارة القبور، ص: ۶۲۰، قديمى)

(۲) "عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها أنها قالت: كان رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم كلما كان ليلتها من رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يخرج من آخر الليل إلى البقيع فيقول: "السلام عليكم دار قوم المؤمنين، وأتاكم ماتوعدون غداً مؤجلون، وإنا إن شاء الله بكم لاحقون، اللهم! اغفر لأهل بقيع الغرقد". =

قرآن کریم پڑھ کر ثواب پہونچانا بھی ثابت اور مفید ہے(۱)، جو کام محض ثواب کے ہیں ان میں بھی لوگوں نے

= "قوله: "وإنا إن شاء الله". الحديث.......... وفي هذه الحديث دليل لاستحباب زيارة القبور، والسلام على أهلها، والدعاء لهم، والترحم عليهم". (الصحيح لمسلم مع شرحه للنووي، كتاب الجنائز: ١/٣١٣، قديمي)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: زار النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قبر أمه، فبكى وأبكى من حوله، وقال النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم .... "فزوروا القبور، فإنها تذكركم الموت". (الصحيح لمسلم، المصدر السابق: ١/٣١٤)

"ولابأس بزيارة القبور والدعاء للأموات .... وصرح في المجتبى بأنها مندوبة، وقيل: تحرم على النساء، والأصح أن الرخصة ثابتة لها". (البحر الرائق، كتاب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ٢/٣٤٢، رشيديه)

"ولابأس .... بزيارة القبور ولو للنساء".(الدرالمختار). "(قوله: وبزيارة القبور): أي لابأس بها بل تندب. (قوله: ولوللنساء)، وقيل: تحرم عليهن، والأصح أن الرخصة ثابتة لهن .... فلابأس إذا كن عجائز". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، ٢/٢٤٢، سعيد)

(١) "ان سعد بن عبادة رضي الله تعالىٰ عنه توفيت أمه وهو غائب عنها، فقال: يارسول الله! -صلى الله تعالىٰ عليه وسلم- إن أمي توفيت وأنا غائب عنها، أينفعها شيء إن تصدقت به عنها؟ قال: "نعم"، قال: فإني أشهدك أن حائطي المخراف صدقة عليها".(صحيح البخاري، كتاب الوصايا، باب: إذا قال: أرضي وبستاني صدقة لله عن أمي: ١/٣٨٦، قديمي)

"صرح علماء نا في باب الحج عن الغير بأن للإنسان أن يجعل ثواب عمله لغيره صلوةً أوصوماً أو صدقةً أوغيرها.......... الأفضل لمن يتصدق نفلاً أن ينوي لجميع المؤمنين والمؤمنات؛ لأنها تصل إليهم، ولاينقص من أجره شيء". (ردالمحتار، باب صلوة الجنازة، مطلب في القراءة للميت وإهداء ثوابها له: ٢/٢٤٣، سعيد)

(وكذافي البحر الرائق، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ٣/١٠٥، رشيديه)

(وكذافي التاتارخانية، كتاب المناسك، الفصل الخامس عشر في الرجل يحج عن الغير: ٢/٥٣٥، إدارة القرآن كراچي)

ایسی چیزیں داخل کرلیں کہ ثواب کے بجائے ان سے گناہ ہوتا ہے، مثلاً اجمیر شریف جاکر مزاروں کو سجدہ کرتے ہیں، ان سے منت مانگتے ہیں، قبر پر چڑھاوا چڑھاتے ہیں، قوالی کرتے یا سنتے ہیں، وہاں بے پردہ عورتیں بھی جاتی ہیں(۱)، ایسی باتیں شرعاً جائز نہیں بلکہ گناہ اور حرام ہیں، بعض باتیں شرک کے قریب ہیں (۲)۔

اگر کوئی شخص خود یہ باتیں نہ کرے تب بھی دوسرے لوگ جو یہ باتیں کرتے ہیں ان کو دیکھنا یا ان کے ساتھ شریک ہونا پڑتا ہے، لہذا ایسی حالت میں وہاں جانا درست نہیں اور زیارتِ قبور کا بھی فائدہ حاصل نہیں ہوتا، بلکہ میلہ اور تماشہ بن جاتا ہے، اپنے مکان پر جو کچھ ہوسکے پڑھ کر ثواب پہونچادیا جائے، گورغریباں کی زیارت کبھی کبھی اپنی بستی کے قبرستان میں جاکر کرلیا کریں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۶/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۶/۹۰ھ۔

---

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم لعن زوّرات القبور". قال أبو عيسى: هذا حديث حسن صحيح". (جامع الترمذي، أبواب الجنائز، باب ماجاء في كراهية زيارة القبور للنساء: ۱/۲۰۳، سعيد)

"ويكره إذا كن شواب كحضور الجماعة في المساجد". (ردالمحتار، باب صلوة الجنازة: ۲/۲۴۲، سعيد)

"وحاصل الكلام من هذا كله أن زيارة القبور مكروهة للنساء، بل حرام في هذاالزمان، ولاسيما نساء مصر؛ لأن خروجهن على وجه الفساد والفتنة الخ". (عمدة القاري، كتاب الجنائز، باب زيارة القبور، بيان مايستفاد منه: ۸/۶۹، ۷۰، مطبعه منيريه، بيروت)

(۲) جیسے کہ قبروں کو سجدہ کرنا وغیرہ: "عن أبي مرثد الغنوي رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لا تجلسوا على القبور ولا تصلوا اليها". (مشكوة المصابيح، كتاب الجنائز، باب دفن الميت، ص: ۱۴۸، قديمي)

قال الملا على القاري: "(ولا تصلوا): أي مستقبلين (إليها) لما فيه من التعظيم البالغ؛ لأنه من مرتبة المعبود .... ولو كان هذا التعظيم حقيقةً للقبر أو لصاحبه لكفر المعظم التشبه مكروه وينبغي أن تكون كراهة تحريم". (مرقاة المفاتيح، كتاب الجنائز، باب دفن الميت، (رقم الحديث: ۱۶۹۸): ۴/۱۷۸، رشيديه)

کیا حج کے لئے خواجہ اجمیری کی زیارت لازم ہے؟

سوال[۴۳۱۱] : ۱..... بعض جگہ عوام سمجھتے ہیں کہ حرمین کی زیارت سے پہلے خواجہ اجمیری کے مزار کی زیارت کرنا ضروری ہے۔ یہ بھی مشہور ہے کہ جو شخص سات مرتبہ خواجہ اجمیری کے عرس میں شرکت کرے اس کو ایک حج کے برابر ثواب ملتا ہے۔ ایسا سمجھنا کہاں تک درست ہے؟

پیر کا فوٹو یا مجسمہ رکھنا اور اس پر نذر چڑھانا

سوال[۴۳۱۲] : ۲..... بعض جگہ لوگ اپنے بزرگوں کا فوٹو اور ان کا مجسمہ تبرک کے لئے اپنے گھروں میں رکھتے ہیں، تبرک کے علاوہ اس فوٹو کے آگے نذر و نیاز چڑھاتے ہیں اور ان بزرگوں کو اپنا حاجت روا سمجھتے ہیں ایسا کرنا اور سمجھنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱،۲..... یہ دونوں شرکیہ افعال وعقائد ہیں، ان سے ایمان سلامت رہنا دشوار ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

سفر برائے زیارتِ قبور

سوال[۴۳۱۳] : کیا سوائے مسجد اقصیٰ، مسجد حرام، مسجد نبویؐ کے ثواب کی نیت سے کسی بزرگ کے مزار کی طرف سفر کرنا مسنون یا جائز ہے؟ کیا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روضۂ اطہر پر خلفائے راشدین نے یا کسی بھی صحابی یا تابعی یا تبع تابعی نے پھولوں کی چادر چڑھائی ہے، یا عطر وغیرہ کی شیشیاں چڑھائی ہیں جیسا کہ آج کل اجمیر و کلیر و دہلی کے اکثر مزارات پر لوگ چڑھاتے ہیں؟ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے تینوں زمانوں میں کسی بھی صحابی یا تابعی یا تبع تابعی نے نذر نیاز منت مانی ہے؟

---

(۱) یہ قوم نوح کے مشرکین کا عمل ہے: "قال کانوا (أی الود والسواع ویغوث ویعوق وانسر) قوماً صالحین من بنی آدم، وکان لهم اتباع یعتقدون بهم، فلما ماتوا قال أصحابهم الذین کانوا یقتدون بهم: لو صوّرناهم، کان أشوق لنا إلی العبادة إذا ذکرناهم فصوّروهم، فلما ماتوا، وجاء الآخرون، دبّ إلیهم إبلیس فقال: إنهم کانوا یعبدونهم، وبهم یسقون المطر، فاعبدوهم". (تفسیر ابن جریر الطبری: ۲۱/۶۳، دار المعرفت، بیروت)

الجواب حامداً ومصلیاً:

قبور کی زیارت کرنے کے لئے سفر کرنے میں اختلاف ہے، امام غزالی کے کلام سے جواز کو ترجیح معلوم ہوتی ہے، وهكذا يفهم من عبارة الشامي في رد المحتار (۱)۔ روضۂ اطہر پر صحابہ تابعین تبع تابعین سے پھول وغیرہ چڑھانا جیسا کہ کلیر اجمیر وغیرہ میں رواج ہے، ہرگز ثابت نہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے نذر ماننا ثابت نہیں۔

زیارتِ قبر کیلئے احرام

سوال[۴۳۱۴]: بعض بزرگوں کے عرس میں شرکت کرنے والے خاص قسم کا جوڑا پہن کر جاتے ہیں اور اس جوڑے کو احرام کہتے ہیں۔ ایسا سمجھنا اور کہنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ سراسر جہالت یا غوایت ہے، اس سے توبہ لازم ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

عید کے دن زیارت قبور

سوال[۴۳۱۵]: ہمارے گاؤں میں عید کے دن عید کی نماز کے بعد لوگ قبرستان جاتے ہیں، وہاں فاتحہ پڑھ کر چلے آتے ہیں، تو قبرستان جانا خصوصاً اس دن کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

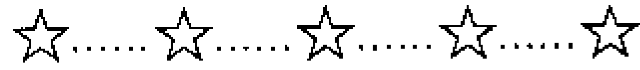
عید کا دن مسرت کا ہوتا ہے، بسا اوقات مسرت میں لگ کر آخرت سے غفلت ہو جاتی ہے اور زیارتِ قبور سے آخرت یاد آتی ہے، اس لئے اگر کوئی شخص عید کے دن زیارتِ قبور کرے تو مناسب ہے، کچھ مضائقہ نہیں (۲)، لیکن اس کا التزام خواہ عملاً ہی سہی جس سے دوسروں کو یہ شبہ ہو کہ یہ چیز لازمی اور ضروری ہے، درست

---

(۱) "والمعنى -كما أفاده في الإحياء- أنه لا تشد الرحال لمسجد من المساجد إلا لهذه الثلاثة، لما فيها من المضاعفة، بخلاف بقية المساجد، فإنها متساوية في ذلك، فلا يرد أنه قد تشد الرحال لغير ذلك، كصلة الرحم، وتعلم علم، وزيارة المشاهد كقبر النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، وقبر الخليل عليه السلام، وسائر الأئمة" (رد المحتار، كتاب الحج، باب الهدى، قبيل مطلب في المجاورة بالمدينة المشرفة ومكة المكرمة: ۲/۶۲۷، سعيد)

(۲) "عن ابن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه، أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "كنت نهيتكم=

نہیں۔ نیز اگر کوئی شخص اس دن زیارتِ قبور نہ کرے، تو اس پر طعن کرنا یا اس کو حقیر سمجھنا درست نہیں، اس کی احتیاط لازم ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔



= عن زيارة القبور، فزوروها، فإنها تزهد في الدنيا، وتذكر الآخرة". (مشكوة المصابيح، كتاب الجنائز، باب زيارة القبور، الفصل الثالث: ١/١٥٤، قديمي)

"فزوروها" .... "فإنها" : أى زيارة القبور أو القبور: أى رؤيتها "تزهد في الدنيا" : فإن ذكر الموت هادم اللذات، ومهون الكدورات". (مرقاة المفاتيح، كتاب الجنائز، باب زيارة القبور، الفصل الثالث. ٤/٢٥٦، رشيديه)

(١) "قال الطيبي: وفيه أن من أصر على أمر مندوب وجعله عزماً ولم يعمل بالرخصة، فقد أصاب منه الشيطان من الإضلال، فكيف من أصر على بدعة أو منكر". (مرقاة المفاتيح، كتاب الصلوة، باب الدعاء في التشهد، الفصل الأول: ٣/٣١، رشيديه)

باب إهداء الثواب للميت

(میت کے لئے ایصالِ ثواب کا بیان)

ایصالِ ثواب کا طریقہ

سوال[۴۲۱۲]: ایصالِ ثواب مُردوں کو کس طرح کیا جائے؟ صرف نیت ہو جانے پر کہ فلاں میت کو میرے قرآن شریف پڑھنے کی یا نوافل یا خیر وخیرات دینے کا ثواب پہنچ جائے، یہ کافی ہے، یا حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا توسل بھی ضروری ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر نیک عمل، تلاوت، قرآن پاک، نوافل، خیرات اس نیت سے کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ اس کا ثواب فلاں کو پہنچادے تب بھی کافی ہے، اگر بغیر اس نیت کے کیا جائے تو بعد میں یہ دعاء کرے کہ یا اللہ اس کا ثواب فلاں کو پہنچادے، شامی میں اسی طرح لکھا ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) "صرح علماء نا في باب الحج عن الغير: بأن للإنسان أن يجعل ثواب عمله لغيره صلوةً أوصوماً أوصدقةً أوغيرها .... الأفضل لمن يتصدق نفلاً أن ينوى لجميع المؤمنين والمؤمنات؛ لأنها تصل إليهم، ولا ينقص من أجره شيء". (ردالمحتار، باب صلوة الجنازة، مطلب في القراءة للميت وإهداء ثوابها له: ۲/۲۴۳، سعيد)

"والأصل فيه أن الإنسان له أن يجعل ثواب عمله لغيره صلوةً أوصوماً أوصدقةً أوقراءة قرآن أوذكراً أوطوافاً أوحجاً أوعمرةً أوغير ذلک عند أصحابنا بالكتاب والسنة". (البحر الرائق، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۳/۱۰۵، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب المناسک، الفصل الخامس عشر في الرجل يحج عن الغير: ۲/۵۴۵، إدارة القرآن كراچی)

"السنة لم تشترط التلفظ بالإهداء في حديث واحد، بل أطلق صلى الله تعالىٰ عليه وسلم الفعل عن الغير كالصوم والحج والصدقة، ولم يقل لفاعل ذلک وقل: "اللهم هذا عن فلان" والله سبحانه يعلم =

ایصالِ ثواب کے طریقے

سوال[۴۳۱۷]: میرے لڑکے کا بعمر دس سال انتقال ہوگیا، جس سے بہت صدمہ ہے، مرحوم کی طرف سے کیا کام کیا جائے جس سے اس کے درجات بلند ہوں اور آخرت میں وہ ہمارے لئے ذخیرۂ آخرت بنے۔ ایصالِ ثواب کے لئے قرآن خوانی کرنا کیسا ہے؟ اگر بچہ کی قبر کھول کر دیکھ لوں تو کچھ اطمینان ہو جائے گا۔ اس خیال سے میت دکھلا دی جائے تو جائز ہے یا نہیں؟ مرحوم کی قبر پر قرآن پاک بلند آواز سے سُنانے میں کچھ حرج تو نہیں؟ مرحوم کی قبر پر تاریخِ وفات لکھوانا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

دس سال کا بچہ معصوم ہے، اس پر کوئی گناہ نہیں۔ اس کے لئے ایصالِ ثواب اور دعائے مغفرت کی ضرورت نہیں، تاہم جو کچھ ثواب پہونچایا جائے گا وہ رفعِ درجات کا سبب بنے گا۔

قبر کھود کر صورت دیکھنے کی اجازت نہیں، ایسا کرنا حرام ہے۔ صبر میں بڑا اجر ہے، میت کو ثواب پہونچانے کے لئے غرباء کو کھانا کھلانا بھی درست ہے۔ کپڑے وغیرہ ضرورت کی چیز دینا بھی درست ہے۔ مگر جو کچھ ہو، اخلاص کے ساتھ ہو، ریا و فخر کے طور پر نہ ہو۔ قرآن پاک پڑھوا کر پڑھنے والوں کی دعوت کرنا درست نہیں۔ یہ قرآن خوانی کی اُجرت کے درجہ میں ہے۔ اس سے ثواب نہیں ہوگا۔ کسی بڑے بزرگ کی قبر پر پتھر پر نام کندہ کرا کے لگانے کی گنجائش ہے تاکہ زیارت کے لئے جو لوگ دُور دُور سے آتے ہیں اُن کو دشواری نہ ہو، وہ خود ہی پہچان لیں۔ بچے کی قبر پر اس کی ضرورت نہیں۔ بہت سے بہت درخت کا پودا قریب ہی لگا دیں۔ قبر کے قریب قرآن پاک تلاوت کرنے سے میت کو اُنس ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیو بند، ۸/۲/۸۹ھ۔

= نية العبد وقصده بعلمه، فإن ذكره جاز، وإن ترك ذكره واكتفى بالنية والقصد وصل إليه، ولا يحتاج أن يقول: إني صائم غداً عن فلان بن فلان. والله تعالىٰ أعلم". (كتاب الروح لابن قيم الجوزية رحمه الله تعالىٰ، المسألة السادسة عشرة: هل تنتفع أرواح الموتى بشيء من سعي الأحياء أم لا؟ فصل: فإن قيل فهل تشترطون في وصول"، ص: ۱۸۴، مكتبه فاروقيه پشاور)

9

ایصالِ ثواب کا فائدہ

سوال[۴۳۱۸]: ایصالِ ثواب سے مرنے والے کو کیا فائدہ پہونچتا ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

عذاب میں تخفیف ہوتی ہے، درجات میں ترقی ہوتی ہے، حزن میں کمی ہوتی ہے، سرور میں زیادتی ہوتی ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۱/۴/۶۴ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، صحیح: عبد اللطیف۔

---

(۱) "عن أنس رضی الله تعالیٰ عنه أن رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قال: "من دخل المقابر فقرأ سورة یٰس، خفف الله عنهم، وکان له بعدد مَن فیها حسنات". (شرح الصدور للسیوطی رحمه الله تعالیٰ، باب فی قراء ة القرآن للمیت او علی القبر، رقم الحدیث: ۷، ص: ۳۰۴، دار المعرفة، بیروت)

"وأخرج الطبرانی فی الأوسط بسند رواه عن أنس رضی الله تعالیٰ عنه مرفوعاً: "أمتی أمّة مرحومة تدخل قبورها بذنوبها، وتخرج من قبورها لا ذنوب علیها، یمحص عنها باستغفار المؤمنین لها".

"وأخرج ابن النجار فی تاریخه عن مالک بن دینار قال: دخلت المقبرة لیلة الجمعة، فإذا أنا بنور مُشرق فیها، فقلت: لا إله إلا الله نریٰ أن الله عزوجل قد غفر لأهل المقابر، فإذا أنا بهاتف یهتف من البعد وهو یقول: یا مالک بن دینار! هذه هدیة من المؤمنین إلی إخوانهم من أهل المقابر، قلت: بالذی أنطقک إلا أخبرتنی ما هو؟ قال: رجل من المؤمنین: قام فی هذه اللیلة فأسبغ الوضوء وصلی رکعتین .... وقال: اللهم! إنی قد وهبت ثوابها لأهل المقابر من المؤمنین، فأدخل الله علینا الضیاء والنور والفسحة والسرور فی المشرق والمغرب". (شرح الصدور للسیوطی رحمه الله تعالیٰ، باب ما ینفع المیت فی قبره، ص: ۲۹۸، ۲۹۹، دار المعرفة، بیروت)

"ودعاء النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم للأموات فعلاً وتعلیماً، ودعاء الصحابة والتابعین والمسلمین عصراً بعد عصر أکثر من أن یذکر، وأشهر من أن ینکر، وقد جاء: "أن الله یرفع درجة العبد فی الجنة فیقول: أنّٰی لی هذا؟ فیقال: بدعاء ولدک لک". (کتاب الروح لابن قیم الجوزیة رحمه الله تعالیٰ، المسألة السادسة عشرة: هل تنتفع أرواح الموتی بشیء من سعی الأحیاء أم لا؟ فصل: والدلیل علی انتفاعه بغیر ما تسبب الخ، ص: ۱۵۷، مکتبه فاروقیه پشاور)

کیا ایصالِ ثواب کرنے والے کو بھی ثواب ملتا ہے؟

سوال[۴۳۱۹]: زید روزانہ تلاوتِ کلام اللہ کے بعد اگر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور کل مومنین ومومنات، مسلمین ومسلمات کو ثواب بخشدے تو کیا زید کو تلاوت کا ثواب ملے گا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اس کو بھی ثواب ملے گا، وہ ہرگز محروم نہیں رہے گا(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۹/۸۷ھ۔

کیا دوسروں کو ثواب بخش دینے کے بعد خود قاری کو بھی ثواب ملتا ہے؟

سوال[۴۳۲۰]: کسی نے پورا قرآن شریف پڑھا اور کُل کا ایصالِ ثواب کردیا اور جب جب پڑھتا ہے سب ایصالِ ثواب کردیتا ہے، تو پڑھنے والے کو کچھ بچے گا اور ثواب ملے گا یا بالکل خالی ہاتھ ہوجائے گا؟ اور اگر ملے گا تو کتنا ملے گا؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جتنی تعداد کے مُردوں کو ثواب بخشے گا، ان کے عدد کے برابر اس کو بھی ثواب ملے گا(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۲/۹۱ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/۲/۹۱ھ۔

---

(۱) "وأخرج أبو محمد السمرقندي في فضائل: "قل هو الله أحد" عن علي رضي الله تعالىٰ عنه مرفوعاً: "من مر على المقابر وقرأ: ﴿قل هو الله أحد﴾ إحدى عشرة مرةً، ثم وهب أجره للأموات، أعطى من الأجر بعدد الأموات". (شرح الصدور للسيوطي رحمه الله تعالىٰ، باب في قراءة القرآن للميت أو على القبر، ص: ۳۰۳، دار المعرفة، بيروت)

"صرح علماء نا في باب الحج عن الغير بأن للإنسان أن يجعل ثواب عمله لغيره صلوةً أو صوماً أو صدقةً أو غيرها .... الأفضل لمن يتصدق نفلاً أن ينوي لجميع المؤمنين والمؤمنات؛ لأنها تصل إليهم، ولا ينقص من أجره شيء". (ردالمحتار، باب صلوة الجنازة، مطلب في القراءة للميت وإهداء ثوابها له: ۲/۲۴۳، سعيد)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب الزكاة، الفصل السادس عشر في إيجاب الصدقة: ۲/۳۱۹، إدارة القرآن)

(۲) "وأخرج أيضاً عن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: =

ایصالِ ثواب کے خلاف استدلال

سوال[۴۴۲۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسائل مندرجہ ذیل میں:

۱......مذہب اسلام نے ایصالِ ثواب کو جائز رکھا ہے یا نہیں، اگر جائز ہے اور ایک سورت کو پڑھ کر بہت سے مُردوں کو بخشے اس سورت کا ثواب تمام مردوں کو برابر ایک سورت کا ملے گا یا بقدرِ حصہ؟

۲......ایک شخص ایصالِ ثواب کو بدعت کہتا ہے اور استدلال میں مندرجہ ذیل احادیث وآیات پیش کرتا ہے، آیا یہ صحیح ہے:

۱-کبھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک آیت کا بھی ثواب کسی کو نہیں بخشا۔

۲-کسی صحابی نے کبھی بھی ایک آیت پڑھ کر کسی کو اس کا ثواب نہیں بخشا۔

۳-کبھی کسی پیغمبر نے بھی ایک آیت پڑھ کر کسی کو اس کا ثواب نہیں بخشا۔

۴-تمام پیغمبروں نے ہمیشہ گناہگاروں کے لئے دعائے مغفرت کی۔

۵-حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بھی ہمیشہ مسلمانوں کے لئے دعائے مغفرت کی۔

۶-قرآن میں بہت سے مقامات پر صاف لفظوں میں لکھ دیا گیا ہے کہ ایک کا ثواب دوسرے کو نہیں مل

= "إذا تصدق أحدكم بصدقة تطوعاً، فليجعلها عن أبويه، فيكون لهما أجرها ولا ينتقص من أجره شيء". (شرح الصدور للسيوطي رحمه الله تعالىٰ، باب ما ينفع الميت في قبره، رقم الحديث: ۳۹، ص: ۳۰۰، دار المعرفة، بيروت)

"الأفضل لمن تصدق نفلاً أن ينوي لجميع المؤمنين والمؤمنات؛ لأنها تصل إليهم ولا ينقص من أجره شيء". (الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب الزكاة، الفصل السادس عشر في إيجاب الصدقة وما يتصل به من الهدى: ۲/۳۱۳، إدارة القرآن كراچى)

(وكذا في ردالمحتار، باب صلوة الجنازة، مطلب في القراءة للميت وإهداء ثوابها له: ۲/۲۴۳، سعيد)

"وأخرج أبومحمد السمرقندي في فضائل: ﴿قل هو الله أحد﴾ عن علي رضي الله تعالىٰ عنه مرفوعاً: "من مر على المقابر، وقرأ ﴿قل هو الله أحد﴾ إحدى عشرة مرةً، ثم وهب أجره للأموات، أعطي من الأجر بعدد الأموات". (شرح الصدور للسيوطي رحمه الله تعالىٰ، باب في قراءة القرآن للميت أو على القبر، رقم الحديث: ۴، ص: ۳۰۳، دار المعرفة، بيروت)

سکتا، مثلاً: ﴿وأن ليس للإنسان إلا ما سعیٰ﴾(۱)۔﴿وإن أحسنتم أحسنتم لأنفسكم﴾ الاية (۲) ﴿من اهتدى فإنما يهتدى لنفسه﴾ الاية (بنی اسرائيل)(۳)۔﴿و لا تزر وازرة وزر أخرىٰ﴾ الاية (٤)۔

محمد عبدالحکیم قاسمی سنسار پور، ضلع لکھیم پورکھیری، یوپی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

"إن الإنسان له أن يجعل ثواب عمله لغيره صلوةً أو صوماً أو صدقةً أو غيرها عند أهل السنة والجماعة، اهـ". ھدایہ: ۱/۲۷٦(٥)۔ "ويصح إهداء نصف الثواب و ربعه كما نص عليه أحمد، و لا مانع منه، ويوضحه أنه لو أهدى الكل إلى أربعة يحصل لكلّ منهم ربعه، فكذا لو أهدى الربع وأبقى الباقي لنفسه، قلت: لكن سئل ابن حجر المكي: أما لو قرأ لأهل المقبرة الفاتحة هل يقسم الثواب بينهم أو يصل لكل منهم ثواب ذلك كاملاً؟ فأجاب بأنه أفتى جمعٌ بالثاني، وهو اللائق بسعة الفضل، اهـ". شامی، کتاب الجنائز: ۱/٦۰٥(٦)۔

---

(۱) (سورة النجم، پ: ۲۷، آیت: ۳۹)

(۲)(سورة بنی إسرائیل، پ: ۱۵، آیت: ۷)

(۳) (سورة بنی إسرائیل، پ: ۱۵، آیة: ۱۵)

(۴) (سورة فاطر: ۱۸)

(۵) (الهداية، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۱/۲۹٦، مکتبہ شرکة علمية)

"والأصل فيه أن الإنسان له أن يجعل ثواب عمله لغيره صلوةً أو صوماً أو صدقةً أوقراءة قرآن أو ذكراً أو طوافاً أو حجاً أو عمرةً أو غير ذلك عند أصحابنا بالكتاب والسنة". (البحر الرائق، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۳/۱۰۵، رشیدیہ)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب المناسك، الفصل الخامس عشر في الرجل يحج عن الغير: ۲/۵۴۵، إدارة القرآن كراچی)

(٦) (ردالمحتار، باب صلوة الجنازة، مطلب في قراءة للميت وإهداء ثوابها له: ۲/۲۴۵، سعید)

(وكذا في كتاب الروح لابن القيم، المسئلة السادسة عشر: هل تنتفع أرواح الموتى الخ، فصل: وأما =

عبارتِ منقولہ سے معلوم ہوا کہ ایصالِ ثواب جائز ہے اور ایک سورت کا ثواب چند مُردوں کو بخشا جائے تو اس میں دونوں قول ہیں، باری تعالیٰ کے فضل کے لائق یہ ہے کہ سب کو پوری پوری سورت کا ثواب پہونچے۔ ایصالِ ثواب بدعت نہیں بلکہ خیر القرون سے اس پر عمل جاری ہے، حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو اس کی تلقین فرمائی ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے بعد والے حضرات کو نیز بعد کے حضرات نے اپنے اعزہ کے لئے ایصالِ ثواب کیا ہے۔ اس مسئلہ میں اتنی وسعت سے روایات ہیں کہ ان کا شمار دشوار ہے، خود نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے امت کی طرف سے قربانی کی، صوم (۱) صلوۃ (۲) صدقہ (۳) حج (۴) قرأت (۵)

= قولكم: لوساغ ذلك لساغ إهداء نصف الخ، ص: ۱۷۴، مكتبه فاروقيه، پشاور)

(۱) "عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما قال: جاء رجل إلى النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فقال: يا رسول الله إن أمي ماتت و عليها صوم شهر أفاقضيه عنها؟ قال: "نعم فدين الله أحق أن يقضى". (صحيح البخاري، كتاب الصوم، باب من مات وعليه صوم: ۱/۲۶۲، قديمي)

(۲) "إن رجلاً سأله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فقال: كان لي أبوان أبرُّهما حال حياتهما، فكيف لي ببرهما بعد موتهما؟ فقال له صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إن من البر بعد الموت أن تصلي لهما مع صلاتك، و تصوم لهما مع صيامك". (فتح القدير، باب الحج عن الغير: ۳/۱۴۳، مصطفى البابي الحلبي، مصر)

(۳) "إن سعد بن عبادة رضي الله تعالىٰ عنه توفيت أمه وهو غائب عنها، فقال: يا رسول الله!- صلى الله تعالىٰ عليه وسلم- إن أمي توفيت و أنا غائب عنها، أينفعها شيء إن تصدقت به عنها؟ قال: "نعم". قال: فإني أشهدك أن حائطي المخراف صدقة عليها". (صحيح البخاري، كتاب الوصايا، باب: إذا قال: أرضي و بستاني صدقة لله عن أمي: ۱/۳۸۶، قديمي)

(۴) "عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما أتى رجل إلى النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فقال له: إن أختي نذرت أن تحج وأنها ماتت، فقال النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لو كان عليها دين أكنت قاضيه"؟ قال: نعم، قال: "فاقض الله فهو أحق بالقضاء". (صحيح البخاري، كتاب الأيمان والنذور، باب من مات وعليه نذر: ۲/۹۹۱، قديمي)

(۵) "عن أنس رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "من دخل المقابر فقرأ سورة يٰس، خفف الله عنهم، وكان له بعدد مَن فيها حسنات". (شرح الصدور للسيوطي، باب في قراءة =

اضحیہ(۱) سب ہی کا احادیث میں ثواب پہونچانا ثابت ہے، ہدایہ میں ہے:

"لما روى عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أنه ضحىٰ بكبشين أملحين أحدهما عن نفسه والأخر عن أمته ممن أقر بوحدانية الله تعالىٰ و شهد له بالبلاغ، اهـ"(۲)۔ اس حدیث کی تخریج زیلعی میں سات صحابہ سے کی گئی ہے(۳)، شیخ ابن ہمام نے اس کو حدیث مشہور قرار دے کر فرمایا ہے: "يجوز تقييد الكتاب به"(۴)۔ نیز دارقطنی کی روایت ہے:

"إن رجلاً سأله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فقال: كان لي أبوان أبرهما حال حياتهما، فكيف لي ببرهما بعد موتهما؟ فقال صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إن من البر بعد الموت أن تصلي لهما مع صلاتك، و تصوم لهما مع صيامك"(۵)۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل فرماتے ہیں: "من مر على المقابر و قرأ ﴿قل هو الله أحد﴾ إحدى عشرة مرةً، ثم وهب أجرها للأموات، أعطى من الأجر بعدد الأموات"(٦)۔

= القرآن للميت، ص: ۳۰۲، دار المعرفة، بيروت)

(۱) "عن أبي طلحة الأنصاري رضي الله تعالىٰ عنه –واسمه زيد بن سهل– أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ضحى بكبشين أملحين، فقال عند الأول: "عن محمد و آل محمد" و قال عند الثاني: "عمن آمن بي و صدقني من أمتي". (نصب الراية، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، (رقم الحديث: ۴۷۲۳): ۳/۱۵۳، المكتبة المكية)

(۲) (الهداية، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۱/۲۹۶، مكتبه شركة علميه ملتان)

(۳) "أخرجه الزيلعي في كتاب الحج عن الغير، رقم الحديث: ۴۷۱۵، وقال: قلت: روى من حديث عائشة، و أبي هريرة، و من حديث جابر، و من حديث أبي رافع، و من حديث حذيفة ابن أسيد الغفاري، و من حديث أبي طلحة الأنصاري و من حديث أنس رضي الله تعالىٰ عنهم". (نصب الراية: ۳/۱۵۱، المكتبةالمكية)

(۴) (فتح القدير، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۳/۱۴۳، مصطفى البابي الحلبي، مصر)

(۵) (فتح القدير، المصدر السابق)

(٦) (أخرجه السيوطي في شرح الصدور، باب في قراءة القرآن للميت، ص: ۳۰۳، دار المعرفة، بيروت)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دریافت فرمایا: "يا رسول الله! إنا نتصدق عن موتانا و نحج عنهم و ندعولهم، فهل يصل ذلك إليهم؟ قال: "نعم، إنه يصل إليهم، و إنهم ليفرحون به كما يفرح أحدكم بالطبق إذا أهدى إليه اهـ" (۱)۔

ان سب کو نیز دیگر احادیث وآثار کو نقل کر کے فتح القدير، باب الحج عن الغير: ۲/ ۳۰۹، میں لکھا ہے:

"فهذه الآثار و ما قبلها و ما في السنة أيضاً من نحوها عن كثير قد تركناه لحال الطول يبلغ القدر المشترك بين الكل –و هو أن من جعل شيئاً من الصالحات لغيره، نفعه الله تعالىٰ به– مبلغ التواتر، وكذا ما في كتاب الله تعالىٰ من الأمر بالدعاء للوالدين في قوله تعالىٰ: ﴿و قل رب ارحمهما كما ربياني صغيراً﴾ و من الأخبار باستغفار الملائكة للمؤمنين، قال تعالىٰ: ﴿والملائكة يسبحون بحمد ربهم و يستغفرون لمن في الأرض﴾ و قال تعالىٰ في آية أخرىٰ: ﴿الذين يحملون العرش......... وقهم السيئات﴾ قطعيٌّ في حصول الانتفاع بعمل الغير، فيخالف ظاهر الآية التي استدلوا بها :أي المعتزلة، و هي: ﴿وأن ليس للإنسان إلا ما سعىٰ﴾ إذ ظاهرها أنه لا ينفع استغفار أحد لأحد بوجه من الوجوه؛ لأنه ليس من سعيه، فلا يكون له منه شيء، فقطعنا بانتفاء إرادة ظاهرها على صراحته فتقيد بما لم يهبه العامل" (۲)۔

آیت مذکورہ سے استدلال کا جواب بھی واضح ہوگیا۔ حافظ عینی نے شراح ہدایہ (۳) میں اور زیلعی نے

(۱) (فتح القدير، كتاب الحج، باب الحج عن الغير : ۱۴۳/۳، مصطفى البابي الحلبي، مصر)

(۲) (فتح القدير، المصدر السابق)

(۳) "وأما الجواب عن الآية فبثمانية أوجه: الأول : أنها منسوخة بقوله تعالىٰ : ﴿والذين آمنوا واتبعتهم﴾ الآية. الثاني :خاصة بقوم إبراهيم و قوم موسى يعني في صحف إبراهيم و موسى .... الثالث: أن المراد بالإنسان الكافر هنا، وأما المؤمن فله ما سعى .... الخامس: أن معنى ما سعى: "ما نوى" قاله أبو بكر الوراق. السادس: أن ليس للإنسان الكافر من الخير إلا ما عمله في الدنيا، فيثاب عليه في الدنيا حتى لا يبقى له في الآخرة خيرٌ البتة. السابع : اللام بمعنى "على": أي ليس على الإنسان إلا ما سعى .... الثامن : ليس إلا سعيه غير أن الأسباب مختلفة، فتارةً يكون سعيداً في تحصيل =

شرح کنز میں (۱) اور طحطاوی نے شرح مراقی الفلاح (۲) میں معتزلہ کی اس دلیل کے آٹھ جوابات دیئے ہیں۔ ابن قیم نے تو کتاب الروح گویا کہ اس قسم کے مسائل کے لئے ہی تصنیف کی ہے اور ہر عنوان پر سیر حاصل بحث

= الشيء بنفسه و تارةً لتحصيل سببه الخ". (البناية شرح الهداية للعلامة العيني، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۳۹۲/۵، مكتبه حقانيه، ملتان)

(۱) "وأما قوله تعالىٰ: ﴿وأن ليس للإنسان إلا ما سعىٰ﴾ (سورة النجم پ ۲۷، آيت: ۳۹) فقد قال ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما: إنها منسوخة بقوله تعالى: ﴿والذين آمنوا واتبعتهم ذريتهم بإيمان﴾ (سورة الطور، پ: ۲۷، آيت: ۲۱) "و قيل: هي خاصة بقوم موسى و إبراهيم لأية وقع حكاية عما في صحفهما على نبينا وعليهما السلام، بقوله تعالىٰ: ﴿أم لم ينبأ بما في صحف موسى و إبراهيم الذي وفّىٰ﴾ (سورة النجم پ ۲۷، آيت: ۳۷) وقيل: أريد به الإنسان الكافر، و أما المؤمن فله ما سعى أخوه. وقيل: ليس له من طريق العدل، و له من طريق الفضل. و قيل: "اللام" في للانسان بمعنى "على" كقوله تعالىٰ: ﴿وإن أسأتم فلها﴾ (سورة الإسراء، پ ۱۵، آية: ۷): أي فعليها أو كقوله تعالىٰ: ﴿لهم اللعنة﴾ (سورة الرعد، پ: ۱۳، آيت: ۲۵): أي عليهم. وقيل: ليس له إلا سعيه، لكن سعيه بمباشرة أسبابه بتكثير الإخوان و تحصيل الإيمان حتى صار ممن تنفعه شفاعة الشافعين". (تبيين الحقائق، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۲/۲۲۱، ۲۲۲، دار الكتب العلميه، بيروت)

(۲) "وقالت المعتزلة: ليس للإنسان أن يجعل ثواب عمله لغيره لقوله تعالىٰ: ﴿وأن ليس للإنسان إلا ماسعىٰ﴾ الجواب عنه من ثمانية أوجه: الأول: أنها منسوخة الحكم بقوله تعالىٰ: ﴿والذين آمنوا واتبعتهم﴾ الاية .... الثاني: أنها خاصة بقوم إبراهيم و موسى .... الثالث: المراد الإنسان الكافر .... الرابع: ﴿ليس للإنسان إلا ماسعى﴾ من طريق العدل، فأما من طريق الفضل فجائز .... الخامس: أن معنى ﴿ماسعى﴾ "نوى" قاله أبو بكر الوراق. السادس: أن "اللام" بمعنى "على" كما في قوله تعالىٰ: ﴿ولهم اللعنة﴾ السابع: أنه ليس له إلاسعيه غير أن الأسباب مختلفة، فتارةً يكون سعيه في تحصيل الخير بنفسه، و تارةً يكون في تحصيل سببه مثل سعيه في تحصيل قرابة، وولد يترحم عليه، وصديق يستغفرله، وقد يسعى في خدمة الدين .... الثامن: أن الحصر قد يكون في معظم المقصود بالحصر لا في كله". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، أحكام الجنائز، فصل في زيارة القبور، ص: ۶۲۲، قديمي)

کی ہے(۱)۔

آثار السنن میں مستقل "باب قراءة القرآن للميت" منعقد کیا گیا ہے(۲) دوسری اور تیسری اور چوتھی آیت سے جو استدلال کیا گیا ہے وہ بالکل بے محل ہے، ان آیات کو مسئلۂ مذکورہ سے کوئی علاقہ نہیں، کما لا يخفى على من له ممارسة بالتفسير۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۹/ ۷/ ۶۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۲۲/ رجب/ ۶۹ھ۔

اپنی زندگی میں مُردہ سمجھ کر ایصالِ ثواب کرانا

سوال[۴۳۲۲]: ۱..... قبر پر خواہ صالح کی ہو یا عام قبر ہو بغیر ہاتھ اٹھائے دعاء مانگنا کیسا ہے؟ جیسا کہ رسم ورواج ہے کہ فاتحہ پڑھو؟

۲..... بعض لوگ اپنی حیات میں تیجہ، چالیسواں، برسی، ختم قرآن، صدقہ اپنی روح کو کراتے ہیں اور اپنے آپ کو پھر وہ مردہ سمجھتے ہیں اور کسی کے یہاں وہ موت وزندگی میں شریک نہیں ہوتے اور نہ میت کا کھانا کھاتے ہیں اسی خیال سے اپنی فاتحہ اپنی زندگی میں کرواڈالتے ہیں کہ مرنے کے بعد کوئی فاتحہ کرے یا نہ کرے، کیا حیات میں بھی دوسروں سے اپنی روح کو ایصالِ ثواب پہنچوانے کے لئے اپنے نام قرآن پڑھوا کر بخشنا جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

۲..... نفس ایصالِ ثواب بغیر التزامِ تاریخ، یوم وہیئت وغیرہ کے زندہ کے لئے بھی درست ہے اور مردہ کے لئے بھی درست ہے(۳)، مگر تیجہ، چالیسواں، برسی، فاتحہ مروجہ وغیرہ یہ سب چیزیں شرعاً بے اصل، بدعت

(۱) مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: (الروح لابن قيم الجوزية، المسألة السادسة عشرة هل تنتفع أرواح الموتى بشيء من سعي الأحياء أم لا؟ ص: ۱۵۳، مكتبه فاروقيه پشاور)

(۲) (آثار السنن أبواب الجنائز، باب في قراءة القرآن للميت، ص: ۳۳۸، مكتبه إمداديه، ملتان)

(۳) "إن سعد بن عبادة رضي الله تعالىٰ عنه توفيت أمه وهو غائب عنها، فقال: يا رسول الله! -صلى الله تعالىٰ عليه وسلم- إن أمي توفيت وأنا غائب عنها، أينفعها شيء إن تصدقت به عنها؟ قال: "نعم". قال:=

اورناجائز ہیں، ان سے اجتناب واجب ہے(۱)۔ایصالِ ثواب کے لئے جوکھانا دیا جاتا ہے، وہ غرباء ومساکین کودینا چاہئے، مالدار کونہیں (۲)۔کسی کے یہاں موت اورزندگی میں بلاوجہ شریک نہ ہونا اورسب سے قطع تعلق

= فإني أشهدك أن حائطي المخراف صدقة عليها". (صحيح البخاري، كتاب الوصايا، باب: إذا قال: أرضي وبستاني صدقة لله عن أمي: ۱/۳۸۶، قديمي)

"صرح علماء نا في باب الحج عن الغير بأن للإنسان أن يجعل ثواب عمله لغيره صلوةً أوصوماً أوصدقةً أوغيرها .... الأفضل لمن يتصدق نفلاً أن ينوي لجميع المؤمنين والمؤمنات؛ لأنها تصل إليهم، ولا ينقص من أجره شيء". (ردالمحتار، باب صلوة الجنازة، مطلب في القراءة للميت وإهداء ثوابها له: ۲/۲۴۳، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۳/۱۰۵، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب المناسك، الفصل الخامس عشر في الرجل يحج عن الغير: ۲/۵۴۵، ادارة القرآن كراچی)

(۱) "عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت :قال النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه فهورد". (صحيح البخاري، كتاب الصلح، باب إذا اصطلحوا على صلح جور: ۱/۳۷۰، قديمي)

"ويكره اتخاذ الطعام في اليوم والأول والثالث وبعد الأسبوع، ونقل الطعام إلى القبر في المواسم، وإتخاذ الدعوة لقراءة القرآن، وجمع الصلحاء والقراء للختم، أولقراءة سورة الأنعام، أوالإخلاص.......... وهذه الأفعال كلها للسمعة والرياء، فيحترز عنها؛ لأنهم لا يريدون بها وجه الله تعالى". (ردالمحتار، باب صلاة الجنازة، مطلب في كراهة الضيافة من أهل الميت: ۲/۲۴۰، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ البزازية، كتاب الصلاة، الفصل الخامس والعشرون في الجنائز، نوع آخر: ذهب إلى المصلى قبل الجنازة الخ: ۴/۸۱، رشيديه)

(۲) صدقہ کا مال فقیر کودیا جاتا ہے جب کہ مالدار کودینے سے ہبہ بن جاتا ہے صدقہ نہیں رہتا: قال الله تعالىٰ: ﴿إنما الصدقات للفقراء والمساكين﴾. (سورة التوبة، پ: ۱۰، آیت: ۶۰)

"إن الصدقة على الغني هبة". (ردالمحتار، كتاب الوصايا، فصل في وصايا الذمي وغيره: ۶/۶۹۸، سعيد)

ترک کردینا، رہبانیت، قطع رحمی، اضاعتِ حقوق ہے، شرع نے اس سے منع کیا ہے(۱)۔

ا.....نفس دعاء بغیر ہاتھ اٹھائے بھی ہوسکتی ہے، اگر ہاتھ اٹھا کر مانگنا ہو تو قبلہ رو ہوکر مانگنا چاہئے تاکہ یہ شبہ نہ ہو کہ صاحبِ قبر سے کچھ مانگا جارہا ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۴/ جمادی الثانیہ/ ۶۱ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۲۵/ جمادی الثانیہ/ ۶۱ھ۔

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿فهل عسيتم إن توليتم أن تفسدوا في الأرض، وتقطعوا أرحامكم، أولئك الذين لعنهم الله، فأصمهم وأعمى أبصارهم﴾ (سورة محمد: ۲۳)

"والآية ظاهرة في حرمة قطع الرحم. وحكى القرطبي في تفسيره: اتفاق الأمة على حرمة قطعها ووجوب صلتها، ولا ينبغي التوقف في كون القطع كبيرةً". (روح المعاني: ۲۶/۷۰، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالیٰ عنه عن النبي صلى الله تعالیٰ عليه وسلم قال: "الرحم شجنة من الرحمن فقال الله: (من وصلك وصلته، ومن قطعك قطعته)". (صحيح البخاري، كتاب الأدب، باب من وصل وصله الله: ۲/۸۸۵، قديمي)

(۲) "وفي حديث ابن مسعود رضي الله تعالیٰ عنه: رأيت رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم في قبر عبد الله ذي النجادين، الحديث. وفيه: "فلما فرغ من دفنه استقبل القبلة رافعاً يديه". أخرجه أبو عوانة في صحيحه". (فتح الباري، كتاب الدعوات، باب الدعاء مستقبل القبلة، رقم الحديث: ۶۳۴۳، رقم الباب: ۲۵، ۱۱/۱۷۳، قديمي)

"عن محمد بن قيس بن مخرمة بن المطلب أنه قال يوماً: ألا أحدثكم عني وعن أمي؟ قال فظننا أنه يريد أمه التي ولدته. قال: قالت عائشة رضي الله تعالیٰ عنها: ألا أحدثكم عني وعن رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم قلنا: بلى، قال: قالت: لما كانت ليلتي التي كان النبي صلى الله تعالیٰ عليه وسلم فيها عندي، انقلب .... حتى جاء البقيع، فقام، فأطال القيام، ثم رفع يديه ثلاث مرات". الحديث. (الصحيح لمسلم، كتاب الجنائز، فصل في ذهاب إلى زيارة القبور: ۱/۳۱۳، قديمي)

نوٹ: حضرت مفتی رحمہ اللہ تعالیٰ نے پہلے سوال کا جواب آخر میں لکھا ہے، تخریج اسی ترتیب کے مطابق ہے۔

اپنی زندگی میں ایصالِ ثواب

سوال[۴۳۲۳]: ایک صاحب چاہتے ہیں ہیں کہ اپنی زندگی میں کلام پاک کا ہدیہ ادا کر کے دس پانچ کلام پاک پڑھوا کر اپنی عاقبت کے لئے محفوظ کر لیں۔ کیا ایسا عمل احکامِ شرعی فقہ وحدیث سے درست ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

ہدیہ اجرت دیکر قرآن کریم پڑھوانا جائز نہیں، اس سے ثواب نہیں ہوتا بلکہ گناہ ہوتا ہے(۱)، بلا ہدیہ لئے کوئی پڑھے تو درست ہے، قرآن کریم کے مدرسہ میں کچھ قرآن شریف دیدیں، بچے جب تک ان کو پڑھیں گے ثواب ہوتا رہے گا۔ اسی طرح حدیث شریف کی کتابیں کسی بڑے عربی مدرسہ میں دیدیں، مسجدوں کو صفیں دیدیں، جب تک ان پر نماز پڑھی جائے گی ثواب ہوتا رہے گا، کنواں بنوادیں، مسافر خانہ بنوادیں، غرض اپنی زندگی میں ثواب کے انتظام کی بہت سی صورتیں ہیں اور جس قدر ہو سکے خود ہی صدقہ جاریہ کی صورتیں کی جائیں تو اچھا ہے، بعد میں کوئی ثواب پہونچائے یا نہ پہونچائے، اپنے بس میں پھر کچھ نہیں رہتا(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۲/۱۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۲/۱۷ھ۔

---

(۱) "قال عبد الرحمن بن شبل رضي الله تعالى عنه: سمعت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول: "اقرؤا القرآن، ولاتغلوا فيه، ولا تجفوا عنه، ولا تأكلوا به، ولا تستكثروا به". (مسند أحمد، (رقم الحديث: ۱۵۱۰۳): ۴/۴۴۵، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

"إن القرآن بالأجرة لا يستحق الثواب، لا للميت ولا للقاري .... ويمنع القاري للدنيا، والآخذ والمعطي آثمان". (ردالمحتار، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۶/۵۶، سعيد)

(۲) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إن مما يلحق المؤمن من عمله حسناته بعد موته علماً علّمه ونشره، أوولداً صالحاً تركه، أومصحفاً ورّثه، أومسجداً بناه، أوبيتاً لابن السبيل بناه، أونهراً أجراه، أوصدقةً أخرجها من ماله في صحته وحياته يلحقه من بعد موته". (شرح الصدور، باب ما ينفع الميت في قبره، ص: ۲۹۲، دار المعرفة، بيروت) .... =

مُردوں کو ثواب کس طرح پہنچتا ہے؟

سوال[۴۳۲۴]: ایصالِ ثواب کس کیفیت سے ہمارے موتی تک پہونچتا ہے (نفسِ ایصالِ ثواب کو دریافت نہیں کرتا)۔ کیا موتی کو ایصالِ ثواب کے لئے آخرت میں بھی محکمۂ ڈاک، ٹیلی گراف، وائرلیس وغیرہ (خبر رسانی) کا محکمہ ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایصالِ ثواب کے لئے یہاں جو کچھ عمل کیا جائے (نماز، روزہ، صدقہ، حج، تلاوت، ذکر، خدمتِ خلق وغیرہ) اور دعاء کرلی جائے کہ یا اللہ! اس کا ثواب فلاں کو پہونچادے، شامی: ۱/۸٤٤ (۱)، یہ دعا اللہ پاک

= "فالدليل على انتفاعه بما تسبب إليه في حياته ما رواه في صحيحه من حديث أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "إذا مات الإنسان، انقطع عنه عمله إلا من ثلاث: صدقة جارية أوعلم ينتفع به، أوولد صالح يدعوله". [الصحيح لمسلم، كتاب الوصية، باب ما يلحق الإنسان من الثواب بعد موته: ۲/۴۱، قديمي] فاستثناء هذه الثلاث من عمله يدل على أنها منه، فإنه هو الذي تسبب إليها". (كتاب الروح لابن قيم الجوزية، المسألة السادسة عشرة: وهي هل تنتفع أرواح الموتى بشيء من سعي الأحياء أم لا، ص: ۱۵۳، مكتبه فاروقيه پشاور)

(۱) "صرح علماء نا في باب الحج عن الغير بأن للإنسان أن يجعل ثواب عمله لغيره صلوةً أوصوماً أوصدقةً أوغيرها .... الأفضل لمن يتصدق نفلاً أن ينوي لجميع المؤمنين والمؤمنات؛ لأنها تصل إليهم، ولا ينقص من أجره شيء". (ردالمحتار، باب صلوة الجنازة، مطلب في القرأة للميت وإهداء ثوابها له: ۲/۲۴۳، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۳/۱۰۵، رشيديه)

"السنة لم تشترط التلفظ بالإهداء في حديث واحد، بل أطلق صلى الله تعالىٰ عليه وسلم الفعل عن الغير كالصوم والحج والصدقة، ولم يقل لفاعل ذلك: وقل اللهم هذا عن فلان، والله سبحانه يعلم نية العبد وقصده بعلمه، فإن ذكره جاز، وإن ترك ذكره واكتفى بالنية والقصد، وَصَلَ إليه، الخ" (كتاب الروح لابن قيم الجوزيه رحمه الله تعالىٰ، المسألة السادسة عشر: هل تنفع أرواح الموتى بشيء من سعي الأحياء أم لا؟ فصل: فإن قيل: فهل تشترطون في وصول الخ، ص: ۱۸۴، مكتبه فاروقيه پشاور)

سے کی جاتی ہے، اس کے لئے کسی فون، ٹیلی گرام وغیرہ مادی آلات کی ضرورت نہیں، اس لئے کہ اللہ پاک کی شان یہ ہے:﴿ يعلم مايسرون وما يعلنون، إنه عليم بذات الصدور﴾ الآية(١)، ﴿لا يعلم من في السموات والأرض الغيب إلا الله﴾الآية (٢)، ﴿لا يعزب عنه مثقال ذرة﴾ الآية(٣)، ﴿يعلم ما في السموات والأرض﴾ الاية (٤).

جب یہاں سے کسی کو ایصالِ ثواب کیا جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے انعامات میں ترقی ہوتی ہے، درجات بلند ہوتے ہیں، وہاں کی تکلیف میں تخفیف ہوتی ہے۔ جو چیز ایصالِ ثواب کے لئے صدقہ کی گئی ہے وہ بعینہ نہیں پہونچتی، میت پر جب انعامات ہوتے ہیں تو ان کو بتلا دیا جاتا ہے کہ فلاں شخص نے تمہارے لئے ایصالِ ثواب کیا ہے، یہ اس کا ثمرہ ہے، کتاب الروح (٥) شرح الصدور(٦) الورقة الفاخرة وغیرہ میں تفصیل ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۲/۲۶ھ۔

---

(١) (سورة هود: ٥)

(٢) (سورة النمل، پ: ٢٠، آيت: ٢٥)

(٣) (سورة السبا، پ: ٢٢، آيت: ٣)

(٤) (سورة التغابن، پ: ٢٨، آيت: ٤)

(٥) "ودعاء النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم للأموات فعلاً وتعليماً، ودعاء الصحابة والتابعين والمسلمين عصراً بعد عصر أكثر من أن يذكر، وأشهر من أن ينكر، وقد جاء أن الله يرفع درجة العبد في الجنة فيقول: أنى لي هذا؟ فيقال: بدعاء ولدك لك". (كتاب الروح لابن قيم الجوزية رحمه الله تعالىٰ، المسألة السادسة عشر: هل تنتفع أرواح الموتى بشيء من يسعى الأحياء أم لا، فصل: والدليل على انتفاعه بغير ما تسبب الخ، ص: ١٥٧، مكتبه فاروقيه پشاور)

(٦) "عن أبي سعيد الخدري رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "يتبع الرجل يوم القيامة من الحسنات أمثال الجبال، فيقول: أنّى هذا؟ فيقال: باستغفار ولدك لك". (رقم الحديث: ٢٠)

"وأخرج ابن أبي الدنيا عن بشار بن غالب قال: رأيت رابعة في النوم وكنت كثير الدعاء لها =

میت کو بعینہ صدقہ نہیں پہونچتا بلکہ ثواب پہونچتا ہے

سوال[۴۳۲۵]: حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے وعظ ''طریق القلندر'' میں فرمایا ''جو حضرات پھول مالا چڑھاتے ہیں، دو حال سے خالی نہیں: میت کو پہونچتا ہے یا نہیں؟ اگر نہیں پہونچتا ہے تو فعل عبث ہوگا اور اگر پہونچتا ہے تو ظاہر ہے جنت کے پھول کے مقابلہ میں جو شیخ کو حاصل ہے تمہارے یہ دنیا کے پھول سورو پیہ، تولہ کے عطر کے مقابلہ میں چار آنہ تولہ کا مہکتا ہوا عطر ہے۔ تو قبر پر پھول چڑھانا ایسا ہوا جیسا کہ سورو پیہ کے عطر سونگھنے والے کی ناک میں چار آنہ والا عطر لگا دینا تو پھول چڑھا کر حضرت کی روح کو تکلیف دی''۔ اس کو نقل کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اگر کوئی شخص بطورِ معاوضہ صدقہ طعام اور لباس وغیرہ پر قیاس کرے جس کو ہم لوگ بھی کرتے ہیں تو کیا جواب ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جواب ظاہر ہے کہ ہمارا یہ عقیدہ ہی نہیں کہ یہ صدقہ بعینہ ان کے پاس پہونچتا ہے بلکہ عقیدہ یہ ہے کہ اس کا ثواب نعمائے جنت کی شکل میں ان کے پاس پہنچتا ہے(۱)، ہاں جو وہاں جا کر بھی اردکی، پھریری، دال،

= فقالت لي: يا بشار! هَذَايَاکَ تأتينا على أطباق من نورٍ مخمرة بمناديل الحرير، قلت: وكيف ذلک؟ قالت: هكذا دعاء المؤمنين الأحياء إذا دعوا للموتى، فاستجيب لهم، جعل ذلک الدعاء على أطباق النور، ثم خمر بمناديل الحرير، ثم أتي به الذي دُعي له من الموتى، فقيل له: هذه هدية فلان إليک". (شرح الصدور للسيوطي رحمه الله تعالىٰ، باب ما ينفع الميت في قبره، (رقم الحديث: ۲۹)، ص: ۲۹۷، ۲۹۸، دار المعرفة)

(۱) "ودعاء النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم للأموات فعلاً وتعليماً، ودعاء الصحابة والتابعين والمسلمين عصراً بعد عصر أكثر من أن يذكر، وأشهر من أن ينكر، وقد جاء: أن الله يرفع درجة العبد في الجنة، فيقول: أنّى لي هذا؟ فيقال: بدعاء ولدک لک". (كتاب الروح لابن قيم الجوزية رحمه الله تعالىٰ، المسألة السادسة عشرة: هل تنتفع أرواح الموتى شيء من يسعى الأحياء أم لا؟، فصل: والدليل على انتفاعه بغير ما تسبب الخ، ص: ۱۵۷، مكتبه فاروقيه پشاور)

"عن أبي سعيد الخدري رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "يتبع الرجل يوم القيامة من الحسنات أمثال الجبال، فيقول: أنّى هذه؟ فيقال: باستغفار ولدک لک". =

سوڈاواٹر وغیرہ طلب کریں اور اپنی طبعی مرغوبہ چیزوں پر فاتحہ کی وصیت کرجائیں، ان پر ضرور یہ اشکال وارد ہے کہ شاید ان کے نزدیک یہ چیزیں پہونچتی ہیں اور اس دنیا کی طبیعت ومزاج وخواہش کو لے کر دنیا سے گئے ہیں، اس لئے یہیں کی چیزوں کی طلب ہے، جیسے مسافر اپنی طبیعت کے موافق ناشتہ ساتھ لے کر جاتا ہے اور اسی کا طلب گار رہتا ہے۔

شاید یاد ہو کہ گاندھی جی جب ولایت گئے تھے تو بکری اور چھوارے ساتھ لے گئے تھے، چھوارے کھاتے تھے اور بکری کا دودھ پیتے تھے، غیر ملکی غذا ان کو ناپسند تھی۔ تو برزخ بھی دوسرا ملک ہے، منعم علیہم شہداء وغیرہ کے لئے ان کو جنت سے غذا ملتی ہے، برزخ کا دوسرا رخ ان کے لئے جنت کی طرف ہے۔ جو لوگ اپنے کو جنتی تصور کرتے ہیں اور پھر برزخ میں جاکر دنیا ہی کے ناشتے طلب کرتے ہیں وہ دو حال سے خالی نہیں: یا تو ان کو جنت کے ناشتوں کے مقابلے میں دنیا ہی کے ناشتے پسند اور مرغوب ہیں، یا پھر ان کو جنت کا ناشتہ نہیں ملتا، بلکہ ان کی قبر کا رخ کسی اَور طرف ہے-أعاذنا الله منه- دونوں باتیں کس قدر خطرناک ہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/ ۶/ ۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/ ۶/ ۸۷ھ۔

مشترکہ ایصال ثواب کس طرح تقسیم ہوگا؟

سوال[۴۳۲۶]: کیا روحیں قبروں میں رہتی ہیں، کیونکہ "السلام عليكم يا أهل القبور" کہا

= (شرح الصدور، رقم الحديث: ۲۰)

"وأخرج ابن أبي الدنيا عن بشار بن غالب قال: رأيت رابعة في النوم وكنت كثير الدعاء لها، فقالت لي: يا بشار! هَدَايَاكَ تأتينا على أطباق من نور مخمرة بمناديل الحرير، قلت: وكيف ذلك؟ قالت: هكذا دعاء المؤمنين الأحياء إذا دعوا للموتى، فاستجيب لهم، جعل ذلك الدعاء على أطباق النور، ثم خمر بمناديل الحرير، ثم أتى به الذى دُعي له من الموتى، فقيل له: هذه هدية فلان إليك".

(شرح الصدور للسيوطي رحمه الله تعالىٰ، باب ما ينفع الميت في قبره، (رقم الحديث: ۲۹)، ص: ۲۹٦، ۲۹۸، دار المعرفة، بيروت)

جاتا ہے، کیونکہ قبرستان میں جس وقت کوئی تلاوت قرآن کر کے بخشا ہے تو ثواب روحیں آپس میں بانٹ لیتی ہیں، کہاں تک درست ہے؟ فقط۔

الجواب حامداًومصلياً:

بعض ارواح قبر میں بھی رہتی ہیں، کذا فی کتاب الروح(۱)، لیکن سلام کرنے یا ثواب پہونچانے کے لئے روح کا قبر میں ہونا ضروری نہیں، نفسِ تعلق کافی ہے۔ جب قرآن کریم کی تلاوت کا ثواب مشترکہ طور پر بخشا جاتا ہے، تو اظہر یہی ہے کہ ارواح کے درمیان تقسیم ہوگا(۲)، لیکن یہ تقسیم ملائکہ کے ذریعہ ہوگی، ارواح کو خود بانٹنے یا لڑنے جھگڑنے کا موقع نہ دیا جائے گا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۵/۶/۶۱ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۵/۶/۶۱ھ۔

---

(۱) "ومنهم: من يكون محبوساً في قبره كحديث صاحب الشملة التي غلها، ثم استشهد، فقال الناس: هنيئاً له الجنة، فقال النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "والذي نفسي بيده! إن الشملة التي غلها لتشتعل عليه ناراً في قبره". (كتاب الروح لابن قيم الجوزية رحمه الله تعالىٰ، المسألة الخامسة عشرة: وهي أين مستقر الأرواح مابين الموت إلى يوم القيامة، فصل: وأما قول من قال: إن مستقرها بعد الموت الخ، ص: ۱۵۰، مكتبه فاروقيه پشاور)

"وقيل: هي على أفنية قبورها، قال ابن عبد البر: وهذا أصح ما قيل، قال: وأحاديث السؤال، وعرض المقعد، وعذاب القبر ونعيمه، وزيارة القبور، والسلام عليها، وخطابهم مخاطبة الحاضر العاقل دالةٌ على ذلك". (شرح الصدور للسيوطي رحمه الله تعالىٰ، باب: مقر الأرواح، ص: ۲۳۵، دار المعرفة، بيروت)

(۲) "الأفضل لمن تصدق نفلاً أن ينوي لجميع المؤمنين والمؤمنات؛ لأنها تصل إليهم، ولا ينقص من أجره شيء". (التاتارخانية، كتاب الزكاة، الفصل السادس عشر في إيجاب الصدقة وما يتصل به من الهدى: ۲/۳۱۹، إدارة القرآن كراچی)

"صرح علماءنا في باب الحج عن الغير بأن للإنسان أن يجعل ثواب عمله لغيره صلوةً أوصوماً أوصدقةً أوغيرها .... الأفضل لمن يتصدق نفلاً أن ينوي لجميع المؤمنين والمؤمنات؛ لأنها تصل إليهم، ولا ينقص من أجره شيء". (ردالمحتار، باب صلوة الجنازة، مطلب في القراءة للميت وإهداء ثوابها له: ۲/۲۴۳، سعيد)

مُردوں کوایصالِ ثواب تقسیم ہوتا ہے یا پورا پورا دیا جاتا ہے؟

سوال[۴۳۲۷]: ایک شخص اپنے والد کے ایصال ثواب کے لئے ایک روپیہ خیرات کرتا ہے، یا چند مسکینوں کو کھانا کھلاتا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی نیت کرتا ہے کہ والد کے علاوہ فلاں فلاں دوسرے اموات کو اس کا ثواب پہونچے۔ سوال یہ ہے کہ ایک روپیہ کا پورا ثواب اور اجر جو حق تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوتا ہے، صورتِ مسئولہ میں وہ پورا باپ کو پہونچ کر دوسروں کو اس کے علاوہ ملے گا، یا اسی روپیہ کے ثواب میں سے جملہ اموات کو حسبِ حصہ سہام تقسیم ہوں گے اور دوسری اموات کے ملانے سے باپ کے حصہ میں کمی ہوجائے گی؟

حافظ نجیب خان۔

الجواب حامداً ومصلياً:

اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے: بعض حضرات کی رائے ہے کہ حسبِ حصہ ثواب پہونچے گا جیسا کہ کوئی شخص ایک روپیہ کے پیسے چند فقیروں کو تقسیم کردے تو سب کو ایک ایک روپیہ نہیں پہونچتا بلکہ اس میں سے تقسیم ہو کر حسبِ حصہ پہونچتا ہے۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ سب کو پورا پورا پہونچتا ہے کیوں کہ اللہ کی رحمت وسیع ہے، وہ اگر سب کو ایک ایک روپیہ کا پورا پورا ثواب پہونچادیں گے تو ان کے یہاں کچھ کمی نہیں آئے گی، بلکہ وسعتِ رحمت کا تقاضہ یہی ہے کہ سب کو پورا پورا پہونچے، اور زیادہ تر دار ومدار ثواب کی کمی زیادتی کا زیادتی خلوص پر ہے، اگر خلوص کے ساتھ تھوڑی چیز کا ثواب پہونچایا جائے وہ زیادہ ہوتا ہے بہ نسبت اس کے کہ زیادہ چیز کا ثواب بلاخلوص پہونچایا جائے، تو زیادہ ضرورت خلوص کی ہوئی اور اس کے ساتھ ساتھ چیز بھی اگر زیادہ ہے تو وہ سونے پر سہاگہ ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۳/ ۵/ ۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۲۳/ جمادی الاولیٰ/ ۵۷ھ۔

---

(۱) "وفي كتاب الروح للحافظ أبي عبد الله الدمشقي الحنبلي الشهير بابن قيم الجوزية .... ويوضحه أنه لو أهدى الكل إلى أربعة، يحصل لكل منهم ربع، فكذا لو أهدى الربع لواحد وأبقى الباقي لنفسه، قلت: لكن سئل ابن حجر المكي عما لو قرأ لأهل المقبرة الفاتحة هل يقسم الثواب بينهم أو يصل لكل منهم مثل ثواب ذلك كاملاً؟ فأجاب بأنه أفتى مع بالثاني وهو اللائق بسعة الفضل". =

ایک مجمع کو قرآن بخشا جائے تو کیا سب کو برابر برابر تقسیم ہو کر پہونچتا ہے؟

سوال[۴۳۲۸]: اگر کوئی شخص ایصال ثواب کرنا چاہے تو کس طرح کرے اور کیا کہے اور کسی چیز کا ثواب ایک شخص کو پہونچ سکتا ہے یا کئی نفوس کو؟ مثلاً کسی شخص نے بیٹھے بیٹھے گھر یا مسجد یا قبرستان میں ایک سورۃ یا ایک پارہ پڑھا اور یہ کہا، اے اللہ! یہ جو کچھ ہم نے پڑھا ہے اور تلاوت کیا اس کا ثواب حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وکل انبیاء علیہم السلام وصحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ومسلمین ومسلمات اور ہمارے ماں باپ دادا دادی وغیرہ کو اپنے حبیب پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے طفیل پہونچادے۔ تو کیا ہر شخص کو جتنا ایک پارہ وسورت پر ثواب مقرر ہے ملے گا، یا سب اسی میں شریک ہوں گے؟ نیز اس طرح کے الفاظ دعاء میں کہنا درست ہے یا نہیں، نیز اول وآخر درود شریف پڑھنا بہتر ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس طرح کہنا اور ثواب پہونچانا درست ہے (۱)، جس قدر خدا کو منظور ہے سب کو پہونچ جائے گا۔ ظاہر تو یہ ہے کہ سب کو تقسیم ہو کر پہونچے گا، پورا پورا سب کو پہونچنے کا تذکرہ کسی نص میں نہیں دیکھا (۲)، بعض

= (ردالمحتار، باب صلوة الجنازة، مطلب في القراءة للميت وإهداء ثوابها له: ۲/۲۴۳، ۲۴۴، سعيد)

"نص عليه الإمام أحمد في رواية محمد بن يحى الكمال، ووجه هذا: أن الثواب ملك له، فله أن يهدى بعضه يوضحه أنه لو أهداه إلى أربعة مثلاً يحصل لكل منهم ربعه، فإذا أهدى الربع وأبقى لنفسه الباقي، جاز، كما لو أهداه إلى غيره". (كتاب الروح لابن قيم الجوزية رحمه الله تعالىٰ، المسألة السادسة عشرة: هل تنتفع أرواح الموتى بشيء من يسعى الأحياء أم لا؟ فصل: وأما قولكم لو ساغ ذلك لساغ إهداء نصف الخ، ص: ۱۷۴، مكتبه فاروقيه پشاور)

(۱) "الأفضل لمن تصدق نفلاً أن ينوى لجميع المؤمنين والمؤمنات؛ لأنها تصل إليهم، ولا ينقص من أجره شيء". (التاتار خانية، كتاب الزكاة، الفصل السادس عشر في إيجاب الصدقة وما يتصل به من الهدى: ۲/۳۱۹، إدارة القرآن كراچى)

(وكذا في رد المحتار، باب صلوة الجنازة، مطلب في القراءة للميت وإهداء ثوابها له: ۲/۲۴۳، سعيد)

(۲) "ويوضحه أنه لو أهدى الكل إلى أربعة يحصل لكل منهم ربعه، فكذا لو أهدى الربع لواحد وأبقى الباقي لنفسه". (ردالمحتار، باب صلوة الجنازة، مطلب في القراءة للميت وإهداء ثوابها له: ۲/۲۴۳، ۲۴۴، سعيد)=

شافعیہ اس کے قائل ہیں کہ سب کو بلا تقسیم کے پورا پورا پہونچے گا، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت وسیع ہے(۱)، نفس تلاوت کے لئے تو اول وآخر درود شریف پڑھنے کی تاکید وتخصیص کہیں نہیں دیکھی، البتہ دعاء کرتے وقت اول وآخر درود شریف پڑھنا حصن حصین میں موجود ہے (۲)، ویسے بھی درود شریف کے فضائل وفوائد بے

= "نص عليه الإمام أحمد في رواية محمد بن يحي الكمال، ووجه هذا: أن الثواب ملك له، فله أن يهدي بعضه يوضحه أنه لوأهداه إلى أربعة مثلاً، يحصل لكل منهم ربعه، فإذا أهدى الربع وابقى لنفسه الباقي، جاز، كما لوأهداه إلى غيره". (كتاب الروح لابن قيم الجوزية رحمه الله تعالىٰ، المسألة السادسة عشرة: هل تنتفع أرواح الموتى بشيء من سعي الأحياء أم لا؟ فصل: وأما قولكم لوساغ ذلك لساغ إهداء نصف الخ، ص: ۱۷۴، مكتبه فاروقيه پشاور)

"وأخرج القاضي أبوبكر بن عبد الباقي الأنصاري في مشيخته عن سلمة بن عبيد قال: قال حماد المكي: خرجت ليلة إلى مقابر مكة، فوضعت رأسي على قبر فنمت، فرأيت أهل المقابر حلقةً حلقةً فقلت: قامت القيامة ؟ قالوا: لا، ولكن رجلٌ من إخواننا قرأ ﴿قل هو الله أحد﴾ وجعل ثوابها لنا، فنحن نقتسمه منذ سنة". (شرح الصدور للسيوطي رحمه الله تعالىٰ، باب في قراءة القرآن للميت أوعلى القبر، ص: ۳۰۴، دار المعرفة بيروت)

(۱) "قلت: لكن سئل ابن حجر المكي عما لوقرأ لأهل المقبرة الفاتحة، هل يقسم الثواب بينهم أويصل لكل منهم مثل ثواب ذلك كاملاً؟ فأجاب بأنه أفتى جمعٌ بالثاني، وهو اللائق بسعة الفضل". (ردالمحتار، باب صلاة الجنازة، مطلب في القراءة للميت وإهداء ثوابها له: ۲/۲۴۴، سعيد)

(۲) "منها ما يبلغ أن يكون ركناً وأن يكون شرطاً .... والثناء على الله تعالىٰ أولاً وآخراً، والصلوة على النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم كذالك". (الحصن الحصين للإمام محمد الجزري رحمه الله تعالىٰ، آداب الدعا، ص: ۵۲، دار الإشاعت، كراچی)

"عن فضالة بن عبيد رضي الله تعالىٰ عنه قال: بينا رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قاعد إذ دخل رجل فصلى، فقال: اللّٰهم اغفر لي وارحمني، فقال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "عجلت أيها المصلي! إذا صليت فقعدت، فاحمد الله بما هوأهله، وصل عليّ، ثم ادعه". قال: ثم صلى رجل آخر بعد ذلك، فحمدالله وصلى على النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فقال له النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "أيها المصلي! ادع تُجَبْ". هذا حديث حسن". (جامع الترمذي، أبواب الدعوات، باب بلا =

شمار ہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۲/۹۱ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/۲/۹۱ھ۔

متعدد ارواح کو ثواب بخشنے سے سب کو پورا پورا ملے گا یا تقسیم ہوکر؟

سوال [۴۳۲۹]: اگر کوئی شخص قرآن شریف پڑھ کر حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ایصالِ ثواب کرے، اور آپ کے بعد کل امتِ محمدیہ (جس میں جمیع مومنین) کی ارواح کو ثواب بخشیں اور بعد میں اپنے والدین، برادر، عزیز واقارب کے نام لے کر بخشے تو اس قرآن کا ثواب سب روحوں میں تھوڑا تھوڑا تقسیم ہوجائے گا یا علیحدہ علیحدہ کل امتِ محمدیہ میں برابر کا ثواب سب ارواح کو ملے گا اور پڑھنے والے کو بھی برابر کا ثواب ملے گا یا نہیں؟ کونسا طریقہ افضل ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس مسئلہ میں کوئی نص موجود نہیں، تقسیم ہوکر حسبِ حصص پہونچنا اقیس ہے، مگر اللہ تعالیٰ کی رحمت وفضل سے اگر سب کو پورا پورا پہونچے تو کچھ بعید نہیں، علامہ شامی نے رد المحتار کتاب الجنائز میں اول قول ابن قیم حنبلی سے نقل کیا ہے اور ثانی قول ابن حجر مکی شافعی سے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۴/۶/۶۱ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۲۵/ جمادی الثانیہ/ ۶۱ھ۔

= ترجمة: ۱۸۵/۲، سعيد)

(وكذا رواه ابن السني في عمل اليوم والليلة، باب ما يقول في دبر صلاة الصبح، رقم الحديث: ۱۱۳): ۱۰۲، مكتبة الشيخ، كراچى)

(۱) "عن ابن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "أولى الناس بي يوم القيامة أكثرهم عليّ صلوةً". وروى عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أنه قال: "من صلى علي صلوة صلى الله عليه عشراً وكتب له عشر حسنات". (جامع الترمذي، أبواب صلاة الجمعة، باب ما جاء في فضل الصلوة على النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ۱۱۰/۱، سعيد)

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: (فضائل درود شریف تالیف حضرت شیخ الحدیث محمد زکریا قدس سرہ)

(۲) "وفي كتاب الروح للحافظ أبي عبد الله الدمشقي الحنبلي الشهير بابن قيم الجوزية ....: =

ایک قرآن پاک صدقہ میں دیکر ثواب پورے مجمع کو بخشنا

سوال[۴۳۳۰]: ۱...... کسی نے ایک قرآن شریف خرید کر کسی پڑھنے والے کو ہدیہ کر دیا اور نیت یہ کی کہ یا اللہ! اس کا ثواب مجھے بھی ملے اور ماں باپ دادا دادی کو بھی ملے تو کیا اس طرح سب کو ثواب ملے گا؟ اور یہ صورت درست ہے؟

قرآن شریف ہبہ کیا موہوب لہ نے دوسرے کو ہبہ کر دیا، ثواب کس کو زیادہ ملے گا؟

سوال[۴۳۳۱]: ۲...... اگر کوئی شخص اپنے پیسے سے کلام پاک لیکر دوسرے شخص کو بنیتِ ثواب بالکل ہبہ کردے، پھر دوسرا شخص تیسرے کو اور تیسرا چوتھے کو دیتا چلا جائے، تو عطیہ کے اعتبار سے ثواب کا کون شخص مستحق ہے؟ آیا پہلا شخص یا ہر ایک شخص؟ نیز اگر چوری کر کے کلامِ پاک اٹھالیا جائے تو شخصِ اول کو ثواب ملے گا یا نہیں؟ اور جو چُرا کر ے یہ ہے اس کو پڑھنے پر ثواب ملے گا یا نہیں؟ نیز غریب آدمی اور امیر آدمی دونوں کے دینے میں ثواب برابر ہے یا کمی زیادتی ہوگی؟ اگر کوشش اپنی طرف سے نہیں بلکہ اپنے ماں باپ، دادا دادی وغیرہ کی طرف سے دے تو جس کی طرف سے دیا ہے یہ عطیہ اس کے لئے صدقۂ جاریہ بنے گا یا نہیں اور اس کو پورا ثواب ملے گا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

۱...... یہ بھی درست ہے، سب کو ثواب ملے گا(۱)۔

= ويوضحه أنه لو أهدى الكل إلى أربعة، يحصل لكل منهم ربعه، فكذا لو أهدى الربع لواحد وأبقى الباقي لنفسه، قلت: لكن سئل ابن حجر المكي عما لو قرأ لأهل المقبرة الفاتحة، هل يقسم الثواب بينهم أو يصل لكل منهم مثل ثواب ذلك كاملاً؟ فأجاب بأنه أفتى جمعٌ بالثاني، وهو اللائق بسعة الفضل".

(ردالمحتار، باب صلوة الجنازة، مطلب في القراءة للميت وإهداء ثوابها له: ۲/۲۴۳، ۲۴۴، سعيد)

"نص عليه الإمام أحمد في رواية محمد بن يحيى الكمال، ووجه هذا أن الثواب ملك له، فله أن يهدي بعضه يوضحه أنه لو أهداه إلى أربعة مثلاً، يحصل لكل منهم ربع، فإذا أهدى الربع وأبقى لنفسه الباقي، جاز، كما لو أهداه إلى غيره". (كتاب الروح لابن قيم الجوزية، المسألة السادسة عشر: هل تنتفع أرواح الموتى بشيء من سعي من الأحياء أم لا، ص: ۱۸۴، مكتبه فاروقيه پشاور)

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إن مما يلحق =

۲.....قرآن پاک ہدیہ کرنے میں تو سب کا ثواب برابر ہے، مگر اس اعتبار سے کہ پہلے شخص نے خرید کر (پیسے خرچ کرکے) دیا ہے، اس کا ثواب زیادہ ہے، دوسرے لوگوں نے جن کے پاس مفت آیا تھا وہی دیدیا، نیز پہلا شخص دوسروں کے دینے کا سبب بنا، اس لئے بھی اس کا ثواب زیادہ ہے، علاوہ ازیں جس میں جس قدر اخلاص زیادہ ہوگا اسی قدر وہ زیادہ ثواب کا مستحق ہوگا (۱)۔

چوری کرنا سخت معصیت اور کبیرہ گناہ ہے، جو شخص چوری کرکے قرآن پاک لائے گا اور تلاوت کرے گا اس کو نفس تلاوت کا بھی ثواب ملے گا اور چوری کا بھی گناہ ہوگا اور جس کی چوری کی ہے اس کو بھی ثواب

= المؤمن من عمله حسناته بعد موته علماً علّمه ونشره، أوولداً صالحاً تركه، أومصحفاً ورثه أومسجداً بناه، أوبيتاً لابن السبيل بناه أونهراً أجراه، أوصدقةً أخرجها من ماله في صحته وحياته يلحقه من بعد موته". (شرح الصدور للسيوطي رحمه الله تعالىٰ، باب ما ينفع الميت في قبره، ص: ۲۹۶، دار المعرفة، بيروت)

"صرح علماء نا في باب الحج عن الغير: بأن للإنسان أن يجعل ثواب عمله لغيره صلوةً أوصوماً أوصدقةً أوغيرها .... الأفضل لمن يتصدق نفلاً أن ينوي لجميع المؤمنين والمؤمنات لأنها تصل إليهم، ولا ينقص من أجره شيء". (ردالمحتار، باب صلوة الجنازة، مطلب في القراءة للميت وإهداء ثوابها له: ۲/۲۴۳، سعيد)

"الأفضل لمن تصدق نفلاً أن ينوي لجميع المؤمنين والمؤمنات؛ لأنها تصل إليهم ولا ينقص من أجره شيء". (التاتار خانية، كتاب الزكاة، الفصل السادس عشر في إيجاب الصدقة وما يتصل به من الهدى: ۲/۳۱۹، إدارة القرآن كراچی)

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿والسابقون السابقون، أولئك المقربون، في جنّٰت النعيم﴾ (سورة الواقعة، پ: ۲۸، آيت: ۱۱، ۱۲)

"فإن المراد بالسابقين هم المبادرون إلى فعل الخيرات كما أمروا، الخ". (تفسير ابن كثير: ۴/۲۸۳، سهيل اكيڈمی، لاهور)

وقال الله تعالىٰ: ﴿ثم أورثنا الكتاب الذين اصطفينامن عبادنا، فمنهم ظالم لنفسه، ومنهم مقتصد، ومنهم سابق بالخيرات بإذن الله، ذلك هو الفضل الكبير﴾ (سورة فاطر، پ: ۲۲، آيت: ۳۲)

ملے گا(۱)۔ محتاج غریب کو دینے میں زیادہ ثواب ہے کہ وہ صدقہ ہے اور مالدار کو جو کچھ دیا جاتا ہے وہ ہدیہ یا ہبہ ہے(۲)۔ ماں باپ وغیرہ کی طرف سے اگر دیدے تو ان کو بھی ثواب ہوگا اور دینے والے کو بھی ہوگا(۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۲/۹۱ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/۲/۹۱ھ۔

---

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه: أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "لا يزني الزاني حين يزني وهومؤمن، ولا يشرب الخمر حين يشربها وهومؤمن، ولا يسرق السارق حين يسرق وهومؤمن". الحديث. (سنن ابن ماجة، أبواب الفتن، باب النهي عن النهبة، ص: ۲۸۲، قديمي)

قال المحشي عبد الغني المجددي رحمه الله تعالىٰ تحت هذا الحديث: "إجماع أهل الحق علىٰ أن الزاني والسارق والقاتل وغيرهم من أصحاب الكبائر". (إنجاح الحاجة حاشية سنن ابن ماجة، أبواب الفتن، باب النهي عن النهبة، ص: ۲۸۲، قديمي)

"والكبيرة قد اختلفت الروايات فيها، فروى ابن عمر أنها تسعة الشرك بالله .... وزاد علي رضي الله تعالىٰ عنه السرقة" (شرح العقائد، ذكر قوله: الكبيرة لا تخرج العبد من الإيمان الخ، ص: ۸۲، مكتبه يوسفي)

"قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من قرأ حرفاً من كتاب الله، فله به حسنة، والحسنة بعشر أمثالها، لا أقول: "آلم" حرف، و لكن "الف" حرف و "لام" حرف و "ميم" حرف". هذا حديث حسن صحيح غريب". (جامع الترمذي، أبواب فضائل القرآن، باب ما جاء في من قرأ حرفاً من القرآن ماله من الأجر: ۲/۱۱۹، سعيد)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿إنما الصدقات للفقراء والمساكين﴾ الآية (سورة التوبة: ۲۰)

"الصدقة على الغني هبة". (ردالمحتار، كتاب الوصايا، فصل في وصايا الذمي وغيره: ۶/۶۹۸، سعيد)

(۳) "وأخرج أيضاً عن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إذا تصدق أحدكم بصدقة تطوعاً، فليجعلها عن أبويه، فيكون لهما أجرها، ولا ينتقص من أجره شيئا". (شرح الصدور للسيوطي رحمه الله تعالىٰ، باب ما ينفع الميت في قبره، رقم الحديث: ۳۹، ص: ۳۰۰، دار المعرفة، لاهور) .... =

اولیاء اللہ کے ایصالِ ثواب کے لئے مسجد میں ختم پڑھنا

سوال[۴۳۳۲]: مسجد میں اولیاء اللہ کے لئے ختم پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

جو ختم بزرگوں سے ثابت ہے اس کو پڑھنا، یا ختم پڑھ کر بزرگوں کو ثواب پہونچانا درست ہے، لیکن کس کو اس پر مجبور نہ کیا جاوے جس کا دل چاہے شریک ہو جس کا دل نہ چاہے نہ شریک ہو، نیز اپنی طرف سے کوئی چیز ایسی نہ ملائی جائے جو ثابت نہ ہو(۱)۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۲/۸۸ھ۔

اولیاء اللہ کے مزارات پر خیرات

سوال[۴۳۳۳]: کیا اولیاء اللہ کے مزار پر خیرات کرنی جائز ہے؟ جیسا کہ حضرت صابر رحمہ اللہ تعالیٰ

= "الأفضل لمن تصدق نفلاً أن ينوى لجميع المؤمنين والمؤمنات؛ لأنها تصل إليهم، ولا ينقص من أجره شيء". (التاتار خانية، كتاب الزكاة، الفصل السادس في إيجاب الصدقة وما يتصل به من الهدى: ۲/۳۱۳، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في الدر المختار، باب صلوة الجنازة، مطلب في القراءة للميت وإهداء ثوابها له: ۲/۲۴۳، سعيد)

"وأخرج أبو محمد السمرقندي في فضائل ﴿قل هو الله أحد﴾ عن علي رضي الله تعالىٰ عنه مرفوعاً: "من مر على المقابر و قرأ: ﴿قل هو الله أحد﴾ إحدى عشرة مرةً، ثم وهب أجره للأموات، أعطي من الأجر بعدد الأموات". (شرح الصدور للسيوطي رحمه الله تعالىٰ، باب في قراءة القرآن للميت أو على القبر، رقم الحديث: ۴، ص: ۳۰۳، دار المعرفة، بيروت)

(۱) "والأصل فيه أن الإنسان له أن يجعل ثواب عمله لغيره صلوةً أو صوماً أو صدقةً أو قراءة قرآن أو ذكراً أو طوافاً أو حجاً أو عمرة أو غير ذلك عند أصحابنا بالكتاب والسنة". (البحر الرائق، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۳/۱۰۵، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، باب صلوة الجنازة، مطلب في القراءة للميت وإهداء ثوابها له: ۲/۲۴۳، سعيد)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب المناسك، الفصل الخامس عشر في الرجل يحج عن الغير: ۲/۵۴۵، إدارة القرآن كراچی)

کے مزار پر فقیروں کو کھانا کھلاتے ہیں، اللہ کے واسطے خیرات کرنی پیسہ کی ہو یا کھانے کی؟

الجواب حامداًومصلیاً:

صدقہ وخیرات کر کے بزرگانِ دین کو بھی ثواب پہونچانا درست ہے، جولوگ مزارات اولیاء اللہ کے پاس حجروں میں اپنی اصلاح اور ذکر وشغل کے لئے تنہائی اختیار کر کے رہتے ہیں اور عام دنیا سے بے تعلق ہیں وہ اگر غریب ہوں تو وہ بھی صدقہ کے مستحق ہیں، ان کو بھی کھلانا درست ہے، جو مال دار ہوں یا لغویات میں شریک ہوتے ہوں ان کو نہ دیا جائے (۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، دارالعلوم دیو بند۔

ایصالِ ثواب کے لئے قرآن کریم دینا

سوال[۴۳۳۴]: کسی میت کی طرف سے ایک قرآن اس نیت سے اسقاط کرنا کہ اس میت کہ ہر آیتِ قرآنی کے عوض ایک گناہ معاف ہوجاتا ہے، کیسا ہے اور کیا واقعی گناہ معاف ہوجاتا ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

قرآن شریف اسقاط کرنے کا کیا مطلب ہے، اگر یہ مطلب ہے کہ پڑھ کر ایصال ثواب کر دیا جائے

---

(۱) "إن سعد بن عبادة رضی الله تعالیٰ عنه توفيت أمه وهوغائب عنها، فقال: يا رسول الله! -صلى الله تعالیٰ عليه وسلم- إن أمي توفيت وأنا غائب عنها، أينفعها شيء إن تصدقت به عنها؟ قال: "نعم". قال: فإني أشهدک أن حائطي المخراف صدقة عليها". (صحيح البخاری، كتاب الوصايا، بابٌ: إذا قال: أرضي وبستاني صدقة لله عن أمي: ۱/۳۸۶، قديمی)

"صرح علماء نا في باب الحج عن الغير بأن للإنسان أن يجعل ثواب عمله لغيره صلوةً أوصوماً أوصدقةً أوغيرها .... الأفضل لمن يتصدق نفلاً أن ينوی لجميع المؤمنين والمؤمنات؛ لأنها تصل إليهم، ولا ينقص من أجره شيء". (ردالمحتار، باب صلوة الجنازة، مطلب فی القراء ة للميت وإهداء ثوابها له: ۲/۲۴۳، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۳/۱۰۵، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب المناسک، الفصل الخامس عشر في الرجل يحج عن الغير: ۲/۵۴۵، إدارة القرآن كراچی)

تو بلا اجرت پڑھ کر ثواب پہنچانے سے یقیناً ثواب ہوتا ہے اور گناہ معاف ہوتے ہیں (۱)، لیکن حقوق العباد اس سے معاف نہیں ہوتے (۲)، اسی طرح نمازیں روزے وغیرہ جو میت کے ذمہ ہیں جن کا کفارہ دینا ضروری ہے وہ بھی معاف نہیں ہوتے۔ بشرطِ وصیت ایک ثلث میں سے کفارہ ادا کرنا لازم ہے (۳)، اگر ترکہ میں کچھ نہیں

---

(۱) "عن أنس رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "من دخل المقابر فقرأ سورة يٰس، خفف الله عنهم، وكان له بعدد مَن فيها حسنات". (شرح الصدور للسيوطي رحمه الله تعالىٰ، باب في قراءة القرآن للميت أو على القبر، ص: ۳۰۴، دار المعرفة، بيروت)

"عن أنس رضي الله تعالىٰ عنه مرفوعاً: "أمتي أمة مرحومة تدخل قبورها بذنوبها، وتخرج من قبورها لا ذنوب عليها، يمحص عنها باستغفار المؤمنين لها". (شرح الصدور للسيوطي رحمه الله تعالىٰ، باب ما ينفع الميت في قبره، ص: ۲۹۸، دار المعرفة، بيروت)

"صرح علماءنا في باب الحج عن الغير: بأن للإنسان أن يجعل ثواب عمله لغيره صلوةً أوصوماً أوصدقةً أوغيرها .... الأفضل لمن يتصدق نفلاً أن ينوي لجميع المؤمنين والمؤمنات؛ لأنها تصل إليهم، ولا ينقص من أجره شيء". (ردالمحتار، باب صلوة الجنازة، مطلب في القراءة للميت وإهداء ثوابها له: ۲/۲۴۳، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۳/۱۰۵، رشيديه)

(۲) "فإن كانت المعصية لحق آدمي، فلها ركن رابع وهوالتحلل من صاحب ذلك الحق". (شرح النووي على مسلم، كتاب التوبة: ۲/۳۵۴، قديمي)

"إن كانت المعصية في خالص حق الله، فقد يكفي الندم .... وإن تعلقت بحقوق العباد، لزم مع الندم والعزم إيصال حق العبد أوبدله إليه الخ". (روح المعاني، تحت الآية: ﴿يا أيها الذين آمنوا توبوا إلى الله﴾ الخ: ۲۸/۱۵۸، دارإحياء التراث العربي، بيروت)

(۳) "ولومات وعليه صلوات فائتة وأوصى بالكفارة، يعطي لكل صلاة نصف صاع من بر كالفطرة (وكذا حكم الوتر) والصوم وإنما يعطي (من ثلث ماله)". (الدرالمختار).

"(قوله: وإنما يعطي من ثلث ماله): أي فلوزادت الوصية على الثلث، لا يلزم الولي إخراج الزائد إلا بإجازة الورثة". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت: ۲/۷۲، ۷۳، سعيد)

"إذا مات الرجل وعليه صلوات فائتة فأوصى بأن تعطي كفارة صلواته، يعطي لكل صلاة نصف =

چھوڑا تو تلاوت وغیرہ کا ثواب پہونچایا جائے، کیا عجب ہے (کہ) اللہ پاک معاف فرمادیں۔

اگر یہ مطلب ہے کہ ایک قرآن شریف کسی کو بہ نیتِ ثواب صدقہ دیدیں تو اس سے بھی ثواب ہوتا ہے، لیکن ترکۂ میت سے دینا بلاوصیت قبل تقسیم ترکہ درست نہیں جب کہ بعض ورثہ نابالغ ہوں، بعد تقسیم بالغین اپنے حصہ میں سے دے سکتے ہیں۔ اور اگر وصیت کی ہے تو ایک ثلث میں نافذ کرنا واجب ہے، زائد میں ورثہ بالغین کی اجازت پر موقوف ہے اور جب نابالغ ہوں تو ان کی اجازت معتبر نہیں (۱)۔ ہر آیت کے عوض ایک گناہ کی معافی کی تصریح کسی جگہ نہیں دیکھی، جیسا اور صدقہ دینے کا حال ہے ایسا ہی قرآن شریف کا حال ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مظاہر علوم، ۳/۵/ ۵۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۳/ جمادی الاولی/ ۵۸ھ۔

ختم قرآن پاک کا ثواب مردے کو پہنچانا

سوال [۴۳۳۵]: ختم قرآن پاک کا ثواب اگر ہم مردے کو پہونچائیں تو وہ پہونچتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

پہونچتا ہے، کذا فی البدایة (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۸/۹/ ۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۱۸/۹/ ۸۸ھ۔

= صاع من بر، وللوتر نصف صاع، ولصوم يوم نصف صاع من ثُلث ماله". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادي عشر في قضاء الفوائت، مسائل متفرقة: ۱/۱۲۵، رشيديه)

(۱) "ويكره اتخاذ الضيافة من الطعام من أهل الميت؛ لأنه شرع في السرور لا في الشرور، وهي بدعة مستقبحة .... وهذه الأفعال كلها للسمعة والرياء، فيحترز عنها؛ لأنهم لا يريدون بها وجه الله تعالىٰ .... ولا سيما إذا كان في الورثة صغار أوغائب الخ". (ردالمحتار، باب صلاة الجنازة، مطلب في كراهة الضيافة من أهل الميت: ۲/۲۴۰، ۲۴۱، سعيد)

"ولا يجوز بما زاد على الثلث إلا أن يجيزه الورثة بعد موته وهم كبار". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوصايا، الباب الأول الخ: ۶/۹۰، رشيديه)

(۲) "الأصل في هذا الباب أن الإنسان له أن يجعل ثواب عمله لغيره صلاةً أوصوماً أوصدقةً أوغيره عند =

میت کیلئے قرأتِ قرآن وغیرہ

سوال[۴۳۳۶]: میت کے دفن کرنے کے بعد مروجہ طریقہ پر دعاء کرنا جیسے سرہانے سورۂ بقرہ کا اول اور پاؤں کی جانب آخر، یا سورۂ اخلاص یا آیاتِ قرآنی کا پڑھنا یا کسی سے اجرت پر، یا بلا اجرت کچھ پڑھوانا اور سوم وچہلم وغیرہ رسومات برابر کرنا، پابندیوں کے ساتھ کچھ تقسیم کرنا، ایصال ثواب کیلئے بلا امتیاز امیر غریب کو کھانا کھلانا کیسا ہے؟ اور امام صاحب کو رسومات بالا پر پابند کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

دفن کے بعد سرہانے سورۂ بقرہ کا اول اور پیر کی جانب سورت بقرہ کا آخر پڑھنا حدیث شریف سے ثابت ہے(۱) اور دفن کے بعد دعائے مغفرت بھی ثابت ہے(۲)۔ بغیر کسی وقت یا دن یا تاریخ یا ہفتہ خاصہ کی

= أهل السنة والجماعة". (البداية مع الهداية، كتاب الحج، باب الحج عن الغير ۱/:۲۹۶، مكتبه شركة علميه، ملتان)

"عن علي رضي الله تعالیٰ عنه مرفوعاً: "من مر على المقابر وقرأ ﴿قل هو الله أحد﴾ أحدى عشرة مرةً، ثم وهب أجره للأموات، أعطي اجره بعدد الأموات". (شرح الصدور، باب في القراءة للميت أوعلى قبره، ص:۳۰۳، دار المعرفة، بيروت)

"والأصل فيه أن الإنسان له أن يجعل ثواب عمله لغيره صلوةً أوصوماً أوصدقةً أوقراءة قرآن أوذكراً أوطوافاً أوحجاً أوعمرةً أوغير ذلک عند أصحابنا بالكتاب والسنة". (البحر الرائق، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۱۰۵/۳، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الحج، الباب الرابع عشر في الحج عن الغير: ۱/۲۵۷، رشيديه)

(۱) "عن عبد الله بن عمر رضي الله تعالیٰ عنهما قال: سمعت النبي صلى الله عليه وسلم يقول: "إذامات أحد كم، فلاتحبسوه، وأسرعوا به إلى قبره، وليقرأ عند رأسه فاتحة البقرة وعند رجليه بخاتمة البقرة". (مشكوة المصابيح، كتاب الجنائز، باب دفن الميت: ۱/۱۴۹، قديمي)

"وكان ابن عمر رضي الله تعالیٰ عنهما يستحب أن يقرأ على القبر بعد الدفن أول سورة البقرة عند رأس الميت وآخرها عند رجليه". (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز: ۲/۲۳۷، ۲۴۲، سعيد)

(۲) "عن عثمان بن عفان رضي الله تعالیٰ عنه قال:" كان النبي صلى الله عليه وسلم إذافرغ من دفن =

پابندی کے کوئی بھی نیک کام اللہ کے واسطے کر کے ثواب پہونچانا درست ہے اور میت کے حق میں نافع ہے (۱) بقیہ امورِ مذکورہ سوال کی پابندی شرعاً ثابت نہیں، طریقۂ مروجہ غیر ثابت ہے جو کہ قابلِ ترک ہے، اگر پابندی اور اصرار کیا جائے تو کراہتِ شدیدہ پیدا ہو کر گناہ میں اضافہ ہوگا (۲)۔

قرآن پاک کی تلاوت اجرت پر کرنا خواہ زبان سے معاملہ طے کیا جائے، یا مشہور و معروف ہونے کی

= الميت، وقف عليه، فقال: "استغفروه لأخيكم، واسألوا له بالتثبيت، فإنه الآن يسئل". (سنن أبي داؤد، كتاب الجنائز، باب الاستغفار عند القبر للميت في وقت الانصراف: ۲/۱۰۳، إمداديه)

"ويستحب حيثه من قبل رأسه ثلاثا، وجلوس ساعة بعد دفنه لدعاء وقراءة بقدر ماينحر الجزور ويفرق لحمه". (الدرالمختار، باب صلاة الجنائز: ۲/۲۳۷، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل السادس في الدفن والنقل الخ، ۱/۱٦٦ رشيديه)

(۱) "يقول: أنبأنا ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما أن سعد ابن عبادة أخا بني ساعدة توفيت أمه وهو غائب عنها، فأتى النبي صلى الله عليه وسلم فقال: يارسول الله! إن أمي توفيت وأنا غائب عنها، فهل ينفعها شيء إن تصدقت به عنها؟ قال: "نعم". قال: فإني أشهدك أن حائطي المخراف صدقة عليها". (صحيح البخاري، كتاب الوصايا، باب الإشهاد في الوقف والوصية والصدقة: ۱/۳۸۷، قديمي)

"صرح علماءنا في باب الحج عن الغير بأن للإنسان أن يجعل ثواب عمله لغيره صلاةً أو صوماً أو صدقةً أو غيرها........... الأفضل لمن يتصدق نفلاً أن ينوي لجميع المؤمنين والمؤمنات؛ لأنها تصل إليهم، ولاينقص من أجره شيئ". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صلوة الجنائز، مطلب في القراءة للميت إهداءها الخ: ۲/۲۴۳، سعيد)

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: (البحر الرائق، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۳/۱۰۵ رشيديه)

(۲) "من أصر على أمر مندوب وجعله عزماً ولم يعمل بالرخصة، فقد أصاب منه الشيطان من الإضلال، فكيف من أصر على بدعة أومنكر". (مرقاة المفاتيح، كتاب الصلاة، باب الدعاء في التشهد، (رقم الحديث: ۹۴۶): ۳/۳۱، رشيديه)

" الإصرار على المندوب يبلغه إلى حد الكراهة، فكيف إصرار البدعة التي لاأصل لها في الشرع".

(السعاية، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، قبيل فصل في القراءة: ۲/۲٦۵، سهيل اكيڈمی، لاهور)

وجہ سے دل ہی میں رہے بالکل ناجائز اور معصیت ہے، اس سے میت کو ثواب نہیں پہونچے گا، بلکہ پڑھنے والے کو بھی ثواب نہیں ملتا اور جو اجرت دی جاتی ہے خواہ روپیہ کی شکل میں ہو یا شیرینی، کپڑا، غلہ، کھانا، قرآن شریف وغیرہ کی شکل میں اس کا لینا اور دینا حرام ہے:

"ويكره اتخاذ الطعام في اليوم الأول والثالث وبعد الأسبوع ونقل الطعام إلى القبر في المواسم واتخاذ الدعوة لقراءة القرآن وجمع الصلحاء والقراء للختم أولقراءة سورة الأنعام أوالإخلاص، والحاصل أن اتخاذالطعام عند قراءة القرآن لأجل الأكل يكره .... وهذه الأفعال كلها للسمعة والرياء فيحترز عنها؛ لأنهم لايريدون بهاوجه الله تعالى". ردالمحتار(۱)۔

"قال تاج الشريعة في شرح الهداية: إن القرآن بالأجرة لايستحق الثواب لاللميت ولاللقارئ. وقال العيني في شرح الهداية: ويمنع القارئ للدنياء والآخذ والمعطى آثمان، .... الوصية من الميت باتخاذ الطعام والضيافة يوم موته أوبعده وبإعطاء دراهم لمن يتلو القرآن لروحه أويسبح أويهلل وكلهابدع منكرات، والمأخوذ منهاحرام للآخذ وهوغاصب بالتلاوة والذكر لأجل الدنيا". ردالمحتار(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) (رد المحتار، باب صلاة الجنائز، مطلب في كراهة الضيافة من أهل الميت: ۲/۲۴۰، سعيد)

(۲) (رد المحتار، كتاب الإجارة، باب إجارة الفاسدة، مطلب: تحرير مهم في عدم جواز الاستئجار الخ: ۶/۵۶، ۵۷، سعيد)

"عن عبادة بن الصامت رضي الله تعالىٰ عنه :قال: علّمت ناساً من أهل الصفة القرآن والكتاب، وأهدى إليّ رجل منهم قوساً، فقلت: ليس بمال وأرمي عليهافي سبيل الله، لآتينّ رسول الله صلى الله عليه وسلم، فلأسئلنّه، فأتيته فقلت: يارسول الله! رجل أهدى إليّ قوساًمن كنت أعلّمه الكتاب والقرآن، وليست بمال وأرمي عنهافي سبيل الله تعالى. قال: "إن كنت تحب أن تطوق طوقاًمن نار، فاقبلها". (سنن أبي داؤد، كتاب الإجارة، في كسب المعلم: ۲/۱۲۹، إمداديه)

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: (تنقيح الفتاوى الحامدية، كتاب الإجارة، حكم الاستئجار على التلاوة: ۲/۱۳۷، مطبعه ميمنيه مصر)

نماز کا ثواب پہنچانا

سوال[۴۳۳۷]: نماز پڑھ کرکسی کواس کا ثواب پہنچانا شرعی دلائل سے ثابت ہے یانہیں؟ اگر ثابت ہے تو براہ کرام دلیل نقل کریں۔

الجواب حامداًومصلیاً:

ثابت ہے:"الأصل أن كل من أتى بعبادةٍ مّا، له جعل ثوابها لغيره، اهـ". در مختار۔ "أي سواء كانت صلوةً أوصدقةً أوصوماً أونحوها". شامی(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

دورکعت نفل پڑھ کرایصال کرنے کے لئے مسجد میں اعلان کرنا

سوال[۴۳۳۸]: بعض لوگ بعد نماز جمعہ سب مصلیوں سے کہتے ہیں کہ سب مصلی حضرات سے گزارش ہے کہ دو دورکعت میرے عزیز مرحوم کے لئے پڑھیئے گا، یا کسی اور مقصد کے لئے لوگ مع امام دو دورکعت پڑھ کر دعاء کرتے ہیں یہ جائز ہے یانہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

نماز پڑھ کر میت کوثواب پہنچانا اور دوسروں سے اس کی درخواست کرنا جائز ہے، حدیث شریف اور کتب فقہ میں اس کی تصریح ہے:قال في الفتاوى العالمكيرية، في الباب العاشر في الحج عن الغير:

---

(۱) (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۵۹۵/۲، سعيد)

"وأخرج ابن النجار في تاريخه عن مالك بن دينار .... قال: رجل من المؤمنين قام في هذه الليلة، فأسبغ الوضوء وصلى ركعتين "وقرأ فيهما فاتحة الكتاب وقل يأيها الكافرون، وقل هو الله أحد" وقال:اللهم! إني قد وهبت ثوابها لأهل المقابر من المؤمنين، فأدخل الله علينا الضياء والنور والفسحة والسرور في المشرق والمغرب". (شرح الصدور للسيوطي رحمه الله تعالىٰ، باب ما ينفع الميت في قبره، ص:۲۹۸، دار المعرفة ، بيروت)

"والأصل فيه: أن للإنسان له أن يجعل ثواب عمله لغيره صلوةً أوصوماً أوصدقةً الخ". (البحر الرائق، كتاب الحج، باب الحج عن الغير :۱۰۵/۳ ،رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الحج، الباب الرابع عشر في الحج عن الغير : ۲۵۷/۱، رشيديه)

9

"الأصل في هذا الباب أن الإنسان له أن يجعل ثواب عمله لغيره صلوةً كان أوصوماً أوصدقةً أوغيرها". ۲/۲۶۳ (۱)۔

اسی طرح نماز کے بعد مقاصدِ حسنہ کے لئے دعاء اوراس کے أقرب إلى الإجابة ہونے کی تصریح روایاتِ حدیث سے ثابت ہے، کما في عمل اليوم والليلة (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، جامع العلوم کانپور، ۱۹۶۸ء۔

---

(۱) (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الحج، الباب الرابع عشر في الحج عن الغير: ۱/۲۵۷، رشيديه)

"وأخرج ابن النجار في تاريخه عن مالك بن دينار .... قال: رجل من المؤمنين قام في هذه الليلة فأسبغ الوضوء وصلى ركعتين، وقرأ فيهما فاتحة الكتاب، وقل يأيها الكافرون، وقل هو الله أحد" وقال: اللهم! إني قدو هبت ثوابها لأهل المقابر من المؤمنين، فأدخل الله علينا الضياء والنور والفسحة والسرور في المشرق والمغرب". (شرح الصدور للسيوطي رحمه الله تعالىٰ، باب ما ينفع الميت في قبره، ص: ۲۹۸، دار المعرفة، بيروت)

"الأصل أن كل من أتى بعبادةٍ مّا، له جعل ثوابها لغيره". (الدرالمختار). "أي سواء كانت صلوةً أوصدقةً أوصوماً أونحوها". (ردالمحتار: ۲/۵۹۵، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، مطلب في إهداء ثواب الأعمال للغير، سعيد)

"والأصل فيه أن للإنسان له أن يجعل ثواب عمله لغيره صلوةً أوصوماً أوصدقةً، الخ". (البحر الرائق، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۳/۱۰۵، رشيديه)

(۲) "عن أنس بن مالك رضي الله تعالىٰ عنه، عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أنه قال: "ما من عبد بسط كفيه في دبر كل صلوة ثم يقول: أللهم إلهي .... كان حقاً على الله عزوكل أن لا يرد يديه خائبين". (رقم الحديث: ۱۳۸)

"عن فضالة بن عبيد رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إذا صلى أحدكم، فليبدأ بتحميد الله والثناء عليه، ثم يصلي على النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، ثم ليدع بما شاء". (عمل اليوم الليلة، باب ما يقول في دبر صلوة الصبح، (رقم الحديث: ۱۱۳)، ص: ۱۰۲، ۱۲۱، مكتبة الشيخ، كراچی)

نیک عمل کا ثواب پڑوسی کو پہنچانا

سوال[۴۳۳۹]: اگر کوئی نیک عمل کرے تو کیا اس عمل کا ثواب بغیر اس کے پہونچائے اس کے ہمسایہ کو بھی مل سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر کسی درجہ میں اس کا تعاون حاصل ہے تو وہ بھی شریک ہے ورنہ شریک نہیں، لیکن اچھے پڑوسی سے نفع فی الجملہ پہونچتا ہے(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۳/۱ھ۔

نابالغ بچوں کے لئے ایصال ثواب

سوال[۴۳۴۰]: مرحومین کے لئے زندوں کے ایصال ثواب سے فائدہ پہونچتا ہے، لیکن نابالغ معصوم بچوں کے لئے ایصال ثواب کا کیا فائدہ؟ جب کہ وہ معصوم اور جنتی ہیں، ایسے معصوم بچوں کی نماز جنازہ میں کہیں استغفار نہیں ہے، استغفار اور ایصال ثواب بچوں کے لئے غیر مفید ہے تو بچوں کی قبر کی زیارت سے بھی کوئی فائدہ نہیں۔ ایسے بچوں سے تعلق رکھنے کا کیا طریقہ ہوسکتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

درجات میں تو ترقی بہر حال ہوتی ہے اس لئے ایصال ثواب میں کیا اشکال ہے اس کے لئے استغفار کی حاجت نہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۱/۱۴ھ۔

---

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿وتعاونوا على البر والتقوىٰ ولاتعاونوا على الإثم والعدوان﴾ يأمر تعالىٰ عباده المؤمنين بالمعاونة على فعل الخيرات هو البر، وترك المنكر وهو التقوى .... قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "الدال على الخير كفاعله". .... قلت: وله شاهد في الصحيح: "من دعا إلى هدىً، كان له من الأجر مثل أجور مَن اتبعه إلى يوم القيامة، لا ينقص ذلك من أجورهم شيئاً . ومن دعا إلى ضلالة، كان عليه من الإثم مثل آثام مَن اتبعه إلى يوم القيامة، لاينقص ذلك من آثامهم شيئاً".

(تفسير ابن كثير، (سورة المائدة: ۲) : ۲/۱۰، ۱۱، مكتبه دار الفيحاء، دمشق)

(۲) "حسنات الصغير قبل أن يجرى عليه القلم للصبى، لا لأبيه، لقوله تعالىٰ: ﴿وأن ليس للإنسان إلا ما =

نابالغ بچوں کے لئے ایصالِ ثواب کرنا

سوال[۴۴۴۱]: نابالغ اور معصوم بچوں کے انتقال پر ختم قرآن کر کے ایصال ثواب کرنا کیسا ہے، جب کہ وہ معصوم ہیں اور گناہ سے ناواقف ہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

بچے معصوم ہیں، گناہوں کے بخشوانے کے لئے ان کے حق میں ایصال ثواب کی ضرورت نہیں، ہاں تحصیلِ انعامات کے لئے دعاء کی جائے تو ٹھیک ہے جیسے صلوۃ جنازہ میں کی جاتی ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

ایضاً

سوال[۴۴۴۲]: نابالغ کے ختم قرآن کا ثواب کس کو ملے گا، اگر کہا جائے کہ اس کے والدین کو ثواب ملتا ہے تو دوسرے کو، یا ان نابالغوں کو میت کو ثواب پہونچانے کا حق ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

نابالغ کے ختم قرآن کا ثواب صحیح قول پر نابالغ ہی کو ملتا ہے: "وتصح عباداته (أى الصبى) وإن لم تجب عليه، واختلفوا فى ثوابها، والمعتمد أنه له، وللمعلّم ثواب التعليم، وكذا جميع حسناته". أشباه: ۳۲۷(۲)۔ قال الحموى: "(قوله: وجميع حسناته) قال الأستروشنى فى جامع أحكام

= سعى﴾ وهذا قول عامة مشايخنا". (أحكام الصغار على هامش جامع الفصولين، فى مسائل الكراهية: ۱۴۸/۱، اسلامی کتب خانہ کراچی)

"و قد قالوا: حسنات الصبى له، لا لأبويه، بل لهما ثواب التعليم". (الدرالمختار، باب صلوة الجنازة: ۲/۲۱۵، سعید)

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: (شرح الأشباه والنظائر، الفن الثالث، أحكام الصبيان: ۲۲/۳، إدارة القرآن كراچى)

(۱) (تقدم تخريجه تحت المسئلة السابقة)

(۲) (شرح الأشباه والنظائر، الفن الثالث: أحكام الصبيان: ۲۲/۳، إدارة القرآن كراچى)

الصغار: حسنات الصغير قبل أن يجرى عليه القلم للصبي، لا لأبيه لقوله تعالىٰ: ﴿وأن ليس للإنسان إلا ما سعى﴾ وهذا قول عامة مشايخنا"(۱)۔

اور نابالغ اپنے پڑھے ہوئے کا ثواب شرعاً میت کو پہونچا سکتا ہے؛ لأنــه نـفـع محض، ثواب نابالغ اور میت دونوں کو ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵۲/۳/۱۷ھ۔

جواب درست ہے: عبداللطیف، سعید احمد غفرلہ۔

صحیح: بندہ عبدالرحمٰن غفرلہ۔

میت صغیر کے لئے دعائے شفاعت پر شبہ کا جواب

سوال[۴۴۴۳]: نماز جنازہ میں جب کہ میت چھوٹی (بچہ یا بچی) ہو تو: "اللهم اجعله لنا شافعاً ومشفعاً" جو دعاء پڑھی جاتی ہے، آیا یہ دعاء پڑھنا حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثابت ہے؟ شبہ اس لئے ہوا کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خود شافع ہیں، کوئی بچہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے کیسے شافع ہو سکے گا؟

الجواب حامداً ومصلياً:

''ذخر و فرط'' کی دعا پڑھنا حدیث شریف میں مذکور ہے(۲)، اذان کے بعد "آت محمداً الوسيلة" پڑھنے کا امر بھی حدیث شریف میں ہے(۳)، "الوسيلة" کی ایک شرح "مقام شفاعت" بھی ہے(۴)، تعلیم

---

(۱) (أحكام الصغار على هامش جامع الفصولين، في مسائل الكراهية: ۱/۱۴۸، اسلامی کتب خانہ کراچی)

"و قد قالوا: حسنات الصبي له، لا لأبويه، بل لهما ثواب التعليم". (الدرالمختار، باب صلوة الجنازة: ۲/۲۱۵، سعید)

(۲) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه: أنه كان يصلي على النفوس الذى لم يعمل خطيئةً قط، ويقول: اللهم اجعله لنا سلفاً وفرطاً وذخراً". (السنن الكبرى للبيهقي، كتاب الجنائز، باب السقط يغسل ويكفن ويصلى عليه إن استهل أوعرفت له حياة: ۴/۱۰، ادارۂ تالیفات اشرفیہ ملتان)

(۳) "عن جابر بن عبد الله رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من قال حين يسمع النداء: اللهم رب هذه الدعوة التامة، والصلوة القائمة! آت محمداً الوسيلة والفضيلة، وابعثه مقام محموداً الذى وعدته، إلا حلّت له الشفاعة يوم القيامة". (جامع الترمذي، أبواب الصلوة، باب ترجمة: ۱/۵۱، سعيد)

(۴) "والوسيلة المذكورة في الدعاء المروى عنه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بعد فقيل: هي الشفاعة =

امت کے لئے بھی دعائیں منقول ہیں، شبہ دفعہ کرنے کے لئے اتنا بھی کافی ہے۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۳/۵ھ۔

بچوں کا ایصالِ ثواب

سوال[۴۴۴۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلۂ ذیل میں:

ہمارے یہاں میت کے ایصالِ ثواب کے واسطے بچوں سے قرآن شریف پڑھایا جاتا ہے، قرآن شریف ختم ہونے کے بعد استاد بچوں سے یہ کہتے ہیں کہ تم اپنا سارا ثواب ہمیں دیدو تاکہ ہم میت کو پہنچادیں اور دلیل یہ دیتے ہیں کہ بچے عدمِ بلوغ کی بناپر ہبہ کے مستحق نہیں اور ایصالِ ثواب ہبہ ہی ہے۔تو سوال یہ ہے کہ ان کا یہ طریقہ درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر نابالغ بچوں کا قرآن شریف پڑھ کر بخشنا ہبہ ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے تو معلمین کی خدمت میں پیش کرنا ہبہ کیوں نہیں ہوا اور اس کا جواز کیسے تجویز کیا گیا۔ نابالغ کے تصرفات تین قسم کے ہیں: ایک: نفعِ محض، دوم: ضررِ محض، سوم: دائر بين النفع والضرر۔

قسم اول کے تصرفات بغیر اذنِ ولی بھی درست ہے۔قسمِ دوم اذنِ ولی سے بھی درست نہیں۔قسمِ سوم اذنِ ولی سے درست ہیں، بغیر اذن ولی کے درست نہیں (۱)۔ ہبہ قسم دوم میں داخل ہے۔ ہبہ کی تعریف ہے:

= يشهد له في آخر الدعاء حلت له شفاعتي". (مرقاة المفاتيح، كتاب الصلوة، باب فصل الأذان واجابة المؤذن، الفصل الأول، (رقم الحديث: ۶۵۷): ۳۵۰/۲، رشيديه)

(۱) "(وتصرف الصبي والمعتوه) الذي يعقل البيع والشراء (إن كان نافعاً) محضاً (كالإسلام والاتهاب، صح بلا إذن. وإن ضاراً كالطلاق والعتاق والصدقة والقرض (لا، وإن أذن به وليهما. وما تردد) من العقود (بين نفع وضرر كالبيع والشراء توقف على الإذن) حتى بلغ، لوبلغ فأجاز، نفذ". (الدرالمختار).

"(قوله: كالطلاق والعتاق) ولوعلى مال .... وكذا الهبة والصدقة الخ". (ردالمحتار، كتاب المأذون، مبحث في تصرف الصبي ومن له الولاية عليه وترتيبها: ۱۷۳/۶، سعيد)

"والتصرفات ثلاثة أنواع: ضار محض كالطلاق والعتاق والهبة والصدقة، فلا يملكه الصبي وإن أذن له الولي. ونافع محض كقبول الهبة والصدقة، فيملكه بغير إذنه. ودائر بين النفع والضرر =

"تمليك العين بلا عوض" (۱)، جوثواب پہنچایا جاتا ہے وہ عین نہیں، نیز اعیان کا حال یہ ہے کہ وہ بصورتِ ہبہ ملکِ واہب سے خارج ہوجاتی ہے، واہب ان سے خالی رہ جاتا ہے اور یہ چیز حقِ صبی میں ضررِ محض ہے، ایصالِ ثواب میں واہب خالی نہیں رہتا، اس کوبھی ثواب حاصل ہوتا ہے اس کے ثواب میں کچھ کمی نہیں آتی، اس لئے ضررِ محض نہیں بلکہ نفعِ محض ہے:

"صرح علماء نا في باب الحج عن الغير بأن للإنسان أن يجعل ثواب عمله لغيره صلوةً أوصوماً أوصدقةً أوغيرها، كذا في الهداية. بل في زكوة التاتارخانية عن المحيط: الأفضل لمن يتصدق نفلاً أن ينوى لجميع المؤمنين والمومنات؛ لأنها تصل إليهم، ولاينقص من أجره بشيء، اهـ. وهومذهب أهل السنة والجماعة، اهـ". كذا في ردالمحتار: ۱/۶۰۵(۲)۔

"وفي الحديث: "من قرأ الإخلاص أحد عشر مرةً، ثم وهب أجرها للأموات، أعطى من الأجر بعدد الأموات، اهـ". در مختار (۳)۔

= كالبيع والشراء والإجارة والنكاح، فيَمْلِكه بالإذن ولا يُملّكه بدونه". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب المأذون، الباب الثاني عشر في الصبي أوالمعتوه يأذن له أبوه الخ: ۵/۱۱۰، رشيديه)

(۱) (الدرالمختار، كتاب الهبة: ۵/۶۸۷، سعيد)

"هي تمليك العين بلا عوض". (البحرالرائق، كتاب الهبة: ۷/۴۸۳، رشيديه)

(۲) (رد المحتار، باب صلاة الجنازة، مطلب في القراء ة للميت وإهداء ثوابها له: ۲/۲۴۳، سعيد)

"وأخرج أيضاً عن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إذا تصدق أحدكم بصدقة تطوعاً، فليجعلها عن أبويه، فيكون لهما أجرها، ولا ينتقص من أجره شيء". (شرح الصدور للسيوطي رحمه الله تعالىٰ، باب ما ينفع الميت في قبره، رقم الحديث: ۳۹، ص: ۳۰۰، دار المعرفة)

"الأفضل لمن تصدق نفلاً أن ينوى لجميع المؤمنين والمؤمنات؛ لأنها تصل إليهم، ولا ينقص من أجره شيء". (التاتارخانية، كتاب الزكاة، الفصل السادس عشر في إيجاب الصدقة وما يتصل به من الهدى: ۲/۳۱۳، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في رد المحتار، باب صلوة الجنازة، مطلب في القراء ة للميت وإهداء ثوابها له: ۲/۲۴۳، سعيد)

(۳) (الدرالمختار، باب الجنائز، مطلب في القراء ة للميت اهـ: ۲/۲۴۳، سعيد)

"وأخرج أبومحمد السمرقندي في فضائل: ﴿قل هو الله أحد﴾ عن علي رضي الله تعالىٰ عنه =

لہٰذا عدمِ جواز کی کوئی وجہ نہیں، سمجھدار بچے بھی ایصالِ ثواب کر سکتے ہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ۔

ایضاً

سوال [۴۳۴۵]: نابالغ بچے جو قرآن کریم یا نماز یا دوسری عبادت کرتے ہیں اس کا ثواب ان کو یا ان کے والدین کو ملتا ہے؟ نیز ہم لوگ کسی کے حق میں ایصالِ ثواب کی خاطر قرآن کریم پڑھاتے ہیں جس میں نابالغ بچے بھی پڑھتے ہیں۔ کیا ان کے پڑھے ہوئے کا ہم لوگ وکیل بن کر ایصالِ ثواب میت کو کر سکتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

نابالغ بچے جو حسنات کرتے ہیں تو ثواب کے مستحق بھی وہی ہیں، والدین کو تعلیم وتربیت کا اجر ملتا ہے كذا في الدر المختار (۱)۔ بچے اگر قرآن کریم پڑھ کر کسی کو اس کا ثواب پہونچادیں تو اس سے خود ان کے اجر میں کمی نہیں ہوگی اور میت کو ثواب پہونچ جائے گا، ان کو بتادیا جائے کہ اس طرح ثواب پہونچادو (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۴/۹۳ھ۔

= مرفوعاً: "من مر على المقابر وقرأ ﴿قل هو الله أحد﴾ إحدى عشرة مرةً، ثم وهب أجره للأموات، أعطي من الأجر بعدد الأموات". (شرح الصدور للسيوطي رحمه الله تعالىٰ، باب في قرأة القرآن للميت أوعلى القبر، رقم الحديث: ۴، ص: ۳۰۳، دار المعرفة، بيروت)

(۱) "وقد قالوا: حسنات الصبي له، لا لأبويه، بل لهما ثواب التعليم" (الدرالمختار، باب صلوة الجنازة: ۲/۲۱۵، سعيد)

"حسنات الصغير قبل أن يجري عليه القلم للصبي، لا لأبيه لقوله تعالىٰ: ﴿وأن ليس للإنسان إلا ما سعى﴾ وهذا قول عامة مشايخنا". (أحكام الصغار على هامش جامع الفصولين، في مسائل الكراهية: ۱/۱۴۸، اسلامی کتب خانه کراچی)

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: (شرح الأشباه والنظائر، الفن الثالث، أحكام الصبيان: ۳/۲۲۰، إدارة القرآن كراچی)

(۲) "وأخرج أيضاً عن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إذا =

بچپن میں کئے ہوئے نیک کاموں کا ثواب کیا والدین کو ملتا ہے؟

سوال[۴۴۴۶]: بچپن کے نیک کام کا ثواب اور بد کام کا عذاب والدین پر ہوتا ہے تو یہ قاعدہ حقوق اللہ میں ہے یا حقوق العباد میں بھی؟

الجواب حامداً ومصلياً:

بچوں نے جتنے نیک کام کئے ہیں ثواب کے وہ مستحق ہیں، والدین کو تعلیم وتربیت کا اجر ملے گا(۱)۔ بچوں پر گناہ نہیں، البتہ والدین تعلیم وتربیت کے ذمہ دار ہیں، اس میں جتنی کوتاہی کریں گے، ماخوذ ہوں گے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۷/۲۰ھ۔

ایک لاکھ کلمہ طیبہ کا ثواب میت کے لئے

سوال[۴۴۴۷]: ہمارے یہاں جب کسی کا انتقال ہوجاتا ہے تو میت کے رشتہ دار ایک لاکھ مرتبہ

= تصدق أحدكم بصدقة تطوعاً، فليجعلها عن أبويه، فيكون لهما أجرها، ولا ينتقص من أجره شئ". (شرح الصدور للسيوطي رحمه الله تعالىٰ، باب ما ينفع الميت في قبره، رقم الحديث: ۳۹، ص: ۳۰۰، دار المعرفة، بيروت)

"الأفضل لمن تصدق نفلاً أن ينوي لجميع المؤمنين والمؤمنات؛ لأنها تصل إليهم، ولا ينقص من أجره شيء". (التاتارخانية، كتاب الزكاة، الفصل السادس في إيجاب الصدقة وما يتصل به من الهدى: ۳۱۳/۲، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في ردالمحتار، باب صلوة الجنازة، مطلب في القراءة للميت وإهداء ثوابها له: ۲۴۳/۲، سعيد)

(۱) "تصح عباداته (أي الصبي) وإن لم تجب عليه، واختلفوا في ثوابها، والمعتمد أنه له، وللمعلم ثواب التعليم: كذا في جميع حسناته". (الحموي شرح الأشباه والنظائر، الفن الثالث، أحكام الصبيان: ۲۲/۳، إدارة القرآن، كراچی)

"وقد قال: حسنات الصبي له، لا لأبويه، بل لهما ثواب التعليم". (الدرالمختار، باب صلوة الجنائزة: ۲۱۵/۳، سعيد)

کلمہ طیبہ کا ختم کراتے ہیں مسجد کے مصلیوں سے، اخیر میں تمام مصلیوں کو کھانا کھلایا جاتا ہے، چاہے غریب ہو یا غنی۔تو یہ کھانا کیسا ہے؟اور غریب و مالدار میں کوئی فرق ہو تو تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

کلمہ طیبہ کا ثواب پہونچانا اور غریبوں کو صدقہ دے کر ثواب پہونچانا بہت مفید اور باعثِ خیر ہے(۱)، لیکن کلمہ طیبہ پڑھنے والوں کو ختم کے بعد کھانا کھلانا، یہ اجرت کے مشابہ ہے، اگر پڑھنے والوں کے ذہن میں ہو کہ کھانا ملے گا اور اس نیت سے پڑھیں تو اس پڑھنے سے ثواب نہیں ہوگا، نہ پڑھنے والوں کو نہ میت کو، نیز جب کہ اس کا دستور ہے اور یہ طریقہ مشہور ہے، المعروف کالمشروط کے تحت اس پڑھنے کی اُجرت گویا کہ لازم ہوگئی۔علاوہ ازیں میت کے ورثاء میں بعض دفعہ چھوٹے نابالغ بھی ہوتے ہیں، ان کے مال میں تصرف کرنا اور ان کے حصہ سے صدقہ دینا جائز نہیں۔ پھر یہ کھانا کھلانا شرعاً واجب نہیں، اس کا التزام کرنا ایک غیر واجب کو واجب قرار دینا ہے جس کی شریعت میں اجازت نہیں (۲)۔

---

(۱) "والأصل فيه أن الإنسان له أن يجعل ثواب عمله لغيره صلوةً أو صوماً أو صدقةً أوقراء ة قرآن أو ذكراً أو طوافاً أو حجاً أو عمرةً أو غير ذلك عند أصحابنا بالكتاب والسنة". (البحر الرائق، كتاب الحج، باب الحج عن الغير : ۱۰۵/۳، رشيديه)

"أن الإنسان له أن يجعل ثواب عمله لغيره صلاةً أو صوماً أو صدقةً أوغيرها عند أهل السنة والجماعة". (الهداية، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۲۹۶/۱، شركة علميه ملتان)

(وكذا في التاتار خانية، كتاب المناسك، الفصل الخامس عشر في الرجل يحج عن الغير: ۵۴۵/۲، إدارة القرآن كراچى)

(۲) "من أصرّ على أمر مندوب وجعله عزماً، ولم يعمل بالرخصة، فقد أصاب منه الشيطان من الإضلال، فكيف من أصر على بدعة أومنكر". (مرقاة المفاتيح، كتاب الصلاة، باب الدعاء في التشهد، (رقم الحديث: ۹۴۶): ۳۱/۳، رشيديه)

"الإصرار على المندوب يبلغه إلى حد الكراهة، فكيف إصرار البدعة التي لا أصل لها في الشرع". (السعاية للعلامة اللكنوى ، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، قبيل فصل في القراءة: ۲۶۵/۲، سهيل اكيڈمى لاهور)

علاوہ ازیں ایصالِ ثواب کے لئے جوصدقہ دیا جاتا ہے، اس کے مستحق غرباء ہیں، مالدار نہیں، یہاں غریب وغنی سب کو دیا جاتا ہے، یہ طریقہ غلط ہے(۱) اور اس میں عامۂ شہرت ناموری کا جذبہ ہوتا ہے جیسا کہ دیگر تقریبات کا حال ہے(۲)۔ اس لئے اس طریقہ کو بند کرنا چاہیے کہ عوارض کی وجہ سے اصل کیفیت باقی نہیں رہتی۔ فتاویٰ بزازیہ(۳)، کبیری(۴)، شامی(۵) وغیرہ کتبِ فقہ میں ایصالِ ثواب کے لئے اس قسم کے طریقہ کو اختیار کرنے کی ممانعت موجود ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۱۱/۳۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۱۱/۳۰ھ۔

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿إنما الصدقات للفقراء والمساكين﴾. (سورة التوبة: ٦٠)

"إن الصدقة على الغني هبة". (ردالمحتار، كتاب الوصايا، فصل في وصايا الذمي وغيره: ٦/٦٩٨، سعيد)

(۲) "ويكره اتخاذ الضيافة من الطعام من أهل الميت.......... هي بدعة مستقبحة، وفي البزازية: يكره إتخاذ الدعوة لقراءة القرآن وجمع الصلحاء والقراء للختم .... هذه الأفعال كلها للسمعة والرياء، فيحترز عنها؛ لأنهم لا يريدون بها وجه الله تعالىٰ". (ردالمحتار، باب صلاة الجنازة، مطلب في كراهة الضيافة من أهل الميت: ٢/٢٤٠، ٢٤١، سعيد)

(وكذا في البزازية على هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الصلوة، قبيل الفصل السادس والعشرون في حكم المسجد: ۴/۸۱، رشيديه)

"عن عكرمة عن ابن عباس رضي الله تعالیٰ عنهما أن النبي صلى الله عليه وسلم نهى عن طعام المتبارئين أن يوكل". (مشكوة المصابيح، باب الوليمة، الفصل الثاني، ص: ۲۷۹، قديمي)

(۳) "يكره اتخاذ الطعام واتخاذ الدعوة بقراءة القرآن وجمع الصلحاء والقراء للختم". (الفتاویٰ البزازية على هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الصلوة، قبيل الفصل السادس والعشرون في أحكام المسجد: ۴/۸۱، رشيديه)

(۴) (الحلبي الكبير، فصل في الجنائز، قبيل فصل في أحكام المسجد، ص: ۶۰۹، سهيل اكيڈمی، لاهور)

(۵) (ردالمحتار، باب صلوة الجنازة، مطلب في كراهة الضيافة من أهل الميت: ۲/۲۴۰، ۲۴۱، سعيد)

نافرمان بیٹے کا موت سے پہلے والد سے معافی اور اس کے لئے ایصالِ ثواب

سوال[۴۴۴۸]: باپ کی موت سے پہلے جب کہ وہ اپنے ہوش میں ہے، بیٹا اپنی نافرمانیوں کی معافی مانگتا ہے اور باپ معاف کردیتا ہے، اس وقت کی معافی معتبر ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

انشاء اللہ معافی ہوجائے گی، باپ کے لئے زیادہ سے زیادہ ایصالِ ثواب اور دعائے مغفرت کرتا رہے اور نافرمانی کی مکافات جس قدر بھی ہوکرتا رہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۸/۱۳۹۹ھ۔

کلمہ پڑھ کر خودکشی کرنے والے کے لئے ایصالِ ثواب

سوال[۴۴۴۹]: ایک لڑکی جو کہ غیر مسلم تھی اور میں اس سے بے انتہا محبت کرتا تھا اور وہ بھی مجھ پر بہت مائل تھی اور میرے ساتھ مسلمان ہونے کو تیار تھی جس نے اپنی زندگی میں میرے ساتھ اور مجھ سے یاد کر کے بارہا کلمہ پڑھا، اس کو نماز بھی یاد تھی، اور اس کے گھر والے یہ نہ چاہتے تھے کہ وہ کسی دوسرے مذہب کو قبول کرے، ان لوگوں نے اس کو بہت تنگ کیا پھر اس نے ایک دن غم سے گھبرا کر خودکشی کرلی۔ اب میں اس کے لئے ایصال ثواب قرآن خوانی کراسکتا ہوں یا کہ نہیں؟

---

(۱) "عن أبي سعيد الخدري رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "يتبع الرجل يوم القيامة من الحسنات أمثال الجبال، فيقول: أنّى هذا؟ فيقال: باستغفار ولدك لك". (شرح الصدور للسيوطي رحمه الله تعالىٰ، باب ما ينفع الميت في قبره، ص: ۲۹٦، دار المعرفة، بيروت)

" صرح علماء نا في باب الحج عن الغير بأن للإنسان أن يجعل ثواب عمله لغيره صلوةً أوصوماً أوصدقةً أوغيرها.......... الأفضل لمن يتصدق نفلاً أن ينوي لجميع المؤمنين والمؤمنات؛ لأنها تصل إليهم، ولا ينقص من أجره شيء". (ردالمحتار، باب صلوة الجنازة، مطلب في القراءة للميت وإهداء ثوابها له: ۲/۲۴۳، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۳/۱۰۵، رشيديه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر اس نے اسلام قبول کرنے کے لئے کلمہ پڑھا ہے تو اس کو ایصالِ ثواب کر سکتے ہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۶/۱/۲۵ھ۔

غیر مسلم کو ایصالِ ثواب

سوال [۴۳۵۰]: غیر مسلم کو قرآن پاک وغیرہ کا ثواب بخشنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ناجائز ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۹۰/۱۰/۹ھ۔

---

(۱) "إن سعد بن عبادة رضي الله تعالیٰ عنه توفيت أمه وهو غائب عنها، فقال: يا رسول الله! -صلى الله تعالیٰ عليه وسلم- إن أمي توفيت وأنا غائب عنها، أينفعها شيء إن تصدقت به عنها؟ قال: "نعم". قال: فإني أشهدك أن حائطي المخراف صدقة عليها". (صحيح البخاري، كتاب الوصايا، بابٌ: إذا قال: أرضي وبستاني صدقة لله عن أمي: ۱/۳۸۶، قديمي)

"صرح علماءنا في باب الحج عن الغير بأن للإنسان أن يجعل ثواب عمله لغيره صلوةً أوصوماً أوصدقةً أوغيرها .... الأفضل لمن يتصدق نفلاً أن ينوي لجميع المؤمنين والمؤمنات؛ لأنها تصل إليهم، ولا ينقص من أجره شيء". (ردالمحتار، باب صلوة الجنازة، مطلب في القراءة للميت وإهداء ثوابها له: ۲/۲۴۳، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۳/۱۰۵، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب المناسك الفصل الخامس عشر في الرجل يحج عن الغير: ۲/۵۴۵، إدارة القرآن كراچی)

(۲) قال الله تعالیٰ: ﴿استغفر لهم أو لا تستغفر لهم، إن تستغفر لهم سبعين مرةً فلن يغفر الله لهم، ذلك بأنهم كفروا بالله و رسوله، والله لا يهدى القوم الفسقين﴾. (سورة التوبة، پ: ۱۰، الآية: ۸۰)

"عن سعيد بن المسيب عن أبيه: قال: لما حضرت أباطالب الوفاة، دخل عليه النبي صلى الله =

شیعہ کے لئے ایصالِ ثواب

سوال[۴۴۵۱]: زید حافظِ قرآن اور ایک مسجد میں امام ہے اور زید کو ایک شیعہ نے اپنے قبرستان میں قرآن شریف پڑھنے کے لئے مقرر کیا ہوا ہے، زید روزمرہ صبح کو شیعہ قبروں پر ایک پارہ یا کم وبیش پڑھ کر ایصالِ ثواب کرتا ہے۔ چند مسلمانوں نے زید پر اعتراض کیا بوجہ مندرجہ بالا۔ زید کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟ زید کہتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عبداللہ بن ابی منافق یہودی کے لئے ایصالِ ثواب کیا اور شیعہ مذہب پر علمائے حنفیہ نے متفقہ فتویٰ کفریہ نہیں دیا، ایسی صورت میں جب کہ وہ مسلمان ہیں یقیناً اس کی مذہب رکاوٹ نہیں کرتا۔ اس تنازعہ میں چند مسلمانوں نے زید کے پیچھے نماز جمعہ ادا نہیں کی، بلکہ جس مسجد میں آج تک جمعہ نہیں ہوتا تھا، اس مسجد میں جدید طریقہ پر جمعہ کرایا حالانکہ شہر میں اور چند مسجدوں میں جمعہ ہوتا تھا، اس مسجد کو بھی چھوڑ کر کسی دوسری جامع مسجد میں ادا کر سکتے تھے۔

اندریں حالت دریافت طلب امر یہ ہے کہ شیعہ پر ایصالِ ثواب بصورتِ مندرجہ بالا جائز ہے یا نہیں؟ نیا جمعہ کرانا جب کہ اَور مسجدیں موجود تھیں کیسا ہے؟ اگر شیعہ کی قبور پر ایصالِ ثواب جائز ہے تو اس قسم کا نزاع بین المسلمین پیدا کرنے والے اشخاص کس حکم میں ہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

ان کے عقائد دریافت کر لئے جائیں، اگر وہ شیعہ عقیدہ کفریہ رکھتے تھے تو ان کے لئے دعائے مغفرت اور ایصالِ ثواب کرنا حرام ہے(۱)، اس صورت میں اگر باز نہ آئے، اور اس سے بہتر امامت کا اہل دوسرا شخص

= تعالیٰ علیه وسلم وعنده أبو جهل و عبد الله بن أبی أمية" فقال النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "ای عمّ! قل: لا إله إلا الله، أحاج لک بها عند الله". فقال أبو جهل و عبد الله بن أبی أمية: يا أبا طالب! أترغب عن ملة عبد المطلب؟ فقال النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "لأستغفرنّ لک ما لم أُنهَ عنک، فنزلت: ﴿ما كان للنبی والذين آمنوا أن يستغفروا للمشركين، ولو كانوا أولی قربیٰ﴾ الاية". (صحيح البخاری، كتاب التفسير، باب قوله تعالیٰ: ﴿ما كان للنبی والذين آمنوا أن يستغفروا﴾ الاية: ۶۷۴/۲، ۶۷۵، قديمی)

"والحق حرمة الدعاء بالمغفرة للكافر". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، فصل: وإذا أراد الشروع: ۵۲۳/۱، سعيد)

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿ما كان للنبی والذين آمنوا أن يستغفروا للمشركين﴾ (التوبة: ۱۱۳)

موجود ہوتو اس کوامام بنانا چاہئے ، زید کوامام بنانا مکروہ تحریمی ہے۔ اور عبداللہ بن ابی کے واقعہ سے زید کا استدلال کرنا صحیح نہیں ، کیونکہ جب حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کے لئے دعاء کی اور جنازہ کی نماز پڑھی تو ممانعت کی آیت نازل ہوئی ،تفسیر مظہری میں پورا واقعہ نقل کر کے لکھا ہے:

"فصلى عليه فأنزل الله تعالىٰ ﴿لا تصل﴾ المراد بالصلوة الدعاء والاستغفار للميت، فيشتمل صلوة الجنازة أيضاً؛ لأنها مشتملة على الدعاء والاستغفار ﴿على أحد منهم مات أبداً﴾ تفسير مظهري، سورهٔ توبه، ص: ۱۷۱(۱)۔

اگر وہ شیعہ عقائدِ کفریہ نہیں رکھتے تو ان کے لئے ایصالِ ثواب کرنا درست ہے، اس صورت میں زید کو امام بنانا جائز ہے اور جھگڑا کرنا منع ہے اور موجبِ فتنہ ہے جس سے اجتناب کرنا ضروری ہے۔ اجرت لے کر ایصالِ ثواب کرنا گناہ ہے (۲)، اس سے بھی رکنا ضروری ہے۔ اگر زید اس کو ترک نہ کرے تب بھی اس کی امامت مکروہ ہے (۳)۔

---

(۱) (التفسير المظهري: ۲۷۶/۴، حافظ كتب خانه)

(۲) "قال عبد الرحمن بن شبل رضى الله تعالىٰ عنه: سمعت رسو ل الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول: "اقرؤا القرآن، و لاتغلوا فيه، و لا تجفوا عنه، و لا تأكلوا به، و لا تستكثروا به". (مسند أحمد، (رقم الحديث: ۱۵۱۰۳): ۴۴۵/۴، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

"قال تاج الشريعة في شرح الهداية: إن القرآن بالأجرة لا يستحق الثواب ، لا للميت و لا للقارى. و قال العينى فى شرح الهداية : و يمنع القارىء للدنيا ، والآخذ والمعطى آثمان......... والإجارة فى ذلك باطلة ، و هى بدعة لم يفعلها أحد من الخلفاء .... و من صرّح بذلك أيضاً الإمام البركويُ قدس سره فى آخر الطريقة المحمدية، فقال: الفصل الثالث فى أمور مبتدعة باطلة أكبّ الناس عليها على ظن أنها قرب مقصودة ....و منها الوصية .... بإعطاء دراهم لمن يتلو القرآن لروحه أو يسبح أو يهلل له، و كلها بدع منكرات باطلة، والمأخوذ منها حرام للآخذ ، و هو عاصٍ بالتلاوة والذكر لأجل الدنيا، اهـ. ملخصاً". (رد المحتار، كتاب الإجارة ، باب الإجارة الفاسدة مطلب: تحرير مهم فى عدم جواز الاستيجار اهـ : ۵۶/۶، ۵۷، سعيد)

(۳) "و يكره تنزيهاً إمامة عبد .... و فاسق ..... و مبتدع " .(الدر المختار). "بل مشى فى شرح المنية على أن كراهة تقديمه كراهة تحريم، لما ذكرنا، قال: و لذا لم تجز الصلوة خلفه أصلاً عند =

ایک شہر میں جمعہ اگرچہ متعدد جگہ جائز ہے لیکن تقلیلِ جمعہ شرعاً مطلوب ہے(۱)، اس لئے زید کا علیحدہ کرنا دشوار ہو تو کسی دوسری مسجد میں جہاں پہلے سے جمعہ ہوتا ہو پڑھ لیا جائے، مستقل جمعہ قائم کرنا مصالحِ جمعہ کو فوت کرتا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ ۱۹۶۸ء۔

شیعہ کو ایصالِ ثواب

سوال[۴۳۵۲]: سنی بیوی کو شیعہ خاوند کے لئے دعائے مغفرت یا ایصالِ ثواب کرنا کیسا ہے؟ اور سنی کو شیعہ کے لئے عام طور سے ایصالِ ثواب کا کیا حکم ہے؟

صلاح الدین شملہ۔

الجواب حامداً و مصلياً:

اگر اس کے عقائد کفریہ نہیں جیسا کہ بعض فرقوں کے ہیں تو دعائے مغفرت درست ہے، اس میں شوہر اور غیر سب برابر ہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

= مالک، و روايةً عن أحمد". (ردالمحتار، باب الإمامة، قبيل مطلب: البدعة خمسة أقسام: ۱/۵۶۰، سعيد)

(۱) "تقلیلِ جمعہ شرعاً مطلوب ہے" یعنی شہر میں کم سے کم جگہوں پر جمعہ ادا کیا جائے: "و تؤدی (أی الجمعة) فی مصر واحد بمواضع كثيرة معلقاً". (الدر المختار). "أى سواء كان المصر كبيراً أو لا .... و سواء كان التعدد فی مسجدين أو أكثر، اهـ". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ۲/۱۴۴، ۱۴۵، سعيد)

(۲) إن سعد بن عبادة رضى الله تعالىٰ عنه توفيت أمه وهو غائب عنها، فقال: يا رسول الله! –صلى الله تعالىٰ عليه وسلم– إن أمي توفيت و أنا غائب عنها، أينفعها شيء إن تصدقت به عنها؟ قال: "نعم". قال: فإنى أشهدك أن حائطى المخراف صدقة عليها". (صحيح البخاری، كتاب الوصايا، بابٌ: إذا قال: أرضى و بستانى صدقة لله عن أمي فهو جائز: ۱/۳۸۶، قديمی)

"صرح علماء نا فی باب الحج عن الغير بأن للإنسان أن يجعل ثواب عمله لغيره صلوة أو صوماً أو صدقةً أو غيرها .... الأفضل لمن يتصدق نفلاً أن ينوى لجميع المؤمنين والمؤمنات؛ لأنها تصل إليهم، و لا ينقص من أجره شيء". (ردالمحتار، باب صلوة الجنازة، مطلب فی القراءة للميت =

گاندھی جی کی موت پر تعزیت اور ایصالِ ثواب

سوال[۴۳۵۴]: ا......گاندھی جی ہندو مذہب اختیار کرتے تھے، ساتھ ساتھ قرآن کی سورۂ اخلاص اور فاتحہ اکثر پڑھتے تھے اور اپنی عبادت کی مجلس میں قرآن پڑھوا کر سنتے تھے اور مسلمانوں کی حمایت کرتے تھے۔ تعزیت کرنے کے بعد اگر کوئی مسلمان غیر مسلم کی جماعت میں ان کے لئے قرآن پڑھے یا دعاء کرے تو کیا وہ مسلمان گنہ گار ہوگا یا نہیں؟ اگر کوئی آدمی ثواب بخشے نہیں بلکہ غیر مذہب والوں کے لئے ہمدردی دکھانے کے لئے قرآن پڑھے تو کیسا ہے کیا گاندھی کافر ہے؟

۲......اگر سرکاری ملازم مسلمان کو بے دین جماعت میں رہنا پڑے اور بے دین مُردہ کے لئے دعائے خیر کرتے وقت دل یا منہ سے ﴿في نار جهنم خالدين فيها أبداً﴾ کہے، کیا وہ گنہ گار ہوگا؟ مع دلیل جواب ارشاد فرما دیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

ا......جس کے لئے کفر کا یقین ہو اس کے لئے دعائے مغفرت کرنا یا قرآن شریف پڑھ کر ثواب پہونچانا جائز نہیں: "والحق حرمة الدعاء بالمغفرة للكافر". درمختار (۱)۔ گاندھی کے متعلق ہمیں معلوم

= و إهداء ثوابها له: ۲/۲۴۳، سعيد)

لیکن اگر شیعہ کے عقائد کفریہ ہوں جیسا دورِ حاضر کے شیعہ تو ان کے لئے ایصالِ ثواب کرنا ناجائز ہے، کما تقدم تخريجه تحت عنوان: "شیعہ کے لئے ایصالِ ثواب"۔

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۳/۱۰۵، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب المناسك، الفصل الخامس عشر في الرجل يحج عن الغير: ۲/۵۴۵، إدارة القرآن كراچی)

(۱) (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، فصل: وإذا أراد الشروع: ۱/۵۲۳، سعيد)

قال الله تعالىٰ: ﴿استغفر لهم أولا تستغفر لهم، إن تستغفر لهم سبعين مرةً، فلن يغفر الله لهم، ذلك بأنهم كفروا بالله و رسوله، والله لا يهدى القوم الفٰسقين﴾. (سورة التوبة، پ: ۱۰، الاية: ۸۰)

"عن سعيد بن المسيب عن أبيه رضي الله تعالىٰ عنه قال: لما حضرت أباطالب الوفاةُ، دخل =

9

نہیں کہ کب اسلام قبول کیا، سورۂ فاتحہ اور سورۂ اخلاص وغیرہ پڑھنا بھی جب ہی مفید ہے کہ پڑھنے والا مسلم ہو ورنہ بہت سے غیر مسلم بھی پڑھتے ہیں خواہ پڑھنے کی نیت کچھ ہی ہو۔ البتہ اگر کوئی مسلم قرآن کریم پڑھ کر اس کا مطلب غیر مسلم کو سمجھائے یا وعظ کہے تو شرعاً جائز اور درست ہے۔ بعض غیر مسلم بھی نرم طبیعت اور دوسروں کے ہمدرد ہوتے ہیں، وہ کسی کو تکلیف نہیں پہونچاتے بلکہ دوسروں کی راحت کے لئے خود تکلیف اٹھاتے ہیں، مسلم کو بھی چاہئے کہ ان کے ساتھ احسان کا معاملہ کرے اور بلا وجہ تکلیف پہونچانا تو کسی کو بھی جائز نہیں۔ اسلامی تعلیمات میں نہایت اعلیٰ اخلاق کا خزانہ موجود ہے اس لئے سمجھدار غیر مسلم اس کا مطالعہ کر کے اکثر اچھی باتیں حاصل کر لیتے ہیں، مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ انہوں نے اسلام قبول کرلیا۔

۲......اس نفاق کی کیا ضرورت ہے کہ زبان سے دعاء کرے اور دل میں بددعاء بلکہ جس کے مرنے پر ضرورت سمجھے، مشروع تعزیت کردے: "جار يهودي أو مجوسي مات ابن له أو قريب، ينبغي أن يعزيه ويقول: أخلف الله عليك خيراً منه وأصلحك، وكان معناه: أصلحك الله بالإسلام يعني رزقك الإسلام و رزقك ولداً مسلماً، كفاية، اهـ". شامي: ٥/٢٤٨ مطبوعه جديد(١)۔ فقط اللہ تعالیٰ اعلم۔

= عليه النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وعنده أبو جهل و عبد الله بن أبي أمية، فقال النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "أي عمّ! قل: لا إله إلا الله، أحاجّ لک بها عند الله". فقال أبو جهل و عبد الله بن أبي أمية: يا أبا طالب! أترغب عن ملة عبد المطلب؟ فقال النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لأستغفرنّ لک ما لم أنهَ عنک". فنزلت: ﴿ما كان للنبي والذين آمنوا أن يستغفروا للمشركين ر لو كانوا أولي قربى﴾ الآية". (صحيح البخاري، كتاب التفسير، باب قوله تعالىٰ: ﴿ما كان للنبي والذين آمنوا أن يستغفروا﴾ الاية: ۲/۶۷۴، ۶۷۵، قديمي)

(١) (رد المحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ٦/٣٨٨، سعيد)

"وإذا مات الكافر، قال لوالده أو قريبه في تعزيته: أخلف الله عليک خيراً منه، وأسلمک: أي أصلحک بالإسلام، و رزقک ولداً مسلماً؛ لأن الخيرية به تظهر، كذا في التبيين". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الرابع عشر في أهل الذمة والأحكام التي تعود إليهم: ۵/۳۴۸، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الكراهية: ۸/۳۷۴، رشيديه)

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳۰/ ربیع الأول/ ۶۷ھ۔

اسلام نے جو تعزیت کا طریقہ غیر مسلموں کے لئے بتایا ہے اس پر عمل کرنا چاہئے، گاندھی جی نے نہ صرف مسلمانوں کی خیر خواہی پر جان دی ہے بلکہ سارے ہندوستان کو امن و اتحاد کی تلقین کرتے ہوئے وہ اس مشن پر قربان ہوگئے، اس لئے ہر شخص ان کے دردناک قتل پر رنجیدہ ہے، مگر ان کو مسلمان اس وقت تک نہیں کہا جاسکتا جب تک کہ اس کا کوئی ثبوت نہ ہو، تعزیت اور یادگار منانے میں فرقہ وارانہ طریقوں پر عمل کرنا خود گاندھی جی کے مشن کے خلاف ہے، اس لئے اس سے احتراز کرنا چاہئے۔ فقط۔

سعید احمد، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲/ ربیع الثانی/ ۶۷ھ۔

تعزیتی جلسہ کا حکم

سوال [۴۳۵۴]: کسی لیڈر یا مذہبی پیشوا کے انتقال پر محض تعزیتی جلسہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اسی طرح کسی لیڈر یا پیشوا کے انتقال پر ایصالِ ثواب کے لئے لوگوں کو جمع کرنا، ختم قرآن اور تعزیتی جلسہ دونوں چیز ایک ہی مجلس میں کرنا جائز ہے یا نہیں؟ لوگوں کو جمع کرنے کی مختلف شکلیں ہوا کرتی ہیں: بعض جگہ اخبار، بعض جگہ صدر مقام یا مسجد وغیرہ میں اعلان کردیا جاتا ہے۔ نیز ایصالِ ثواب کا صحیح طریقہ پیش کرتے ہوئے سلفِ صالحین کا عمل بھی تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

کسی مسلم کے انتقال پر میت کے متعلقین کی تعزیت کرنا یعنی تلقین صبر وغیرہ کرنا سنت سے ثابت ہے، اگر وہاں خود جاکر تعزیت کا موقع نہ ہو تو خط کے ذریعہ سے بھی سلف صالحین سے تعزیت کرنا منقول ہے (۱)۔

---

(۱) "عن معاذ بن جبل رضي الله تعالىٰ عنه أنه مات ابن له، فكتب إليه رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يعزيه بابنه، فكتب إليه: "بسم الله الرحمن الرحيم من محمد رسول الله إلى معاذ بن جبل. سلام عليك! فإني أحمد إليك الله الذي لاإله إلاهو، أمابعد: فأعظم الله لك الأجر، وألهمك الصبر، ورزقنا وإياك الشكر، فإن أنفسنا وأموالنا وأهلنا من مواهب الله الهنيئة وعواريه المستودعة، متعك الله به في غبطة وسرور، وقبضه منك بأجر كبير الصلاة والرحمة والهدى، إن احتسبته فاصبر ولايحبط جزعُك أجرّك فتندم، واعلم أن الجزع لايرد ميّتاً ولايدفع حزناً، وماهونازل فكأن قد، والسلام". =

جس کے انتقال سے بہت لوگوں کو صدمہ ہو، یا بہت لوگ تعزیت کی ضرورت محسوس کریں اور سب کا پہنچنا دشوار ہوتو اس کے لئے سہل صورت یہ ہے کہ ایک جلسہ کرکے تعزیت کردیجائے، اس میں بڑی جماعت سفر کی زحمت سے بچ جاتی ہے اور میت کے متعلقین پر کثیر مہمانوں کا بار بھی نہیں پڑتا اور مجمعِ عظیم کی متفقہ دعاء بھی زیادہ مستحق قبول ہے، بظاہر اس میں شرعاً کوئی قباحت نہیں۔ لیکن بہت جگہ اس نے محض رسم کی صورت اختیار کرلی ہے کہ مقصود یہ ہوتا ہے کہ اخبار میں نام آجائے اور ہماری شہرت ہوجائے، اگر ہم نے تعزیتی جلسہ نہ کیا تو لوگ ملامت کریں گے وغیرہ وغیرہ، اگر یہ صورت ہوتو پھر اس کو ترک کرنا چاہئے (۱)۔

میت کے لئے ایصالِ ثواب ثابت ہے، قرآن پاک کی تلاوت کا ثواب پہنچانا بھی درست ہے، انفراداً پڑھنا بھی درست ہے، جو نیک کام بھی اللہ کے لئے کیا جائے اور یہ دعاء کرلی جائے کہ: یااللہ! اس کا ثواب فلاں کو پہنچادیں، تو بس اس کا ثواب پہنچ جاتا ہے۔ سلفِ صالحین سے نماز، تلاوت، صدقہ حج وغیرہ کا ثواب

= رواه الطبراني في الكبير والأوسط". (مجمع الزوائد للهيثمي، كتاب الجنائز، باب التعزية: ۳/۳، دارالفكر، بيروت)

(۱) "عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أنه قال:" مامن مؤمن يعزى أخاه بمصيبة، إلاكساه الله سبحانه من حلل الكرامة يوم القيامة". (سنن ابن ماجة، أبواب ماجاء في الجنائز، باب ماجاء في ثواب من عزى مصاباً، ص: ۱۱۵، قديمى)

"ولابأس ...... بتعزية أهله وترغيبهم في الصبر، الخ". (الدرالمختار). "(قوله: بتعزية أهله): أى تصبيرهم والدعاء لهم به .... والتعزية أن يقول: أعظم الله أجرك وأحسن عزاءك وغفر لميتك". (ردالمحتار، باب صلاة الجنازة: ۲/ ۲۳۹، ۲۴۰، سعيد)

"التعزية لصاحب المصيبة حسن .... ويستحب أن يعم بالتعزية جميع أقارب الميت الكبار والصغار والرجال والنساء، الخ". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادى والعشرون في الجنائز، الفصل السادس في القبر، ومما يتصل بذلك مسائل: ۱/۱۶۷، رشيديه)

(وكذافي الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل في صلاة الجنائز، الثامن في المتفرقات، ص: ۶۰۸، سهيل اكيڈمى، لاهور)

پہنچانا ثابت ہے(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

میت کے لئے جلسۂ تعزیت

سوال[۴۳۵۵]: آج کل یہ طریقہ رائج ہے کہ کسی دینی ادارہ یا کسی مسلم جماعت کا کوئی رکن انتقال کر جاتا ہے تو جب اس ادارہ یا جماعت کا جلسہ ہوتا ہے جس سے اس شخص کا تعلق ہوتا ہے، تو اس کے لئے تعزیت کی تجاویز منظور کی جاتی ہیں، اور اس کے لئے دعائے مغفرت کی جاتی ہے جبکہ جلسہ تین دن کے بعد ہوتا ہے۔ اس طریقہ کے لئے شرعاً گنجائش ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

یہ تعزیت شرعی تعزیت نہیں، بلکہ ادارہ یا جماعت کی طرف سے اظہار تعلق ہے اور اظہار ہمدردی کے لئے اس سے بھی تقویت پہنچتی ہے اور میت کے اعزہ کے لئے صبر وتسلی بھی فی الجملہ اس سے ہو جاتی ہے، اس لئے شرعاً گنجائش ہے(۲)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دیوبند۔

---

(۱) "عن أنس رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "من دخل المقابر فقرأ سورة يٰس، خفف الله عنهم، وكان له بعدد مَن فيها حسنات". (شرح الصدور للسيوطي، باب ماجاء في قراءة القرآن للميت أو على القبر، (رقم الحديث: ۷)، ص: ۳۰۴، دار المعرفة)

"والأصل فيه أن الإنسان له أن يجعل ثواب عمله لغيره صلوةً أوصوماً أوصدقةً أوقراءة قرآن أوذكراً أوطوافاً، أوحجاً، أوعمرةً، أوغير ذلك عند أصحابنا بالكتاب والسنة". (البحر الرائق، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۱۰۵/۳، رشيديه)

(وكذا في الهداية، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۲۹۶/۱، مكتبه شركة علميه ملتان)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب المناسك، الفصل الخامس عشر في الرجل يحج عن الغير: ۵۴۵/۲، إدارة القرآن كراچى)

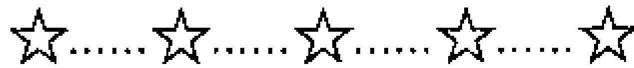
(۲) "(قوله: وبتعزية أهله): أي تصبيرهم، والدعاء لهم به، قال في القاموس: العزاء الصبر أو حسنه". (ردالمحتار، باب صلوة الجنازة، قبيل مطلب في الثواب على المصيبة: ۲۳۹/۲، سعيد)

دفن کے بعد مکان پر مخصوص فاتحہ

سوال[۴۳۵۲]: میت کے دفن کے بعد اعزہ وغیرہ کا میت کے گھر پہونچ کر کھڑے ہوکر ہاتھ باندھ کر کھانے پر فاتحہ پڑھنا اور دوسروں کو بھی ہاتھ باندھنے پر مجبور کرنا اور جو نہ شریک ہو اس کو برا بھلا کہنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بالکل بے اصل اور خلاف سنت ہے، اس کو ترک کرنا لازم ہے(۱)، اس میں شریک نہ ہونے والے کو برا کہنا معصیت ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔



(۱) "وعرّفها الشمنی بأنها (البدعة) ما أحدث علی خلاف الحق الملتقی عن رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم من علم أو عمل أو حال بنوع شبهة واستحسان، وجعل دیناً قویماً وصراطاً مستقیماً". (رد المحتار، باب الإمامة، مطلب: البدعة خمسة أقسام: ۱/۵۶۰، سعید)

(۲) "عن عبد الله رضی الله تعالیٰ عنه أن النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قال: "سباب المسلم فسوق". الحدیث. (صحیح البخاری، کتاب الإیمان، باب خوف المؤمن أن یحبط عمله، الخ: ۱/۱۲، قدیمی)

فصل فی التلاوة عند القبر

(قبر پر تلاوت کا بیان)

قبر پر تلاوت

سوال[۴۳۵۷]: قرآن قبر پر پڑھنا کیسا ہے، کیونکہ درمختار جلد دوم میں مکروہ لکھا ہے اور بہت سی کتابوں میں لکھا ہے کہ قبر پر تلاوتِ قرآن نہ کرنا چاہیئے، اس وجہ سے کہ جب آیاتِ عذاب کی وہاں پڑھی جاتی ہے تو مردے پر تکرار زیادہ ہوتی ہے جس کی وجہ سے عذاب میں زیادتی ہوتی ہے، اس لئے قبروں پر صرف آیاتِ رحمت پڑھنی چاہیئے اور پورا قرآن نہ پڑھے، آیتِ رحمت جیسے: سورۂ یٰس، مزمل، ألهاكم التكاثر، معوذتین، إخلاص، الحمد، درود وغیرہ۔

الجواب حامداً ومصلياً:

ہمارے نزدیک قبر پر قرآن شریف پڑھنا اور ایصال ثواب کرنا بلا التزامِ مالایلزم درست ہے(۱)۔

---

(۱) أن سعد بن عبادة رضي الله تعالىٰ عنه توفيت أمه وهو غائب عنها فقال: يارسول الله! -صلى الله تعالىٰ عليه وسلم- إن أمي توفيت وأنا غائب عنها أينفعها شيء إن تصدقت به عنها؟قال: "نعم". قال: فإني أشهدك أن حائطي المخراف صدقة عليها". (صحيح البخاري، كتاب الوصايا، باب: إذا قال: أرضي وبستاني صدقة لله عن أمي فهو جائز". ۱/۳۸۶،قديمی)

"صرح علماء نا في باب الحج عن الغير بأن للإنسان بأن يجعل ثواب عمله لغيره صلاةً أو صوماً أوصدقةً أوغيرها .... الأفضل لمن يتصدق نفلاً أن ينوي لجميع المؤمنين والمؤمنات؛ لأنها تصل إليهم ولاينقص من أجره شيئ". (ردالمحتار، باب صلاة الجنازة،مطلب في القراء ة للميت وإهداء ثوابها له: ۲/۲۴۳،سعيد)

"والأصل فيه أن الإنسان له أن يجعل ثواب عمله لغيره صلاةً أو صوماً أوصدقةً أو قراء ة قرآن أو طوافاً أوحجاً أوعمرةً أوغير ذلك عند أصحابنا بالكتاب والسنة". (البحر الرائق، كتاب الحج، باب =

درمختار کا حوالہ جو آپ نے دیا ہے وہ میں نے نہیں دیکھا، ذرا تفصیل سے باب، فصل یا صفحہ کا حوالہ دے کر تحریر کیجئے تا کہ اس پر غور کیا جا سکے۔ مالکیہ کے نزدیک قبر پر قرآن شریف کی تلاوت کرنا مکروہ ہے اور بعض اوقات زیادتی عذاب کا سبب ہے، المدخل: ۲۶۲/۱(۱)۔ سورۂ یٰسین، سورۂ مزمل، تکاثر میں بھی عذاب کا ذکر ہے، یہ تفصیل کن کتب میں ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶۱/۷/۳ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مظاہر علوم سہارنپور، ۴/شعبان/۶۱ھ۔

قبر پر تلاوت جہراً ہو یا سراً؟

سوال[۴۳۵۸]: قبر پر تلاوت بلند آواز سے پڑھنی چاہئے یا آہستہ سے؟ اور بزرگوں کے مزاروں پر کثرت سے قرآن خوانی بلند آواز سے ہوتی ہے۔ کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

دونوں طرح درست ہے بشرطیکہ کوئی عارض نہ ہو(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶۱/۷/۳ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مظاہر علوم سہارنپور، ۴/شعبان/۶۱ھ۔

= الحج عن الغير: ۱۰۵/۳، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب المناسك، الفصل الخامس عشر في الرجل يحج عن الغير: ۵۴۵/۲، إدارة القرآن، كراچی)

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: (شرح الصدور في أحوال الموتى والقبور للسيوطي، باب في قراءة القرآن للميت أو على القبر، ص: ۳۰۲، دار المعرفة)

(۱) وكذالك القراء الذين يقرأون القرآن بالترجيع والزيادة والنقصان في كتاب الله عزوجل ورفع الاصوات

(۲) "يجب على القارى احترامه بأن لايقرأه في الأسواق ومواضع الاشتغال، فإذا قرأه فيها كان هو المضيع لحرمته، فيكون الإثم عليه دون أهل الاشتغال دفعاً للحرج". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، فصل في القراءة، مطلب: الاستماع للقرآن فرض كفاية: ۵۴۶/۱، سعيد) .... =

قبر یا بیمار کے پاس تلاوت

سوال[۴۳۵۹]: ایک شخص بیمار کے پاس یا قبر کے پاس قرآن شریف پڑھتا ہے، پیسے وغیرہ کچھ بھی نہیں لیتا، جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر پیسے لیتا ہے تو کس کس موقعہ اور کون کون سی صورت میں جائز ہے اور کون سی صورت میں ناجائز؟ کھلم کھلا ایسا جواب لکھیں کہ ہر شخص سمجھ لے۔ فقط والسلام۔

الجواب حامداً ومصلياً:

بلا پیسے بیمار کے پاس یا قبر کے پاس بنیتِ ثواب تلاوت کرنا شرعاً درست ہے (۱) اور اجرت لے کر

= "رجل يكتب الفقه وبجنبه رجل يقرأ القرآن ولا يمكن للكاتب الاستماع، فالإثم على القارى لقرأته جهراً في موضع اشتغال الناس بأعمالهم ولاشئ على الكاتب". (الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، تتمات فيمايكره من القرآن في الصلاة ومالايكره الخ، ص: ۴۹۷، سهيل اكيڈمي، لاهور)

(۱) "عن أنس رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "من دخل المقابر فقرأ سورة يٰس، خفف الله عنهم، وكان له بعدد مَن فيها حسنات". (شرح الصدور في أحوال الموتى والقبور للسيوطي رحمه الله تعالىٰ، باب في قراءة القرآن للميت أو على القبر، ص: ۳۰۴، دارالمعرفة، بيروت)

"إن سعد بن عبادة رضي الله تعالىٰ عنه توفيت أمه وهو غائب عنها فقال: يارسول الله! -صلى الله تعالىٰ عليه وسلم- أمي توفيت وأناغائب عنها، أينفعها شئ إن تصدقت به عنها؟ قال: "نعم". قال: فإني أشهدك أن حائطي المخراف صدقة عليها". (صحيح البخاري، كتاب الوصايا، باب: إذا قال: أرضي وبستاني صدقة لله عن أمي فهو جائز". : ۱/۳۸۶، قديمي)

"صرح علماءنا في باب الحج عن الغير بأنّ للإنسان أن يجعل ثواب عمله لغيره صلاةً أو صوماً أو صدقةً أوغيرها .... الأفضل لمن يتصدق نفلاً أن ينوى لجميع المؤمنين والمؤمنات؛ لأنها تصل إليهم ولاينقص من أجره شئ". (ردالمحتار، باب صلاة الجنازة، مطلب في القراءة للميت وإهداء ثوابهاله: ۲/۲۴۳، سعيد)

"والأصل فيه أن الإنسان له أن يجعل ثواب عمله لغيره صلاة أو صوماً أوصدقةً أو قراءة قرآن أو طوافاً أوحجاً أوعمرةً أوغير ذلك عند أصحابنا بالكتاب والسنة". (البحر الرائق، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۱۰۵/۳، رشيديه) .... =

تلاوت کرنا حرام ہے، اجرت لینے والا اور دینے والا دونوں گنہگار ہیں اور ثواب حاصل نہیں ہوتا (۱)، خواہ پہلے سے نیت کی ہو یا نہ کی ہو، بلکہ رواج کی بناء پر ذہن میں ہو کہ فلاں جگہ سے اجرت ملے گی، بعض جگہ یہ طریقہ رائج ہے اور لوگوں نے قرآن شریف کو ذریعۂ معاش بنا رکھا ہے اور دعویٰ یہ کرتے ہیں کہ ہم تو خدا کے واسطے پڑھتے ہیں، حالانکہ اگر ان کو علم ہو جائے کہ ہم کو کچھ نہ ملے گا تو وہ ہرگز نہ پڑھیں، اسی لئے اگر کسی جگہ سے کم ملے تو شکایت کرتے ہیں کہ فلاں شخص بہت بخیل ہے، غریب کے یہاں جانے میں حیلہ بہانہ کرتے ہیں اور مالدار کے یہاں دوڑ کر جاتے ہیں۔

اگر کسی جگہ رواج نہ ہو اور پڑھنے والا اپنے خیال میں سمجھتا ہے کہ مجھے کچھ نہ ملے گا اور نہ ملنے پر اس کا قلب مکدر نہیں ہوتا، محض خدا کے واسطے پڑھتا ہے اور پھر اس کو دیدیا جائے تو اس میں گنجائش ہے، لیکن آج کل ایسا آدمی ملنا متعذر ہے، خاص کر ان اطراف میں جن میں اس کا رواج ہے، والشاذ کالمعدوم۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۹/۱۲/۵۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۲۲/۱۲/۵۹ھ۔

قبرستان میں تلاوت دیکھ کر

سوال [۴۳۶۰]: قبرستان یا صرف ایک قبر پر دیکھ کر تلاوتِ کلامِ پاک کر سکتے ہیں یا نہیں؟

= (وكذا في التاتارخانية، كتاب المناسك، الفصل الخامس عشر في الرجل يحج عن الغير: ۲/۵۴۵، إدارة القرآن، كراچی)

(۱) "وقال عبدالرحمن بن شبل رضي الله تعالىٰ عنه: سمعت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول: "اقرؤا القرآن ولاتغلوا فيه، ولاتجفوا عنه، ولاتأكلوا به، ولاتستكثروا به". (مسند أحمد، (رقم الحديث: ۱۵۱۰۳): ۴/۴۴۵، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

"إن القرآن بالأجرة لايستحق الثواب، لا للميت ولا للقاري .... ويمنع القاري للدنيا، والآخذ والمعطي آثمان، فالحاصل أن ماشاع في زماننا من قراءة الأجزاء بالأجرة، لايجوز؛ لأن فيه الأمر بالقراءة وإعطاء الثواب للآمر والقراءة لأجل المال، فإذا لم يكن للقارئ ثواب لعدم النية الصحيحة، فأين يصل الثواب إلى المستأجر"؟ (ردالمحتار، كتاب الاجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۶/۵۶، سعيد)

الجواب حامداً ومصلیاً:

درست ہے(۱)، لیکن اگر قبرستان میں کوئی جگہ مخصوص نماز پڑھنے، تلاوت کرنے کے لئے ہوتو وہاں بیٹھ کر دیکھ کر تلاوت کریں، تاکہ قرآن پاک کا ادب پورا ملحوظ رہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۱۰/۸۸ھ۔

قبرستان میں قرآن شریف پڑھ کر ثواب پہونچانا

سوال[۴۳۲۱]: قبرستان میں قرآن شریف لیجا کر خود پڑھنا خواہ دوسرے سے اجرت پر پڑھوانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

قرآن شریف خود پڑھ کر ایصال ثواب کرنا یا دوسرے سے پڑھوا کر ثواب پہونچانا درست اور میت کے لئے نافع ہے(۲)، لیکن اُجرت دیکر پڑھوانا جائز نہیں گناہ ہے، اجرت کا لینا بھی ناجائز ہے، اس سے ثواب نہیں پہونچتا، اجرت لینے والا اور دینے والا دونوں گنہگار ہیں، جیسا کہ علامہ شامی نے ردالمحتار، جلد خامس،

---

(۱) "قراءة القرآن عند القبور عند محمد رحمه الله تعالىٰ لاتكره، ومشايخنا رحمهم الله تعالىٰ أخذوا بقوله". (الفتاوىٰ العالمكرية، كتاب الصلوة، الباب الحادى والعشرون فى الجنائز، الفصل السادس: ۱/۱۶۶، رشيديه)

(۲) "عن أنس رضى الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "من دخل المقابر فقرأ سورة يٰس، خفف الله عنهم، وكان له بعدد مَن فيها حسنات". (شرح الصدور للسيوطى رحمه الله تعالىٰ، فى قراءة القرآن للميت أو على القبر، ص: ۳۰۴، دار المعرفة، بيروت)

"والأصل فيه ان الإنسان له أن يجعل ثواب عمله لغيره صلوةً أوصوماً أوصدقةً أو قراءة قرآن أوذكراً أوطوافاً أوحجاً أوعمرةً أوغير ذلك عند أصحابنا بالكتاب والسنة". (البحر الرائق، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۳/۱۰۵، رشيديه)

(وكذافى الفتاوى العالمكيرية، كتاب الحج، الباب الرابع عشر فى الحج عن الغير: ۱/۲۵۷، رشيديه)

کتاب الاجارہ میں عینی وغیرہ سے بصراحت نقل کیا ہے(۱)۔قبر پر قرآن شریف پڑھنے میں اختلاف ہے، ملاعلی القاری شرح فقہ اکبر میں فرماتے ہیں:

"ثم قراءة القرآن وإهداءها له تطوعاً بغير أجرة يصل، وأما لو أوصىٰ بأن يعطى شيئاً من ماله لمن يقرء القرآن على قبره، فالوصية باطلة؛ لأنه في معنى الأجرة، كذا في الاختيار. وهذا مبني على عدم جواز الاستيجار على الطاعات .... ثم القراءة عند القبور مكروهة عند أبي حنيفة ومالك وأحمد في رواية؛ لأنه محدث لم تَرِد به السنة. وقال محمد بن حسن وأحمد في رواية: لا يكره لما روى عن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما أنه أوصىٰ أن يقرأ على قبره وقت الدفن بفواتح سورة البقرة وخواتمها"(۲)۔ واللہ سبحانہ اعلم۔

طحاوی نے امام محمد کے قول کو مختار لکھا ہے :"وأخذ من ذلك جواز القراءة على القبر، والمسئلة ذات خلاف، قال الإمام: تكره (لأن أهلها جيفة) ولم يصح فيها شيء عنده عنه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم. وقال محمد تستحب لِوُرود الآثار، وهوالمذهب المختار، كما صرحوا به في كتاب الاستحسان، اهـ". طحطاوی:۳٦۳(۳).

---

(۱) "إن القرآن بالأجرة لا يستحق الثواب لا للميت ولا للقاري .... ويمنع القاري للدنيا، والآخذ والمعطي آثمان". (ردالمحتار، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة:٦/٥٦، سعيد)

" قال عبد الرحمن بن شبل رضي الله تعالىٰ عنه: سمعت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول: "اقرؤا القرآن، ولاتغلوا فيه، ولا تجفوا عنه، ولا تأكلوا به، ولا تستكثروا به". (مسند أحمد، (رقم الحديث:١٥١٠٣): ۴/۴۴۵، دارإحياء التراث العربي، بيروت)

(۲) (شرح الفقه الأكبر للملا على القاري، الدعاء للميت ينفع خلافاً للمعتزلة ،ص: ۱۳۱، قديمي)

(۳) (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز، فصل في زيارة القبور، ص: ۶۲۱، قديمي)

"ولا يكره الجلوس للقراءة على القبر في المختار لتأدية القراءة على الوجه المطلوب بالسكينة والتدبر والاتعاظ". (ردالمحتار، باب صلاة الجنازة، مطلب في وضع الجريد ونحوالآس على القبور: ۲/۲۴۶، سعيد)

قرآن شریف کو قبرستان میں لے جا کر تلاوت کرنا فی نفسہ مباح ہے، لیکن اس کا التزام منع ہے جیسا کہ بعض دیار میں رواج ہے، ثواب گھر سے بھی پہنچ جاتا ہے(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵/۱/۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف۔

ایضاً

سوال[۴۳۶۲]: مزارات پر جانا اور وہاں بیٹھ کر قرآن مجید پڑھ کر صاحبِ قبر کو بخشنا اور اس ارادے سے قبر پر جانا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

درست ہے، كذا في الدر المختار(۲)، مگر بہتر یہ ہے کہ قرآن پاک وہاں نہ لیجائے، بلکہ حفظ پڑھے۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۸/۹/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۱۸/۹/۸۸ھ۔

---

(۱) "من أصر على أمر مندوب وجعله عزماً ولم يعمل بالرخصة، فقد أصاب منه الشيطان من الإضلال، فكيف من أصر على بدعة أو منكر". (مرقاة المفاتيح، كتاب الصلاة، باب الدعاء في التشهد، (رقم الحديث: ۹۴۶): ۳/۳۱، رشيديه)

"الإصرار على المندوب يبلغه إلى حد الكراهة، فكيف إصرار البدعة التي لا أصل لها في الشرع". (السعاية شرح شرح الوقاية، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، قبيل فصل في القراءة: ۲/۲۶۵، سهيل اكيڈمی لاهور)

"وأما السبب الذي لأجله لم يظهر ذلك في السلف، فهو أنهم لم يكن لهم أوقاف على من يقرأ ويهدي إلى الموتى، ولا كانوا يعرفون ذلك ألبتة، ولا كانوا يقصدون القبر للقراءة عنده كما يفعله الناس اليوم". (كتاب الروح لابن قيم الجوزية، المسألة السادسة عشر: هل تنتفع أرواح الموتى بشيء من سعي من الأحياء أم لا، ص: ۱۸۵، مكتبه فاروقيه پشاور)

(۲) "لا يكره الدفن ليلاً ولا إجلاس القارئين عند القبر". (الدر المختار). "(قوله: ولا إجلاس القارئين =

قبر پر فاتحہ کھڑے ہوکر یا بیٹھ کر ہو؟

سوال[۴۳۶۳] : قبر پر فاتحہ پڑھنا کھڑے ہوکر چاہئے یا بیٹھ کر یا دونوں طرح درست ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

کھڑے ہوکر فاتحہ پڑھے:" قال في الفتح: والسنة زيارتها قائماً والدعاء عنده قائماً ". شامی (۱)، اگر کسی کو زیادہ دیر تک ٹھہرنا ہو، یا کھڑے ہونے میں تکان ہو تو بیٹھنا بھی درست ہے۔ اگر زندگی میں

= عند القبر) ......ولا يكره الجلوس للقرأة على القبر في المختار لتأدية القراءة على الوجه المطلوب بالسكينة والتدبر والاتعاظ". (ردالمحتار، باب صلاة الجنازة، مطلب في وضع الجريد ونحوالآس على القبور: ۲/۲۴۵، ۲۴۶، سعيد)

"عن أنس رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال:"من دخل المقابر فقرأ سورة يٰس، خفف الله عنهم، وكان له بعدد مَن فيها حسنات". (شرح الصدور للسيوطي رحمه الله تعالىٰ، في قراءة القرآن للميت الخ، ص: ۳۰۴، دار المعرفة، بيروت)

"وأخذ من ذلك جواز القراءة على القبر، والمسئلة ذات خلاف، قال الإمام: تكره؛ لأن أهلها جيفة، ولم يصح فيها شيء عنده عنه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم. وقال محمد رحمه الله تعالىٰ: تستحب لوُرود الآثار، وهوالمذهب المختار، كما صرحوا به في كتاب الاستحسان". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز، فصل في زيارة القبور، ص: ۶۲۱، قديمي)

(وكذا في شرح الفقه الأكبر للملا على القاري، الدعاء للميت، ص: ۱۳۱، قديمي)

(۱) (رد المحتار، باب صلاة الجنازة، مطلب في زيارة القبور: ۲/۲۴۲، سعيد)

"عن محمد بن قيس .... أنه قال يوماً: ألا أحدثكم عني و عن أمي؟ قال: فظننا أنه يريد أمه التي ولدته، قال: قالت: عائشة رضي الله تعالىٰ عنها: ألا أحدثكم عني و عن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم؟ قلنا: بلىٰ، قال: قالت: لما كانت ليلتي التي كان النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فيها عندي انقلب .... حتى جاء البقيع، فقام فأطال القيام، ثم رفع يديه ثلاث مرات". الحديث. "(قوله: جاء البقيع فأطال القيام) وفيه أن دعاء القائم أكمل من دعاء الجالس في القبور". (الصحيح لمسلم، كتاب الجنائز، فصل في الذهاب إلى زيارة القبور: ۱/۳۱۳، قديمي) .... =

بے تکلفی کے تعلقات تھے تو دونوں طرح ٹھیک ہے: "ينبغي أن يدنو من القبر قائماً و قاعداً بحسب ما كان يصنع لزواره في حياته". طحاوی(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ اعلم۔

قبر کے سامنے قرآن شریف پڑھنا

سوال[۴۳۶۴]: ا...... مقبرہ میں کسی خاص قبر کو سامنے لے کر قرآن شریف ناظرہ پڑھنا کیسا ہے؟ مع حوالہ کتاب وصفحہ تحریر فرمایئے۔

قبر کے سامنے مناجات

سوال[۴۳۶۵]: ۲...... دفن کے بعد اسی وقت قبر پر پڑھتے ہیں اور قبر سامنے رکھ کر مناجات کرتے ہیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

ا...... فی نفسہ تلاوتِ قرآن شریف کسی قبر کے پاس اُنسِ میت یا ایصالِ ثواب کے لئے راجح قول کے موافق ممنوع نہیں، بلکہ درست ہے: "ثم القراءة عند القبور مكروه عند أبي حنيفة ومالك وأحمد رحمهم الله تعالىٰ في رواية؛ لأنه محدث لم تَرِد به السنة. وقال محمد بن الحسن وأحمد رحمهما الله تعالىٰ في رواية: لايكره لماروى عن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما أنه أوصىٰ أن يقرأ على قبره وقت الدفن بفواتح سورة البقرة وخواتمها، اه". شرح فقه أكبر، ص: ۱۶۰ (۲)۔

"قراءة القران في المقابر إذا أخفىٰ ولم يجهر لاتكره، ولا بأس بها، إنما يكره قراءة القران في المقبرة جهراً، أما المخافة فلا بأس بها وإن ختم . وكان الصدر أبو إسحق الحافظ

= "والدعا عندها قائماً". (فتح القدير، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، فصل في الدفن، قبيل باب الشهيد : ۱۴۲/۲، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية : كتاب الكراهية، الباب السادس عشر في زيارة القبور : ۳۵۰/۵، رشيديه)

(۱) (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، أحكام الجنائز، فصل في زيارة القبور، ص: ۶۲۰، قديمي)

"ثم يدعوا قائماً طويلاً، وإن جلس يجلس بعيداً أو قريباً بحسب مرتبته في حال حياته".

(ردالمحتار، باب صلاة الجنازة، مطلب في زيارة القبور : ۲۴۲/۲، سعيد)

(۲) (شرح الفقه الأكبر للملا على القاري، ص: ۱۳۱، الدعاء للميت ينفع خلافاً للمعتزلة، قديمي)

يحكي عن أستاذه أبي بكر محمد بن إبراهيمؒ : لا بأس أن يقرأ على المقابر سورة الملك، سواء أخفى أو جهر، وأما غيرها فإنه لا يقرأ في المقابر، ولم يفرق بين الجهر والخفية. وإن قرأ القرآن عند القبور إن نوىٰ بذلك أن يؤنسه صوت القرآن، فإنه يقرأ، وإن لم يقصد ذلك فالله تعالىٰ يسمع قراءة القرآن حيث كانت، كذا في فتاوىٰ قاضي خان. ولومات رجلٌ وأجلس وارثُه على قبره من يقرأ، الأصحُّ أنه لايكره، وهو قول محمدؒ، كذا في المضمرات". فتاوىٰ عالمگیری، مصری: ٥/٣٦٠(١)۔

نفسِ قرأت میں اختلاف، جہراً اور خفیۃً میں اختلاف ہے، تعیینِ قرأت میں اختلاف، غرض! قرأت میں اختلاف ہے، ناظرہ اور حفظ کی کوئی تفصیل نہیں۔ بعض جگہ اس کا ایسا رواج اور اہتمام ہے کہ اس کو لازم اور ضروری سمجھا جاتا ہے، یہ ناجائز ہے اور تارک پر ملامت کی جاتی ہے، یہ سخت ممنوع ہے: "فكم من مباح يصير بالالتزام من غير لزوم والتخصص من غير خصوص مكروهاً، كما صرح به علي القاري في شرح المشكوة، اه". سباحة الفكر، ص: ٤٠(٢)۔

احتیاط یہ ہے کہ وہاں اس طرح تلاوت نہ کی جائے، بلکہ اپنے مکان یا مسجد میں تلاوت کرکے ثواب پہنچادیا جائے: "الأمر إذا دار بين الكراهة والإباحة، ينبغي الإفتاء بالمنع؛ لأن دفع مضرة أولى من جلب منفعة، فكيف لايكون أولىٰ من فعل أمر باح، وقد مرّ أن الإصرار على المندوب، يبلغه إلى حد الكراهة، اه". سعايه، ص: ٦٥(٣)۔ البتہ زیارتِ قبور میں اکیلے دعا کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

۲......میت کیلئے دعاء کرنا درست ہے(۴)، دعاء ایسی طرح نہ کی جائے جس سے دیکھنے والے کو شبہ

(١) (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب السادس عشر في زيادة القبور وقراءة القرآن عند المقابر: ٥/٣٥٠، رشيديه)

(٢) (سباحة الفكر في الجهر بالذكر من مجموعة رسائل اللكنوى: ٣/٣٤، إدارة القرآن، كراچى)

(وكذا في مرقاة المفاتيح، كتاب الصلوة، باب التشهد في الصلوة، (رقم الحديث: ٩٤٦): ٣/٣١، رشيديه)

(٣) (السعاية شرح شرح الوقاية، باب شروط الصلوة، قبيل فصل في القراءة: ٢/٢٦٥، سهيل اكيڈمی، لاهور)

(۴) "عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم كلما كان ليلتها من =

ہو کہ قبر سے کچھ مانگ رہے ہیں پڑھنے کا حکم نمبر: ا پر آ گیا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۹/محرم/۵۹ھ، صحیح: عبد اللطیف، ۹/محرم/۵۹ھ۔

قبر پر مراقبہ

سوال [۴۳۶۶]: قبرستان میں کسی مخصوص قبر پر مراقبہ کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ، حضرت شاہ عبد الحق صاحب محدث دہلویؒ، حضرت مجدد الف ثانیؒ، حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ، حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ کی کتابوں میں کسی بزرگ کے مزار پر مراقبہ کرنا موجود ہے، اس کا طریقہ تفصیل سے موجود ہے، بوادر النوادر، ص: ۸۸ میں ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

= رسول الله صلى الله عليه وسلم، يخرج من آخر الليل إلى البقيع، فيقول: "السلام عليكم دار قوم مؤمنين، وأتاكم ماتوعدون غداً مؤجلون، وإنا إنشاء الله بكم لاحقون، اللهم! اغفر لأهل بقيع الغرقد".

"(قوله: وإنا إنشاء الله بكم الخ) .... وفي هذاالحديث دليل استحباب زيارة القبور والسلام على أهلها والدعاء لهم والترحم عليهم". (الصحيح لمسلم مع شرحه للنووي، كتاب الجنائز، فصل في الذهاب إلى زيارة القبور: ۱/۳۱۳، قديمي)

"ومن آدابها أن يسلم بلفظ "السلام عليكم" ....، ثم يدعو قائماً، وإن جلس يجلس بعيداً أوقريباً بحسب مرتبته في حال حياته الخ". (ردالمحتار، باب صلاة الجنازة، مطلب في زيارة القبور: ۲/۲۴۲، سعيد)

"ولابأس بزيارة القبور والدعاء للأموات إن كانوا مؤمنين من غير وطء القبور". (البحر الرائق، كتاب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته، قبيل باب صلاة الشهيد: ۲/۳۴۲، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل السادس في الدفن الخ: ۱/۱۶۶، رشيديه)

(۱) "اول کچھ پڑھ کر بخشے، پھر آنکھیں بند کر کے تصور کرے کہ میری روح اس بزرگ کی روح سے متصل ہو گئی ہے اور اس سے =

9

قبر سے استفادہ کی صورت

سوال[۴۳۶۷]: اہل اللہ کی قبر سے استفادہ حاصل کرنے کا بطور صوفیہ کیا طریقہ ہے، اور ان کے مزار پر حسنِ اتفاق سے اگر جانا کبھی ہوگیا تو کیا کرنا چاہیے تاکہ ان کے فیضانِ روحانی سے طالب مستفیض ہو؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اول کچھ پڑھ کر بخشے، آنکھیں بند کر کے، تصور کرے کہ میری روح اس بزرگ کی روح سے متصل ہوگئی اور اس سے احوال خاصہ منتقل ہوکر پہونچ رہے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۱۱/۱۳۹۲ھ۔



=احوالِ خاصہ منتقل ہوکر پہونچ رہے ہیں''۔(بوادر النوادر، غریبہ:۵۷، در استفاضہ از اموات، ص: ۸۵، ادارہ اسلامیات، لاہور)

فصل في أطعمة الأسبوع والأربعين وغيرهما

(میت کے سوئم، چہلم وغیرہ کے کھانوں کا بیان)

سوم، چہلم وغیرہ کا ثبوت ہے یا نہیں؟

سوال[۴۳۶۸]: آج کل کے طریقہ کے مطابق کیا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام، حضرت امام حسن حسین، حضرات تابعین، حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ، حضرت غوث پاک عبدالقادر جیلانی اور حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمہم اللہ تعالیٰ نے بھی کسی کا سوم، دسواں، بیسواں، چہلم کیا ہے؟ ان مقدس صاحبان کے چہلم بھی کئے گئے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ان اسلافِ کرام واکابرِ عظام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ورحمہم اللہ تعالیٰ سے یہ بدعاتِ قبیحہ ثابت نہیں، وہ حضرات حد درجہ متبعِ سنت تھے، بدعات کے پاس نہیں جاتے تھے، ان کا بہت قابلِ قدر سرمایۂ حیات ہے، اخلاف کو ان کا اتباع لازم ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

سوم، چہلم وغیرہ

سوال[۴۳۶۹]: میت کے وارث میت کے نام پر چوتھے روز ودسواں وبیسواں وپندرہواں اور مولوی صاحبان وطلبہ کو کھانا کھلانا ان ایامِ مقررہ میں ایصال ثواب کے لئے شرع سے ثابت ہے یا نہیں؟ کیا کوئی دن شریعت کی جانب سے مقرر ہے تاکہ ایصال ثواب کریں؟

---

(۱) راجع، ص: ۲۷۱، رقم الحاشية: ۱، ۲، ۳)

الجواب حامداً ومصلياً:

ایصال ثواب بہت اچھی چیز ہے، خواہ نماز، قرآن شریف، تسبیح وغیرہ پڑھ کر ہو یا غرباء کو کھانا کپڑا وغیرہ کچھ دیکر ہو(۱)، لیکن تیجہ دسواں، بیسواں، چالیسواں شرعاً ثابت نہیں، بلکہ ایصال ثواب جس قدر جلد ممکن ہو بہتر اور نافع ہے اور یہ دسواں وغیرہ جو کچھ ہے محض رسم اور بدعت ہے(۲) جو کہ واجب الترک ہے، اگر ورثاء نابالغ ہوں تو میت کے ترکہ میں سے بغیر وصیت بلا تقسیم دینا درست نہیں، تقسیم کے بعد بالغ ورثہ اپنے حصہ میں سے دے سکتے ہیں، نابالغ کے حصہ میں سے دینا ناجائز ہے اور اگر میت نے وصیت کی ہو تو ایک تہائی میں وہ نافذ ہو سکتی ہے، زیادہ میں نافذ کرنے کے لئے جمیع ورثہ کی اجازت ضروری ہے اور نابالغ کی اجازت شرعاً معتبر نہیں، لہذا اس کے حصہ میں سے بعد اجازت بھی نافذ کرنا درست نہیں، ایک تہائی میں نافذ کرنے کے لئے بلوغ یا اجازت کی قید نہیں (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۸/ ذی الحجہ/ ۵۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ ہذا، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم، ۱۸/ ذی الحجہ/ ۵۸ھ۔

---

(۱) "فللإنسان أن يجعل ثواب عمله لغير عند أهل السنة والجماعة، صلاةً كان أو صوما أو حجاً أو صدقةً أو قراءةً للقرآن أو الأذكار أو غير ذلك من أنواع البر، ويصل ذلك إلى الميت، وينفعه، قال الزيلعي في باب الحج عن الغير". (مراقي الفلاح كتاب الصلوة، باب احكام الجنائز، فصل في زيارة القبور، ص: ۶۲۱، ۶۲۲، قديمي)

(والبحر الرائق، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۱۰۵/۳، رشيديه)

(والهداية، باب الحج من الغير، ۲۹۶/۱، مكتبه شركت علميه، ملتان)

(۲) "ويكره اتخاذ الضيافة ثلاثة أيام وأكلها؛ لأنها مشروعة للسرور ...... ويكره اتخاذ الطعام في اليوم الأول والثالث وبعد الأسبوع، والأعياد". (البزازية على هامش الهندية، قبيل الفصل السادس والعشرون في حكم المسجد: ۸۱/۴، رشيديه)

(وكذا في رد المحتار، باب صلوة الجنائز، مطلب في كراهة الضيافة من أهل الميت: ۲۴۰/۲، سعيد)

(۳) "وتجوز (أي الوصية) بالثلث للأجنبي عند عدم المانع وإن لم يجز الوارث لا الزيادة عليه .... ولا لوارثه .... إلا باجازة ورثته .... وهم كبار عقلاء فلم تجز إجازة صغير ومجنون". =

ایضاً

سوال[۴۳۷۰]: آج کل کے رائج طریقے سے سوئم، دسواں بیسواں، چہلم کرنا فرض، واجب، سنت، مستحب میں سے کیا ہے؟ ان کو نہ کرنے والے کو کیا کیا شرعی سزائیں اور آخرت کے عذاب کی وعیدیں آئی ہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

یہ چیزیں ادلۂ شرعیہ سے ثابت نہیں، بلکہ فقہاء نے ان کے بدعتِ ممنوعہ ہونے کی تصریح کی ہے جیسا کہ فتاویٰ بزازیہ(۱)، ردالمحتار وغیرہ میں مذکور ہے، اسلئے ان چیزوں کو ترک کیا جائے، فی نفسہ ایصالِ ثواب ہر نیک کام کا ہر وقت درست اور مفید ہے، اپنی طرف سے تخصیصات وتقییدات نہ کی جائیں:

"ويكره اتخاذ الضيافة من الطعام من أهل الميت؛ لأنه شرع في السرور لا في الشرور، وهي بدعة مستقبحة. روى الإمام أحمد وابن ماجة بإسناد صحيح عن جرير بن عبد الله قال: كنا نعد الاجتماع إلى أهل الميت وصنعهم الطعام من النياحة اهـ وفي البزازية ويكره اتخاذ الطعام في اليوم الأول والثالث وبعد الأسبوع، ونقل الطعام إلى القبر في المواسم، واتخاذ الدعوة لقرأة القرآن، وجمع الصلحاء والقراء للختم، أو لقراءة سورة الأنعام والإخلاص .... هذه الأفعال كلها للسمعة والرياء، فيحترز عنها؛ لأنهم لايدون بها وجه الله تعالى، الخ". شامي: ۱/۶۰۳(۲)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

گیارہویں وغیرہ

سوال[۴۳۷۱]: زید گیارہویں کرتا ہے اور اس میں امیروں کو یعنی صاحبِ زکوٰۃ کو اور اپنے رشتہ داروں کو بلاتا ہے اور کہتا ہے کہ اس پر ثواب ملے گا اور اس کا ثواب حضرت پیران پیر عبدالقادر صاحب رحمہ اللہ

= (الدر المختار مع تنوير الأبصار، كتاب الوصايا: ۶/۶۵۰-۶۵۵، ۶۵۶، سعيد)

(۱) (البزازية على هامش الهندية، كتاب الصلوة، قبيل الفصل السادس والعشرون في حكم المسجد: ۴/۸۱، رشيديه)

(۲)(رد المحتار على الدر المختار، كتاب الصلوة، باب صلوة الجنائز، مطلب في كراهة الضيافة من أهل الميت، ۲/۲۴۰، سعيد)

تعالیٰ کی روح کو پہنچے گا۔عمر کہتا ہے کہ صاحبِ زکوۃ کو ایسا مال کھانا جائز نہیں ہے بلکہ حرام اور گناہ ہے، کیونکہ گیارہویں ہی کرنا حرام ہے،قرآن مجید میں صاف ہے کہ وہ چیز جو پکاری جائے غیر کے لئے حرام ہے۔

بکر کہتا ہے کہ گیارہویں کا کھانا صاحب زکوۃ کو یعنی امیروں کو بلاکراہت جائز ہے،البتہ امراء کے کھانے سے اہل میت کو اور اس شخص کو جس کو ایصال ثواب کرنا ہے نہ پہونچے گا، باقی گیارہویں یا دیگر خیرات ونیاز امیر غریب سب کھاسکتے ہیں اس میں کوئی گناہ نہیں،اور دلیل میں پیش کرتا ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کنواں کھودنے کو فرمایا(۱) تو کنویں میں سب غریب امیر پانی پیتے تھے اور اس کا ثواب حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی والدہ صاحبہ کو ملتا ہے۔عمر کہتا ہے کہ یہ حدیث اول تو کمزور ہے اس کی اسناد قوی نہیں ہے(۲)۔پھر وہ وقف تھا، وقف اور خیرات میں بڑا فرق ہے،خیرات ونیاز محض غریبوں کا حق ہے۔

پس دریافت طلب یہ امر ہے کہ گیارہویں کرنا اور اس کے لئے پیسہ جدا نکال کر رکھنا کیسا ہے؟ اور امیروں کو کھانا حرام ہے یا ثواب ہے اور ہر وہ شخص جو غریب ہے اور مزدوری کرتا ہے اسی نذر معین کو کھا سکتا ہے یا نہیں؟ براہِ کرم، بحوالۂ کتب مفصل جواب ارقام فرمائیں۔

بندہ منظور احمد عفی عنہ۔

الجواب حامداًومصلياً:

نفسِ ایصال ثواب بغیر التزام تاریخ وہیئتِ غیر ثابتہ کے شرعاً درست اور فائدہ مند ہے(۳)،لیکن گیارہویں مروجہ بدعت اور ناجائز ہے(۴)۔کسی بزرگ کے لئے نذر ماننا حرام اور شرک ہے(۵)،وہ کھانا جائز

(۱)"عن سعد بن عبادة رضي الله تعالىٰ عنه قال: يا رسول الله! إن أم سعد ماتت، فأيّ الصدقة أفضل؟ قال: "الماء". فحفر بئراً وقال: هذه لأم سعد". رواه أبو داؤد والنسائي". (مشكوة المصابيح، كتاب الزكوة، باب فضل الصدقة، ص: ١٦٩، قديمي)

(۲) أبوداؤد اور نسائی دونوں نے اس کو نقل کیا ہے،لہذا اسناد اس کی کمزور نہیں، بلکہ صحیح ہے۔

(۳) (تقدم تخريجه تحت عنوان: "سوم چہلم وغیرہ")

(۴) (تقدم تخريجه من الفتاوى البزازية تحت عنوان: "سوئم چہلم وغیرہ")

(۵) (راجع، ص: ۲۷۳، رقم الحاشية: ۴)

نہیں، البتہ خداوند تعالیٰ کے لئے نذر ماننا اور اس کا ثواب کسی بزرگ کو پہنچانا درست ہے(۱)، اور یہ کھانا فقراء اور محتاجوں کا حق ہے، کسی مالدار کو کھانا جائز نہیں (۲)۔ صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کنویں سے استدلال صحیح نہیں وہ بطور نذر نہیں تھا بلکہ وہ عام مومنین امیر وغریب سب کے لئے وقف تھا (۳)۔

"أعلم أن النذر الذي يقع للأموات من أكثر العوام وما يؤخذ من الدراهم والشمع والزيت ونحوها إلى ضرائح الأولياء الكرام تقرباً إليهم فهو باطل وحرام. قال في البحر: بوجوه: منها أنه نذر لمخلوق، ولا يجوز؛ لأنه عبادة، والعبادة لاتكون لمخلوق. ومنها أن المنذور له ميت، والميت لا يملك. ومنها أنه إن ظن أن الميت يتصرف في الأمور دون الله تعالى كفر. أللهم! إلا أن يقول: يا الله! نذرت لك إن شفيت مريضي أورددت غائبتي .... أوزيتاً لوقودها أو دراهم لمن يقوم شعائرها إلى غير ذلك مما يكون فيه نفع للفقراء، والنذر لله عزوجل۔

وذكر الشيخ: إنما هو بيان لمحل صرف النذر لمستحقيه القاطنين برباطه أو مسجده، فيجوز بهذا الاعتبار، إذ مصرف النذر الفقراء وقد وجد، ولا يجوز أن يصرف ذلك إلى غنى محتاج إليه ولا لشريف منصب؛ لأنه لا يحل له الأخذ مالم يكن محتاجاً فقيراً، ولا لذي نسب لأجل نسبه مالم يكن فقيراً، ولا لذي علم لأجل علمه مالم يكن فقيراً. ولم يثبت في الشرع جواز الصرف للأغنياء للإجماع على حرمة النذر للمخلوق، ولا ينعقد، ولا تشتغل به الذمة؛ لأنه حرام بل سحت". طحطاوی، ص: ۳۷۸، ۳۷۹ (٤)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/ ۶/ ۶۴ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، ۱۰/ جمادی الثانیہ/ ۶۴ھ۔

---

(۱) (تقدم تخريجه تحت عنوان: "سوم چہلم وغیرہ")

(۲) "الوصية المطلقة لا تحل للغني؛ لأنها صدقة، وهي على الغني حرام". (الدرالمختار، كتاب الوصايا، فصل في وصايا الذمي وغيره: ۶/ ۶۹۸، سعيد)

(۳) "في النهر عن المحيط: لووقف على الأغنياء وَحْدَهم، لم يجز؛ لأنه ليس بقربة، أما لو جعل آخره للفقرآء، فإنه يكون قربة في الجملة". (رد المحتار، كتاب الوقف: ۴/ ۳۳۸، سعيد)

(۴) (حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم ومالا يفسد، قبيل باب=

تیجہ دسواں کا کھانا

سوال[۴۳۷۲] : تیجا، دسواں، بیسواں، چالیسواں کھانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ناجائز ہے(۱)، البتہ جو شخص فقیر محتاج ہو اس کو کھانے کو نہ ملتا ہو اس کے لئے جائز ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین المفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵۶/۶/۱۹ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، مظاہر علوم، الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۲۱/ جمادی الثانیہ/ ۵۶ھ۔

تیجہ مسجد پر یا مکان پر؟

سوال[۴۳۷۳] : تیجہ جس میں چنے پر کلمہ طیبہ اور قرآن خوانی اور پھولوں کا عرق گلاب میں ڈبونا اندرونِ مسجد، یہ فعل کیسا ہے؟ کیونکہ مولانا عبد الحق صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کتاب آداب الصالحین میں لکھا ہے کہ سیپارۂ قرآن کو مسجد میں پڑھنا اور قرآن خوانی مسجد میں مکروہ ہے۔ یا چنے و پھول ڈبونا اور غم کے واسطے مسجد میں بیٹھنا کیسا ہے؟ اور اگر مکانوں میں صرف قرآن خوانی کرائے، بلا پابندیٔ رسم و رواج، تو کیسا ہے؟

= الاعتكاف: ۱/۴۷۱-۴۷۲، دار المعرفة، بيروت)

(وحاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصوم، باب ما يلزم الوفاء به، ص: ۶۹۳، قديمي)

(۱) "ويكره اتخاذ الضيافة ثلاثة أيام وأكلها؛ لأنها مشروعة للسرور .... ويكره اتخاذ الطعام في اليوم الأول والثالث وبعد الأسبوع والأعياد". (الفتاوى البزازية، كتاب الصلوة، قبيل الفصل السادس والعشرون في حكم المسجد: ۴/۸۱، رشيديه)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿فمن اضطر في مخمصة غير متجانف لإثم، فإن الله غفور رحيم﴾ (المائدة:۳)

قال العلامة الآلوسي: "﴿فمن اضطر﴾ .... والاضطرار الوقوع في الضرورة: أي فمن وقع في ضرورة تناول شئ من هذه المحرمات، ﴿في مخمصة﴾: أي مجاعة تخمص لها البطون ...... ﴿فإن الله غفور رحيم﴾ لا يؤاخذه بأكله". (روح المعاني: ۶/۶۲، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

الجواب حامداً ومصلياً:

قرآن شریف پڑھنا اور ایصال ثواب کرنا بلا التزامِ تاریخ وہیئت وغیرہ کے مسجد میں اور مکان میں درست اور ثواب (۱) تیجہ مروجہ وغیرہ بدعت ہے (۲)۔ غم کے واسطے مسجد میں بیٹھنا تا کہ لوگ تعزیت کریں، مکروہ ہے، ردالمحتار: ۱/۹٤۱ (۳)۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفی اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳۰/۷/٦۱ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۴/شعبان/٦۱ھ۔

دفنِ میت سے پہلے کھانا

سوال [۴۳۷۴]: اگر کسی گاؤں میں میت ہو جائے تو جب تک اس کو دفنا نہ دیں تو ان گاؤں والوں پر کھانا پانی جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جائز ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۹/٦/٥٦ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۱/٦/٥٦ھ۔

میت کے گھر کھانا

سوال [۴۳۷۵]: ہمارے علاقہ میں کوئی ضعیف العمر مرد یا عورت مر جائے تو اسی روز یعنی وفات کے دن مرنے والے کے وارث کا کھانا یعنی چاول پکا کر گھی اور شکر کے ساتھ جتنے لوگ بھی نمازِ جنازہ میں امیر

---

(۱) (تقدم تخريجه تحت عنوان: ''سوم چہلم وغیرہ'')

(۲) (المرجع السابق: ''سوم چہلم وغیرہ'')

(۳) "وبالجلوس لها (أي للتعزية) في غير مسجد ثلاثة أيام". (الدر المختار). "أما فيه فيكره ..... قلت: وهل تنتفي الكراهة بالجلوس في المسجد وقراءة القرآن حتى إذا فرغوا، قام وليُّ الميت وعزاة الناس كما يفعل في زماننا؟ الظاهر لا، لكون الجلوس مقصوداً للتعزية لا للقراءة." (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب صلوة الجنائز، قبيل مطلب في زيارة القبور: ۲/۲٤۱، سعيد)

وغریب شریک ہوں سب کو کھلاتے ہیں، بعض لوگوں کو تو سب کچھ مہیا ہوتا ہے اور بعض کو کافی قرض اٹھانا پڑتا ہے۔ اگر مرنے والے کے وارث غریب ہوں اور اس رسم کو ادا نہ کریں تو خوب لعن طعن کیا جاتا ہے، اس لئے امیر وغریب کو یہ رسم مجبوراً کرنی پڑتی ہے۔ شریعت کے حکم سے مطلع فرمادیں کہ فقہائے کرام کیا فرماتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جس کے مکان میں کوئی میت ہو جائے وہ لوگ میت کی تجہیز وتکفین میں مشغول رہتے ہیں، کھانا پکانے کی ان کو مہلت نہیں ملتی، اس لئے ان کے واسطے دوسرے لوگ کھانا پکا کر بھیج دیں، اہل میت میں سے جو شخص نہ کھلائے اس پر لعنت کرنا حرام ہے، ورثہ میں اگر نابالغ ہوں تو ان کا مال کھانا بھی حرام:

"قال في الفتح: ويستحب لجيران أهل الميت والأقرباء الأباعد تهيئة طعام لهم يشبعهم يومهم وليلتهم لقوله صلى الله عليه وسلم: "اصنعوا لآل جعفر طعاماً، فقد جاء هم ما يشغلهم". حسّنه الترمذى. ويكره اتخاذ الضيافة من الطعام من أهل الميت؛ لأنه شرع في السرور لا في الشرور، وهي بدعة مستقبحة. وروى الإمام أحمد و ابن ماجة بإسناد صحيح عن جرير بن عبد الله رضى الله تعالىٰ عنه قال: "كنا نعد الاجتماع إلى أهل الميت وصنعهم الطعام من النياحة، اه". وفى البزازية: ويكره اتخاذ الطعام في اليوم الأول والثالث وبعد الأسبوع، ونقل الطعام إلى القبر في المواسم .... وهذه الأفعال كلها للسمعة والرياء، فيحترز عنها؛ لأنهم لايريدون بها وجه الله تعالىٰ .... ولا سيما إذا كان في الورثة صغار .... وما كان كذلك فلا شك في حرمته، اه". الدر المختار: ۶۰۳/۱، نعمانيه (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۱۱/۱۷ھ۔

---

(۱)(رد المحتار، باب صلوة الجنازة، مطلب في كراهة الضيافة من أهل الميت: ۲۴۰/۲، سعيد)

(وكذا في البزازية على هامش الهندية، كتاب الصلوة، قبيل الفصل السادس والعشرون في حكم المسجد: ۸۱/۴، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، باب صلوة الجنازة، قبيل باب الشهيد: ۱۴۲/۲، مصطفى البابي الحلبي مصر)

میت کے گھر کھانا

سوال[۴۳۷۶]: تعزیت کرنے والا اہلِ میت کے یہاں کھانا کھا سکتا ہے یا نہیں؟ کیونکہ علماء نے مدلل لکھدیا ہے کہ اہلِ میت کے یہاں کھانا نہ کھائے، تین روز تک کے لئے اہل میت کے یہاں کچھ نہ کھانے کے متعلق اور دسویں چالیسویں کے بارے میں تو تحقیق ہے، مگر عرض یہ ہے کہ بغیر کسی مقررہ ومعینہ وقت کے تعزیت کے لئے اہلِ میت کے یہاں چلے جائیں تو اہلِ میت تعزیت کنندگان کے لئے جو کھانا تیار کریں اس کا کھانا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

''طعامِ اہلِ میت'' وہ ہیں، جو رواجاً اہلِ میت کے ذمہ تیجہ، دہم، چہلم وغیرہ کے طور پر لازم کردیا جائے (۱)۔ اہل میت کو میت کی تجہیز وتکفین اور غم وحزن کی وجہ سے پکانے کی فراغت نہیں ہوتی، تو ایک دن، دو وقت کا کھانا قرابت دار لوگ ان کے پاس بھیج دیں، اگر اہل میت خود پکائیں تب بھی منع نہیں۔ جو شخص بطور مہمان تعزیت کے لئے آیا ہے، اہل میت اس کو اپنے ساتھ کھلائیں گے وہ منع نہیں، یہ خیال کہ تین روز تک اہل میت کے گھر کوئی چیز نہ کھائی جائے اغلاط العوام میں سے ہے۔ فقط واللہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، یکم/ جمادی الاول/ ۹۰ھ۔

انتقالِ میت پر کھانا دینا

سوال[۴۳۷۷]: اگر کسی کا انتقال ہو جائے تو رسم ہے کہ اس کی خوراک کا کھانا مسجد میں پہونچاتے ہیں، کیا یہ درست ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

مرنے کے بعد اس کی خوراک کا سوال ختم ہوگیا، جو کچھ اس نے چھوڑا ہے، ترکہ ہے جو کہ ورثاء کا حق ہے، بالغ ورثاء حسبِ توفیق جو کچھ مشروع طریقہ پر ثواب پہونچائیں تو مفید اور نافع ہے (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/ ۶/ ۹۰ھ۔

---

(۱) (تقدم تخريجه في مواضع عديدة)

(۲) "الأصل فيه أن الإنسان له أن يجعل ثواب عمله لغيره صلاةً أو صدقةً أو قراءة قرآن أو ذكراً أو =

طعام المیت

سوال[۴۳۷۸]: تعینِ دن یا بلاتعین کے رشتہ داروں وعام لوگوں کا کھانا مردہ کے لئے ثواب کی نیت سے کرتے ہیں، اگر کسی کو کھانا نہ کھلایا جائے تو وہ بُرا مانتا ہے، مگر ایک عالم صاحب کے قول کے مطابق یہ کھانا فقط غرباء کے لئے ہے اگر وسعت ہے، امیر کو کھلانے سے ثواب نہ ہوگا۔ مزید یہ کہ یوں ثواب کی نیت کے بجائے مُردہ پر جو فرائض رہ گئے ہیں ان میں سے حتی الوسع کسی کی نیت کر کے فقط غرباء کو غلہ، یا پکا ہوا کھانا کھلایا جائے، یا پیسے دیئے جائیں، تاکہ مروجہ رخ بدل کر ایک صحیح نیک عمل ہو اور فرض کی ادائیگی ہو سکے، اس میں مردہ کا زیادہ فائدہ ہے۔ کیا دلائلِ اربعہ میں سے اس کا کوئی ثبوت ہے؟ تو براہ کرم پیش فرمایا جائے۔ نیز عام لوگوں کے نام پر نیت کیا ہوا کھانا اپنے لئے ناجائز سمجھتے ہیں۔ کیا کسی درجہ میں کراہت ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایصالِ ثواب کے لئے اگر کچھ صدقہ دیا جائے تو وہ غرباء کو دیا جائے، رشتہ داروں کو تقریب کی صورت میں جمع کرنا اور کھلانا غلط طریقہ ہے، یہ صورت خیر القرون سے ثابت نہیں، عامۃً یہ ناموری اور فخر کے لئے کیا جاتا ہے ایسے کھانے کو حدیث شریف میں منع فرمایا گیا ہے:

"عن عكرمة عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم نهى عن طعام المتبارئين أن يوكل". رواه أبو داؤد". مشكوٰة شريف، ص: ۲۷۹ (۱)۔ "إنما كره لما فيه من المباهات، اه". مرقاة(۲)۔ "يكره اتخاذ الضيافة من الطعام من أهل الميت؛ لأنه

= طوافاً أو حجاً أو عمرةً أو غير ذلك عند أصحابنا بالكتاب والسنة". (البحر الرائق، باب الحج عن الغير: ۱۰۵/۳، رشيديه)

"ويصل ذلك إلى الميت وينفعه". (مراقي الفلاح، كتاب الصلوٰة، باب زيارة القبور، ص: ۲۲۲، قديمي)

(۱) (مشكوة المصابيح، كتاب النكاح، باب الوليمة، الفصل الثاني، ص: ۲۷۹، قديمي)

(سنن أبي داؤد، كتاب الأطعمة، باب في طعام المتبارين: ۵۲۷/۲، مكتبه دار الحديث ملتان)

(۲)(المرقاة شرح المشكوٰة، كتاب النكاح، باب الوليمة، الفصل الثاني: ۳۷۶/۶، رشيديه)

شرع في السرور لا في الشرور، وهي بدعة مستقبحة. رواه الإمام أحمد وابن ماجة بإسناد صحيح عن جرير بن عبد الله رضي الله تعالىٰ عنه قال: كنا نعد الاجتماع إلىٰ أهل الميت وضنعهم الطعام من النياحة، اه"......... وهٰذه الأفعال كلها السمعة والرياء، فيحترز عنها؛ لأنهم لا يريدون بها وجه الله تعالى، اه". شامي: ۱/ ۶۰۳(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

توشۂ میت

سوال[۴۳۷۹]: ہر جمعرات کو فاتحہ خوانی کرنا کہ اس سے روحیں خوش ہوتی ہیں، اسی طرح میت کے ساتھ توشہ یعنی دفن کرنے سے پہلے گندم، نمک، صابن وغیرہ تقسیم کرنا عندالشرع ثابت ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

نفسِ ایصالِ ثواب بلا کسی غیر ثابت شدہ پابندی کے مفید اور نافع ہے اور کتبِ حدیث وفقہ سے ثابت ہے، کسی دن کی پابندی مثلاً: ''جمعرات کی پابندی ثابت نہیں بلکہ بدعت ہے۔ اسی طرح کسی تاریخ کی پابندی مثلاً: ۱۱/ ربیع الثانی، ۱۵/ شعبان، ۱۰/ محرم وغیرہ کی پابندی ثابت نہیں، یہ بھی بدعت ہے۔ اسی طرح کسی شیٔ کی پابندی مثلاً: حلوہ، کھچڑا، شربت، پیڑے وغیرہ بھی ثابت نہیں، یہ بھی بدعت ہے۔ اسی طرح کسی جگہ، کسی ہیئت وغیرہ کی پابندی بدعت ہے، میت کے ساتھ توشۂ مسئولہ بھی ثابت نہیں بدعت ہے، طحطاوی شرح مراقی الفلاح میں اس کی تصریح موجود ہے(۲)۔واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) (ردالمحتار، باب صلوٰة الجنازة، مطلب في كراهة الضيافة من أهل الميت: ۲/ ۲۴۰، سعيد)

(وكذا في البزازية على هامش الهندية، كتاب الصلوٰة، قبيل الباب السادس والعشرين في أحكام المسجد: ۴/ ۸۱، رشيديه)

(وفتح القدير، باب الجنائز، قبيل باب الشهيد: ۲/ ۱۴۲، مصطفى البابي الحلبي، مصر)

(۲)"(ويكره الجلوس على باب الدار) قال في شرح السيد: ولا بأس بالجلوس لها إلى ثلاثة أيام من غير ارتكاب محظور من فرش البسط، والأطعمة من أهل الميت، اهـ. فإن حمل قول المصنف: ويكره الجلوس الخ، على ما إذا كان بمحظور، ارتفعت المخالفة .... وكونه على باب الدار مع فرش بسط على قوارع الطريق من أقبح القبائح". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلوٰة، قبيل فصل في زيارة القبور، ص: ۶۱۷، قديمي)

باب المتفرقات

ہندوستان سے پاکستان جاکر مرنا

سوال[۴۳۸۰]: ہندوستان سے پاکستان جاکر مرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ جانا کس لئے ہے اور کیا مرنا اختیاری فعل ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۷/صفر/۶۸ھ۔

میت کے گھر سے سارا پانی گرادینا، نمازِ جنازہ کی اجرت

سوال[۴۳۸۱]: جس گھر میں موت ہوجائے اس گھر کا تمام پانی پھینک دیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ اس پانی میں فرشتے چھری دھوتے ہیں۔ حقیقت کیا ہے؟ تحریر فرمائیں۔ جنازہ کی نماز پڑھانے کی اجرت لینا کیسا ہے؟

---

(۱) موت غیر اختیاری چیز ہے اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی کو یہ علم نہیں کہ میں کب مرونگا اور کدھر مروں گا: قال اللہ تعالیٰ: ﴿إن اللہ عنده علم الساعة، و ينزّل الغيث، و يعلم ما في الأرحام، و ما تدري نفس ما ذا تكسب غداً، و ما تدري نفس بأيّ أرض تموت﴾ الآية (سورة لقمان، پ: ۲۱، آية: ۳۴)

قال ابن كثير تحت هذه الآية: "أي ليس أحد من الناس يدري أين مضجعه من الأرض أفي بحر أم برّ، أوسهل أو جبل". (تفسير ابن كثير: ۴۵۵/۳، سهيل اكيڈمي لاهور)

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: (روح المعاني: ۲۱/ ۱۱۱، ۱۱۲، دار احياء التراث العربي بيروت)

"لأن أحداً من الناس لا يدري بأي أرض يموت". (التاتارخانيه، كتاب الصلاة، الفصل الثاني والثلاثون في الجنائز، نوع آخر من هذا الفصل في القبر والدفن: ۱۷۲/۲، إدارة القرآن كراچي)

الجواب حامداً ومصلياً:

بے بنیاد اور افواہ ہے، ملائکہ کو چھری سے کوئی واسطہ نہیں (۱)۔ نماز جنازہ کی اجرت جائز نہیں: ''ان المفتي به هوليس جواز الاستيجار على كل طاعة'' (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۵/۹/۸۷ھ۔

حاملہ مرجائے تو وضعِ حمل کی کیا صورت ہے؟

سوال [۴۳۸۲]: اگر حاملہ عورت اپنے حمل کے وضع ہونے سے قبل مرگئی تو اس کا حمل اس کے پیٹ میں اسی طرح موجود ہے، اس عورت کا وضع حمل کس طرح سے ہوگا؟ قبر کے اندر وضع حمل ناممکن ہے تو جب قیامت کے دن مردے قبروں سے نکلیں گے تو وہ حمل پیٹ میں رہے گا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اس کی تحقیق نہیں، حدیث میں صاف صاف دیکھنا یاد نہیں (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

---

(۱) "عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: قال النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه فهو ردٌ". (صحيح البخاري، كتاب الصلح، باب إذا اصطلحوا على صلح جور فهو مردود: ۱/۳۷۰، قديمي)

"أنها (أي البدعة) ما أحدث على خلاف الحق المتلقى عن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم من علم أو عمل أو حال، بنوع شبهة واستحسان، وجعل ديناً قويماً وصراطاً مستقيماً". (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مطلب: البدعة خمسة أقسام: ۱/۵۶۰، سعيد)

(۲) (رد المحتار، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۶/۵۶، سعيد)

"والأصل أن كل طاعة يختص بها المسلم، لايجوز الاستيجار عليه عندنا". (الهداية، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۳/۳۰۱، مكتبه شركة علميه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۶/۱۱۷، سعيد)

(۳) حدیث سے صرف اتنی بات ثابت ہے کہ حاملہ عورت اگر مرجائے تو شہید ہے: "قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: =

جنازہ کی چادر، چٹائی، چارپائی صدقہ کرنا

سوال[۴۳۸۳]: مُردہ کے اوپر جو کپڑا بطور پردہ یا حفاظت کے دیا جاتا ہے وہ اور جو چٹائی اور چارپائی کے اوپر اور مُردہ کے نیچے دی جاتی ہے وہ دونوں چیزیں مسجد میں دینا اولیٰ ہے یا فقراء کو؟

الجواب حامداً ومصلياً:

یہ دونوں چیزیں وارثوں کی ملک ہیں، جہاں ان کا دل چاہے صرف کریں، اپنے مکان میں بھی اپنی ضرورت کے لئے استعمال کر سکتے ہیں، خاص کر جب کہ تنگ دستی ہو تو اپنے ہی استعمال میں لانا بہتر ہے، ان کا صدقہ کرنا لازم نہیں، غریبوں کو بھی دے سکتے ہیں، مسجد میں بھی دے سکتے ہیں (۱)، لیکن اس کا خیال رہے کہ وارثوں میں کوئی نابالغ نہ ہو، نابالغ کا حصہ صدقہ کرنا جائز نہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/ ۷/ ۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/ ۷/ ۸۹ھ۔

= "الشهادة سبع سوى القتل في سبيل الله: المطعون شهيد، والغرق شهيد، وصاحب ذات الجنب شهيد، والمبطون شهيد .... والمرأة تموت بجمع شهيد". (سنن أبي داؤد، كتاب الجنائز، باب في فضل من مات بالطاعون: ۲/ ۸۷، إمداديه ملتان)

قال الملاعلي القاري رحمه الله تعالىٰ تحته :"في النهاية: أي تموت وفي بطنهاولدٌ ......وقال بعض الشراح .... أي تموت وولدهافي بطنها". (مرقاة المفاتيح، كتاب الجنائز ، باب عيادة المريض وثواب المرض، الفصل الثاني (رقم الحديث: ۱۵۶۱): ۴/ ۳۹، رشيديه)

(وكذافي بذل المجهود ، كتاب الجنائز ، باب في فضل من مات بالطاعون: ۵/ ۱۸۲، إمداديه ملتان)

(۱) "وصرح علماء نافي باب الحج عن الغير بأن للإنسان ان يجعل ثواب عمله لغيره صلاةً أو صوماً أو صدقةً أو غير ذلك، الخ". (ردالمحتار، باب صلاة الجنازة، مطلب في القراءة للميت وإهداء ثوابها له : ۲/ ۲۴۳، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۳/ ۱۰۵، رشيديه)

(۲) "ويكره اتخاذ الضيافة من الطعام من أهل الميت .... ولا سيماً إذا كان في الورثة صغارأو غائب، الخ". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب صلاة الجنازة، مطلب في كراهة الضيافة من أهل الميت: ۲/ ۲۴۰، ۲۴۱، سعيد)

ماں کا بیٹے سے ناراض ہوکر جنازہ کو ہاتھ لگانے سے منع کرنا

سوال[۴۳۸۴]: میری والدہ ماجدہ کچھ عرصہ پہلے مجھ سے ناراض ہوگئی تھیں اس وقت میری والدہ نے یہ کہا کہ تو میرے جنازہ کو ہاتھ بھی نہ لگانا، اب کچھ دنوں سے ان کا غصہ ٹھنڈا ہے مگر میرے یہاں کھانا وغیرہ نہیں کھاتیں ہیں اور کہتی ہیں کہ کھانا جب کھاؤنگی جب دارالعلوم دیوبند سے فتویٰ آجائے گا کہ میرے یہ کہنے کا کہ میرے جنازہ کو ہاتھ نہ لگانا کیا کفارہ ہے، وہ ادا کردوں تب کھانا وغیرہ کھاؤنگی، لہذا اس بارے میں فتویٰ صادر فرمادیں، عین نوازش ہوگی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر والدہ نے غصہ میں یہ کہدیا تھا کہ میرے جنازہ کو ہاتھ نہ لگانا، پھر وہ غصہ ختم ہوگیا اور آپ کے مکان پر کھانا کھانے سے ان کو اپنے اس قول کی وجہ سے عذاب کا خطرہ ہے تو شرعاً یہ عذر معتبر نہیں ان کو آپ کے یہاں کھانا بلاشبہ درست اور جائز ہے، کوئی کفارہ ان پر یا آپ پر لازم نہیں .... جنازہ کو ہاتھ لگانا بھی منع نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۵/۸۹ھ۔

حیلۂ اسقاط

سوال[۴۳۸۵]: میت کو جنازہ گاہ میں لوگ لیجاتے ہیں تو قبل از جنازہ ایک قرآن شریف لے کر ایک دوسرے کے ہاتھ پکڑا کر طواف کراتے ہیں، بعدہ کچھ رقم ملا صاحب کو دیجاتی ہے، یہ افعال بنیتِ اسقاط معاصی کے لئے کئے جاتے ہیں اور یہ ایک حیلہ سمجھا جاتا ہے۔ کیا یہ مسئلۂ اسقاط کسی حدیث نبویہ یا کسی صحابہ یا کسی ائمۂ مجتہدین میں سے ثابت ہے یا نہیں؟ بینوا بالبرہان وتوجروا۔

بندہ خان محمد عفی عنہ، ۵/ ذی قعدہ/ ۵۴ھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ طریقۂ اسقاط معاصی کا بے اصل ہے، بدعت اور ناجائز ہے (۱)۔ اگر ملا صاحب غریب اور مستحق ہیں

(۱) "عن عائشة –رضي الله تعالىٰ عنها– قالت: قال النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من أحدث في =

تو ان کو خیرات کرنا اور میت کو ثواب پہونچانا درست ہے، اسی طرح دوسرے غرباء کو کھانا دینا، یا رقم نقد دینا، یا کپڑا، یا اَور کوئی چیز ایصالِ ثواب کی نیت سے دینا مستحسن ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۷/۱۱/۵۴ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

ایضاً

سوال [۴۳۸۶]: اس علاقہ میں رواج ہے کہ جب میت ہوجاتی ہے تو نماز جنازہ کے بعد میت کے پاس بیٹھ کر چند لوگ قرآن شریف لے لیتے ہیں اور اس کے ساتھ کچھ حیلہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ قرآن میت کے گناہ کا ضامن ہوجاتا ہے، اس کو یہ لوگ حیلۂ اسقاط کہتے ہیں۔ نیز یہ کہتے ہیں کہ جب مقدمہ چل جاتا ہے تو عدالت میں کوئی سفارشی چاہئے جو سفارش کرے، لہٰذا قرآن ہمارا سفارشی ہے اس لئے حیلہ کرتے ہیں۔ بندہ ان چیزوں کا مخالف ہے کہ یہ قرآن کی توہین ہے، جب زندگی میں عمل نہ کیا تو اب کیا سفارش ہے؟

= أمرنا هذا ماليس منه فهورد". (صحيح البخاري، كتاب الصلح، بابٌ: إذا اصطلحوا على صلح جور فهومردود: ۱/۳۷۰، قديمي)

"وعرّفها (أي البدعة) الشمنيّ بأنها ماأحدث على خلاف الحق المتلقى عن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم من علم أوعمل أوحال بنوع شبهة واستحسان، وجعل ديناً قويماً وصراطاً مستقيماً". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مطلب: البدعة خمسة أقسام: ۱/۵۶۰، سعيد)

(۱) "والأصل فيه أن الإنسان له أن يجعل ثواب عمله لغيره صلوةً أوصوماً أوصدقةً أو قراءة قرآن أوذكراً، أوطوافاً، أوحجاً، أوعمرةً، أوغير ذلك عند أصحابنابالكتاب والسنة". (البحر الرائق، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۳/۱۰۵، رشيديه)

"أن الإنسان له أن يجعل ثواب عمله لغيره صلاةً أوصوماً أوصدقةً أوغيرهاعند أهل السنة والجماعة". (الهداية، كتاب الحج، باب الحج عن الغ ِ: ۱/۲۹۶، مكتبه شركة علميه ملتان)

(وكذافي التاتارخانية، كتاب المناسك، الفصل الخامس عشر في الرجل يحج عن الغير: ۲/۵۴۵، إدارة القرآن كراچی)

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ صورت کہ میت کے گناہ بخشوانے کے لئے اس کی نماز جنازہ کے بعد قرآن کریم لیکر بیٹھ جائیں اور کوئی حیلہ کریں کسی شرعی دلیل سے ثابت نہیں، نہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ سے ایسا منقول ہے، نہ ان کے کسی تلمیذ مجتہد سے، اس کو شرعی چیز سمجھنا غلط ہے اس کو ترک کیا جائے (۱)۔ البتہ میت کے لئے ایصال ثواب خوب کیا جائے خواہ قرآن شریف پڑھ کر ہو یا نفل نماز پڑھ کر ہو یا صدقہ غریبوں کو دیکر ہو یا نفل روزے رکھ کر ہو، غرض کوئی بھی نیک کام کر کے ہو۔ ایصال ثواب میں بھی اپنی طرف سے کوئی غیر ثابت چیز نہ کیا جائے، مثلاً کسی تاریخ یا دن کی پابندی، یا کسی ہیئت کا التزام وغیرہ (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۲/۹۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

جنازہ کے بعد فدیہ نماز کا حیلہ

سوال [۴۳۸۷]: ۱...... ایک شخص نے وصیت کی کہ میری کچھ نمازیں رہ گئیں تھیں جن کو میں قضا نہ کرسکا، اس لئے میری نمازوں کا فدیہ ادا کرنا۔ اب اگر اس کا صحیح فدیہ ادا کیا جائے تو اس کے گھر میں اتنا مال نہیں اور ورثاء میں بھی مقدور نہیں کہ اپنی طرف سے ادا کردیں تو کیا اگر فدیہ حیلہ کے ساتھ ادا کیا جائے یعنی جتنا فدیہ پورا بنتا تھا اس قیمت کے عوض ایک قرآن شریف ایک مسکین پر فروخت کیا جائے، بعدہ اس سے کہا جائے کہ جو تم پر قرضہ ہوگیا تھا تم کو اس میت کے فدیہ میں بخشدیا ہے شاید کہ اللہ جل شانہ اس کی خلاصی فرمادیں۔ تو کیا خلاصی کی امید پر اس طرح کا حیلہ کرنا جائز ہے جس طرح طلاق اضافی کے متعلق فقہاء یہ لکھتے ہیں یا کہ نہیں؟

۲...... اگر ورثاء شرعاً کرنا چاہیں یعنی اس نے وصیت نہیں کی بلکہ ورثاء اپنی طرف سے کریں تو کیا ان کے لئے کوئی جواز کی صورت ہے یا کہ نہیں؟ مدلل تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

بحالتِ افلاس اس نوع کے حیلہ کی اجازت ہے، مگر یہ قرآن شریف فروخت کرنے کی ضرورت نہیں

---

(۱) (تقدم تخریجه تحت المسئلة السابقة)

(۲) (تقدم تخریجه تحت المسئلة السابقة)

بلکہ ایک ثلثِ ترکۂ میت مصرف زکوٰۃ کو دیا جائے اور حساب کر کے دیکھ لیا جائے کہ کس قدر نمازوں کا فدیہ اس کے ذریعہ سے ادا ہو گیا، پھر وہ فقیر اس ثلث ترکہ کو میت کے وصی کو ہبہ کر دے، اس کے بعد پھر وصی فقیر کو دیدے ثم وثم، یہاں تک کہ کل نمازوں کا فدیہ ادا ہو جائے، یہ اس وقت ہے جب کہ کل فدیہ ایک ثلث ترکہ سے ادا نہ ہوسکتا ہو، نیز یہ حیلہ لازم وواجب نہیں۔ بعض اطراف وبلاد میں اس حیلہ کا التزام ہے خواہ میت کے ترکہ میں وسعت ہو یا نہ ہو یہ ناجائز ہے، اس لئے ایسے واقعے پر احتراز لازم ہے بلکہ جس قدر ثلث ترکہ سے ادا ہوسکتا ہو، ادا کر دیا جائے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲/ ذی الحجہ/ ۶۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

مصنوعی دانتوں کا قبر میں جانا

سوال[۴۳۸۸]: میرے دانت مصنوعی ہیں اس میں چند اصلی ہیں، اگر میں مر گیا اور وہ دانت میرے منہ میں رہ گئے تو اس کے بارے میں قرآن وحدیث وفقہ کی روشنی میں مستند حوالات کے ساتھ تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر آپ کے مصنوعی دانت آپ کے منہ میں بعد الموت آپ کے ساتھ قبر میں چلے گئے تو آپ سے

---

(۱) "ولو لم يترك مالاً، يستقرض وارثه نصف صاع مثلاً، ويدفعه لفقير، ثم يدفعه الفقير للوارث، ثم وثم حتى يتم". (الدر المختار). "(قوله: ولو لم يترك مالاً الخ): أي أصلاً أو كان ماأوصى به لايفي، زاد في الامداد: أولم يوص بشيء، وأراد الولي التبرع الخ، وأشار بالتبرع إلى ان ذلك ليس بواجب على الولي. ونص في تبيين المحارم فقال: لايجب على الولي فعل الدور وإن أوصى بها الميت؛ لأنها وصية بالتبرع". (ردالمحتار، باب قضاء الفوائت، مطلب في إسقاط الصلاة عن الميت: ۲/ ۸۲، سعيد)

"ولو لم يترك مالاً يستقرض ورثته نصف صاع يدفعه إلى مسكين، ثم يتصدق المسكين على بعض ورثته، ثم يتصدق، ثم وثم، حتى يتم لكل صلاة ماذكرنا". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب الحادي عشر في قضاء الفوائت: ۱/ ۱۲۵، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت: ۲/ ۱۶۰، رشيديه)

اس کی باز پرس نہیں ہوگی۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۷/۹۲ھ۔

انتقالِ شوہر پر چوڑیاں توڑنا

سوال[۴۳۸۹]: عورتیں اپنے خاوند کے جنازہ پر چوڑیاں توڑتی ہیں کیا حکم ہے؟

قدیر اللہ، ہیڈ کانسٹیبل۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

چوڑیاں توڑ کر ضائع کرنا غلطی ہے، اتار کر رکھ لیں جب عدت ختم ہوجائے پھر پہن لیں (۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

انتقال پر دودھ بخشنا

سوال[۴۳۹۰]: ادھر کہیں کہیں یہ رواج ہے کہ کمسن دودھ پیتے بچے کی وفات پر ماں مرحوم بچے کو دودھ بخشتی ہے، اس کے اصل کیا ہے اور شرعی حقیقت کس قدر ہے؟

---

(۱) "عن زينب بنت أبي سلمة رضي الله تعالىٰ عنها أنها أخبرته قالت: "دخلت على أم حبيبة رضي الله تعالىٰ عنها زوج النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فقالت: سمعت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول: " لا يحل لامرأة تؤمن بالله واليوم الآخر أن تُحدّ على ميت فوق ثلاث، إلا على زوج أربعة أشهر و عشراً". الحديث. (صحيح البخاري، كتاب الجنائز، باب إحداد المرأة على غير زوجها: ۱/۱۷۱، قديمي)

"(تحد) .... (مكلفة مسلمة و لو أمة منكوحة) ..... إذا كانت معتدة بتٍ أوموت) وإن أمرها المطلق أو الميت بتركه؛ لأنه حق الشرع، إظهاراً للتأسف على فوات النكاح (بترك الزينة) بحلي أو حرير أو امتشاط بضيق الأسنان، الخ". (الدرالمختار). "(قوله: بحلي) .... المعتدة تجتنب عن كل زينة، الخ". (ردالمحتار، كتاب الطلاق، فصل: في الحداد: ۳/۵۳۰، ۵۳۱، سعيد)

"على المبتوتة والمتوفى عنها زوجها إذا كانت بالغة مسلمة الحداد في عدتها، والحداد: الاجتناب عن الطيب والدهن والكحل .... و لبس الحلي والتزين والامتشاط". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الطلاق، الباب الرابع عشر في الحداد: ۱/۵۳۳، رشيديه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ دودھ بخشنا شرعاً بے اصل ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔



(۱) "عن عائشة رضی الله تعالیٰ عنها قالت : قال النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "من أحدث فی أمرنا هذا ما لیس منه فهو رد". (صحیح البخاری ، کتاب الصلح، بابٌ: إذا اصطلحوا علی صلح جور فهو مردود : ۱/۳۷۰، قدیمی)

"بأنها (أی البدعة) ما أحدث علی خلاف الحق المتلقی عن رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم، من علم أو عمل أو حال بنوع شبهة واستحسان، وجعل دیناً قویماً و صراطاً مستقیماً".

(ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب الإمامة، مطلب : البدعة خمسة اقسام : ۱/۵۶۰، سعید)

باب أحكام الشهيد

(شہید کے احکام کا بیان)

شہداء سے حقوق العباد ساقط ہوجاتے ہیں یانہیں؟

سوال[۴۳۹۱]: شہداء سے حقوق العباد ساقط ہوجاتے ہیں یانہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

قانون تو یہ ہے کہ حقوق العباد بغیر ادا کئے یا بغیر صاحب حق کے معاف کئے ذمہ سے ساقط نہیں ہوتے (۱)، البتہ یہ کہ اللہ تبارک وتعالیٰ خوش ہوکر اپنے خزانہ سے عطا فرما کر صاحب حق کو خوش کردیں (۲) اور وہ

(۱) "يغفر للشهيد كل ذنب إلا الدين" ففيه تنبيه على جميع حقوق الآدميين وأن الجهاد والشهادة وغيرهما من أعمال البر لا تكفر حقوق الآدميين، و إنما تكفر حقوق الله تعالى". (الكامل شرح النووى للمسلم، كتاب الأمارة ، باب من قتل في سبيل الله كفرت خطاياه إلا الدين: ۱۳۵/۲ ، قديمى)

(وتكملة فتح الملهم ، كتاب الأمارة ، باب من قتل في سبيل الله كفرت خطاياه إلا الدين : ۴۱۱/۳، دار العلوم، كراچى)

"(يغفر للشهيد كل ذنب إلا الدين) أراد حقوق الآدميين من الأموال والدماء والأعراض ، فإنها لا تعفى بالشهادة، كذا ذكره بعض الشراح". (مرقاة المفاتيح ، كتاب البيوع ، باب الإفلاس والإنظار: ۱۲۴/۶ ، رشيديه)

(۲) "عن عائشة رضى الله تعالىٰ عنها قالت: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "الدواوين ثلاثة: ديوانٌ لا يغفره الله: الإشراک بالله، يقول الله عزوجل ﴿إن الله لا يغفر أن يشرک به﴾ وديوان لا يتركه الله: ظلم العباد فيما بينهم حتى يقتص بعضهم من بعض. وديوان لا يعبأ الله به ظلم العباد فيما بينهم و بين الله، فذاک إلى الله إن شاء عذبه، وإن شاء تجاوز عنه".

قال الملاعلى القارى : "وفي الثانية لا يترک، فيؤذن بأن حق الغير لا يهمل قطعاً، إما بأن =

شخص جس کے ذمہ حق ہے عذاب سے بچ جائے۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/۱/۵۹ھ۔

الجواب صحیح :سعید احمد غفرلہ، صحیح :عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/محرم الحرام/ ۵۹ھ۔

شہداء کی انواع

سوال[۴۳۹۲] : پلیگ، چیچک یا اچانک حادثہ، آتش زدگی، غرق آبی، دیوار وغیرہ سے دب کر مرجانے والوں کو بھی حدیث شریف میں شہید کہا گیا ہے۔سوال یہ ہے کہ مجاہد فی سبیل اللہ جو میدان کارزار میں کافروں، مشرکوں سے لڑتے ہوئے شہید ہوئے جن کے متعلق ﴿أحياء عند ربهم يرزقون﴾ قرآن میں فرمایا گیا، جن کے گناہوں کو ان کے خون گرنے سے محو کردیا، جن کی ارواح سبز پرندوں کے خول میں جنت میں سیر کرتی ہیں، جن کی اللہ تعالیٰ کے یہاں بڑی آؤ بھگت ہے.......... کیا یہی سلوک، اعزاز واکرام ان وبائی امراض میں مرنے والے شہداء کے ساتھ کیا جاتا ہے یا فرق ہے؟ آخرت کے درجہ ومقام وحکم میں دونوں شہداء میں جو فرق ہے پوری وضاحت کریں کہ دونوں میں امتیاز بے غبار ہو کر سامنے آجائے۔

الجواب حامداً ومصلياً:

جو شخص جہاد میں قتل ہوا وہ حقیقی شہید ہے، اس کے شرائط اور تفصیلات کتب فقہ میں مشہور ہیں(۱) اور ان

= يقتص من خصمه أو يرضيه الله تعالىٰ". (مرقاة المفاتيح :۸/۸۵۸، كتاب الأدب ، باب الظلم الفصل الثالث ، رشيديه)

"لا عفو و لا شفاعة في حقوق العباد، إن شاء الله يرضى خصمه بما أراد". (مرقاة المفاتيح: ۸/۸۵۰، كتاب الأدب، باب الظلم، الفصل الأول ، رشيديه)

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال:" الشهداء خمسة: المطعون والمبطون والغريق وصاحب الهدم والشهيد في سبيل الله". (صحيح البخاري، كتاب الجهاد ، باب: الشهادة سبع سوى القتل: ۱/۳۹۷، قديمي)

"قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم:"الشهادة سبع سوى القتل في سبيل الله: المطعون شهيد، والغرق شهيد، وصاحب ذات الجنب شهيد ، والمبطون شهيد، وصحب الحريق شهيد والذى يموت تحت الهدم شهيد، والمرأة تموت بجمع شهيد". (سن أبي داؤد، كتاب الجنائز ، باب في فضل =

کے انعامات حدیث شریف میں ہیں (۱)۔ اور جو شخص غرق ہوکر، ہیضہ، یا طاعون میں مرے، یا دیگر ایسے اسباب سے اس کی موت ہو کہ اس پر شہید ہونے کا حکم لگایا جائے وہ حکمِ دنیا کے اعتبار سے شہید نہیں، لہٰذا اس کو غسل وکفن عام مومنین کی طرح دیا جائے گا، البتہ آخرت کے اعتبار سے اس کو شہید جیسا اجر ملے گا (۲) لیکن وہاں بھی فرقِ مراتب ظاہر ہے (۳)۔

= من مات بالطاعون: ۲/۸۷، سعيد)

"(وكل مكلف مسلم طاهر) .... (قتل ظلماً) .... (ولم يجب بنفس القتل مال) .... بغير آلة جارحة، ويصلي عليه بلاغسل، ويدفن بدمه وثيابه .... فالمرتث شهيد الآخرة، وكذا الغريق والحريق والغريب والمهدوم عليه والمبطون والمطعون والنفساء الخ". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الشهيد: ۲/۲۴۷-۲۵۲، سعيد)

(وكذافي البحر الرائق، كتاب الجنائز: ۲/۳۴۳، رشيديه)

(وكذافي الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادى والعشرون فى الجنائز، الفصل السابع فى الشهيد: ۱/۱۶۷، ۱۶۸، رشيديه)

(۱) "حسناء بنت معاوية الصريمية قالت: حدّثنا عمي قال: قلت للنبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: مَن في الجنة قال: "النبي في الجنة، والشهيد في الجنة، والمولود في الجنة، الوئيد في الجنة". (سنن أبي داؤد، كتاب الجهاد، باب في فضل الشهادة: ۱/۳۴۸، إمداديه)

"قال الذماريّ: قال: حدثني عمّي نمران بن عتبة الذماريّ، قال: دخلت على أمّ الدرداء ونحن أيتامٌ، فقالت: أبشروا، فإني سمعت أبا الدرداء يقول: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "يُشفّع الشهيد في سبعين من أهل بيته". (أبوداؤد، كتاب الجهاد، باب في الشهيد يُشفع: ۱/۳۴۹، إمداديه)

(۲) (راجع، ص: ۲۹۱، رقم الحاشية: ۱)

(۳) "هذه كلها ميتات فيها شدة تفضل الله عليه أمة محمد صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بأن جعلها تمحيصاً لذنوبهم وزيادة في أجورهم، يبلغهم بها مراتب الشهداء .... (أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم سئل: أيّ الجهاد افضل؟ قال: "من عقر جواده وأهريق دمه)" .... كل موتة يموت بها المسلم فهو شهيد غير أن الشهادة تتفاضل .... ويتحصل ممّا ذكر في هذه الأحاديث أن الشهداء قسمان: شهيد الدنيا، وشهيد الآخرة. وهو من يقتل في حرب الكفار مقبلاً غير مدبر مخلصاً. وشهيد الآخرة: وهو من =

اس کوایک مثال سے سمجھئے: ایک شخص وہ ہے جس نے عمرہ وحج کیا، ایک وہ ہے جس نے فجر کی نماز جماعت سے پڑھی پھراسی جگہ بیٹھاذکر میں مشغول رہایہاں تک کہ اشراق کی نماز پڑھی تواس کوبھی حاجی کی طرح حج اورعمرہ کا ثواب ملا، مگر دونوں بالکل ایک درجہ میں نہیں ہونگے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند،۴/۲/۸۷ھ۔

احادیث میں جن باتوں پر شہادت کا وعدہ ہے، وہ اگر فاسق میں ہوں تو؟

سوال[۴۳۹۴]: بہت سی احادیث میں ہے کہ اس (مندرجہ ذیل) بیماری سے یا فعل کا کرنے والا شہید کا اجر پاتا ہے۔

۱- پانی میں ڈوب کر مرنے والا، یا حادثہ میں ہلاک ہونے والا، یا جل کر مرنے والا۔

۲- وضو کی حالت میں مرنے والا۔

ان گروہوں میں مرنے والا اگر فاسق ہے یعنی کہ نماز، روزہ اور گناہِ کبیرہ کو کرنے والا تو وہ قبر کے عذاب سے رہا پائے گا، اور جنت کے شہیدوں کی جگہ پائے گا۔ آیا اگر وہ گروہوں میں مرنے والا صالح اور نیک ہے تو محض اسی کو یہ تین سعادتیں ملیں گی؟ یا فاسق کو بھی تین سعادتیں نصیب ہوں گی؟ اول گروہ میں مرنے والا یہ سعادتیں پائے گا، دوسرے گروہی والا اس سے محروم رہے گا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اللہ تعالیٰ جس بندہ پر اپنی رحمت نازل کرنا چاہتا ہے تو اس کے لئے وہ کسی قانون کا پابند نہیں (۱)، وہ چاہے تو بڑے سے بڑے فاسق کے سارے گناہ معاف کردے، بے تردد جنت میں بھیج دے اور چاہے تو بہت چھوٹے سے عمل پر بہت بڑا اجر دے دے اور چاہے تو چھوٹی سی بات پر بھی گرفت کرے، اس کے یہاں دو قسم کی

= ذكر، بمعنى أنهم يعطون من جنس آخر الشهداء ولاتجرى عليهم أحكامهم في الدنيا". (فتح الباري، كتاب الجهاد، باب الشهادة سبع سوى التقتل: ۵۵/۶، قديمي)

(۱) "أمره وحكمه من العفو والعقاب مفوّض إليه، فلا تجب عليه سبحانه عقاب عاص كما لايجب عليه ثواب مطيع على المذهب الحق". (مرقاة المفاتيح، كتاب الإيمان، الفصل الأول، (رقم الحديث: ۱۸): ۱۷۵/۱، رشيديه)

کچہری ہے ایک عدل کی، ایک فضل کی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۱۱/۱۴۰۰ھ۔

شہید کے درجے

سوال[۴۳۹۴]: شہید کے کتنے درجے ہیں؟ عالم ربانی فقیہ لاثانی حضرت مولانا الحاج سید اصغر حسین صاحب محدث دارالعلوم دیوبند نوراللہ مرقدہ نے چہل حدیث، ص:۳۵ میں ۱۷/قسم کی شہادتیں صغریٰ لکھی ہیں۔ اب یہ معلوم کرنا ہے کہ زید ٹرک حادثہ میں شہید ہوگیا اس کو غسل دیا گیا ہے تو وہ جائز ہے یا نہیں، غسل دینے والے گناہگار ہوئے یا نہیں؟ اس کے حق میں شہادت ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

کس شہید کو کیا درجہ ملے گا، اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے۔ زید کو غسل دینے والے گناہگار نہیں، اس کو غسل دینے ہی کا حکم ہے کیونکہ وہ احکامِ آخرت (ثواب) کے اعتبار سے شہید ہے، احکامِ دنیا (غسل وکفن) کے اعتبار سے شہید نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۱۲/۹۵ھ۔

---

(۱) " قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم:"الشهادة سبع سوى القتل في سبيل الله: المطعون شهيد، والغرق شهيد، وصاحب ذات الجنب شهيد ، والمبطون شهيد، وصاحب الحريق شهيد، والذي يموت تحت الهدم شهيد، والمرأة تموت بجمع شهيد". (سنن أبي داؤد، كتاب الجنائز ، باب في فضل من مات بالطاعون: ۲/۸۷، سعيد)

"هو من قتله أهل الحرب والبغي .... قيد بكونه مقتولاً؛ لأنه لومات حتف أنفه، أوتردى من موضع، أواحترق بالنار، أومات تحت هدم، أوغرق، لايكون شهيداً: أى في حكم الدنيا، وإلافقد شهد رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم للغريق والحريق والمبطون والغريب بأنهم شهداء، فينالون ثواب الشهداء". (البحر الرائق: ۲/۳۴۳، باب الشهيد ، رشيديه)

(وكذافي رد المحتار: ۲/۲۵۲، باب الشهيد ، سعيد)

جوظلماً قتل ہووہ شہید ہے

سوال [۴۳۹۵]: ہندومسلم بلوہ میں جومسلمان مرتے ہیں، کسی حالت پرایک صورت تودونوں پارٹی کے مقابلہ میں لڑکر مارا جانا کسی مسلمان کا۔ دوسری صورت یہ کہ کوئی مسلمان آتا ہے اور کسی ہندو نے دھوکہ سے حملہ کرکے اسی مسلمان کو ماردیا تو دونوں صورتوں میں کس طرح کی موت مسلمان کی واقع ہوگی، کیا یہ شہید کی قسموں سے مرتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بلوہ کس بناء پر ہوا، کوئی شرعی وجہ تھی یا غیر شرعی اوراقوام مسلم نے کیا، یا ہندو نے۔ جس بے قصور مسلم کو ہندو نے ظلماً قتل کردیا ہے وہ شہید ہے(۱)۔

کافر کی لڑائی کی وجہ سے جومسلمان قتل ہوں ان کا حکم

سوال [۴۳۹۶]: دونوں جانب سے کافر لڑرہے ہیں، درمیان میں مسلمانوں کی آبادی ہے، دونوں جانب کی گولی سے وہاں کے لوگ مرجاتے ہیں، یا شبہ کی بناپر قتل کردیتے ہیں، ان لوگوں کو شہید کہیں گے یانہیں؟ فقط۔

---

(۱) "عن ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنه عن النبي صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "من قتل دون مظلمة فهو شهید" (مسند الإمام أحمد، مسند ابن عباس، (رقم الحدیث: ۲۷۷۵): ۱/۵۰۱، دار إحیاء التراث العربي، بیروت)

"هو (أی الشهید) کل مکلف مسلم طاهر .... (قتل ظلماً) بغیر حق (بجارحة) الخ".
(الدرالمختار، کتاب الصلاة، باب الشهید: ۲/۲۴۷، ۲۴۸، سعید)

"هو من قتله أهل الحرب أو البغی أو قطاع الطریق، أو وُجد في المعرکة وبه أثر، أو قتله مسلم ظلماً ولم یجب بقتله دیة". (البحر الرائق، کتاب الجنائز، باب صلوة الشهید: ۲/۳۴۳، رشیدیه)

(وکذافی الفتاوی العالمکیریة، کتاب الصلاة، الباب الحادی والعشرون في الجنائز، الفصل السابع فی الشهید: ۱/۱۶۷، ۱۶۸، رشیدیه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو لوگ بلاقصور ایسی حالت میں مرے ہیں وہ بھی حکماً شہید ہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح سعید احمد غفرلہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۴/۳/۶۴ھ۔

دو مسلم ممالک کی باہمی جنگ میں مارے جانے والے کیا شہید ہیں؟

سوال [۴۳۹۷]: کیا دو مسلم ممالک کی باہمی جنگ میں مارے جانے والے مسلمان کو شہید کہا جائے گا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ان دونوں مسلم ممالک میں اہلِ علم حضرات ہونگے جو دونوں جگہ کے حالات سے واقف ہونگے کہ ان میں کون ظالم ہے کون مظلوم؟ ان سے ہی اس مسئلہ کی تحقیق کی جائے، امید ہے کہ وہ مظلوم کو شہید بتلائیں گے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۹/۱۳۹۹ھ۔

---

(۱) "عن ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما عن النبی صلی الله تعالی علیه وسلم: "من قتل دون مظلمة فهو شهيد".
(مسند الإمام أحمد، مسند ابن عباس، رقم الحديث: ۲۷۷۵، ۱/۵۰۱، دار الاحیاء التراث العربی، بيروت)

"هو كل مكلف مسلم طاهر .... (قتل ظلماً) بغير حق (بجارحة)، الخ". (كتاب الصلاة، باب الشهيد: ۲/۲۴۷، ۲۴۸، سعيد)

"هو من قتله أهل الحرب أو البغی أو قطاع الطريق، أو وُجد فی المعركة وبه أثر، أو قتله مسلم ظلماً ولم يجب بقتله دية". (البحر الرائق، كتاب الجنائز، باب صلوة الشهيد: ۲/۳۴۲، رشيديه)

(وكذا فی الفتاوی العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل السابع فی الشهيد: ۱/۱۶۷، ۱۶۸، رشيديه)

(۲) "عن ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنه عن النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "من قتل دون مظلمة فهو شهيد". (مسند الإمام أحمد، مسند ابن عباس، رقم الحديث: ۲۷۷۵، ۱/۵۰۱، دار إحياء التراث العربی، بيروت) .... =

فسادات میں قتل ہونے والے کیا شہید ہیں؟

سوال [۴۳۹۸]: فرقہ وارانہ فساد میں جو مسلمان قتل ہوئے، آیا وہ شہید ہوئے یا نہیں، یا ان کی نیت پر دارومدار ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

ان کو کس نے قتل کیا، وہ ابتداءً حملہ کرتے ہوئے قتل ہوئے یا مدافعت کرتے ہوئے، اگر وہ مظلوم ہو کر قتل ہوئے تو وہ شہید ہوئے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۷/صفر/۶۸ھ۔

= "هو (أى الشهيد) كل مكلف مسلم طاهر .... (قتل ظلماً) بغير حق (بجارحة) الخ". (الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب الشهيد: ۲/۲۴۷، ۲۴۸، سعيد)

"هومن قتله أهل الحرب أوالبغي أوقطاع الطريق، أووُجد في المعركة وبه أثر، أوقتله مسلم ظلماً ولم يجب بقتله دية". (البحر الرائق، كتاب الجنائز، باب صلوة الشهيد: ۲/۳۴۳، رشيديه)

(وكذافي الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادى والعشرون في الجنائز، الفصل السابع في الشهيد: ۱/۱۶۷، ۱۶۸، رشيديه)

(۱) "عن ابن عباس رضى الله تعالىٰ عنه عن النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من قتل دون مظلمة فهوشهيد". (مسند الإمام أحمد، مسند ابن عباس، (رقم الحديث: ۲۷۷۵): ۱/۵۰۱، دار إحياء التراث العربى، بيروت)

"هومن قتله أهل الحرب أوالبغي أوقطاع الطريق، أووُجد في المعركة وبه أثر، أوقتله مسلم ظلماً ولم يجب بقتله دية". (البحر الرائق، كتاب الجنائز، باب صلوة الشهيد: ۲/۳۴۳، رشيديه)

(وكذافي الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادى والعشرون في الجنائز، الفصل السابع في الشهيد: ۱/۱۶۷، ۱۶۸، رشيديه)

"وكذالوقتله باغ أوحربى أوقاطع طريق ولوبغير آلة جارحة". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الشهيد: ۲/۱۴۹، سعيد)

ایضاً

سوال [۴۳۹۹]: فرقہ وارانہ فسادات میں جو مسلمان مارے جاتے ہیں مقابلہ کرتے ہوئے، یا اچانک کسی مسلمان کے چاقو ماردیا تو وہ شریعت کی نظر میں شہید ہوگا یانہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو شخص ناحق قتل کردیا جائے وہ شہید ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/ ۸/ ۸۹ھ۔

دوقومی فسادات میں مرنے والے کا حکم

سوال [۴۴۰۰]: ہمارے یہاں ہندو مسلم فسادات ہورہے ہیں، ان کی ابتدائی بنا خواہ کچھ ہی ہو لیکن اس وقت تو جنگ صرف مسلمان سے ہے خواہ کسی جماعت اور فرقہ سے تعلق رکھتا ہو، بہت سے مسلمانوں کو سُندھی(۲) بھی کرلیا ہے اور ان کے سروں پر چوٹیاں رکھوادی ہیں۔ بیس بیس، تیس تیس ہزار کی دھاڑیں بنا کر مسلمانوں کی بستیوں پر چڑھ کر آتے ہیں، پہلے آگ لگادیتے ہیں اور پھر مسلمانوں کو شہید کرڈالتے ہیں، مال چھین لیتے ہیں، ہرقسم کے ہتھیار ان کے پاس ہیں، ریاستوں میں ریاست کی دھاڑ کے آگے آگے ریاست کی ملٹری ہوتی ہے، اگر مقابلہ میں کوئی آوے تو فائر کرتی ہے اور دھاڑ ان کو لوٹ لیتی ہے، قتل کرڈالتی ہے۔ جو مسلمان مکان ....خالی کردیتے ہیں تو یہ لوگ تمام مال لوٹ کر آگ لگادیتے ہیں۔ اس قسم کے جانکاہ واقعات سامنے ہیں، اس لئے مندرجہ ذیل سوالات ہیں:

سوال [۴۴۰۱]: ۱......اگر کافر بستی پر چڑھ کر آجائیں تو ان سے لڑنا فرض ہوجاتا ہے یانہیں اور "من قُتل دون عرضه وماله"(۳). میں داخل ہوکر شہید ہوگا یانہیں؟

---

(۱) (تقدم تخريجه تحت المسائل السابقة)

(۲) "سُندھی: وہ تحریک جو شردھانند ایک ہندو نے ہندوستان میں مسلمانوں کو دوبارہ ہندو بنانے کے لئے چلائی تھی"۔ (فیروز اللغات، ص: ۸۲۸، فیروز سنز، لاہور)

(۳) (الصحيح للامام مسلم رحمه الله تعالیٰ، كتاب الإيمان، باب الدليل على من قصد أخذ مال غيره بغير حق.......... وأن من قتل دون ماله فهو شهيد: ۱/ ۸۱، قديمی)

۲...... جو دو چند سے زائد آئیں اور کوئی چھپتا ہوا، بھاگتا ہوا مارا جائے تو شہید ہوگا یا نہیں؟

۳...... اگر یہ کافر فرسی یا بھالوں سے آلۂ دھاردار سے شہید کردیں تو غسل وکفن دیا جائے گا یا نہیں، بندوق وغیرہ کا کیا حکم ہے؟ لڑائی کی ابتداء بھی مسلمانوں کی طرف سے نہیں بلکہ ظلماً مارے جاتے ہیں۔

۴...... اسی طرح کسی راہگیر مسلمان کو موقع بموقعہ قتل کررہے ہیں، ان کو بھی غسل وکفن دیا جائے یا نہیں؟ تمام مسلمان حکام پاکستان چلے گئے ہیں، ان کی جگہ ہندو یا سکھ تمام آگئے ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... اگر مقابلہ کی قوت ہو تو ان سے لڑنا اور جان، مال، آبرو کی حفاظت کرنا ضروری ہے اور اس ذیل میں جو مسلمان قتل ہوگا وہ شہید ہوگا (۱)۔

۲...... وہ بھی شہید ہے (۲)۔

۳...... عین لڑائی میں مسلمان ماردیا جائے، خواہ کسی آلہ سے ہو، وہ شہید ہے، اس کے لئے غسل وکفن نہیں (۳)۔

۴...... اس کا بھی یہی حکم ہے (۴)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۷/شوال/ ۶۶ھ۔

(۱، ۲، ۳، ۴) "عن عبدالله بن عمرو رضي الله تعالىٰ عنهما عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "من أريد ماله بغير حق، فقاتل، فقتل، فهو شهيد".

"عن سعيد بن زيد رضي الله تعالىٰ عنه، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "من قتل دون ماله فهو شهيد، ومن قتل دون أهله أو دون دمه أو دون دينه فهو شهيد". (سنن أبي داؤد، كتاب السنة، باب في قتال اللصوص: ۲/۳۰۹، إمداديه)

"هو (أي الشهيد) كل مكلف مسلم طاهر قتل ظلماً بجارحة .... وكذا لو قتله باغ أو حربي أو قاطع طريق ولو بغير آلة جارحة .... ويصلي عليه بلا غسل، ويدفن بدمه وثيابه". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الشهيد: ۲/۲۴۷-۲۴۹، سعيد)

"وهو في الشرع من قتله أهل الحرب والبغي وقطاع الطريق أو وُجد في معركة وبه جرح .... أو قتله مسلم ظلماً، ولم تجب به دية .... وحكمه: أن لايغسل، ويصلى عليه، ويدفن =

''دق'' کی بیماری میں انتقال کرنے والے کوشہادت کا درجہ ملے گا یا نہیں؟

سوال[۴۴۰۲]: میری والدہ کا انتقال چھ ماہ دق کی بیماری میں مبتلا رہ کر ہوگیا، کیا میں یہ جان سکتا ہوں کہ مرحومہ اب کیسی حالت میں ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

انشاء اللہ ان کوشہادت کا درجہ ملے گا(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۶/۹۴ھ۔

جو دَب کر مرجائے وہ شہید ہے

سوال [۴۴۰۳]: شاہد مشہور پہلوان تھا جو کہ اپنی طاقت سے فرعون کوشکست دینے کی گھات میں رہتا تھا، ناگاہ وہ ٹرک جس میں شاہد کام کرتا تھا درخت سے ٹکرایا اور پہلوان نے چوٹ کھائی، لیکن وہ جانبر نہ ہوسکا۔آپ تحریر فرمادیں گے، پہلوان کو مقامِ شہادت ملا یا نہیں؟ شاہد ہمدردِ ملت تھا لیکن مزاج کا گرم تھا، اکھڑ ہندو اور کچھ متعصب مسلمان اس سے ڈرتے تھے، اس لئے موت کے بعد ان لوگوں نے طعنہ دیا کہ وہ بدخلق

= بدمه وثيابه". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادى والعشرون فى الجنائز، الفصل السابع فى الشهيد: ۱/۱٦۷، ۱٦۸، رشيديه)

(وكذا فى بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، الجنائز، فصل فى الشهيد: ۲/٦٦، رشيديه)

(۱) "قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم:"الشهادة سبع سوى القتل فى سبيل الله: المطعون شهيد، والغرق شهيد، وصاحب ذات الجنب شهيد، والمبطون شهيد، وصاحب الحريق شهيد، والذى يموت تحت الهدم شهيد، والمرأة تموت بجمع شهيد". (سنن أبى داؤد، كتاب الجنائز، باب فى فضل من مات بالطاعون: ۲/۸۷، سعيد)

"هو من قتله أهل الحرب والبغى .... قيد بكونه مقتولاً؛ لأنه لومات حتف أنفه، أوتردى من موضع، أواحترق بالنار، أومات تحت هدم أوغرق لايكون شهيداً: أى فى حكم الدنيا، وإلافقد شهد رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم للغريق والحريق والمبطون والغريب بأنهم شهداء، فينالون ثواب الشهداء". (البحر الرائق: ۲/۳۴۳، باب الشهيد، رشيديه)

تھا اس لئے جلدی مرگیا۔ آپ فرمادیں کہ انسان کی عمر کسی وجہ سے گھٹ بڑھ سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جو شخص گرکر یا دب کر مرجائے وہ بھی شہادت کا ثواب پائے گا(۱) اب اس پر طعن نہیں کرنا چاہئے، بہت غلط طریقہ ہے(۲)۔

عمر میں حقیقۃً کمی وزیادتی نہیں ہوتی جتنی لکھ دی گئی ہے بس اتنی ہی رہتی ہے(۳)............البتہ بعض

---

(۱) "قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "الشهادة سبع سوى القتل في سبيل الله: المطعون شهيد، والغرق شهيد، وصاحب ذات الجنب شهيد، والمبطون شهيد، وصاحب الحريق شهيد، والذى يموت تحت الهدم شهيد، والمرأة تموت بجمع شهيد". (سنن أبي داؤد، كتاب الجنائز، باب في فضل من مات بالطاعون: ۲/۸۷، سعيد)

"هو من قتله أهل الحرب والبغي .... قيد بكونه مقتولاً؛ لأنه لومات حتف أنفه، أوتردى من موضع، أواحترق بالنار، أومات تحت هدم، أوغرق، لايكون شهيداً: أى في حكم الدنيا، وإلافقد شهد رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم للغريق والحريق والمبطون والغريب بأنهم شهداء، فينالون ثواب الشهداء". (البحر الرائق: ۲/۳۴۳، باب الشهيد، رشيديه)

(۲) "عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لاتسبوا الأموات، فإنهم قد أفضوا إلى ماقدموا". (سنن النسائي، كتاب الجنائز، باب النهي عن سبّ الأموات: ۱/۲۷۴، قديمي)

"عن عبد الله رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "ليس المؤمن بالطعان ولااللعان ولاالفاحش ولاالبذئ". هذاحديث حسن غريب". (جامع الترمذي، أبواب البر والصلة، باب ماجاء في اللعنة: ۲/۱۸، سعيد)

(۳) قال الله تعالىٰ: ﴿ولن يؤخر الله نفساً إذاجاء أجلها، والله خبير بماتعملون﴾ (سورة المنافقون، پ: ۲۸، آیت: ۱۱)

"قال: حدثنا عبد الله قال: حدثنارسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وهوالصادق المصدوق: "إن أحدكم يجمع خلقه في بطن أمه أربعين يوماً، ثم يكون علقةً مثل ذلك، ثم يكون مضغةً مثل ذلك،

آدمیوں کی عمر میں برکت ہوتی ہے، اس طرح کہ وہ تھوڑی عمر میں بھی بہت کام کر لیتے ہیں کہ دوسرے زیادہ عمر میں بھی نہیں کر پاتے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۸۹/۲/۱۶ھ۔

ولادت کی وجہ سے مرنے والی عورت شہید ہے

سوال [۴۴۰۴]: مسماۃ فاطمہ کا انتقال ہو گیا جس کو آج ۲۳/ یوم ہوتے ہیں، اس درمیان میں مرحومہ مختلف رشتہ داروں کے خواب میں آئی جس میں یہ مطالبہ ضرور ہے کہ میں زندہ ہوں، مجھے نکال لیا جائے، وفات ولادت کے سلسلہ میں ہوئی تھی، شوہر کا مطالبہ قبر کھودنے کا ہو رہا ہے۔ شرعاً کیا حکم ہے اور یہ موت شہادت کے حکم میں ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

بچہ پیدا ہونے میں جس کا انتقال ہو جائے وہ بھی شہید ہے (۲)۔ ایسے خواب کی بناء پر قبر کھودنا درست

= ثم يبعث الله إليه ملكاً بأربع كلمات: فيكتب عمله وأجله ورزقه وشقيٌّ أوسعيدٌ. ثم ينفخ فيه الروح، فإن الرجل ليعمل بعمل أهل النار، حتى مايكون بينه وبينها إلاذراع، فيسبق عليه الكتاب فيعمل بعمل أهل الجنة، فيدخل الجنة. وإن الرجل ليعمل بعمل أهل الجنة حتى مايكون بينه و بينها إلا ذراعٌ، فيسبق عليه الكتاب، فيعمل بعمل أهل النار، فيدخل النار". (صحيح البخارى، كتاب الأنبياء، باب خلق آدم وذريته: ۱/ ۴۶۹، قديمى)

(۱) جیسا کہ امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ، شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ ان کے شاگرد علامہ ابن قیم، علامہ جلال الدین سیوطی اور ہمارے اکابرین میں سے شاہ عبد الغنی، حضرت مولانا عبد الحیٔ لکھنوی، قاسم العلوم والخیرات مولانا محمد قاسم نانوتوی، حضرت حکیم الامت تھانوی (رحمہم اللہ تعالیٰ) کہ ان حضرات نے مختصر عمر میں علم دین کی بہت بڑی خدمت کی۔

(۲) "عن يعلى بن شداد، قال: سمعت عبادة بن الصامت رضى الله تعالىٰ عنه يقول: عادني رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم في نفر من أصحابه فقال: "هل تدرون مَن الشهداء من أمتي"؟ —مرتين أو ثلاثاً— فسكتوا، فقال عبادة رضى الله تعالىٰ عنه: أخبِرنا يا رسول الله! فقال: "القتيل في سبيل الله شهيد والمبطون شهيد، والمطعون شهيد، والنفساء شهيد يجرّها ولدها بسرره إلى الجنة". (مسند الإمام =

نہیں (۱)، قبر میں رکھنے کے بعد برزخ کے امور شروع ہوجاتے ہیں، بعض دفعہ احوال اچھے نہیں ہوتے تو میت کے متعلق بدگمانی اور بدگوئی ہوتی ہے، بعض دفعہ ہیبت ناک احوال دیکھ کر قبر کھودنے والے پر وبال آجاتا ہے وہ پاگل یا بےچین ہوجاتا ہے اس لئے ہرگز قبر نہ کھودی جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۹/۸۷ھ۔

= أحمد، أحاديث عبادة بن الصامت رضي الله تعالىٰ عنه، (رقم الحديث : ۲۲۲۷۸): ۶/۴۳۱، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"ولأحمد من حديث عبادة بن الصامت نحو حديث جابر بن عتيك رضي الله تعالىٰ عنه، ولفظه: "و في النفساء يقتلها ولدها جمعاً شهادة" .... هذه كلها ميتات فيها شدة، تفضل الله على أمة محمد صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بأن جعلها تمحيصاً لذنوبهم و زيادةً في أجورهم، يبلغهم بها مراتب الشهداء". (فتح الباری، كتاب الجهاد والسير، باب الشهادة سبع سوى القتل : ۶/۵۴، ۵۵، قديمی)

(۱) اس لئے کہ خواب حجتِ شرعیہ نہیں ہے، بعض دفعہ یقینی بات معلوم ہوتی ہے بعض مرتبہ نہیں: "ان أباقتادة الأنصاري رضي الله تعالىٰ عنه -وكان من أصحاب النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم و فرسانه- قال: سمعت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "الرؤيا من الله، والحلم من الشيطان". الحديث. (صحيح البخاری، كتاب التعبير، باب الحلم من الشيطان : ۲/۱۰۳۷، قديمی)

"الصحيح ماعليه أهل السنة أن الله يخلق في قلب النائم اعتقادات كما يخلقها في قلب يقظان، فإذا خلقها، فكأنه جعلها عَلَماً على أمور أخرى يخلقها في ثاني الحال، ومهما وقع منها على خلاف المعتقد، فهو كما يقع لليقظان. و نظيره أن الله خلق الغيم علامةً على المطر، وقد يتخلف. وتلك الاعتقادات تقع تارةً بحضرة الملك، فيقع بعدها ما يُسرّ، أو بحضرة الشيطان فيقع بعدها ما يضرّ، والعلم عند الله تعالىٰ". (كتاب المنامات للشيخ عبد السلام، الفصل الثالث في حقيقة الرؤيا، ص: ۵۹، دار المعرفة، بيروت)

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: (فتح الباری، كتاب التعبير، باب أول ما بدیء به رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم الخ، (رقم الباب : ۹۱): ۱۲/۴۳۷، قديمی)

"ولا يخرج منه بعد إهالة التراب (إلا) لحق آدمي، الخ". (الدرالمختار). "(قوله : إلا لحق=

ایکسیڈنٹ اور موذی جانور کے کاٹنے سے شہادت

سوال [۴۴۰۵]: اگر کوئی شخص ایکسیڈنٹ سے مرجائے، یا کسی موذی جانور نے کاٹ لیا، یا کسی صورت سے اچانک موت ہوگی تو وہ شہید ہے یا نہیں؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس کو بھی شہادت کا ثواب ملے گا مگر اس کو غسل وکفن دیا جائے گا(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، کیم/ ربیع الاول/ ۸۸ھ۔

شہید کا غسل اور کفن

سوال [۴۴۰۶]: آج کل فرقہ وارانہ فسادات میں جس مسلمانوں کو محض مسلمان ہونے کے جرم میں قتل کردیا جاتا ہے، اس میں لوگ مقتول کو غسل دیتے ہیں اور جو کپڑے خون میں آلودہ ہیں ان کو نکال کر

= آدمی) احتراز عن حق الله تعالیٰ كما إذا دفن بلا غسل أو صلاة أو وضع على غير يمينه أو غير القبلة، فإنه لا ينبش عليه بعد إهالة التراب". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة: ۲/ ۲۳۸، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل السادس في الدفن والنقل: ۱/ ۱۶۷، رشيديه)

(۱) "هو (أي الشهيد) من قتله أهل الحرب والبغي .... قيد بكونه مقتولاً؛ لأنه لومات حتف أنفه أوتردى من موضع، أواحترق بالنار، أومات تحت هدم أوغرق، لايكون شهيداً: أي في حكم الدنيا، وإلافقد شهد رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم للغريق والحريق والمبطون والغريب بأنهم شهداء، فينالون ثواب الشهداء". (البحر الرائق: ۲/ ۳۴۳، باب الشهيد، رشيديه)

(وكذافي رد المحتار: ۲/ ۲۵۲، باب الشهيد، سعيد)

" قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "الشهادة سبع سوى القتل في سبيل الله: المطعون شهيد، والغرق شهيد، وصاحب ذات الجنب شهيد، والمبطون شهيد، وصاحب الحريق شهيد، والذي يموت تحت الهدم شهيد، والمرأة تموت بجمع شهيد". (سنن أبي داؤد، كتاب الجنائز، باب في فضل من مات بالطاعون: ۲/ ۸۷، سعيد)

دوسرے کپڑے میں تجہیز وتکفین کرتے ہیں۔ان کو غسل دلایا اور نئے کپڑے میں کفنایا جائے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

فرقہ وارانہ فسادات میں جو مسلمان قتل کردیئے جاتے ہیں، اگر وہ مرتد نہیں ہیں اور عاقل وبالغ اور مُحدِث بحدثِ اکبر نہیں ہیں تو انہیں (چاہے مرد ہو یا عورت) اسی خون اور کپڑوں میں کفنا کر بغیر غسل دیئے نماز پڑھ کر دفنایا جائے، خون آلودہ تمام کپڑے نکال دینا مکروہ ہے، البتہ جو زائد از کفنِ سنت ہو اس کو نکال دیا جائے۔ مرد اگر جنبی ہے، یا عورت حائضہ یا نفساء ہے تو انہیں اور بچہ مجنون کو غسل دیا جائے:

"والشهيد من قتله أهل الحرب مباشرةً أو تسبيباً .... وكان قبل القضاء الحرب لايكون الشهيد مرتثاً". مراقي الفلاح على هامش الطحطاوي، ص: ۳۱۳(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد الخ۔

جنازۂ شہید پر نماز

سوال[۴۴۰۷]: شہید کے اوپر بحسب الفتویٰ نماز جنازہ ہے یا نہیں، اگر نہیں ہے تو ان احادیث کا

---

(۱) (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب أحكام الشهيد، ص: ۶۲۵، ۶۲۶، قديمي)

"عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما قال: أمر رسول الله صلى الله عليه وسلم بقتلىٰ أحد أن ينزع عنهم الحديد والجلود، وأن يدفنوا بد مائهم وثيابهم". (سنن أبي داؤد، كتاب الجنائز، باب في الشهيد يغسل: ۲/۹۱، إمداديه)

"وهو في الشرع من قتله أهل الحرب والبغي وقطاع الطريق، أو وُجد في معركة، وبه جرح .... أو غرق مسلم أو قتله مسلم ظلماً، ولم تجب به دية .... وحكمه أن لا يغسل، ويصلى عليه، ويدفن بدمه وثيابه .... وينزع عنه ماليس من جنس الكفن نحو السلاح والجلود والفرو والحشو والخف والقلنسوة والسراويل .... ويغسل إن قتل جنباً أو صبياً .... وكذا تغسل إن قُتلت حائضاً أو نفساء، الخ". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل السابع في الشهيد: ۱/۱۶۷، ۱۶۸، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار مع ردالمحتار، باب الشهيد: ۲/۲۴۷، ۲۴۸، سعيد)

کیا جواب ہوگا جن میں یہ ہے کہ ان پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی اور حدیثیں شرح نقایہ میں صفحہ:۱۴۱
"ولنا" سے لے کر" فإن قيل" تک ہیں(۱)؟ اگر کسی حدیث سے عدمِ صلوۃ بھی ثابت ہوتو ساتھ اس کے رُواۃ
پر جرح وتعدیل کے اعتبار سے بھی بحث ہے۔ مع حوالہ مفصل جواب دیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

حنفیہ کے نزدیک شہید پر نماز جنازہ پڑھی جائے گی: "ودليله ماروى ابن عباس وابن زبير رضى الله تعالىٰ عنهم أنه عليه الصلوة والسلام صلى على شهداء أحد مع حمزة، وكان يؤتى بتسعةٍ تسعةٍ وحمزة عاشرهم، فيصلى عليهم". الحديث۔ وقد صلى عليه الصلوة والسلام على غيرهم، كماروى أنه عليه الصلوة والسلام أعطى أعرابياً نصيبه، وقال: "قسمته لك" قال: ماعلى هذا ابتعتك، ولكن ابتعتك على أن أرمى ههنا -وأشار إلى حلقه- فأموت وأدخل الجنة، ثم أتِي بالرجل، فأصابه سهم حيث أشار، وكفن فى جبة النبى صلى الله عليه وسلم، فصلى عليه". الحديث۔

وقال عقبة بن عامر رضى الله عنه: إنه عليه الصلوة والسلام خرج يوماً، فصلى على أهل أحد صلوته على الميت، ثم انصرف إلى الميت، متفق عليه". زيلعى، ص: ۲٤۸(۲)۔

جس روایت میں نفی مذکور ہے اس کا جواب یہ ہے کہ محدثین کے نزدیک نفی اور مثبت میں جب تعارض ہوتو ترجیح مثبت کو ہوتی ہے، حدیثِ مثبت متفق علیہ ہے(۳)۔ جواب ان کے ذمہ ہے جو منکر ہیں ان منقولہ

(۱) "لماروى البخارى وأصحاب السنن الأربعة .... عن جابر بن عبدالله رضى الله تعالىٰ عنهما أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يجمع بين الرجلين من قتلىٰ أحد، وقال: "أيهما أكثر قرآناً" فإذا أشير إلى أحدهما، قدمه فى اللحد، فقال: "أنا شهيد على هؤلاء يوم القيامة". وأمر بدفنهم فى دمائهم، ولم يغسلهم". زاد البخارى والترمذى: "ولم يصل عليهم". قال الترمذى: حديث حسن صحيح. وقال النسائى: لا أعلم أحداً تابع الليث من أصحاب الزهرى على هذا الإسناد، واختلف عليه فيه. انتهى".
(شرح النقاية للملا على القارى رحمه الله تعالىٰ، كتاب الصلاة، باب الشهيد، ص: ۳۳۴، سعيد)

(۲) (تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب الشهيد: ۱/۵۹۲، دارالكتب العلميه، بيروت)

(۳) "عن عقبة بن عامر رضى الله تعالىٰ عنه أن النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم خرج يوماً، فصلى على =

احادیث کا بھی اور شرح نقایہ کی راویت کا بھی۔ آثار سنن: ۲/۱۲۱ میں(۱)، نسائی(۲) طحاوی(۳)، ابن ماجہ(۴)، طبرانی(۵) اور ابوداؤد(۶) سے بھی روایات نقل کی ہیں، جن میں بعض کی اسانید محدثین کے نزدیک صحیح ہیں، بعض کی اس سے کم درجہ کی ہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۷/۱/۸۷ھ۔

= اهل أحد صلاته على الميت، ثم انصرف إلى المنبر". الحديث. (صحيح البخاري، كتاب الجنائز، باب الصلاة على الشهيد: ۱/۱۷۹، قديمي)

(والصحيح لمسلم، كتاب الفضائل، باب إثبات حوض نبينا صلى الله عليه وسلم وصفاته: ۲/۲۵۰، قديمي)

(۱) (آثار السنن، أبواب الجنائز، باب في الصلاة على الشهداء، ص: ۳۳۲، ۳۳۳، مكتبه إمداديه)

(۲) "عن شداد بن الهاد رضي الله تعالىٰ أن رجلاً من الأعراب جاء إلى النبي صلى الله عليه وسلم فآمن به واتبعه". وذكر الحديث. وفيه: أنه استشهد، فصلى عليه النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم". رواه النسائي والطحاوي وإسناده صحيح". (سنن النسائي، كتاب الجنائز، باب الصلاة على الشهداء: ۱/۲۷۷، قديمي)

(۳) (الطحاوي في شرح معاني الآثار، في كتاب الجنائز، الصلاة على الشهداء: ۱/۳۳۹، سعيد)

(۴) "عن ابن عباس رضي الله عنهما قال: أتي بهم رسول الله صلى الله عليه وسلم يوم أحد، فجعل يصلي عشرةً عشرةً، وحمزة هو كماهو، يرفعون، وهو كما هو موضوع". (سنن ابن ماجة، كتاب الجنائز، باب ماجاء في الصلوة على الشهداء ودفنهم: ۱/۱۰۹، قديمي)

(والطحاوي في شرح معاني الآثار في كتاب الجنائز، باب الصلوة على الشهداء: ۱/۳۳۸، سعيد)

(۵) (السنن الكبرى للبيهقي، كتاب الجنائز، باب من زعم أن النبي صلى الله عليه وسلم صلى على شهداء أحد: ۴/۱۲، اداره تاليفات اشرفيه)

(ونصب الراية، كتاب الصلاة، باب الجنائز، أحاديث الصلاة على الشهيد والاختلاف في ذلك: ۲/۳۰۸، موسسة الريان مكتبة المكيه)

(۶) "وعن أبي مالك الغفاري رضي الله تعالىٰ عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم صلى على قتلى أحدعشرةً عشرةً في كل عشرة حمزة، حتى صلى عليه سبعين صلوةً". (مراسيل أبي داؤد، في ماجاء في الجنائز، في الصلوة على الشهداء، ص: ۱۸، سعيد)

غیر مسلم کو "شہید مرحوم" لکھنا

سوال[۴۴۰۸]: اکثر اخبار والے غیر مسلم کو شہید مرحوم لکھتے ہیں۔ کیا غیر مسلم کو شرعاً شہید مرحوم لکھنا درست ہے؟ جواب مسئلہ کا بالتشریح وبحوالہ کتب عنایت فرمائیں۔

سائل: عبدالکمال عبدالمجید مظفر پوری۔

الجواب حامداً ومصلياً:

"شہید" ایک شرعی اصطلاح ہے اس کے لئے مسلم ہونا شرط ہے: "الشهيد هو كل مسلم طاهر قتل ظلماً، الخ"(۱)، جس میں یہ شرط نہ ہو وہ شریعت کے اعتبار سے شہید نہیں ہوسکتا، اس کو شہید کہنا غلط ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔



(۱) (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الشهيد: ۲/۲۴۷، سعيد)

"أما الأول فمبنيٌّ على شرائط الشهادة وهي أنواع .... ومنها كون المقتول مسلماً، الخ".

(بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل بيان من يكون شهيداً ومن لايكون: ۲/۶۲، ۶۸، رشيديه)

"ولو أريد تصويره على رأى أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ، قيل: كل مسلم مكلف لاغسل عليه قتل ظلماً من أهل الحرب، الخ". (فتح القدير، كتاب الصلاة، باب الشهيد: ۲/۴۳ مصطفى البابي الحلبي، مصر)

کتاب الزکاۃ

جوغنی زکوۃ نہ دے، اس کا حکم

سوال[۴۴۰۹]: عمر کے پاس اتنا مال ہے کہ جس پر زکوۃ واجب ہوتی ہے مگر نہ تو وہ زکوۃ دیتا ہے اور نہ خیرات کرتا ہے اور بہت ہی کنجوس ہے اس کے برابر میں اس کا پڑوسی زید رہتا ہے جو کہ بالکل غریب ہے بلکہ ایک دو وقت کا اس پر فاقہ گزر جاتا ہے، عمر کو اس کا ایسی حالت میں ہونا معلوم ہے مگر وہ اس کی کوئی امداد نہیں کرتا۔ عمر میں اور ایک عادت بُری ہے کہ نماز روزہ بھی ادا نہیں کرتا۔ عمر جب کہ معلوم ہوتے ہوئے ایسا کرتا ہے تو اس کے لئے شرعی حکم کیا ہے؟

الجواب حامداً و مصلياً:

وہ بڑا بے مروت اور سخت گناہگار ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۷/صفر/ ۶۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

---

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿والذين يكنزون الذهب والفضة ولا ينفقونها في سبيل الله، .... فذوقوا ما كنتم تكنزون﴾ (التوبة: ۳۴)

"عن خالد بن أسلم قال: خرجنا مع عبد الله بن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما فقال أعرابي: أخبرني عن قول الله تعالى: ﴿والذين يكنزون الذهب والفضة﴾ قال ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما: "من كنزها فلم يؤدّ زكاتها، فويلٌ له إنما كان هذا قبل أن تنزل الزكاة، فلما أنزلت جعلها الله طهراً للأموال".

"عن أبي هريرة قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من آتاه الله مالاً فلم يؤد زكاته، مُثّل له ماله يوم القيامة شجاعاً أقرع، له زبيبتان يطوقه يوم القيامة، ثم يأخذ بلهزمتيه يعني بشدقيه، ثم يقول: أنا مالك أنا كنزك، ثم تلا: ﴿ولا تحسبن الذين يبخلون﴾ الآية.......... ﴿بما آتاهم الله من فضله هو خيراً لهم، بل هو شر لهم﴾ الخ". (صحيح البخاري: ۱/۱۸۸، قديمي) .... =

جس غلہ کی زکوۃ نہ دی جائے اس کا حکم

سوال[۴۴۱۰]: اکثر کھیتی کرنے والے جب کہ وہ غلہ اکٹھا کرتے ہیں اور حکم ہے کہ دس من غلہ سے ایک ایک من غلہ زکوۃ نکالیں اور وہ زکوۃ نہیں نکالتے تو کیا ایسے مال سے کوئی نیک کام مثل قربانی، عقیقہ یا میت کے لئے ایصالِ ثواب کر سکتے ہیں یا نہیں، اگر کر سکتے ہیں تو از روئے شرع کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

جو شخص واجب نہیں ادا کرتا تو وہ گنہ گار ہے (۱) لیکن اس سے وہ غلہ حرام نہیں ہوتا، اس کا استعمال اپنی ذاتی ضروریات میں بھی درست ہے اور اور عبادت میں بھی۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

جو زکوۃ ادا نہیں کرتا اس کا ہدیہ قبول کرنا

سوال[۴۴۱۱]: جو لوگ اپنے حلال مال کی زکوۃ ادا نہیں کرتے ہیں، ایسے لوگوں کے یہاں دعوت کھانا اور وہ کچھ تحفہ وغیرہ دیں تو قبول کرنا شرعاً کیا جائز ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

جو شخص زکوۃ ادا نہیں کرتا ہے حالانکہ اس کے ذمہ زکوۃ فرض ہے تو وہ سخت گناہگار ہے (۲)، زکوۃ اس کے ذمہ دین ہے مگر اس کی وجہ سے اس کا اصل مال حرام نہیں ہوا، اس کا ہدیہ تحفہ، دعوت قبول کرنا درست ہے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، ۲۴/۴/۹۰ھ۔

= (وسنن أبي داؤد: ۲۱۸/۱، باب الكنز ما هو الخ. دار الحديث، ملتان)

(۱) (تقدم تخريجه تحت عنوان: ''جو غنی زکوۃ نہ دے، اس کا حکم'')

(۲) (تقدم تخريجه تحت عنوان: ''جو غنی زکوۃ نہ دے، اس کا حکم'')

(۳) "أهدىٰ إلى رجل شيئاً أو أضافه إن كان غالب ماله من الحلال، فلا بأس، إلا أن يعلم بأنه حرام، فإن كان الغالب هو الحرام، ينبغي أن لا يقبل الهدية و لا يأكل الطعام، إلا أن يخبره بأنه حلالٌ ورِثَه أو استقرضَه من رجل، كذا في الينابيع". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳۴۲/۵، الباب الثاني عشر في الهدايا والضيافات، رشيديه)

زکوۃ کو جمع رکھنا

سوال[۴۴۱۲]: ماہِ رمضان میں جوزکوۃ کا روپیہ جمع کیا ہے کیا وہ زکاۃ کا روپیہ عید کو نماز سے پہلے (حقدار تک) یعنی ضرورتمند نہ ملنے پر سال کے آخر تک یا ایک عرصہ تک کسی اَور امدادی مصرف کے لئے جمع رکھا جاسکتا ہے، مندرجہ بالا سوال کی تفصیل اس طرح ہے کہ میں ''کوئی مسلم انجمن'' کا سیکٹری ہوں، پچھلے دوسال سے ہماری انجمن نے ماہ رمضان میں زکوۃ کے نام پر کل ایک سوستر ہیرے جمع کئے تھے، اس مال میں سے صرف ۲۵/ ۳۷/ دوضرورت مندوں کو دیئے گئے تھے اور باقی رقم ۷۵/۱۳۲/ ابھی تک انجمن کے پاس جمع ہیں۔

اس سال پھر انجمن ماہ رمضان میں زکوۃ کا روپیہ جمع کرنے کا ارادہ رکھتی ہے، میں نے بحیثیتِ سیکریٹری انجمن کے اس ارادے کی مخالفت کی انجمن عاملہ کے چند ممبران میری اس مخالفت کو ماننے کے لئے تیار نہیں، ان کا کہنا ہے کہ یہ جمع شدہ روپیہ ہم اپنے پاس رکھ کر کسی اور امدادی مصرف کے لئے صرف کرسکتے ہیں اور یہ ضروری نہیں ہے کہ زکوۃ کا روپیہ عید کی نماز سے پہلے ضرورت مندوں کو دیدیا جائے۔ لیکن میرا یہ کہنا ہے کہ جب ہماری انجمن کے ممبران میں کوئی ایسا ضرورت مند نہیں ہے جو حقیقی زکوۃ کا حقدار ہے تو جب تک کہ پہلے جمع شدہ زکوۃ کا روپیہ حقیقی حقداروں کو نہ پہنچ جائے اس سال زکوۃ جمع نہ کی جائے، جو ممبران زکوۃ دینے کی حیثیت رکھتے ہیں یا زکوۃ دینا چاہتے ہیں وہ اپنے قریبی رشتہ داروں یا پڑوسیوں یا محلّہ کی مسجد میں دیدیں۔ اب آپ ہی ہماری اس الجھن کو اسلام کی روشنی میں سلجھائیں۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

مستحق کو زکوۃ جلد از جلد پہونچادینا بہتر ہے تاکہ فریضہ جلد ہی ادا ہوجائے (۱) مگر یہ ضروری نہیں کہ عید

---

(۱) (وافتراضها عمريٌّ): أي على التراخي، وصححه الباقاني وغيره (وقيل: فوري): أي واجب على الفور (وعليه الفتوى) كما في شرح الوهبانية (فيأثم بتأخيرها) بلا عذر". "(قوله: فيأثم بتأخيرها، الخ) .... وقد يقال: المراد أن لايؤخر إلى العام القابل: لما في البدائع عن المنتقى -بالنون-: إذ لم يؤد حتى مضى حولان، فقد أساء وأثم، اهـ". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الزكوة: ۲/۲۷۱، سعيد)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الزكوة، فصل كيفية فرضية الزكاة: ۲/۷۷، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانيه، كتاب الزكوة: ۲/۱۶۴، ۱۶۵، قديمي)

کی نماز سے پہلے ہی دیدی جائے، اگر مستحق موجود نہ ہوں تو تاخیر بھی کی جاسکتی ہے، لیکن سال بھر پورا ہونے سے پہلے ہی ادا کردی جائے، کسی اَور مد میں اس کو صَرف کرنا جائز نہیں، انجمن کے پاس جب زکوٰۃ کے صحیح مصرف موجود نہیں ہیں تو زکوۃ وصول نہ کرے بلکہ اس کے سب ممبر اپنے قریبی مستحق رشتہ داروں: بھائی بہن، خالہ، پھوپی، چچا، ماموں اور ان کی اولاد کو خود ہی حسب صوابدید دے دیا کریں، اس امانت کو محفوظ رکھنے اور اس کو مستحقین پر صرف کرنے کی ذمہ داری نہ لیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۱/۹۲ھ۔

زکوۃ دے کر احسان جتانا

سوال [۴۴۱۳]: میں نے زکوۃ فرض میں سے بیس روپے ایک بیوہ عورت کو دے دیئے مگر ایک مرتبہ غصہ میں یہ الفاظ نکل گئے کہ ''زکوۃ کھا کر مقابلہ کرتی ہے'' ان الفاظ سے زکوۃ باطل ہوجائے گی یا نہیں؟ جیسا کہ پارہ "تلك الرسول" کے الفاظ ہیں: ﴿يـأيها الذين امنوا لا تبطلوا صدقاتكم بالمن والأذى﴾ (۱) اور اب اس روپے کی مقدار دوبارہ دینا ضروری ہے یا نہیں؟ نیز یہ واقعہ زکوۃ دینے سے تقریباً ایک سال بعد کا ہے۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

اس زکوۃ کا تو دوبارہ ادا کرنا ضروری نہیں کیونکہ فریضہ ادا ہوگیا ہے، البتہ اس پر رضائے خداوندی مرتب نہیں ہوگی اس کے لئے معافی مانگنے اور اس کو خوش کرنے کی ضرورت ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۶/۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۶/۹۲ھ۔



---

(۱) (البقرہ: ۲۶۴)

(۲) "أخبر الله تعالىٰ في هذه الأيات أن الصدقات إذا لم تكن خاصةً لله عاريةً من منّ وأذى، فليست بصدقة؛ لأن إبطالها هو إحباط ثوابها، فيكون فيها بمنزلة من لم يتصدق .... و ما لم يخلص لله تعالىٰ من القرب فغير مثاب عليه فاعله الخ". (أحكام القرآن للجصاص: ۱/۶۳۳، باب الامتنان بالصدقة، قديمى)

(و كذافي تفسير ابن كثير: ۱/۴۲۵، مكتبه دار السلام، رياض)

(و كذا في الفقه الإسلامي و أدلته: ۳/۲۰۵۹، باب ما يحرم و يكره وما يستحب في الصدقة، رشيديه)

باب وجوب الزکاۃ

(وجوبِ زکوٰۃ کا بیان)

صاحبِ نصاب ہونے کے بعد سال کے آخر میں بقیہ رقم پر وجوبِ زکوٰۃ

سوال[۴۴۱۴]: حامد ۳۰/شعبان/۱۳۸۷ھ کو صاحبِ نصاب تھا اور یکم رمضان المبارک ۱۳۸۸ھ کو بھی صاحبِ نصاب ہے، لیکن فرق یہ ہے کہ شعبان میں اس کے پاس پانچ سو روپئے تھے اور یکم رمضان المبارک کو تین سو روپئے ہیں۔ اب کس قدر روپیہ زکوٰۃ لگائے گا؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

مالکِ نصاب ہونے کے بعد سال پورا ہونے پر جتنے مال کا وہ مالک ہے اس کی زکوٰۃ لازم ہوگی، مثلاً صورتِ مسئولہ میں اس کے پاس سال پورا ہونے پر صرف تین سو روپیہ ہے تو بس اسی مقدار پر زکوٰۃ (ساڑھے سات روپے) لازم ہوگی (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۹/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۹/۸۸ھ۔

حولانِ حول میں قمری سال کے اعتبار سے حساب میں دشواری ہو تو کیا کیا جائے؟

سوال[۴۴۱۵]: بندہ سابقہ رمضان المبارک کی کسی تاریخ میں اپنے مال کا حساب کرکے زکوٰۃ ادا

---

(۱) "قال حسن بن عمار بن علي: وشرط وجوب أدائها حولان الحول علی النصاب الأصلي". (مراقي الفلاح، ص: ۷۱۴، کتاب الزکوۃ، قدیمي)

(وکذا في الدرالمختار شرح تنویر الأبصار: ۲/۲۵۹، کتاب الزکاۃ، سعید)

(وکذا في البحر الرائق: ۲/۳۵۶، کتاب الزکوۃ، رشیدیه)

وکذا في تبیین الحقائق: ۲/۲۲، کتاب الزکوۃ، دار الکتب العلمیة بیروت)

کردیا کرتا تھا اس کے بعد سال تمام کے لئے رمضان المبارک کی بیس تاریخ معین کرکے زکوۃ ادا کرنے لگا، لیکن اب تجارت میں شرکت کی وجہ سے رمضان شریف میں حساب کرنا بہت دشوار ہے، دشواری اس لئے بھی ہے کہ سرکاری انکم ٹیکس وغیرہ کا حساب انگریزی سال سے ہوتا ہے، اسی لئے تمام کمپنیوں وغیرہ میں انگریزی سال تمام تر لاکھوں روپیہ کے آمد وخرچ وقرض اور موجود مال وغیرہ کا حساب کیا جاتا ہے جس کے لئے کافی وقت کی ضرورت ہے اور یہ حساب کا کمائی شرکاء کمپنی میں سے صرف ایک کی مرضی پر نہیں ہوسکتا ہے۔ پس ارشاد ہے کہ آیا شرعاً اس کی گنجائش ہے کہ ہمیشہ آخر دسمبر میں حساب کے بعد اس کے مطابق زکوۃ ادا کیا کریں؟ اسلامی سال تقریباً ۳۶۰/ دن کا اور انگریزی سال ۳۶۷/ دن کا ہوتا ہے، پس گنجائش ہونے کی حالت میں انگریزی سال کے سات دن زائد کا حساب کس طرح کیا جائے، نیز یہ کہ ہمیشہ ۲۰/ رمضان کو حساب کیا کرتا تھا اور اب اس کے بعد آخر ماہ دسمبر میں حساب کرنے کی حالت میں ڈیڑھ دو ماہ اور ہو جائیں گے، پس اس ڈیڑھ دو ماہ زائد مدت کا شرعاً کیا حکم ہے؟ فقط والسلام۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

"فی القنیة: العبرة فی الزکوة للحول القمری". بحر: ۲/۲۱۹ (۱)۔ اس عبارت سے معلوم ہوا کہ شرعاً زکوۃ میں قمری سال کا اعتبار ہوتا ہے لہذا مقدار واجب میں تو قمری سال ہی کا اعتبار کیا جائے، البتہ ادائے زکوۃ میں تقدیم وتاخیر کی بھی گنجائش ہے، مثلاً رمضان کی ۲۰/ تاریخ کو سال پورا ہوا اس تاریخ کی مالیت مقدار واجب میں معتبر ہوگی، لیکن ادا کرنے کے لئے اس وقت روپیہ موجود نہیں بلکہ وہ ایک یا دو ماہ بعد ملا ہے تو روپیہ ملنے پر ادا کردیا جائے اور یہ نہ سمجھا جائے کہ زکوۃ اب واجب ہوئی بلکہ زکوۃ تو ۲۰/ رمضان کو واجب ہوچکی تھی مگر اس کی ادائیگی اب ہوئی، یہ روپیہ کچھ عرصہ پہلے ہی مل گیا ہوتا تو زکوۃ پہلے ہی ادا کردی جاتی۔ بہتر تو یہ ہے

---

(۱) (البحر الرائق: ۲/۳۵۶، کتاب الزکوة، رشیدیه)

"و منها حولان الحول علی المال، العبرة فی الزکاة للحول القمری، کذا فی القنیة".

(الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۱۷۵، الباب الأول فی تفسیر ها و صفتها الخ، رشیدیه)

"(قوله: هو نسبة للحول): أی الحول القمری لا الشمسی". (ردالمحتار: ۲/۲۵۹، کتاب الزکاة، سعید)

کہ ۲۰/ رمضان کو بہرصورت زکوۃ ادا کردی جائے اور حساب ہونے پر ۲۰/ رمضان کی مالیت کو دریافت کرکے کمی بیشی کے فرق کو پورا کردیا جائے۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، معین مفتی مظاہر علوم، ۶/۲/۱۳۶۰ھ۔

الجواب صحیح :سعید احمد غفرلہ۔

وسطِ سال کی آمدنی بھی سال تمام کی آمدنی کے تابع ہوگی

سوال[۴۴۱۶] : زید ہر سال شعبان میں زکوۃ نکالتا ہے،شعبان کے بعد اس کے پاس جو روپیہ آیا اس پر تو حولانِ حول نہیں ہوا،اب جو اگلا شعبان آئے گا تو اس وقت درمیانی سال والے روپیہ جس پر سال نہیں گزرا ہے،اس کی زکوۃ نکالے گا یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

جس روپیہ پر سال گزر چکا ہے اس کے تابع یہ روپیہ ہوکر مجموعہ پر زکوۃ واجب ہوگی (۱)۔فقط واللہ اعلم۔

مالِ زکوۃ سال گذرنے سے دوبارہ زکوۃ واجب ہوگی یا نہیں؟

سوال[۴۴۱۷] : ایک شخص صاحبِ نصاب نے زکوۃ یا خیرات کی مد میں کچھ روپیہ نکال کر رکھ دیا اور تقسیمِ غرباء کے بعد اس رقم میں سے کچھ روپیہ آئندہ پورے ایک سال تک بچا رکھا رہا تو کیا سال آئندہ اس بچے ہوئے روپیہ پر بھی زکوۃ واجب ہوگی یا یہ کہ یہ رقم زکوۃ سے مستثنیٰ ہوگی؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر یہ رقم فقراء یا ان کے کسی وکیل کی ملک اور قبضہ میں نہیں پہونچی ہے بلکہ صاحبِ نصاب ہی کی ملک

---

(۱) "المستفاد في أثناء الحول، فيضم إلى مجانسه، ويزكي بتمام الحول الأصلي". (مراقي الفلاح، ص: ۴۱۷، كتاب الزكوة، قديمي)

(وكذا في الهداية: ۱/۱۹۳، فصل في الغنم، مكتبه شركة علميه، ملتان)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۲/۶۲، باب صدقة الغنم، دار الكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في بدائع الصنائع: ۲/۴۰۰، كتاب الزكاة، دار الكتب العلميه، بيروت)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۱/۲۰۷، باب زكاة الذهب والفضة، دار إحياء التراث العربي بيروت)

میں رہی، گو سال پھر گزر جانے سے اس دوسری مملوک رقم کی طرح زکوۃ واجب نہ ہوگی گو محض علیحدہ رکھدینے سے یہ رقم نہ اس کی ملک سے خارج ہوئی نہ فقراء کے ملک میں داخل ہوئی (۱)، آئندہ سال اس رقم کو ہٹا کر کے زکوۃ ادا کی جائے اور اس رقم کو گذشتہ زکوۃ واجبہ شمار کر کے مستقلاً ادا کیا جائے (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵۹/۲/۲۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم، یکم/ ربیع الاول۔

مقدارِ نصاب اور دین اور مالِ صبی میں زکوۃ کا حکم

سوال[۴۴۱۸]: کاشتکار جو کہ سرکاری لگان بھی دیتا ہے، کیا اس پر بھی زکوۃ واجب ہے کیونکہ لگان جبراً ناجائز طور پر لے جاتی ہے، اگر ہے تو کتنا اور کس مقدار میں اور کتنے غلہ پر وجوب ہوتا ہے؟ اگر ایک شخص نوکری کرتا ہے اور ہمیشہ پچاس روپے ملتے ہیں تو زکوۃ واجب ہے یا نہیں اور جو شخص کھیت والا ہے یعنی بطورِ قبالہ یا بطورِ رہن ہے تو وہ صاحبِ نصاب ہوگا اور زکوۃ واجب ہوگی یا نہیں اور صدقۃ الفطر اور قربانی ایسے شخص پر واجب ہوگی یا نہیں؟

زیور اگر ہو تو اس کا وزن وجوب کے لئے کتنا ہونا چاہئے، اگر بعضے زیور غالب چاندی نہ ہو تو اس کا کیا حکم ہوگا؟ اور وہ ایک شخص کے ہوں مگر وہ یہ کہتا ہے کہ اپنی بہو کو دیدیا ہے حالانکہ ابھی اس کے لڑکے کی شادی بھی نہیں ہوئی، یا کہتا ہے کہ چھوٹی لڑکی کو دے دیا اور رکھتا ہے اپنے ہی پاس تو واجب ہوگی یا نہیں؟ نقودِ مروجہ کو

---

(۱) چونکہ یہ فقراء کا حق ہے اور وہ اب تک مالک نہیں بنے اور ان پر زکوۃ نہیں "وسببه: أي سبب افتراضها ملك نصاب حولي". (الدرالمختار). وفي ردالمحتار: "فلا زكوة في سوائم الوقف والخيل المسبلة لعدم الملك".
(كتاب الزكاة: ۲/ ۲۵۹، سعيد)

(۲) "وشرطه صحة أدائها ...... أو مقارنة بعزل ما وجب كله أو بعضه، و لا يخرج عن العهدة بالعزل، بل بالأداء للفقراء الخ". (الدرالمختار: ۲/ ۲۷۰، كتاب الزكاة، سعيد)

(و كذا في النهر الفائق: ۱/ ۴۱۸، كتاب الزكاة، امداديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۲/ ۳۰، كتاب الزكوة، دار الكتب العلميه بيروت)

(وكذا في الطحطاوي على مراقي الفلاح، ص: ۷۱۵، كتاب الزكاة، قديمي)

چاندی کا حکم ہے یا عروض کا، یا کیا حکم ہے؟ مفصل تحریر کریں۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

جو غلہ غیر عشری زمین میں پیدا ہوتا ہے اس میں عشر نہیں ہوتا، غلہ میں عشر ہوتا ہے زکوۃ نہیں ہوتی بشرطیکہ عشری زمین میں ہو(۱) اور جس شخص کے پاس مقدارِ نصاب ساڑھے باون تولہ چاندی یا ساڑھے سات تولہ سونا ہو یا اتنی قیمت کا تجارتی مال ہو اس پر زکوۃ واجب ہوتی ہے بشرطیکہ سال پورا گزر جائے (۲)، پس اگر ماہوار یہ تنخواہ ختم کر دیتا ہے تو اس پر زکوۃ واجب نہیں اور اگر کچھ مقدار نصاب کے پورا ہونے کے بعد وسطِ سال میں زیادتی رہتی ہے تو ختم پر موجودہ رقم کی زکوۃ واجب ہوگی بشرطیکہ اخیر میں بھی مقدارِ نصاب موجود ہو(۳)۔

جو جائیداد پیسے سے خریدی ہے اس پر زکوۃ نہیں ہے، رہن کی صورت میں قرض جو روپیہ دیا گیا ہے اس پر زکوۃ ہے مگر اس کی ادائیگی بعد وصولی ہے(۴)، بقدرِ ضرورت اگر جائیداد ہے تو اس سے صاحبِ نصاب نہیں

---

(۱) "وأما شرائط المحلية: فأنواع: منها أن تكون الأرض عشريةً، وإن كانت خراجيةً، يجب فيها الخراج". (بدائع الصنائع: ۱۰۵/۲، فصل في شرائط المحلية، دار الكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱۸۵/۱، الباب السادس في زكوة الزرع و الثمار، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية: ۲۳۰/۲، الفصل الثالث فيمن يجب عليه العشر و فيمن لا يجب، إدارة القرآن، كراچی)

(۲) "ونصاب الذهب عشرون مثقالاً، والفضة مائتا درهم، كل عشرة دراهم وزن سبعة مثاقيل".

(الدرالمختار: ۲۹۵/۲، باب زكاة المال، سعيد)

(وكذا في النهر الفائق: ۴۳۶/۲، باب زكاة المال، امداديه ملتان)

(وكذا في المبسوط: ۱۷۴/۱، باب زكاة المال، حبيبيه كوئٹه)

(۳) "ويضم مستفاد من جنس نصاب إلى النصاب في حوله وحكمه: أی فی حكم المستفاد أو الحول، وحكم الحول وجوب الزكاة أيضاً، فمن ملك مائتی درهم و حال الحول و قد حصلت في أثنائه أو في وسطه مأة درهم يضمها إليه و يزكي عن الكل". (مجمع الأنهر: ۲۰۷/۱، زكوة الذهب و الفضة، دارإحياء التراث، بيروت)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۲۲/۲، باب صدقة الغنم، دارالكتب العلميه، بيروت)

(۴) "قسّم أبو حنيفة الدّين على ثلاثة أقسام: قويٌّ: و هو بدل القرض و مال التجارة، ومتوسط .... =

ہوتا، نہ اس پر زکوۃ وصدقہ وقربانی واجب ہوئی ہے۔

زیور کا نصاب بھی وہی ہے جو پہلے بتلایا گیا ہے، جس زیور میں چاندی غالب ہو وہ چاندی کے حکم میں ہوگا ورنہ جو چیز غالب ہوگی اس کے حکم میں ہوگا۔ نقودِ مروجہ جن میں چاندی غالب ہے وہ چاندی کے حکم میں ہیں ورنہ وہ مستقل اپنا حکم رکھتے ہیں (۱)۔ جب بہوا بھی تک موجود نہیں ہے تو اس کے لئے وہ ہبہ نہیں ہوا، اس کی زکوۃ دینی واجب ہے، چھوٹی لڑکی کو اگر دے دیا ہے خواہ اپنے پاس رکھے تو زکوۃ واجب نہیں ہوگی (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

دَینِ مہر کیا مانعِ وجوبِ زکوۃ ہے؟

مندرجہ ذیل مسائل میں مفتیٰ بہ قول کیا ہے:

سوال[۴۴۱۹]: ۱...... زوجہ کا مہر زوج کے لئے مانع زکوۃ ہوتا ہے یا کہ نہیں؟ مہر مؤجل ومعجل ہر دو کا حکم بیان فرمادیں۔

= ففي القوی تجب الزكاة إذا حال الحول و يتراخى القضاء إلى أن يقبض أربعين درهماً الخ".

(البحرالرائق: ۳۶۳/۲، كتاب الزكاة، رشيديه)

(وكذا في خلاصة الفتاوى: ۲۳۸/۱، الفصل السادس في الديون، امجد اكيڈمی، لاهور)

(۱) " ويكمل نصاب الفضة بنصاب الذهب، و نصاب الذهب بنصاب الفضة، و بعروض التجارة أيضاً، إلا أن عند أبي حنيفة يكمل نصاب الفضة بنصاب الذهب باعتبار القيمة". (فتاویٰ قاضی خان: ۲۵۰/۱، فصل في مال التجارة، رشيديه)

وكذا في البحر الرائق: ۴۰۰/۲، باب زكاة المال، رشيديه)

(وغالب الفضة والذهب فضة وذهب، وماغلب غشه) منهما (يقوم) كالعروض". (الدرالمختار، كتاب الزكاة، باب زكاة المال: ۳۰۰/۲، سعيد)

(۲) "و شرط افتراضها عقل، و بلوغ، وإسلام، و حرية". (تنوير الأبصار مع الدرالمختار: ۲۵۸/۲، كتاب الزكاة، سعيد)

(وكذا في ملتقى الأبحر على هامش مجمع الأنهر: ۱۹۲/۱، كتاب الزكاة، دار إحياء التراث العربي بيروت)

کیا عورت کے دَینِ مہر پر زکوۃ لازم ہے؟

سوال[۴۴۲۰]: ۲......مہر کو مانعِ زکوۃ نہیں تو زوجہ کے ذمہ اس مہر کی زکوۃ لازم ہوگی یا کہ نہیں؟ دَین کی زکوۃ دَین دینے والے پر ہوتی ہے، یہ حکم یہاں اس صورت میں لگے گا یا کہ نہیں؟ جب کہ دَینِ مہر کو زوج نے دینِ مستغرق نصاب قرار دیا ہے؟

مسائلِ مذکورہ میں الجھن کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے دیار میں دَینِ مہر کو مانعِ زکوۃ نہیں کرتے ہیں، اس لئے زوجہ کے ذمہ مہر کی زکوۃ قبل قبض نہیں سمجھتے ہیں۔

اصول الشاشی میں ہے:"وفرع محمد على هذا فقال: إذا تزوج امرأة على نصاب، وله نصاب من الغنم و نصاب من الدراهم، يصرف الدين إلى الدراهم، حتى لو حال عليها الحول تجب الزكوة عنده في نصاب الغنم، و لا تجب على الدراهم"۔ بین السطور میں ہے:"لكونها مستغرقة بالدين"۔ اورحاشیہ پر ہے:"و هو نصٌّ على أن دَين المهر يمنعه، معجلًا كان أو مؤجلًا"(۱)۔

اس قاعدہ سے کہ:''وہ دَین جس کا مطالبہ عبد کی جانب سے ہو مانعِ زکوۃ ہے''، مہر کو مانعِ زکوۃ ہونا چاہئے کیونکہ زوجہ کوحقِ مطالبہ ہے اور جب مہر مانعِ زکوۃ ہے تو زوجہ کے ذمہ اس کی زکوۃ ہونی چاہئے حالانکہ فقہائے کرام مہر کے دَین کو دینِ ضعیف قرار دیتے ہیں۔ حضرت امام صاحب اس کا حکم یہ بیان کرتے ہیں کہ بعد قبض حولانِ حول ہونے پر مہر کی زکوۃ عورت ادا کرے۔ امید کہ جواب شافی سے مطلع فرمائیں گے۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

۱......زوج کے ذمہ دَینِ مہر واجب ہے، اگر وہ معجّل ہے یعنی جس وقت بھی زوجہ طلب کرے اس کا ادا کرنا ضروری ہے، یا مؤجل ہے لیکن زوج خود ہی اس کو ادا کرنے کی فکر اور سعی میں لگا ہوا ہے اور جمع کر رہا ہے تا کہ ادا کرے تو ایسا دَین مانع عن وجوب زکوٰۃ ہے، اس مقدار دَین کے علاوہ اس کے پاس بقدرِ نصاب مال ہوگا تو اس پر زکوۃ واجب ہوگی ورنہ نہیں، اگر زوج ادا کرنے کی فکر وسعی میں لگا ہوا نہیں بلکہ اس کو اطمینان ہے کہ ادا

(۱) (أصول الشاشي مع الحواشي، بحث الحقيقة والمجاز، ص: ۳۱، المكتبة الغفورية العاصمية، كراتشي)

نہیں کرنا ہے تو ایسا دین مانع عن وجوب زکوۃ نہیں ہے، کذا فی الطحطاوی علی الدر المختار (۱)۔

۲.....شوہر کے ذمہ یہ دین مانع ہو یا نہ ہو بہر صورت زوجہ پر اس کی زکوۃ لازم نہیں، وجوبِ زکوۃ کے لئے ملک لازم ہے اور دینِ مہر پر ابھی ملک ہی زوجہ کی متحقق نہیں ہوئی ہے، جب وصول ہو کر اس کی ملک ثابت ہو جائے گی اور اس پر سال بھر گزر جائے گا تب زوجہ کے ذمہ زکوۃ لازم ہو گی (۲) محض نکاح ہو جانے سے مہر پر ملک زوجہ ثابت نہیں ہو جاتی ہے صرف استحقاق ثابت ہوتا ہے وہ ابھی معرض زوال میں رہتا ہے، مثلاً اگر خلوتِ صحیحہ سے قبل شوہر طلاق دیدے تو نصف مہر کا استحقاق بھی ختم ہو جاتا ہے اور زوجہ کی ناشائستہ حرکت کی وجہ سے حرمت وتفریق ہو جاوے تو کل مہر ساقط ہو جاتا ہے، یہ شواہد ہیں کہ ابھی زوجہ کی ملک تو کیا ثابت ہوتی استحقاق بھی مؤکد نہیں ہوا۔

---

(۱) ("قوله: المؤجل) و قيل: المهر المؤجل لا يمنع؛ لأنه غير مطالب به عادةً، بخلاف المعجل، و قيل، إن كان الزوج عزم على الأداء منع، وإلا فلا". (الطحطاوی علی الدرالمختار: ۱/ ۳۹۱، دارالمعرفة بيروت)

" فإن كان عنده مال آخر للتجارة، يصير المقبوض من الدين الضعيف مضموناً إلى عنده، فتجب الزكاة وإن لم يبلغ نصاباً، الأولىٰ أن يقول، الخ". (الطحطاوی علی الدرالمختار: ۱/ ۴۱۱، دارالمعرفة بيروت)

"المهر المؤجل لا يمنع؛ لأنه غير مطالب به عادةً، بخلاف المعجل، وقيل: إن كان الزوج عزم على الأداء منع، وإلا فلا؛ لأنه لا يعدّ ديناً، كذا فى غاية البيان". (البحر الرائق : ۲/ ۳۵۷، كتاب الزكاة، رشيديه)

(وكذا فى مجمع الأنهر: ۱/ ۱۹۳، كتاب الزكاة، دارإحياء التراث العربى، بيروت)

(۲) "واعلم أن الديون عند الإمام ثلاثة .... و عند قبض مائتين مع حولان الحول بعده: أى بعد القبض من دين ضعيف، و هو بدل غير مال كمهر و دية و بدل كتابة و خلع، الخ". (الدرالمختار: ۲/ ۳۰۶، زكاة المال، سعيد)

(وكذا فى البحر الرائق: ۲/ ۳۶۳، كتاب الزكاة، رشيديه)

(وكذا فى مجمع الأنهر: ۱/ ۱۹۵، كتاب الزكاة، دارإحياء التراث العربى، بيروت)

(وكذا فى خلاصة الفتاوىٰ: ۱/ ۲۳۸، الفصل السادس فى الديون، امجد اكيڈمى لاهور)

اور جب کہ فقہاء نے دین کی تین قسمیں لکھ کر دَینِ مہر کا حکم لکھ دیا ہے کہ وہ وصول ہونے کے بعد سال بھر گزر جائے تب اس پر زکوۃ لازم ہوگی تو یہ مسئلہ بے غبار ہوگیا، ہاں اس میں بحث ہے کہ جس کا دَینِ مہر زوج پر لازم ہے اور وہ بقدرِ نصاب ہے تو آیا وہ مصرف زکوۃ ہے یا نہیں؟ جب کہ اس کے پاس فی الحال مقدارِ نصاب مانع عن اخذ زکوۃ موجود نہیں، علامہ ابن نُجیم لکھتے ہیں:

"وفی فتح القدير: و لو دفع إلى فقيرةٍ لها مهر دين على زوجها يبلغ نصاباً، و هو موسرٌ بحيث لو طلبت أعطاها، لا يجوز. وإن كان بحيث لا يعطي لو طلبت، جاز، اھ، و هو مقيد لعموم ما في الخانية: والمراد من المهر ما تعورف تعجيله؛ لأن ما تعُرف تأجيله، فهو دينٌ مؤجل لا يمنع أخذ الزكوة، و يكون في الأول عدم إعطائه بمنزلة إعساره، و يفرق بينه و بين سائر الديون بأن رفع الزوج للقاضي مما لا ينبغي للمرأة بخلاف غيره، لكن في البزازية: وإن كان موسراً والمعجل قدر النصاب، لا يجوز عندهما، و به يفتي للاحتياط، وعند الإمام يجوز مطلقاً، الخ". البحر الرائق، المصرف(۱)۔

دَینِ مہر اور دیگر دیون میں کچھ فرق بھی ہے جس کو عبارت بالا میں بیان کر دیا گیا ہے، دَینِ مہر کے حق زوج مانع عن وجوب الزکوۃ ہونے اور بحق زوجہ موجب الزکوۃ ہونے میں تلازم نہیں ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۵/۱۳ھ۔

مقروض پر وجوبِ زکوۃ کی ایک صورت

سوال[۴۴۲۱]: زید سات ہزار روپیوں کا نومہینوں سے مالک ہے اور قرضہ بھی تین ہزار روپیہ کا ہے واجب رمضان کی برکت حاصل کرنے کے لئے اس مہینہ میں زکوۃ دینا چاہتا ہے تو اب کتنی زکوۃ دینی چاہئے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

جب کہ سات ہزار کا مالک ہے اور تین ہزار کا مقروض ہے اور ابھی صرف نو ماہ ہوئے ہیں، تو ابھی زکوۃ کا

(۱) (البحر الرائق: ۴۲۰/۲، باب المصرف، رشیدیہ)

(وکذا في خلاصة الفتاوى: ۲۴۲/۱، كتاب الزكاة، امجد اكيدمي لاهور)

ادا کرنا واجب نہیں، لیکن اگر ابھی زکوۃ ادا کردی جائے تب بھی ادا ہو جائے گی (۱)، صرف چار ہزار کی ادا کردے اور تین ہزار قرض میں منہا ہو جائیں گے، پھر سال ختم ہونے پر حساب کرلیا جائے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند، ۱۷/۸/۹۰ھ۔

مقروض پر زکوۃ واجب ہے یا نہیں

سوال [۴۴۲۲]: حامد کاروباری آدمی ہے کمپنی میں بطورِ ضمانت اس کا روپیہ ہے، لیکن جس قدر ضمانت ہے، اس سے زیادہ وہ مقروض ہے، کیونکہ قرض خواہ کو اس پر اعتماد ہے اس لئے تقاضا نہیں ہے تو ضمانت والے کا کیا ہوگا، زکوۃ دے یا نہیں؟ اگر دیتا ہے تو پہلے قرض دے اور قرض دیتا ہے تو کچھ نہیں رہتا، کمپنی سے روپیہ لینے پر کاروبار معطل ہو جاتا ہے اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اس صورت میں اس پر زکوۃ واجب نہیں (۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند، ۱۳/۹/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۱۵/۹/۸۸ھ۔

---

(۱) "يجوز التعجيل بعد ما ملك النصاب، ولا يجوز قبله". (خلاصة الفتاوىٰ: ۱/۲۴۱، الفصل الثامن في أداء الزكاة، امجد اكيڈمی لاهور)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۱۷۶، الباب الأول في تفسيرها و صفتها، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۲/۶۹، باب صدقة الغنم، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) "وإن كان ماله أكثر من دينه، زكّى الفاضل إذا بلغ نصاباً لفراغه عن الحاجة الأصلية". (فتح القدير: ۲/۱۶۰، كتاب الزكاة، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

(وكذا في الدر المختار: ۲/۲۶۳، كتاب الزكاة، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۲/۲۶، كتاب الزكاة، دار الكتب العلمية، بيروت)

(۳) "و من كان عليه دين يحيط بماله، و له مطالب من جهة العباد سواء كان من النقود أو من غيرها، وسواء كان حالاً أو مؤجلاً، فلا زكاة عليه". (فتح القدير: ۲/۱۶۰، كتاب الزكاة، مصطفى البابي الحلبي، مصر)

مالکِ زمین مقروض پر زکوۃ

سوال[۴۴۲۳]: ایک شخص کے پاس اسّی نوے بیگہ زمین ہے وہ اس کا مالک ہے، لیکن چار پانچ ہزار روپے کا مقروض ہے اور وہ اس زمین کی پیداوار سے بمشکل تمام اپنی ضروریات پوری کرتا ہے اور تھوڑا بہت جو کچھ بچتا ہے اس کو وہ بسلسلۂ قرض، قرض خواہوں کو دیدیتا ہے۔ تو ایسا انسان شرعی طریقہ پر صاحب نصاب سمجھا جائے گا یا نہیں؟ اور اس پر زکوۃ فرض ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

ایسے شخص پر زکوۃ قربانی وغیرہ واجب نہیں بلکہ وہ خود مستحق زکوۃ ہے: "و لا زكوة في ثياب البدن وأثاث المنزل ودور السكنیٰ ونحوها كالحوانيت والعقارات". درمختار شامی: ۳/۱۰(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند، ۸۹/۳/۲۱ھ۔

مقروض دوالیہ پر وجوبِ زکوۃ وقربانی کا حکم

سوال[۴۴۲۴]: زید آج سے پہلے دس ہزار کا مقروض تھا اور قرض خواہوں نے حکومت میں مقدمہ دائر کرادیا تھا مگر زید کے پاس کوئی ایسی ملک نہ تھی کہ حکومت کے قانون کے موافق قرض خواہوں کو دی جاتی، اس وجہ سے حکومت کا قانون زید سے اٹھ گیا۔ اب زید فی الحال کچھ رقم یعنی پانچ ہزار کا مالک ہوا ہے مگر قرض خواہوں کو رقم ادا کرنے میں وہ رقم پوری نہیں ہوسکتی، ایک قرض خواہ کو کچھ رقم دے تو دوسرا قرض خواہ پریشان کرتا ہے اور

= (وكذا في الدر المختار: ۲/۲۶۳، كتاب الزكاة، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۲/۲۴، كتاب الزكاة، دار الكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في التاتارخانية: ۲/۲۸۷، الفصل العاشر في بيان ما يمنع وجوب الزكاة، إدارة القرآن كراچی)

(۱) (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/۲۶۴، كتاب الزكاة، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۲/۲۳، كتاب الزكاة، دار الكتب العلميه، بيروت)

(وكذا في خلاصة الفتاویٰ: ۱/۲۳۸، الفصل الخامس في زكاة المال، امجد اكيڈمی، لاهور)

(وكذا في النهر الفائق: ۱/۴۱۵، كتاب الزكاة، إمداديه)

زید کے پاس اتنی رقم نہیں کہ سب کوادا کر سکے۔ سوال یہ ہے کہ زید اس پانچ ہزار کی زکوۃ، فطرہ، قربانی وغیرہ ادا کرنا چاہے تو ہوسکتا ہے یا نہیں؟ زید سمجھتا ہے کہ قرض ادا کرنا مقدم ہے مگر رقم کافی نہ ہونے کی بنا پر اور قرض خواہوں کے پریشان کرنے کی وجہ سے ادا نہیں کرسکتا۔ اس صورت میں وہ صاحبِ نصاب ہوگا یا نہیں؟ اور زکوۃ ادا کرنی پڑے گی یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

قانونِ سرکاری کی رو سے اگر کوئی قرض خواہ قرض وصول نہ کر سکے تو زید شرعاً سبکدوش نہیں ہوا بلکہ زید کے ذمہ حتی الوسع اس کی ادائیگی فرض ہے اور جب تک قرض سے فاضل مقدارِ نصاب نہ ہو، زکوۃ فرض نہیں ہوگی (۱)، لہٰذا زید کو چاہئے کہ اولاً جس ترکیب سے مناسب اور مصلحت ہو قرض خواہوں کا قرض ادا کرے، پھر اگر فرض ہو، زکوۃ ادا کرے۔ فقط۔ واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۴/۳/۶۴ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۵/ ربیع الاول/۶۴ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۶/ ربیع الاول/۶۴ھ۔

حرام مال پر زکوۃ نہیں

سوال [۴۴۲۵]: حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی کسی کتاب میں دیکھا تھا، یاد نہیں وہ کون سی کتاب تھی کہ حرام مال میں بھی زکوۃ واجب ہے البتہ اس پر ثواب نہیں ملے گا۔ تو یہ صحیح ہے یا غلط؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

حرام مال جس پر ملکیت ہی حاصل نہیں ہوتی اس میں زکوۃ لازم نہیں، بلکہ اس مال کی واپسی یا اس کا

---

(۱) "سببه: أي سبب افتراضها ملک نصاب حولي، تام، فارغ عن دين له مطالب من جهة العباد".

(الدرالمختار: ۲/۲۵۹، ۲۶۰، كتاب الزكاة، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۱۷۲، الباب الأول في تفسيرها و صفتها، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۲/۱۹، كتاب الزكاة، دار الكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في العناية على فتح القدير: ۲/۱۶۰، كتاب الزكاة، مصطفى البابي الحلبي مصر)

تصدق لازم ہے جیسا کہ ''ردالمحتار'' میں ہے(۱)۔حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی عبارت یا کتاب سامنے ہوتو اس میں غور کیا جائے کہ کیا ارشاد فرمایا ہے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ،دارالعلوم دیوبند،۱۵/۱/۹۵ھ۔

مال حرام پر زکوۃ

سوال[۴۴۲۶]: اصل مال مثلاً ایک ہزار روپے میں سود کے ایک سو شامل ہوکر گیارہ سو روپے ہوگئے،کیا سود کی رقم کی بھی زکوۃ ادا کرنی ہوگی یا نہیں؟ایک مرتبہ مرادآباد میں حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا گیا تھا:حرام،چوری،رشوت وغیرہ کیا ان اموال میں زکوۃ دینی ہوگی؟حضرت نے فرمایا تھا کہ(جہاں تک مجھے یاد ہے)جب مال ہیں تو زکوۃ دینی ہوگی۔

الجواب حامداً و مصلياً:

حرام مال اگر جدا ہو مخلوط نہ ہو تو اس پر ملکیت ثابت نہیں اس پر زکوۃ بھی نہیں لیکن اگر وہ حرام مال حلال مال کے ساتھ مخلوط کردے تو یہ استہلاک ہے جو کہ موجبِ ملک ہے،غالباً حضرت مدنی نوراللہ مرقدہٗ کا جواب اسی بنیاد پر مبنی ہے لیکن جب کہ مقدار حرام مال کا تصدق واجب ہے تو پھر اس پر زکوۃ ہونے کا کوئی مطلب نہیں ورنہ لازم آئے گا کہ حرام مال کا ربع عشر بھی ادا کرے اور کل کو بھی صدقہ کرے(۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ،دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "و لو خلط السلطان المال المغصوب بماله الخ......... هذا إذا كان له مال غير مستهلک بالخلط الخ .... وإلا فلا زكاة كما لو كان الكل خبيثاً، كما في النهر عن الحواشي السعديه". (الدرالمختار).

وفي ردالمحتار: "في القنية: لو كان الخبيث نصاباً، لا يلزمه الزكاة؛ لأن الكل واجب التصدق عليه، فلا يفيد إيجاب التصدق ببعضه، اهـ". (كتاب الزكوة: ۲/۲۹۱، باب زكاة الغنم، سعيد)

(وكذا في البزازية: ۱/۸۶، كتاب الزكاة، الثاني في المصرف، رشيديه)

(وكذا في خلاصة الفتاوى: ۱/۲۴۵، الفصل التاسع الحظر والإباحة، امجد اكيڈمی، لاهور)

(وكذا في التاتارخانية: ۲/۲۸۹، ما يمنع وجوب الزكاة، إدارة القرآن، كراچی)

(۲) (تقدم تخريجه. تحت عنوان: ''حرام مال پر زکوۃ نہیں'')

سنیما کی آمدنی پر زکوٰۃ اور اس کا مسجد اور مدرسہ میں خرچ کرنا

سوال[۴۴۲۷]: مسجد یا مدرسہ میں سنیما کی آمدنی خرچ کی جاسکتی ہے یا نہیں؟ اگر کوئی شخص سنیما ہاؤس مسجد یا مدرسہ کو ہبہ کرنا چاہے تو اس کو کرایہ پر دینا یا فروخت کرکے اس کی رقم مسجد یا مدرسہ میں لگانا درست ہوگا یا نہیں؟ اور حرام اور سود سے کمائی ہوئی رقم پر زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

سنیما یا کوئی بھی ناجائز آمدنی کا مسجد یا مدرسہ میں خرچ کرنا درست نہیں (۱)، ایسی آمدنی کا تصدق ضروری ہے، غریب مسکین طلبہ ہی اس کے مصرف ہیں، تنخواہ وتعمیر وغیرہ میں خرچ نہ کریں۔ اگر سنیما ہاؤس جو کہ جائز آمدنی سے بنایا گیا تھا اس کو مسجد یا مدرسہ میں دے تو اس کو خالی کرا کے جائز محل میں صرف کیا جائے (کرایہ پر دیا جائے یا فروخت کیا جائے)۔ جس رقم (حرام کی ملک) پر ملک ثابت نہیں اس پر زکوٰۃ نہیں بلکہ اس کو واپس کرنا یا صدقہ کرنا ضروری ہے، کسی کام میں لانا بھی درست نہیں (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

مسجد اور مدرسہ کی رقم پر زکوۃ ہے یا نہیں؟

سوال[۴۴۲۸]: اگر کسی مسجد یا مدرسہ کی رقم نصاب کو پہونچ گئی، سال بھر گزرنے کے بعد اس پر زکوۃ

(۱) "ولا بأس بنقشه خلا محرابه بجص وماء ذهب لوبماله الحلال لامن مال الوقف فإنه حرام". (تنوير الأبصار مع الدر المختار)

قال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "قال تاج الشريعة : أمالو أنفق في ذلک مالا خبيثا ومالا سببه الخبيث والطيب فيكره؛ لأن الله تعالىٰ لايقبل إلا الطيب، فيكره تلويث بيته بمالا لايقبله، اهـ". (ردالمحتار: ۱/۶۵۸، كتاب الصلوة، باب الاستخلاف، مطلب: كلمة "لابأس" دليلٌ على أن المستحب غيره، سعيد)

(۲) "لو كان الخبيث نصاباً، لا يلزمه الزكاة ؛ لأن الكل واجب التصدق عليه، فلا يفيد إيجاب التصدق ببعضه، اهـ". (ردالمحتار: ۲/۲۹۱، باب زكاة الغنم، سعيد)

(وكذا في البزازية: ۱/۸۶، الثاني في المصرف، رشيديه)

(وكذا في خلاصة الفتاوىٰ: ۱/۳۴۵، الفصل التاسع في الحظر والإباحة، امجد اكيڈمی، لاهور)

واجب ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

مدرسہ یا مسجد کے پاس جب رقم بقدرِ نصاب ہوتو اس میں زکوۃ لازم نہیں (۱)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند۔

''فقیر'' قوم پر زکوۃ

سوال[۴۴۲۹]: زید تجارت کرتا ہے، صاحبِ نصاب ہے مگر قوم سے فقیر ہے، اب بھی وہی پیشہ کرتا ہے تو زید پر زکوۃ وقربانی فرض ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

زکوۃ کی فرضیت کا تعلق کسی خاص قوم سے نہیں بلکہ جو شخص بھی صاحبِ نصاب ہوگا اس پر قاعدہ شرعی کے موافق زکوۃ فرض ہوجائے گی خواہ وہ کسی قوم سے ہو، جب زید کو اللہ تعالیٰ نے مالدار بنادیا ہے تو اس پر زکوۃ لازم ہے (۲) اور اس کو مانگنا جائز نہیں ہے (۳)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند، ۸۹/۱۲/۲۴ھ۔

---

(۱) "فلا زكاة في سوائم الوقف والخيل المسبلة لعدم الملك". (ردالمحتار: ۲/۲۵۹، كتاب الزكاة، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۲/۱۹، كتاب الزكاة، دار الكتب العلمية، بيروت)

(۲) "و سبب افتراضها ملك نصاب حوليّ، تامٍ، فارغٍ عن دَينٍ له مطالب من جهة العباد، الخ".

(الدرالمختار: ۲/۲۵۹، كتاب الزكاة، سعيد)

(وكذا في اللباب في شرح الكتاب: ۱/۱۳۶، كتاب الزكاة، قديمی)

(وكذا في حاشية الطحطاوی على مراقی الفلاح، ص: ۷۱۳، كتاب الزكاة، قديمی)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۲/۱۹، كتاب الزكاة، دار الكتب العلميه، بيروت)

(۳) "ولا يحل أن يسأل شيئاً مِن القوت مَن له قوت يومه بالفعل أو بالقوة كالصحيح المكتسب، ويأثم معطيه إن علم بحاله لإعانته على المحرم". (الدرالمختار، كتاب الزكاة، باب المصرف: ۲/۳۵۴، ۳۵۵، سعيد)

قوم فقیر پر زکوٰۃ

سوال[۴۴۳۰]: بکر کاشتکار ہے مگر قوم سے فقیر ہے، مانگنے کا پیشہ بھی کرتا ہے، صاحبِ نصاب ہے اور ساتھ ہی مزار کے چڑھاوے کا استعمال بھی کرتا ہے، بکر کہتا ہے کہ چونکہ ہماری قوم فقیر ہے اس لئے ہم پر زکوٰۃ اور قربانی کرنا فرض نہیں ہے۔ کیا بکر کا یہ کہنا درست ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

جب کہ بکر صاحبِ نصاب ہے تو اس کے ذمہ بھی زکوٰۃ لازم ہے، قوم فقیر ہونے کی وجہ سے زکوٰۃ معاف نہیں (۱)، مزار پر چڑھاوا جو کہ صاحبِ مزار پر چڑھایا جاتا ہے اس کا چڑھانا بھی ناجائز ہے اور اس کا کھانا بھی ناجائز ہے، بکر کو ہرگز نہیں کھانا چاہئے (۲)۔ مالدار ہونے کی وجہ سے قربانی بھی اس کے ذمہ لازم ہے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۲/۲۴ھ۔

ہبہ پر زکوٰۃ

سوال[۴۴۳۱]: آج سے تقریباً ایک سال ہوا ہے بیرونِ ہند سے میرے پاس رقم بھیجی تھی اور خط

---

(۱) "الزكاة إنما تجب إذا ملك نصاباً تاماً نامياً حولاً كاملاً، الخ". (خلاصة الفتاوىٰ: ۱/۲۳۵، كتاب الزكاة، امجد اكيڈمی لاهور)

(وكذا في التاتارخانية: ۲/۲۱۷، كتاب الزكاة، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في النهر الفائق: ۱/۴۱۲، كتاب الزكاة، إمداديه)

(۲) "ولايجوز أن يصرف ذلك لغني غير محتاج ولالشريف منصب؛ لأنه لايحل له الأخذ مالم يكن محتاجاً فقيراً .... ولم يثبت في الشرع جواز الصرف للأغنياء للإجماع على حرمة النذر للمخلوق ولاينعقد ولاتشتغل الذمة به، ولأنه حرام بل سحت". (البحر الرائق، كتاب الصوم، فصل في النذر: ۲/۵۲۱، رشيديه)

(۳) "(فتجب) التضحية (على مسلم مقيم موسر) يسار الفطرة. اهـ". (الدرالمختار: ۶/۳۱۳-۳۱۴، سعيد)

میں یہ لکھا کہ اس میں میرے اور زید وبکر کے ہیں، خیال ہوا کہ ان تین حضرات کی امانت ہے کہ اس قسم کی امانتوں کا سلسلہ ناچیز کے پاس رہتا ہے۔ ابھی چند دنوں پر میں نے ان کو خط لکھا کہ آپ کی اس رقم کی ابھی تک تفصیل معلوم نہیں ہوئی ہے، زید وبکر میرے یہاں تشریف لائے تھے لیکن انہوں نے بھی مطالبہ نہیں کیا؟ انہوں نے جواب دیا کہ یہ رقم ہم تین کے لئے ہدیہ ہے۔ سوال یہ ہے کہ رقم کب سے میری ملک شمار ہوگی؟ میں اپنی زکوۃ کا سال ابتدائے رمضان سے شمار کر کے ابتدائے رمضان میں جو کچھ ہوتا ہے اس کی زکوۃ ادا کرتا ہوں، اب ربیع الاول میں معلوم ہوا کہ یہ رقم میری ملکیت ہے۔ کیا اس گذشتہ سال کی اس رقم کی زکوۃ مجھ پر ہوگی؟ جب رقم آئی تھی، نہ انہوں نے لکھا کہ یہ ہدیہ ہے اور نہ مجھے معلوم ہوا۔ اس بارے میں رہنمائی فرمادیں۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

ہبہ کے لئے قبول لازم ہے، قبول کے بعد سے موہوب پر ملک حاصل ہوتی ہے، پس جب تک آپ نے قبول نہیں کیا، آپ کی ملک اس پر حاصل نہیں ہوئی، جس وقت قبول کرلیا اس وقت سے آپ مالک ہیں (۱)۔ اسی وقت سے اس پر زکوۃ کا حساب ہوگا (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۵/۹۰ھ۔

بیوہ پر زکوۃ

سوال [۴۴۳۲]: بیوہ عورت کے پاس تخمیناً دوسو روپے مع زیور کے ہوئے اور اپنی گذر اوقات اپنے حقیقی لڑکے کے یہاں کرتی ہے اور لڑکا نان ونفقہ وعلاج اپنی ذاتی آمدنی سے کرتا ہے۔ تو ایسی عورت پر معمولی رقم

---

(۱) "و تصح بقبول: أی فی حق الموهوب له، أما فی حق الواهب فتصح بالإیجاب و حده ؛ لأنه تبرع". (الدرالمختار). "(قوله: و تصح بقبول): أی و لو فعلاً، الخ. و ما فی المحیط من أنها تدل علی أنه لا یشترط فی الهبة القبول مشکل. قلت: و یظهر أنه أراد بالقبول قولاً، و علیه یحمل کلام غیره الخ. نعم القبول شرط لو کان الموهوب فی یده". (ردالمحتار: ۵/۶۹۰، کتاب الهبة، سعید)

(و کذا فی فتاویٰ قاضی خان: ۱/۲۵۲، کتاب الزکاة، رشیدیه)

(۲) "وشرطه: أی شرط افتراض أدائها حولان الحول وهو فی ملکه". (الدرالمختار، کتاب الزکوة: ۲/۲۶۷، سعید)

پر زکوۃ واجب ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

واجب ہے جب کہ بقدرِ نصاب ہو(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف۔

وکالت کی آمدنی پر زکوٰۃ

سوال[۴۴۳۳]: موجودہ وقت کے پیشِ نظر وکالت سے جو رقم زکوٰۃ کے نصاب کو پہونچ جاتی ہے اس پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے یا نہیں اور اس رقم سے حج واجب ہوتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

حوادث الفتاویٰ حصہ ثانیہ، ص:۱۵۳ (۲) میں کچھ توجیہات کی ہیں جن سے پیشۂ وکالت کا جواز بعض

(۱) "وسببه: أي سبب افتراضها ملك نصاب حولي تام". (الدرالمختار: ۲/۲۵۹، کتاب الزکاة، سعید)

(وكذا في البحر الرائق: ۲/۳۵۵، كتاب الزكاة، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۲/۱۹، كتاب الزكاة، دارالكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في الخلاصة: ۱/۲۳۵، كتاب الزكاة، امجد اكيڈمی، لاهور)

(۲) **سوال**: "لیکن اگر وکالت کی فیس واجب یا حرام کی اجرت نہ کہا جاوے، بلکہ مثل نفقہ قاضی یا حاکم کے اس کو بھی نفقہ کہا جاوے تو جواز کی گنجائش ہوسکتی ہے یا نہیں اور اگر تاویل نہ چل سکے تو پھر یہ تاویل ہوسکتی ہے کہ وکیل نصرت کی اجرت نہیں لیتا ہے، بلکہ ایک خاص وقت اور خاص دن میں محبوس رہنے کی اجرت لیتا ہے کیونکہ غایت ما فی الباب وکیل پر مؤکل کو قانونی مشورہ دینا واجب ہوگا، اب مؤکل کو چاہیے کہ اس کے مشورہ کے موافق عمل کرے اگر خود عمل کرنے پر قادر نہیں تو وکیل اس کا ذمہ دار نہیں ہوسکتا، باوجود اس کے وکیل کو عدالت میں لے جانا اور اپنے کام کے لئے محبوس رکھنا یہ غالباً متقوم عند الشرع ہوسکتا ہے اس میں بھی کسی قدر اس کی تائید ہوسکتی ہے کہ بسا اوقات ایک مقدمہ میں کئی کئی وکیل کرتے ہیں جن میں سے بعض گفتگو کرتے ہیں اور بعض خاموش بیٹھے رہتے ہیں جب عدالت کا وقت ختم ہوجاتا ہے، چلے جاتے ہیں اب ان وکیلوں نے جنہوں نے خاموشی کی حالت میں عدالت کے وقت کو پورا کر دیا باوجودیکہ مقدمہ میں نصرت نہیں مگر فیس لے لی اس سے معلوم ہوا کہ محض حبس کی فیس لی ہے =

قیود کے ساتھ مستفاد ہوتا ہے، لیکن وہ قیود عامۂ ملحوظ نہیں ہوتی، اس لئے فتاویٰ رشیدیہ حصہ اول، ص:۵۳(۱) میں لکھا ہے کہ ''اس زمانہ کی وکالت اور مختنانہ حلال نہیں (۲)، ان کا کھانا بھی اچھا نہیں مگر بتاویل۔ پس اگر محض ناجائز وکالت کی آمدنی ہے تو اس پر نہ زکوٰۃ ہے نہ حج بلکہ واجب الرد ہے، ارباب اموال کو واپس کرے، وہ مر گئے ہوں تو ان کے ورثہ کو دیا جائے، اگر اربابِ اموال کا علم نہ ہو تو غرباء پر صدقہ کر دی جائے اس نیت سے کہ اللہ پاک اس کے وبال سے نجات دے:

"والحاصل أنه إن علم أرباب الأموال، وجب رده عليهم، وإلا فإن علم عين الحرام، لايحل ويتصدق به بنية صاحبه". ردالمحتار: ۲/۱۳۰(۳)۔

اگر مال مخلوط ہو کچھ حرام ہو اور کچھ حلال تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایسے مال پر زکوٰۃ بھی فرض اور حج بھی، بشرطیکہ مقدارِ حلال بقدرِ نصاب ہو، مقدارِ حرام کا ضمان ادا کرنا لازم ہے:" لو أن سلطاناً غصب مالاً وخلطه، صار ملكاً له حتى وجبت عليه الزكاة، الخ". فتح القدير: ۱/۴۸۲(۴)۔

اگر مال حرام سے حج کیا تو فریضہ ساقط ہو جائے گا، مگر حج قبول نہیں ہوگا:"ويجتهد من تحصيل نفقة حلال، فإنه لايقبل الحج بالنفقة الحرام مع أنه يسقط الفرض معها وإن كانت مغصوبةً،

= ورنہ ان کو کچھ ملنا نہیں چاہیے تھا کیونکہ مقدمہ میں نصرت نہیں کہ آیا اس تاویل سے وکالت جائز ہو سکتی ہے یا نہیں، فقط بینوا توجروا۔

الجواب: سائل نے جو توجیہات اس کے جواز کی لکھی ہیں وہ کافی ہیں اور ان سب سے سہل تر توجیہہ یہ ہے کہ فقہاء نے تصریح کی ہے کہ حرمت استیجار مخصوص ہے، طاعۃ مختصر بالمسلم کے ساتھ اور نصرت مظلوم منجمد طاعات کے ہے پس اس میں اس حرمت کا حکم نہ کیا جاوے گا حاصل یہ کہ پیشہ وکالت فی نفسہ جائز ٹھہرا، مگر شرط یہ ہے کہ سچے مقدمات لیتا ہو۔ ۲۷/رمضان المبارک/۱۳۳۲ھ (حوادث الفتاویٰ، اولیٰ، ص:۱۵۳)

(وکذا في امداد الفتاوی: ۳/۳۱۹، دارالعلوم)

(۱) (فتاویٰ رشیدیہ، حصہ اول، ص: ۳۴۷، إدارہ اسلامیات)

(۲) ''مختنانہ: محنت کا صلہ، وکیل کی فیس''۔ (فیروز اللغات، ص:۱۲۱۵، فیروز سنز، لاہور)

(۳) (ردالمحتار، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد، مطلب فیمن ورث مالاً حراماً: ۶/۹۹، سعید)

(۴) (فتح القدیر، کتاب الزکاۃ: ۲/۱۵۴، مصطفیٰ البابی الحلبی، مصر)

ولا تَنـافِيَ بين سقـوطه وعدم قبوله، فلا يثاب لعدم القبول، ولا يعاقب فی الآخرة عقاب تارك الحج". فتح القدير : ۲/۲۱۹(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مظاہر علوم سہارنپور، ۱۸/۴/۷۰ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۰/۴/۷۰ھ۔

جو روپیہ نابالغ کو دیدیا اس پر زکوۃ نہیں

سوال[۴۴۳۴] : زید نے پنشن یا پراویڈنٹ فنڈ سے مندرجہ ذیل طریقہ سے روپیہ خرچ کیا:

۱- مکان خریدا جس کا کرایہ سو روپیہ ماہوار ملتا ہے۔

۲- پانچ ہزار روپیہ اپنی لڑکی کی تمام شادی کے لئے جمع کردیئے، لڑکی زیرِ تعلیم ہے۔

۳- پانچ تولہ سونے کے زیور لڑکی کو بنوادیئے۔

۴- چار ہزار روپیہ اپنے چھوٹے لڑکے کے نام جو کہ ابھی زیرِ تعلیم ہے، بینک میں جمع کرادیئے۔

اب زید کو سوا سو روپیہ ماہوار پنشن ملتی ہے اور سو روپیہ مکان کا کرایہ آتا ہے جس سے وہ اپنے، اپنی اہلیہ کے اور دونوں بچوں کے اخراجات اٹھاتا ہے، اس کی بیوی کے پاس شادی کے وقت کے پانچ تولہ، ۸/ ماشہ سونے کے اور ۴۵/ تولہ چاندی کے زیور ہیں اس کے پاس نقد بارہ سو روپے ہیں۔ اس صورت میں صرف اہلیہ کے زیورات پر زکوۃ فرض ہے یا ان رقوم اور زیورات پر بھی زکوۃ فرض ہے جو اس کے بچوں کے نام ہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

جو روپیہ اور زیور زید نے اپنی ملک سے نکال کر دوسرے لڑکے لڑکی وغیرہ کی ملک میں دے کر اس کا اس پر قبضہ کرادیا (یعنی ہبہ شرعی کردیا) اس کی زکوۃ زید کے ذمہ نہیں، نابالغ کا قبضہ ضروری نہیں صرف زبان سے یہ کہہ دینا کافی ہے کہ میں نے یہ روپیہ یا زیور اس کو دیدیا ہے، اتنا کہنے سے بھی ہبہ صحیح ہوجاتا ہے۔ نابالغ کے مال میں زکوۃ نہیں ہے(۲)، جب وہ بالغ ہوجائے تب لازم ہوگی۔ اور کرایہ کے مکان میں بھی زکوۃ نہیں، کرایہ کا

---

(۱) (فتح القدير، كتاب الحج: ۲/۴۰۷، مصطفى البابی الحلبی، مصر)

(۲) " و شرط افتراضها عقل و بلوغ". (الدرالمختار). وفی ردالمحتار: "فلا تجب على مجنون و صبی؛ لأنها عبادة محضة، و ليسا مخاطبين بها، وإيجاب النفقات والغرامات لكونها من حقوق العباد =

روپیہ جو سالانہ خرچ ہوجاتا ہے سال بھر باقی نہیں رہتا اس میں بھی زکوۃ نہیں (۱)۔ بیوی کے مال میں زکوۃ بیوی کے ذمہ ہے، اس کی اجازت سے شوہر دیدے تب بھی ادا ہوجائے گی (۲)۔ بالغ اولاد کے مال میں خود اولاد کے ذمہ زکوۃ ہے، اس کی اجازت سے والد دیدے تب بھی ادا ہوجائے گی (۳)۔ بارہ سو روپیہ جو زید کے پاس حاجتِ اصلیہ سے زائد موجود ہیں اس کی زکوۃ زید کے ذمہ ہے۔ زکوۃ چالیسواں حصہ ہے یعنی بارہ سو روپیہ کی زکوۃ

= والعشر الخ". (كتاب الزكوة: ۲/۲۵۸، مطلب في أحكام المعتوة، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۱۷۲، الفصل الأول في تفسيرها و صفتها، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۲/۲۰، كتاب الزكاة، دار الكتب العلمية بيروت)

(۱) "وملك نصاب حولي فارغ عن الدين، وحوائجه الأصلية، نام، ولو تقديراً". (البحر الرائق: ۲/۳۵۵، كتاب الزكاة، رشيديه)

(و كذا في النهر الفائق: ۱/۴۱۳، كتاب الزكاة، إمداديه)

(وكذا في المبسوط: ۱/۲۲۵، الجزء الثاني، كتاب الزكاة، المكتبة الغفاريه)

(۲) "من أدى زكاة مال غيره من مال نفسه بأمر من عليه الزكاة، جاز، بخلاف ماإذا أدى بغير أمره، ثم أجاز، شرح الطحاوي. ولو تصدق عن غيره بغير أمره، جازت الصدقة عن نفسه ولاتجوز عمانوى عنه وإن أجازه ورضي به. وهذا إذا كان المال الذي تصدق به مال نفسه، فأما إذا كان المال مال المتصدق عنه فإن أجازه جاز، إن كان المال قائماً، وإن كان المال هالكاً جاز عن التطوع". (الفتاوىٰ التاتارخانيه: ۲/۲۸۴، كتاب الزكوة، المسائل المتعلقة بمعطي الزكاة، إدارة القرآن كراچی)

"رجل أدّى زكاة غيره عن مال ذلك الغير فأجازه المالك، فإن كان المال قائماً في يد الفقير جاز، وإلافلا، كذا في السراجية". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۱۷۱، كتاب الزكوة، الباب الأول في تفسيرها وصفتها وشرائطها، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الزكوة، فصل في شرائط الركن: ۲/۲۶۰، دارالكتب العلمية، بيروت)

(۳) "ومثل هذه الولاية لاتتأدى بها العبادات بخلاف ماإذا وكل بالأداء بعد البلوغ، فتلك نيابة عن اختيار، وقد وجدت النية والعزيمة منه، وبه فارق صدقة الفطر، فإن وجوبها لمعنى المؤنة حتى تجب على الغير بسبب الغير، وفيه حق للأب، فإنا لولم فوجب في ماله، احتجنا إلى الإيجاب على الأب كما إذا لم يكن للصبي بخلاف الزكاة". (المبسوط للسرخسي: ۲/۲۱۹، كتاب الزكوة، غفاريه)

تیس روپے ہے(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

بینک میں جمع روپے پر زکوۃ

سوال[۴۴۳۵]: ایک شخص کے پاس ایک ہزار روپے ہیں اور ان روپیوں پر ابھی ایک سال نہیں گزرا کہ زکوۃ اس پر فرض ہو جائے بلکہ چھ ماہ یا نو ماہ ایک سال سے کم کم ہے اور اس نے اس روپے کو بینک یا مسلم فنڈ میں جمع کر دیا ہے، بقیہ ماہ سال کے پورے ہوتے ہیں، لہذا جب بینک میں پہونچ کر ایک سال پورا ہو جائے تو اس پر زکوۃ واجب ہو جائے گی یا نہیں؟ یا اپنے پاس رہنا شرط ہے جب کہ وہ روپیہ بینک میں جمع شدہ اپنی ملکیت ہے یا ملکیت سے خارج ہو جاتا ہے، کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

جب بینک میں جمع کیا ہے تو اس کو ہر وقت لینے پر قدرت ہے اور یہ ایسا ہی ہے جیسے کہ اپنے پاس ہوتا، پس اس کی زکوۃ ادا کرتا رہے، جتنے ماہ سال پورا ہونے میں باقی ہیں جب وہ پورے ہو جائیں تو زکوۃ ادا کردے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۶/۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۶/۹ھ۔

---

(۱) "والخلاصة: أنه تجب زكاة الأسهم والسندات بمقدار ربع العشر أي: ۲،۵٪ من قيمتها مع بحرما في نهاية كل عام على مالكها الذي حال عليه الحول بعد تملكها". (الفقه الإسلامي وأدلته: ۱۸۳۶/۳، كتاب الزكوة، زكاة الأوراق النقدية، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱۷۹/۱، كتاب الزكوة، باب زكاة الذهب والفضة، رشيديه)

(۲) "و شرط افتراض أدائها حولان الحول، و هو في ملكه، و ثمنية المال كالدارهم والدنانير، الخ". (الدر المختار). "(و هو في ملكه): أي والحال أن نصاب المال في ملكه التام كما مر، الخ".

(ردالمحتار: ۲۶۷/۲، كتاب الزكاة، سعيد) ....=

نابالغ کے نام بینک میں جمع شدہ روپیہ پر زکوۃ

سوال[۴۴۳۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ:
زید نے اپنے نابالغ لڑکے کے نام سے بینک یا ڈاکخانہ میں روپیہ جمع کیا ہے اور وہ روپیہ نصاب سے زیادہ ہے تو اب اس روپے کی زکوۃ زید دیگا، یا اس کا نابالغ لڑکا دے گا، یا نہیں دے گا؟ اور ڈاکخانے والے اس روپیہ کا سود بھی دیتے ہیں، اگر نہ لیا جائے تو وہ اپنے مشن وغیرہ میں لگا دیتے ہیں، اگر سود لے کر کسی غریب وغیرہ کو دیدیا جائے اور ثواب کی امید نہ رکھی جائے تو کوئی حرج ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اس صورت میں وہ نابالغ لڑکا اس روپیہ کا مالک ہوگیا، نابالغ پر زکوۃ واجب نہیں لہذا اس کی زکوۃ نہ زید دے گا نہ وہ نابالغ لڑکا(۱)۔ سود کے نام پر جو کچھ وہاں سے ملے اس کو وصول کرلیا جائے۔ پر احتیاط یہ ہے کہ اس کو محفوظ رکھا جائے، جب لڑکا بالغ ہوجائے تو وہ خود ہی وہ روپیہ غریبوں کو دیدے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

= (وكذا في تبيين الحقائق: ۲/۱۹، كتاب الزكاة، دار الكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في بدائع الصنائع: ۲/۳۹۰، فصل في الشرائط التي ترجع إلى المال، دارالكتب العلمية، بيروت)

(۱) "شرط افتراضها عقل و بلوغ وإسلام .... سبب افتراضها ملك نصاب حوليّ تام، اهـ".
(الدرالمختار: ۲/۲۵۸، كتاب الزكاة، سعيد)

(وكذا في النهر الفائق: ۱/۴۱۲، كتاب الزكاة، امداديه ملتان)

(وكذا في المبسوط للسرخسي: ۱/۲۱۷، كتاب الزكاة، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) "وتصرف الصبي ..... إن كان نافعاً ..... صح ..... وإن ضاراً كالطلاق ..... والصدقة والقرض، لا".
(الدرالمختار). "(قوله: وإن ضاراً الخ): أي من كل وجه: أي ضرراً دنيوياً وإن كان فيه نفع أخروي كالصدقة والقرض .... وإن أذن به وليهما، لاشتراط الأهلية الكاملة، وكذا لو أجازه بعد بلوغه، إلا إذا كانت بلفظ يصلح لابتداء العقد، الخ". (ردالمحتار، كتاب المأذون: ۶/۱۷۳، سعيد)

"الحاصل أنه إن علم أرباب الأموال، وجب رده عليهم ..... ويتصدق بنية صاحبه ..... إذلو اختلط بحيث لا يتميز يملكه ملكاً خبيثاً، لكن لايحل له التصرف فيه مالم يؤد بدله، الخ".
(ردالمحتار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ۵/۹۹، سعيد)

بیٹے کے نام سے بینک میں جمع شدہ روپیہ پر زکوۃ

سوال[۴۴۳۷]: ایک شخص کے نام اس کا باپ گورنمنٹ کے بینک میں روپیہ جمع کرتا ہے، روپیہ جمع کرنے کی شرط اور وصول کرنے کے پہلے استفتاء میں مذکور ہو چکی ہے۔ سوال یہ ہے کہ اس شخص کے نام اس کے باپ نے اس کے بچپن میں روپیہ جمع کیا اس میں زکوۃ ہے تو کس پر؟ اس شخص کے نام روپیہ جمع ہونا بند بھی ہوسکتا ہے۔ اس شخص کی ضروریات شادی وغیرہ میں روپیہ نکالنے کا حق باپ ہی کو رہتا ہے نکالتے وقت مقدار نقد گورنمنٹ کے یہاں سے منظور کرانی پڑتی ہے پھر دینا ہوتی ہے، پنشن یا موت سے پہلے نہ باپ نکال سکتا ہے اور نہ بیٹا، یہ شخص فی الوقت نادار بھی ہے اور محتاجِ تصدق، اس کے لئے احکام شرعیہ تفصیلاً بیان ہوں۔

عبیداللہ بلیاوی مظاہری۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

صورتِ مسئولہ میں روپیہ بچہ کی ملک نہیں بلکہ باپ ہی کی ملک ہے لہذا باپ ہی پر زکوۃ واجب ہے(۱)، جب بچہ بڑا ہو کر روپیہ پر قبضہ کرلے گا اس کی زکوۃ بعد حولانِ حول خود اس پر واجب ہوگی۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/۳/۶۱ھ۔

جہاز کمپنی نے میت کے ورثہ کو جو رقم دی اس پر زکوۃ

سوال[۴۴۳۸]: ایک جہاز میں بہت سے مسافر سوار تھے، راستے میں جہاز گر گیا اور سارے مسافر مر گئے، اب ان کے ورثاء کو کمپنی نے چالیس ہزار روپیہ رقم دی ہے، بیمہ وغیرہ نہیں کیا تھا بلکہ کمپنی نے اپنے قانون کے تحت یہ رقم دی ہے۔ کیا سال گزرنے کے بعد اس پر زکوۃ پڑے گی؟

---

(۱) "سبب افتراضها ملک نصاب حولی نام فارغ عن دینٍ له مطالب. الخ". (الدرالمختار: ۲/۲۵۹، ۲۶۰، کتاب الزکاۃ، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۱۷۲، الفصل الأول فی تفسیرها و صفتها، رشیدیه)

(وکذا فی تبیین الحقائق: ۲/۱۹، کتاب الزکاۃ، دار الکتب العلمیه، بیروت)

الجواب حامداً و مصلیاً:

جو رقم کمپنی نے جس کو دی ہے وہ اس کی ملک ہے(۱)، دوسرے مملوکہ مال کی طرح اس کی بھی زکوۃ لازم ہوگی (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیو بند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیو بند۔

حج کے ٹکٹ کے لئے جمع کی گئی رقم پر زکوۃ

سوال [۴۴۳۹]: جتنی مقدار کرایہ جہاز میں حج کے لئے جاچکا ہے جس کی منظوری بھی ہو چکی ہے، کیا اس کی زکوۃ دی جائے جب کہ سال پورا نہیں ہوا؟ سال ماہِ رمضان میں پورا ہوتا ہے، روپیہ پہلے جاچکا ہے۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

جو روپیہ حج کے ٹکٹ کے لئے دے دیا اور اس کا ٹکٹ خرید لیا اور اس پر سال پورا نہیں ہوا تھا تو اس روپیہ کی زکوۃ لازم نہیں (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیو بند، ۱/۹/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیو بند، ۳/۹/۸۷ھ۔

---

(۱) "(هی) لغة: التفضل على الغير ولو غير مال. وشرعاً (تمليك العين مجاناً): أی بلاعوض (فحكمها ثبوت الملك للموهوب له غير لازم) فله الرجوع والفسخ". (الدرالمختار، كتاب الهبة: ۶۸۷/۵، ۶۸۸، سعيد)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الهبة، الباب الأول: ۳۷۴/۴، رشيديه)

(۲) (تقدم تخريجه تحت عنوان: ''بینک میں جمع رقم پر زکوۃ'')

(۳) "إذا أمسكه لينفق منه كل مايحتاجه فحال الحول وقد بقي معه منه نصاب، فإنه يزكی ذلك الباقي وإن كان قصده الإنفاق منه أيضاً في المستقبل لعدم استحقاق صرفه إلى حوائجه الأصلية وقت حولان الحول، بخلاف ما إذا حال الحول وهو مستحق الصرف إليها، الخ". (ردالمحتار، كتاب الزكاة: ۲۶۲/۲، سعيد)

جو روپیہ کھیت میں لگا اس پر زکوۃ کا حکم

سوال[۴۴۴۰]: ایک مقام پر عامۃ الناس ہزاروں روپیہ لگا کر کھیتی کرتے ہیں، تقریباً چھ ماہ تک وہ روپیہ کھیت میں لگا رہتا ہے پھر چھ ماہ تک اپنے پاس رہتا ہے، ان پر زکوۃ واجب ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

روپیہ کا سامان (بیج وغیرہ) خرید کر جب کھیت میں لگا دیا تو روپیہ ختم ہو گیا، کھیت تیار ہونے کے بعد جب غلہ فروخت کیا اس کی قیمت کا روپیہ وصول ہوا، اگر اس کے علاوہ کوئی اَور نقد موجود نہیں اور اس روپیہ پر سال بھر نہیں گزرا بلکہ اس سے پہلے ہی کھیت کے کام میں خرچ ہو گیا تو اس پر زکوۃ واجب نہیں ہوئی (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۱۰/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۱۰/۸۸ھ۔

حج کے روپیہ پر زکوۃ

سوال[۴۴۴۱]: ہم لوگ نصف رمضان تک زکوۃ نکال دیتے ہیں لیکن اس سال ہمارے والد صاحب رمضان سے قبل حج کو جا رہے ہیں تو اس روپیہ کی بھی زکوۃ نکالنی ہوگی؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

جو رقم والد صاحب لیکر حج کو جائیں گے اگر اس پر سال پورا ہو چکا ہے تو اس کی زکوۃ چالیسواں حصہ نکالنا واجب ہے، اگر سال بھر پورا ہونے سے قبل وہ خرچ میں آجائے تو اس پر زکوۃ نہیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۸/۸۹ھ۔

---

(۱) "سبب افتراضها ملک نصاب حوليّ، نسبة حولٍ لحولانه عليه". (الدر المختار: ۲/۲۵۹، كتاب الزكاة، سعيد)

(وكذا في فتح القدير: ۲/۱۵۵، كتاب الزكاة: مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في التبيين الحقائق للزيلعي: ۲/۲۲، كتاب الزكاة، دار الكتب العلمية بيروت)

البتہ کھیتی سے جو پیداوار حاصل ہو جائے اس پر عشر یا نصف عشر لازم ہے۔

(۲) "في المعراج في فصل زكوة العروض: إن الزكاة تجب في النقد كيفما أمسك للنماء أو للنفقة". =

مکان کے لئے جمع رقم پر زکوۃ

سوال[۴۴۴۲]: انڈیا کا ایک آدمی انگلینڈ میں ہے اس کے پاس ۸/ ہزار روپے بنک میں جمع ہے، اب اس شخص کا ارادہ وہاں مکان بنانے کا ہے، ممکن ہے کچھ قرض بھی ہو جائے تو اب اس جمع کردہ پیسوں پر زکوۃ واجب ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

خرچ کرنے سے پہلے جب اس جمع شدہ روپیہ پر سال بھر گزر گیا تو اس پر زکوۃ فرض ہوگئی، زکوۃ ادا کر کے پھر مکان وغیرہ بنائے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ۔

نفع پر بھی زکوۃ واجب ہے یا صرف سرمایہ پر

سوال[۴۴۴۳]: صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ میرے پاس رمضان ۹۲ھ کی پہلی تاریخ کو دو ہزار روپے تھے، دو مہینہ تک ایک دو ہزار میں کوئی زیادتی نہیں ہوئی بلکہ دو مہینے بعد اس میں زیادتی ہوئی تجارت کے وسیلہ سے، یہاں تک کہ ۹۳ھ کی پہلی تاریخ کو مبلغ پانچ ہزار روپے ہوگئے اور مجھ پر زکوۃ صرف دو ہزار پر واجب ہے یا پورے پانچ ہزار پر؟ مہربانی فرما کر فوری طور پر جواب ارسال فرمائیں۔

= (ردالمحتار: ۲/۲۶۲، کتاب الزکاۃ، سعید)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، ص: ۷۱۵، كتاب الزكاة، قديمي)

(وكذا في البحر الرائق: ۲/۳۶۱، كتاب الزكاة، رشيديه)

(۱) (تقدم تخريجه تحت عنوان: "حج کے ٹکٹ کے لئے جمع کی گئی رقم پر زکوۃ"۔)

"الزكاة إنما تجب إذا ملك نصاباً تاماً نامياً حولاً كاملاً". (خلاصة الفتاوى: ۱/۲۳۵، كتاب الزكاة، امجد اكيڈمی، لاهور)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۱/۲۸۵، كتاب الزكاة، دار الكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في التاتارخانية: ۲/۲۱۷، كتاب الزكاة، إدارة القرآن، كراچی)

الجواب حامداً و مصلیاً:

اس صورت میں پانچ ہزار کی زکوۃ لازم ہوگی، درمیانِ سال میں جس قدر آمدنی میں اضافہ ہو ختمِ سال پر اس تمام پر زکوۃ ہوتی ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

حیلۂ عدمِ وجوبِ زکوۃ

سوال[۴۴۴۴]: کوئی شخص سال آنے پر اپنا مال اپنے لڑکے کو ہبہ کردے پھر جب دوسرا سال آنے لگے تو بیٹا باپ کو ہبہ کردے تو کیا ایسا کرنا جائز ہے اور کیا یہ بھی حیلہ بازی ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر اس سے مقصود یہ ہے کہ زکوۃ فرض نہ ہو تو ایسا کرنا مکروہ ہے:

"وإذا فعله حيلةً لدفع الوجوب كإن استبدل نصاب السائمة بآخر أو أخرجه عن ملكه، ثـم أدخلـه فيـه، قـال أبـو يـوسف: لا يكره؛ لأنه امتناع عن الوجوب، لا إبطال حق الغير. و في المحيط: إنه الأصح. و قال محمد رحمه الله تعالى: يكره، و اختاره الشيخ حميدالدين الضرير؛ لأن فيه إضراراً بالفقراء، وإبطال حقهم مآلاً، و كذا الخلاف في حيلة دفع الشفعة قبل وجوبها، وقيل: الفتوىٰ في الشفعة على قول أبي يوسف رحمه الله تعالىٰ، و في الزكوة على قول محمد رحمه الله تعالىٰ، و هذا تفصيل حسنٌ، شرح درر البحار".(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

---

(۱) "المستفاد ولو بهبةٍ أو إرثٍ وسطَ الحول يضمّ إلى نصاب من جنسه، فيزكيه بحول الأصل".

(الدر المختار: ۲/۲۸۸، باب زكاة الغنم، سعيد)

(و كذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۱۷۵، كتاب الزكاة، رشيديه)

(و كذا في تبيين الحقائق: ۲/۲۲، باب صدقة الغنم، دار الكتب العلمية، بيروت)

(و كذا في مجمع الأنهر: ۱/۲۰۷، باب زكاة الذهب والفضة والعروض، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) (ردالمحتار، باب زكاة الغنم: ۲/۲۸۴، سعيد) .... =

زکوۃ واجب نہ ہونے کا حیلہ

سوال[۴۴۴۵]: زکوۃ سے بچنے کے لئے حیلہ کرنا کہ سال ختم ہونے سے پہلے اپنامال دوسرے کی طرف منتقل کردے کسی امام کے نزدیک جائز ہے اور آیا امام شافعی یا ان کے علماء نے امام مذکور بالا پر لعن طعن کی ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو اس مسئلہ میں امام صاحب کی جو اس کے جواز کے قائل نہیں تکذیب کرے تو اس کا یہ فعل کیسا ہے؟ نیز تکذیب کے کیا معنی ہیں؟ فقط۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

"قال فی البحر: اعلم أنه لو وهب النصاب فی خلال الحول، ثم تم الحول و هو عند الموهوب له، ثم رجع الواهب بعد الحول بقضاء أو بغيره، فلا زكوة على واحد منهما، كما فی الخانيه. و هی من حيل إسقاط الزكوة قبل الوجوب. و فی المعراج: و لو باع السوائم قبل تمام الحول بيوم فراراً عن الوجوب قال محمد رحمه الله تعالیٰ: يكره، و قال أبو يوسف رحمه الله تعالیٰ: لا يكره، و هو الأصح. ولو باعها للنفقة، لا يكره بالإجماع، و لو احتال لإسقاط الواجب يكره بالإجماع، و لو فر من الوجوب بخلاً لا تأثّما يكره بالإجماع، اهـ". طحطاوی ص: ۴۲۲(۱)۔

= قال العلامة الحصكفی رحمه الله تعالیٰ: "ومنها أن يهبه لطفله قبل التمام بيوم". (الدرالمختار).

وقال ابن عابدينؒ: "هذه المسئلة من حيل إسقاط الزكوة، بأن يهب النصاب قبل الحول بيوم مثلاً، ثم يرجع فی هبته بعد تمام الحول، والظاهر أنه لورجع قبل تمام الحول يسقط عنه الزكوة أيضا، لبطلان الحول بزوال الملک، تأمل. وقد منا الاختلاف فی كراهية الحيلة عند قوله: ولا فی هالک بعد وجوبها بخلاف المستهلک". (ردالمحتار، كتاب الزكوة، باب زكوة المال، مطلب فی وجوب الزكوة فی دين المرصد: ۳۰۸/۲، سعيد)

(۱) (حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح، ص: ۷۱۸، كتاب الزكاة، قديمی)

(وكذا فی البحر الرائق: ۳۸۳/۲، فصل فی الغنم، رشيديه)

(وكذا فی الفتاویٰ العالمكيرية: ۳۹۱/۶، الفصل الثالث فی مسائل الزكاة، رشيديه)

اس سے معلوم ہوا کہ بعض مجتہدین کے نزدیک بعض صورتوں میں حیلہ درست ہے اور بعض کے نزدیک مکروہ ہے اور بعض صورتوں میں سب کے نزدیک درست ہے اور بعض صورتوں میں سب کے نزدیک مکروہ ہے۔ لعنت کرنا کسی مسلمان پر درست نہیں، حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کی شان اس سے ارفع ہے۔ اگر تکذیب کا مطلب یہ ہے کہ بعض مجتہدین کی طرف اس مسئلہ کا انتساب غلط ہے تب تو یہ ناواقفیت پر مبنی ہے اور اگر مطلب یہ ہے کہ یہ مسئلہ ہی غلط ہے یعنی حیلہ بعض صورتوں میں ناجائز ہے تو یہ بعض مجتہدین کے قول کے موافق صحیح ہے اور اگر یہ مطلب ہے کہ کسی صورت میں حیلہ درست نہیں تو غلط ہے کیونکہ بعض صورتوں میں بالاجماع ایسا کرنا درست ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۶/۷/۵۶ھ۔

کیا اولاد کا نکاح حوائجِ اصلیہ میں ہے؟

سوال [۴۴۴۶]: کیا ارشاد ہے علمائے کرام کا اس مسئلہ میں کہ:

ایک آدمی کے پاس نصابِ شرعی نقد روپیہ موجود ہے مگر اس کی اولاد کا نکاح نہیں ہوا ہے، زمانہ موجودہ کے لحاظ سے اگر لڑکی کے والدین اپنی دختر کو سفید ہاتھوں بیاہ دیں تو دولہا اور اس کی قوم کی نگاہوں میں وہ لڑکی کس قدر ذلیل وخوار ہوتی ہے بلکہ تمام عمر لڑکی کی زندگی برباد ہوتی ہے اور نیز نرینہ اولاد کے واسطے ظاہری اسبابِ معاش بھی نہیں ہیں۔ غالباً کسی صحیح حدیث شریف کا مضمون بھی ہے کہ اولاد کو لوگوں کا دست نگر نہ چھوڑو (۱)۔ ضروریات مذکورہ بالا حوائج اصلیہ میں داخل ہیں یا نہیں؟ بحوالہ آیت مقدسہ یا صحیح حدیث شریف یا روایاتِ فقہیہ حنفیہ۔ بینوا و توجروا۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

اولاد اگر بالغ ہے تو اس کا نکاح باپ کے ذمہ فرض نہیں بلکہ نکاح کی ذمہ داری شرعاً اولاد پر خود ہے،

---

(۱) "قال النبي صلى الله عليه وسلم: "إنك إن تذر ورثتك أغنياء خيرٌ من أن تذرهم عالةً يتكففون الناس". الحديث. (مشكوة المصابيح، باب الوصايا، الفصل الأول: ۱/۲۶۵، قديمي)

(والصحيح للبخاري، كتاب النفقات، باب فضل النفقة على الأصل: ۲/۸۰۶، قديمي)

اگر اولاد نابالغ ہے تو اس کے نکاح کا شرعاً ضروری نہ ہونا بالکل ظاہر ہے، اولاد کا نکاح حوائجِ اصلیہ میں داخل نہیں صرف عدمِ بلوغ کی حالت میں باپ کے ذمہ نفقہ واجب ہوتا ہے وہ بھی جب کہ خود اولاد کی ملک میں اتنا مال نہ ہو کہ جس کے ذریعہ سے نفقہ پورا ہو سکے، اگر اولاد کی ملک میں مال ہے تو نفقہ باپ کے ذمہ نہیں بلکہ اس مال سے دیا جائے گا:

" تجب النفقة والكسوة عليه لأولاده الصغار الفقراء، لقوله تعالىٰ: ﴿و على المولود له رزقهن وكسوتهن بالمعروف﴾ والمولود له هو الأب، فأوجب عليه رزق النساء لأجل الأولاد، فلأن تجب عليه نفقة الأولاد بالطريق الأولى .... : و بقيده بالطفل والفقير يفيد عدم وجوبها إذا كان الولد غنياً أوكبيراً، و هذا صحيح، اهـ". زيلعي: ٦٢/٣(١)۔

حدیث شریف کا یہ مطلب نہیں کہ اولاد کی تمام عمر کا انتظام کر کے مَر و اور صدقاتِ واجبہ بھی ادا نہ کرو، بلکہ مطلب یہ ہے کہ اگر اولاد کے پاس مال نہیں ہے اور یہ احتمال قریب ہے کہ تمہارے بعد وہ دوسروں کے سامنے دستِ سوال دراز کرے گی تو تمہارے لئے صدقاتِ نافلہ میں خرچ کرنے سے بہتر یہ ہے کہ اپنی اولاد کے لئے رہنے دو اور یہ بھی اس وقت ہے جب کہ اولاد صالح ہو، اگر یہ خیال ہو کہ بعد میں اولاد فسق و فجور اور معصیت میں خرچ کرے گی تو اپنی زندگی میں تمام مال مصارفِ خیر پر صرف کرے تو بہتر ہے:

"ولو كان ولده فاسقاً وأراد أن يصرف ماله إلى وجوه الخير و يحرمه من الميراث، هذا خير من تركه، كذا في الخلاصة". عالمگیری، ص: ١٦٠١(٢)۔

اور صورتِ مسئولہ میں اگر اس نقد روپیہ پر ایک سال پورا گزر چکا ہے تو اس پر زکوۃ فرض ہے:"إنه كان

(١) (تبيين الحقائق: ٣٢٥/٣، باب النفقة، دار الكتب العلميه، بيروت)

(وكذا في فتح القدير: ٤١٠/٤، فصل: و نفقة الأولاد الصغار الخ: مصطفى البابي الحلبي، مصر)

(وكذا في المحيط البرهاني: ١٤٦/٤، الفصل الثالث في نفقة ذوي الأرحام، غفاريه كوئٹه)

(٢) (الفتاوىٰ العالمكيرية: ٣٩١/٤، الباب السادس في الهبة للصغير، رشيديه)

(وكذا في الخلاصة: ٤٠٠/٤، جنس آخر في الهبة من الصغير، امجد اكيڈمی لاهور)

تجب في النفقة كيفما أمسكه للنماء أو النفقة". ردالمحتار: ۲/۸(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۷/۱۱/۵۴ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۸/ ذیقعدہ/۵۴ھ۔

حکومتِ پاکستان کی طرف سے انتالیس سوالات پر مشتمل استفتاء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محترمی! السلام علیکم

جیسا کہ آپ جناب کو علم ہوگا کہ حکومت پاکستان نے ایک زکوٰۃ کمیٹی مقرر کی ہے جو زکوٰۃ کی وصولی اور خرچ کے مسئلے پر غور کر رہی ہے۔ زکوٰۃ کمیٹی نے ایک سوالنامہ مرتب کیا ہے جس کی ایک نقل ارسالِ خدمت ہے، کمیٹی شکر گزار ہوگی اگر آپ اپنے قیمتی وقت میں سے تھوڑا سا وقت نکال کر سوالنامے کا جواب عنائت فرمائیں گے، چونکہ کمیشن کو اپنی رپورٹ جلد از جلد حکومت کو پیش کرنا ہے، لہٰذا درخواست ہے کہ آپ جناب ۳۱/ اگست/ ۱۹۴۹ء سے پہلے اپنا جواب مرحمت فرمائیں۔

والسلام! وقار احمد سیکرٹری زکوٰۃ کمیشن وزارتِ مالیات حکومتِ پاکستان۔

زکوۃ کی تعریف

[۴۴۴۷]: ۱...... زکوٰۃ کی تعریف کیا ہے؟

زکوۃ کن کن لوگوں پر واجب ہے؟

[۴۴۴۸]: ۲...... کن کن لوگوں پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے؟ اس سلسلے میں عورتوں، نابالغوں، مسافروں، فاتر العقل افراد، مستأمنوں یعنی غیر ملک میں مقیم لوگوں کی کیا حیثیت ہے؟

وجوبِ زکوۃ کے لئے کتنی عمر ہے؟

[۴۴۴۹]: ۳...... زکوٰۃ کی ادائیگی واجب ہونے کے لئے کتنی عمر کے شخص کو بالغ سمجھنا چاہیے؟

---

(۱) (ردالمحتار: ۲/۲۶۲، كتاب الزكاة، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۲/۳۶۱، كتاب الزكاة، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق: ۱/۴۱۵، كتاب الزكاة، إمداديه ملتان)

وجوبِ زکوۃ کے لئے عورت کے زیور کی حیثیت

[۴۴۵۰]:۴......زکوٰۃ کی ادائیگی واجب ہونے کے لئے عورت کے ذاتی استعمال کے زیور کی حیثیت کیا ہے؟

زکوۃ کمپنی پر ہے یا فرداً فرداً تمام حصہ داروں پر؟

[۴۴۵۱]:۵......کیا کمپنیوں کو زکوٰۃ ادا کرنی چاہیے، یا ہر حصہ دار کو اپنے اپنے حصہ کے مطابق فرداً فرداً زکوٰۃ ادا کرنے کا مجاز ٹھہرایا جائے؟

اداروں پر زکوۃ

[۴۴۵۲]:۶......کارخانوں اور تجارتی اداروں پر زکوٰۃ کے وجوب کے حدود بیان کیجئے۔

قابلِ انتقال حصوں والے کمپنیوں کے خرید کنندہ پر زکوۃ ہے یا بیچنے والے پر؟

[۴۴۵۳]:۷......جن کمپنیوں کے حصے قابلِ انتقال ہیں ان کے سلسلے میں تشخصِ زکوٰۃ کے وقت کس پر ادائیگی زکوٰۃ واجب ہوگی، خرید کنندہ پر یا بیچنے والے پر؟

کن کن چیزوں پر کن کن حالات میں زکوۃ واجب ہے؟

[۴۴۵۴]:۸......کن کن اثاثوں اور چیزوں پر اور موجودہ سماجی حالات کے پیشِ نظر کن کن حالات میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہے؟ بالخصوص ان چیزوں کے بارے میں یا ان (مندجہ ذیل) سے پیدا شدہ حالات میں کیا صورت ہوگی؟

(الف) نقدی سونا، چاندی، زیورات اور جواہرات۔

(ب) دھات کے سکے (جن میں طلائی، نقرئی اور دوسری دھاتوں کے سکے شامل ہیں) اور کاغذی سکے۔

(ج) بینکوں میں بقایا امانت یا کسی دوسری جگہ رکھی ہوئی چیزیں، لئے ہوئے قرضے اور دیئے ہوئے قرضے، مرہونہ جائیداد اور ایسی جائیداد جو قابلِ ارجاع نالش ہو۔

(د) عطیات۔

(ہ) بیمے کی پالیسیاں اور پراویڈنٹ فنڈ کی رقمیں۔

(و) مویشی، شیر خانہ کی مصنوعات، زرعی پیداوار مع اناج، سبزیاں، پھل اور پھول۔

(ز) معدنیات۔

(ح) برآمد شدہ دفینہ۔

(ط) آثارِ قدیمہ۔

(ی) جنگلی یا پالتو مکھی کا شہد۔

(ک) مچھلی، حوض اور پانی سے نکلنے والی دوسری چیزیں۔

(ل) پیٹرول۔

(م) درآمد برآمد۔

دورِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے املاکِ زکوۃ پر خلفائے راشدین کا اضافہ

[۴۴۵۵]: ۹...... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جن املاک پر زکوۃ واجب تھی کیا خلفائے راشدین (رضوان اللہ علیہم) نے ان کی فہرست میں کوئی اضافہ کیا؟ اگر کوئی اضافہ یا تبدیلی کی تو کن اصولوں پر؟

نِکل، سونے چاندی کے علاوہ یا منسوخ شدہ سکوں پر زکوۃ

[۴۴۵۶]: ۱۰... کیا نکل کے سکوں اور سونے چاندی کے سوا دوسری دھاتوں کے رائج الوقت سکوں پر زکوۃ واجب ہوگی؟ جو سکے رائج نہیں رہے جو خراب ہیں یا جو حکومت نے واپس لے لئے ہیں یا جو دوسرے ملکوں کے سکے ہیں ان کا بھی اس سلسلے میں شمار ہونا چاہیے یا نہیں؟

مالِ ظاہر و مالِ باطن کی تعریف اور بینک کی رقوم پر زکوۃ

[۴۴۵۷]: ۱۱...... مالِ ظاہر اور باطن کی کیا تعریف ہے؟ اس سلسلہ میں بینکوں کے اندر جمع شدہ رقوم کی کیا حیثیت ہے؟

مالِ نامی کے حدود

[۴۴۵۸]: ۱۲...... اغراضِ زکوۃ کے لئے مالِ نامی (نمود پذیر) کے حدود بیان کیجئے؟ کیا صرف مالِ نامی پر زکوۃ واجب ہوگی؟

مکان، زیورات اور کرایہ کے اشیاء پر زکوۃ کے قواعد

[۴۴۵۹]:۱۳...... جو مکان، زیورات، دوسری چیزیں کرایہ پر دی جائیں ان پر اور ٹیکسی گاڑی موٹر وغیرہ پر زکوٰۃ لگانے کے کیا قاعدے ہیں؟

کن کن مملوکہ جانورں پر کتنی مقدار اور کن حالات میں زکوۃ واجب ہے؟

[۴۴۶۰]:۱۴...... کسی آدمی کے کن کن مملوکہ جانوروں پر زکوٰۃ عائد ہوتی ہے؟ اس سلسلہ میں بھینسوں، مرغیوں دوسرے پالتو اور شوقیہ پالے ہوئے جانوروں کی حیثیت کیا ہے؟ کیا ان کی زکوٰۃ نقدی کے شکل میں یا جنس کی صورت میں یا دونوں طرح دی جاسکتی ہے؟ کسی آدمی کے مختلف مملوکہ جانوروں کی کتنی مقدار پر اور کن حالات میں زکوٰۃ واجب ہونی چاہیے؟

اموالِ زکوۃ پر زکوۃ کی شرح

[۴۴۶۱]:۱۵...... جن مختلف سامانوں اور چیزوں پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے ان پر زکوٰۃ کس شرح سے لی جائے؟

کیا دورِ خلفائے راشدین میں بعض اموالِ زکوۃ کی شرح میں تبدیلی ہوئی؟

[۴۴۶۲]:۱۶...... خلفائے راشدین کے دور میں نقدی سکوں، مویشیوں، سامانِ تجارت زرعی پیداوار پر زکوٰۃ کی شرح میں کوئی تبدیلی کی گئی ہے؟ اگر ایسا ہو تو سند کے ساتھ تفصیلی وجوہ بیان کیجئے۔

دوسونقرئی درہم، بیس طلائی مثقال کے حساب سے پاکستانی روپے پر زکوۃ

[۴۴۶۳]:۱۷ ..... نقدی کی صورت میں اگر زکوٰۃ دوسونقرئی درہم اور بیس طلائی مثقال میں واجب ہو تو یہ سکے کتنے پاکستانی روپوں کے برابر ہوں گے، اناج کی صورت میں (صاع ووسق) پاکستان کے مختلف علاقوں میں کن مروجہ اوزان کے برابر ہوں گے؟

موجودہ حالات کے پیشِ نظر شرحِ زکوۃ میں تبدیلی

[۴۴۶۴]:۱۸...... کیا موجودہ حالات کے پیشِ نظر نصاب (وہ کم از کم سرمایہ جس پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے) اور زکوٰۃ کی شرح میں کوئی تبدیلی نہیں ہوسکتی؟ اس مسئلے پر اپنے خیالات دلائل کے ساتھ پیش کریں۔

مختلف اثاثوں پر وجوبِ زکوۃ کی مدت

[۴۴۶۵]:۱۹...... مختلف اثاثوں اور سامانوں پر کتنی مدت گزرنے کے بعد زکوٰۃ واجب ہے؟

کیا سال میں کئی فصلوں پر ایک زکوۃ ہے؟

[۴۴۶۶]:۲۰...... اگر ایک سال میں کئی فصلیں ہوں تو کیا سال میں صرف ایک بار زکوٰۃ ادا کی جائے یا ہر فصل پر؟

ادائے زکوۃ میں شمسی وقمری مہینوں کا اعتبار اور کسی ایک مہینہ کی تعیین

[۴۴۶۷]:۲۱...... زکوٰۃ قمری سال کے حساب سے واجب ہونی چاہیے یا شمسی سال کے حساب سے؟ کیا زکوٰۃ کی تشخیص اور وصولی کے لئے کوئی مہینہ مقرر رہنا چاہیے؟

زکوۃ کے مصارف

[۴۴۶۸]:۲۲...... زکوٰۃ کی رقم کن مصارف میں خرچ ہونی چاہیے؟

مصارف کے حدود اور "فی سبیل اللّٰہ" کا مفہوم

[۴۴۶۹]:۲۳...... قرآن حکیم میں جن مختلف مصارف میں زکوٰۃ خرچ کرنے کا حکم دیا گیا ہے ان کی حدود بیان کیجئے بالخصوص اصطلاح "فی سبیل اللّٰہ" کے معنیٰ ومفہوم کی وضاحت کیجئے؟

تمام زکوۃ کو تمام مصارف میں یا متعین حصہ متعین مصرف میں صَرف کیا جائے؟

[۴۴۷۰]:۲۴...... کیا یہ لازمی ہے کہ زکوٰۃ کی رقم کا ایک حصہ ان مصارف میں سے ہر ایک مصرف پر خرچ کرنے کے لئے الگ رکھا جائے جس کا قرآن کریم میں ذکر ہے، یا زکوٰۃ کی پوری رقم قرآن مجید میں بتائے ہوئے تمام مصارف پر خرچ کرنے کی بجائے ان میں سے کسی ایک یا چند مصارف میں بھی خرچ کی جا سکتی ہے؟

مستحقینِ زکوۃ کے استحقاق کے حالات اور بنی ہاشم کو زکوۃ کا حق

[۴۴۷۱]:۲۵...... مستحقینِ زکوٰۃ کے ہر طبقے میں کسی فرد کو کن حالات میں زکوٰۃ لینے کا حق پہنچتا ہے، پاکستان کے مختلف حصوں میں جو حالات پائے جاتے ہیں ان کی روشنی میں اس امر کی وضاحت کی جائے کہ سیدوں بنی ہاشم سے تعلق رکھنے والے دوسرے افراد کو زکوٰۃ لینے کا کہاں تک حق پہنچتا ہے؟

9

مصرفِ زکوۃ افراد ہیں یا ادارے؟

[۴۴۷۰]:۲۶......کیا زکوۃ صرف افراد کو دی جاتی ہے یا اداروں کو (مثلاً تعلیمی اداروں، یتیم خانوں اورمحتاج خانوں) کو بھی دی جاسکتی ہے؟

غریب، مسکین، بیوہ اور گزارہ الاؤنس والے معذوروں کے لئے زکوۃ

[۴۴۷۳]:۲۷......کیا زکوۃ کی رقم میں سے مستحق غریبوں، مسکینوں، بیواؤں اوران لوگوں کو جواپاہج یا ضعیف ہونے کی وجہ سے روزی کمانے سے معذور ہوں عمر بھر کی پنشن کے طور پر گزارہ الاؤنس دیا جاسکتا ہے؟

زکوۃ رفاہِ عامہ کے کاموں میں صَرف کرنا

[۴۴۷۴]:۲۸......کیا زکوۃ کی رقم رفاہِ عامہ کے کاموں مثلاً مسجدوں، ہسپتالوں، سڑکوں، پلوں، کنوؤں اورتالابوں وغیرہ کی تعمیر پرخرچ کی جاسکتی ہے؟ جس سے ہر آدمی بلالحاظِ مذہب وملت فائدہ اٹھاسکے۔

زکوۃ کی رقم بطورِ قرض دینا

[۴۴۷۵]:۲۹......کیا زکوۃ کی رقم کسی شخص کو قرضہ حسنہ یا قرض بلاسود کے طور پر دی جاسکتی ہے؟

مصرفِ زکوۃ اپنا علاقہ ہے یا دیگر علاقوں میں مصیبت زدگان بھی ہیں؟

[۴۴۷۶]:۳۰......کیا یہ ضروری ہے کہ زکوۃ جس علاقہ سے وصول کی جائے اسی میں صَرف کی جائے، یا اس علاقے سے باہر، یا پاکستان سے باہر تالیفِ قلوب کے لئے، یا آفاتِ ارضی وسماوی مثلاً زلزلہ، سیلاب وغیرہ کے مصیبت زدگان پرخرچ کی جاسکتی ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں آپ کے نزدیک علاقہ کی تعریف کیا ہے؟

ترکۂ میت سے زکوۃ لینا

[۴۴۷۷]:۳۱......متوفی کے ترکہ سے زکوۃ وصول کرنے کا کیا طریقہ ہونا چاہیے؟

عدمِ وجوبِ زکوۃ کے حیلہ سے لوگوں کو روکنے کی تدابیر

[۴۴۷۸]:۳۲......ایسی کیا احتیاطی تدابیر اختیار کرنی چاہئیں کہ لوگ زکوۃ کی ادائیگی سے بچنے کے لئے حیلے نہ کرسکیں؟

تحصیلِ زکوۃ مرکز کے زیرِ انتظام ہو یا صوبوں کے؟

[۴۴۷۹]:۳۳......زکوٰۃ کی تحصیل اوراس کا انتظام مرکز کے ہاتھ میں ہونا چاہیے یا صوبوں کے ہاتھ میں، اگر مرکز جمع کرے تو اس میں صوبوں یا دوسرے علاقوں کے حصے مقرر کرنے کے کیا اصول ہیں؟

زکوۃ کے نظم ونسق کا طریقہ اور وصولِ زکوۃ کے لئے الگ محکمہ

[۴۴۸۰]:۳۴......آپ کی نظر میں زکوٰۃ کے نظم ونسق کو چلانے کا بہترین طریقہ کیا ہے؟ کیا زکوٰۃ جمع کرنے کے لئے کوئی الگ محکمہ قائم کیا جائے یا حکومت کے موجودہ محکموں میں سے ہی کام لیا جائے؟

زکوۃ سرکاری محصول ہے یا سرکار صرف ذمہ دار ہے؟

[۴۴۸۱]:۳۵......کیا زکوٰۃ کو سرکاری محصول قرار دیا جائے، یا وہ کوئی ایسا محصول ہے کہ حکومت محض اس کی وصولی اور انتظام کی ذمہ دار ہے؟

دورِ خلفائے راشدین میں اغراضِ عامہ کے لئے زکوۃ وغیرہ

[۴۴۸۲]:۳۶......کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں، یا خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے دورِ حکومت میں اغراضِ عامہ کے کاموں کے لئے زکوٰۃ کے علاوہ بھی کوئی سرکاری محصول وصول کیا گیا ہے، اگر کیا گیا ہے تو وہ کیا تھا؟

اسلامی ممالک میں وصولیٔ زکوۃ کا طریقہ

[۴۴۸۳]:۳۷......اسلامی ملکوں میں زکوٰۃ کی وصولی اور انتظام کرنے کا کیا طریقہ تھا اور اب کیا ہے؟

انتظامِ زکوۃ صرف حکومت کے پاس ہو یا کسی مجلس کے پاس؟

[۴۴۸۴]:۳۸......کیا زکوٰۃ کی وصولی اور خرچ کا انتظام صرف حکومت کے پاس رہنا چاہیے، یا کوئی مجلسِ اُمناء مقرر ہو کر اس کا انتظام حکومت اور عوام کی مشترکہ نگرانی میں ہونا چاہیے؟

منتظمینِ زکوۃ کی تنخواہوں اور فنڈز کی شرائط

[۴۴۸۵]:۳۹......زکوٰۃ جمع کرنے اوراس کا انتظام کرنے کے لئے جو عملہ رکھا جائے ان کی تنخواہیں،

الاؤنس، پنشن، پراویڈنٹ فنڈ اور شرائطِ ملازمت کیا ہیں؟

نوٹ: حکومت پاکستان نے ۳۹ سوالات پر مشتمل استفتاء دارالافتاء مظاہر علوم میں بھیجا، حضرت والا دامت برکاتہم نے جوابات تحریر فرمائے، مگر افسوس کہ سوالات دستیاب نہ ہوسکے اس لئے صرف جوابات کو درج کیا جارہا ہے (☆)۔

نحمده ونصلي على رسوله الكريم:

۱...... مالِ مخصوص (نصاب کا چالیسواں حصہ، یا جو شرعاً اس کے قائم مقام ہو جیسے جانوروں میں زکوۃ کا متعینہ حصہ) کا شخصِ مخصوص (مصرف) کو مالک بنادینا اور اس میں اپنی کوئی منفعت نہ ہو، محض اللہ تعالیٰ کے لئے ہو:

"هي تمليك مال مخصوص و هو ربع عشر النصاب أو ما يقوم مقامه من صدقات السوائم لشخص مخصوص، اهـ". مراقي الفلاح و طحطاوي(۱)۔ "أي مع قطع المنفعة عن المملك من كل وجه لله تعالىٰ، اهـ". درمختار(۲)۔

۲...... جو شخص عاقل، بالغ مسلم، حر (آزاد) مالکِ نصابِ نامی ہو (جس پر سال بھر گزر چکا ہو اور وہ حاجتِ اصلیہ سے زائد اور دیونِ انسانی سے فارغ ہو) اس پر زکوۃ فرض ہے۔ عورتوں، قیدیوں، مسافروں، مستأمنوں میں اگر یہ صفات موجود ہوں تو ان پر بھی فرض ہے۔ نابالغوں پر فرض نہیں۔ وہ مجنوں جس کو افاقہ نہ ہو اس پر فرض نہیں، جس کو افاقہ بھی ہوتا ہو اس میں تفصیل ہے، کتبِ فقہ میں ملاحظہ کیجئے۔ فاتر العقل یعنی کم عقل پر حسبِ شرائط فرض ہوگی:

"و شرطُ افتراضها عقل، و بلوغ، وإسلام، و حرية، والعلم به و لو حكماً لكونه في دارنا. وسببه: أي سبب افتراضها ملك نصاب حولي، تام، فارغ عن دينٍ له مطالب من جهة

(☆) الحمدللہ! ہمیں خیر الفتاویٰ سے وہی سوالات مل گئے اور شروع میں منسلک کردیئے ہیں۔

(۱) (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، ص: ۷۱۳، كتاب الزكاة، قديمي)

(۲) (الدرالمختار: ۲/۲۵۶، كتاب الزكاة، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۱/۲۸۴، كتاب الزكاة، دار الكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في البحر الرائق: ۲/۳۵۲، كتاب الزكاة، رشيديه)

العباد، وعن حاجته الأصلية، اهـ". در مختار۔ "(قوله: عقل و بلوغ) فلا تجب على مجنون و صبي، اهـ". شامی(۱)۔

۳...... پندرہ سال کی عمر ہونے پر بلوغ کا حکم ہوجائے گا، اس سے قبل اگر علاماتِ بلوغ ظاہر ہوں تو علامات کے ظہور کے وقت سے بالغ تصور کیا جائے گا:

" بلوغ الغلام بالاحتلام والإحبال والإنزال، والجارية بالاحتلام والحيض والحبل، فإن لم يوجد فيهما شيء، فمتىٰ يتم لكل منهما خمس عشرة سنةً، به يفتىٰ، اهـ". درمختار(۲)۔

۴...... سونے چاندی کے زیورات میں اوران میں جن میں سونا چاندی غالب ہو زکوۃ فرض ہوگی جب کہ وہ بقدرِ نصاب ہوں اگرچہ ذاتی استعمال کے لئے ہوں:

"و لو كانت الفضة أو الذهب حلياً أو غيره، تجب فيهما الزكاة، اهـ". زیلعی(۳)۔

"واللازم في كل منهما و معموله و لو تبراً أو حلياً مطلقاً مباح الاستعمال أو لا، و لو للتجمل، والنفقة ربع عشر، اهـ". در مختاربحذف۔ "(قوله: أو حلياً) ما تتحلى به المرأة من ذهب أو فضة. (قوله: أو لا) كخاتم الذهب للرجال والأواني مطلقاً و لو من فضه. (قوله: ولو للتجمل): أي التزين بهما في البيوت من غير استعمال، اهـ". شامی(۴)۔

---

(۱) (الدرالمختارمع ردالمحتار: ۲۵۸/۲، کتاب الزکاة، سعید)

(و كذا في النهرالفائق: ۴۱۲/۱، کتاب الزکاة، امدادیه)

(و كذا في تبيين الحقائق: ۱۹/۲، کتاب الزکاة، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) (الدرالمختار: ۱۵۳/۲، بلوغ الغلام بالاحتلام، سعید)

(كذا في فتح القدير: ۲۷۰/۹، فصل في حد البلوغ، مصطفى البابي الحلبي، مصر)

(و كذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۶۱/۱، الفصل الثاني في معرفة حد البلوغ، رشيديه)

(۳) (تبيين الحقائق، كتاب الزكاة، باب زكاة المال: ۸۲/۲، دارالكتب العلمية، بيروت)

(۴) (الدرالمختار: ۲۹۸/۲، باب زكاة المال، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۷۲/۲، باب زكاة المال، دار الكتب العلميه، بيروت)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۳۰۵/۱، كتاب الزكاة، دارالكتب العلميه بيروت)

۵......اگر حصہ داروں نے کمپنی کو ادائے زکوۃ کا وکیل بنا دیا ہے تو کمپنی ادا کردے ورنہ حصہ داران ادا کریں(۱)۔

۶......جس کا حصہ خود یا اس کے دوسرے مالِ زکوۃ کے ساتھ مل کر مقدار نصاب ہو اس پر زکوۃ فرض ہوگی، لیکن مشینری اور سامان جو کارخانہ چلانے کے لئے ہے، تجارت کے لئے نہیں اس میں زکوۃ نہیں:

"وشرط حولان الحول و ثمنية المال كالدراهم والدنانير أو السوم أو نية التجارة في العروض إما صريحاً و لا بد من مقارنتها لعقد التجارة، أو دلالةً بأن يشتري عيناً بعرض التجارة. اهـ". در مختار (۲)۔

۷......اگر مالک نے سال بھر گزرنے پر فروخت کیا ہے تو فروخت کرنے والے پر زکوۃ فرض ہوگی، اگر اس سے پہلے فروخت کیا ہے تو اس پر فرض نہیں بلکہ خریدنے والے پر فرض ہوگی جب کہ اس کی ملک میں سال بھر پورا ہوجائے، یا اس کے پاس کوئی اور مال بقدرِ نصاب ہو تو اس مالِ سابق کا سال پورا ہونے پر اس کے ساتھ اس خرید کردہ حصہ پر بھی زکوۃ ہوگی (۳)۔

۸......سونا چاندی رائج الوقت سکے، سوائم، زمین کی پیداوار:

---

(۱) "و شرط صحة أدائها نية مقارنة له: أي للأداء، ولو كانت المقارنة حكماً". (الدرالمختار). "وأما المقارنة للدفع إلى الوكيل فهي من الحكمية." (ردالمحتار، كتاب الزكاة: ۲۶۸/۲، سعيد)

(وكذا في التاتارخانية: ۲۶۲/۲، الفصل السابع في أداء الزكاة، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في فتح القدير: ۱۶۹/۲، كتاب الزكاة، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۲) (الدرالمختار: ۲۶۷/۲، كتاب الزكاة، سعيد)

(وكذا في بدائع الصنائع: ۲۸۷/۲، فصل في حولان الحول، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في التاتارخانية: ۲۱۷/۲، كتاب الزكاة، إدارة القرآن كراچی)

(۳) "ولا في هالك بعد وجوبها .... والمستفاد و لو بهبة أو إرث وسط الحول، يضم إلى نصاب من جنسه، فيزكيه بحول الأصلي الخ". (الدرالمختار: ۲۸۸/۲، فصل في زكاة الغنم، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۵۶/۲، باب صدقة الغنم، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في البحرالرائق: ۳۸۰/۲، فصل في الغنم، رشيديه)

(الف) نقدی سونا چاندی کے زیورات، وہ زیورات جن میں سونا چاندی غالب ہو، ان میں بہرصورت زکوۃ فرض ہوگی، خواہ یہ تجارت کے لئے ہوں خواہ کسی اَور غرض کے لئے ہوں (۱)۔ جواہرات اگر تجارت کے لئے ہوں تو زکوۃ ہوگی ورنہ نہیں:

"لا زكوة في اللآلي والجواهر وإن ساوت ألفاً اتفاقاً، إلا أن تكون للتجارة، والأصل أن ما عدا الحجرين والسائم إنما يزكي بنية التجارة، اهـ". در مختار (۲)۔

(ب) جن سکوں میں سونا چاندی غالب ہو اور دوسری دھات مغلوب ہو، وہ خالص چاندی سونے کے حکم میں ہے اور جو سکے دوسری دھات کے ہوں یا ان میں دوسری دھات غالب ہو ان میں قیمت کے اعتبار سے زکوۃ فرض ہوگی یعنی اگر ان کی قیمت سونے یا چاندی کے نصاب کو پہونچ جائے تو زکوۃ ہوگی ورنہ نہیں اور نوٹ میں اس کے روپیوں کی قیمت کا اعتبار ہوگا:

"غالب الفضة والذهب فضة وذهب، اهـ". در مختار۔ "الفلوس إن كانت أثماناً رائجةً أو سلعةً للتجارة، تجب الزكوة في قيمتها، و إلا فلا، اهـ". شامی (۳)۔

(ج) جو امانت بینک یا کسی دوسری جگہ محفوظ ہو اس میں بھی زکوۃ واجب ہوگی، جو قرض کسی سے لیا ہو اس پر زکوۃ نہیں، جو قرض کسی کو دیا ہوا اس پر واجب ہے، مگر وصول سے پہلے ادا کرنا واجب نہیں (۴)۔ مرہونہ

---

(۱) "واللازم في مضروب كل منهما و معموله و لو تبراً أو حلياً .... غالب الذهب والفضة فضةٌ وذهبٌ ما غلب غشه يقوّم كالعروض، الخ". (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۲/۲۹۸، باب زكاة المال، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۱۷۸، الفصل الأول في الذهب والفضة، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۱/۳۰۵، باب زكاة الذهب والفضة، دارالكتب العلمية بيروت)

(۲) (الدرالمختار: ۲/۲۷۳، كتاب الزكاة، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۱۸۰، الفصل الثاني في العروض، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية: ۲/۲۴۴، باب زكاة عروض التجارة، إدارة القرآن، كراچی)

(۳) (راجع الحاشية المتقدمة رقمها: ۱)

(۴) "فتجب زكاتها إذا تم نصاباً أو حال الحول، لكن لا فوراً بل عند قبض أربعين درهمًا من الدين =

جائیداد کی زکوۃ راہن پر نہیں (۱)۔ متنازعہ فیہ جائیداد کا فیصلہ جس کے حق میں ہوگا اس پر زکوۃ ہوگی بشرطیکہ وہ اموالِ زکوۃ میں سے ہو، زمینِ کاشت پر زکوۃ نہیں۔

(د) اگر عطیات ان اموال میں سے ہوں جن میں زکوۃ واجب ہوتی ہے اور معطیٰ لہ کو مالک بنا دیا گیا ہو تو شرائطِ زکوۃ کے مطابق زکوۃ واجب ہوگی ورنہ نہیں (۲)۔

(ہ) پراویڈنٹ فنڈ میں جو حصہ تنخواہ سے جمع کیا جاتا ہے اس کی زکوۃ شرائط کے مطابق واجب ہوگی اور جو گورنمنٹ خود جمع کرتی ہے اس پر ابھی واجب نہیں، وصول ہونے کے بعد شرائط کے مطابق واجب ہوگی (۳)۔ بیمہ پالیسیاں کی ہمیں تحقیق نہیں کیا ہے (۴)۔

= القوی کقرض و بدل التجارة، الخ". (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۲/۳۰۵، کتاب الزکاة، سعید)

(وكذا في التاتارخانية: ۲/۳۰۰، باب زكاة الديون، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۱۷۵، كتاب الزكاة، رشيديه)

(۱) " ومن موانع الوجوب الرهن إذا كان في يد المرتهن لعدم الملك إليه". (البحرالرائق: ۲/۳۵۵، كتاب الزكاة، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار: ۲/۲۶۳، كتاب الزكاة، سعيد)

(وكذا في التاتارخانية: ۲/۳۰۶، المال الذي يتوى ثم يقدر عليه، إدارة القرآن كراچي)

(۲) "الزكاة واجبة على الحر العاقل البالغ المسلم إذا بلغ نصابًا ملكاً تاماً، وحال عليه الحول. الملك التام أن يكون ملكه ثابتاً من جميع الوجوه، و لا يتمكن النقصان فيه بوجهٍ كما في المديون والمكاتب، الخ". (التاتارخانية: ۲/۲۱۷، كتاب الزكاة، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في فتح القدير: ۲/۱۵۳، كتاب الزكاة، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في خلاصة الفتاوى: ۱/۲۳۵، كتاب الزكاة، امجد اكيڈمی، لاهور)

(۳) "یہ ظاہر ہے کہ یہ رقم جو ملازم کی تنخواہ سے وضع کی جاتی ہے ملازم کی خدمت کا معاوضہ ہے جو ابھی اس کے قبضہ میں نہیں آیا، لہٰذا وہ محکمہ کے ذمہ ملازم کا "دَین" ہے۔ زکوۃ کے معاملہ میں فقہاء نے دَین کی تین اقسام کی ہیں جن میں سے بعض پر زکوۃ واجب ہوتی ہے اور بعض پر نہیں ہوتی۔ اب دیکھنا یہ ہے یہ دَین کی کون سی قسم کا ہے؟ اس کے بعد ہی اس مسئلہ کا فیصلہ ہوسکتا ہے کہ اس دین پر زکوۃ واجب ہوتی ہے یا نہیں۔ دین کی تین قسمیں فقہاء کی تصریح کے مطابق یہ ہیں:

دینِ قوی: وہ دَین ہے جو کسی مالِ تجارت کے بدلہ میں کسی پر واجب ہو، مثلاً زید نے کچھ سامانِ تجارت عمرو کے ہاتھ =

....

=فروخت کیا۔عمرو کے ذمہ اس کی قیمت واجب ہوگئی یہ قیمت جب تک وصول نہ ہوعمرو کے ذمہ زید کا دَین قوی ہے۔اس دین کا حکم یہ ہے کہ اس کی زکوۃ دائن پر واجب ہوتی ہے یعنی جب یہ رقم اسے وصول ہوجائے گی اس وقت اس پر اس تمام عرصہ کی زکوۃ کا ادا کرنا واجب ہوگا جس میں وہ مدیون کے ذمہ دین تھی ،نقد رقم جو کسی کو قرض دی گئی ہو،اس کا حکم بھی یہی ہے۔

دینِ متوسط: وہ دین ہے جو کسی غیر تجارتی مال کے بدلہ میں کسی پر واجب ہوا ہو،مثلاً زید نے اپنے استعمال کے کپڑے عمرو کو بیچ دیئے ،اس کی قیمت جب تک وصول نہ ہوعمرو کے ذمہ دینِ متوسط ہے۔اس دَین کے بارے میں امام ابوحنیفہؒ سے دوروایتیں ہیں:

صاحب بدائع وغیرہ نے ترجیح اس کو دی ہے کہ یہ رقم جب تک دائن کو وصول نہ ہوجائے اس وقت تک زکوۃ واجب نہیں ہوتی اور جتنے عرصہ یہ وصول نہیں ہوئی اس عرصہ کی زکوۃ وصول یابی کے بعد بھی دینی نہیں پڑے گی (کما ھو مصرح فی آخر عبارۃ البدائع الآتیۃ)

دینِ ضعیف: اس دَین کو کہتے ہیں جو یا تو کسی چیز کا معاوضہ ہی نہ ہو جیسے وراثت یا وصیت کے ذریعہ حاصل ہونے والا مال، یا معاوضہ تو ہولیکن کسی مال کا معاوضہ نہ ہو، جیسے عورت کا دَین مہر،اور بدل خلع وغیرہ۔اس دَین کا حکم بھی یہ ہے کہ جتنے عرصہ یہ رقم وصول نہیں ہوئی،اس عرصہ کی زکوۃ واجب نہیں ہوتی۔یہ تین قسمیں علامہ کاسانی نے بدائع الصنائع میں زیادہ تفصیل سے بیان کی ہیں..........اھ۔

خلاصہ اس بحث کا خلاصہ یہ ہوا کہ پراویڈینٹ فنڈ میں دو احتمال ہیں:ایک یہ کہ وہ دَین متوسط ہو اور دوسرے یہ کہ اُسے دَینِ ضعیف قرار دیا جائے اور دین ضعیف ہونے کا احتمال راجح ہے،لہٰذا اس راجح احتمال کی بنیاد پر تو اس پر زکوۃ واجب ہونے کا کوئی سوال ہی نہیں اور اگر اُسے دَین متوسط قرار دیا جائے تب بھی امام کرخیؒ ،صاحب بدائع اور صاحبِ غایۃ البیان کی تصریح کے مطابق اصح روایت یہی ہے کہ اس پر سنینِ ماضیہ کی زکوۃ واجب نہیں ہوتی ،علامہ شامی کا رجحان بھی اسی طرف معلوم ہوتا ہے۔شامی : ۲/۳۶، ومنحۃ الخالق: ۲/ ۲۳۲ . البتہ صاحبِ بحر نے دینِ متوسط پر زکوۃ کے وجوب کو ترجیح دی ہے،لیکن اجرتِ عبد کے سلسلہ میں انہوں نے ہی یہ تصریح بھی کردی ہے کہ اگر عبد تجارت کے لئے نہ ہوتو اس کی اجرت پر زکوۃ واجب نہیں ہوتی، تاوقتیکہ اس پر قبضہ ہوکر سال نہ گزر جائے اور جب خدمتِ عبد کی اجرت پر انہوں نے یہ حکم لگایا ہے تو پھر خدمتِ حُر پر یہ حکم بطریقِ اولیٰ ثابت ہوگا،لہٰذا امام ابوحنیفہؒ کے مذہب کے مطابق پراویڈینٹ فنڈ پر زکوۃ سالہائے گزشتہ کی واجب نہیں ہوتی''۔(پراویڈنٹ فنڈ پر زکوۃ اور سود کا مسئلہ،تالیف مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ،عنوان: پراویڈنٹ فنڈ پر زکوۃ کا مسئلہ، ص:۴،۵،دارالاشاعت،کراچی)

(۴) دیکھئے رسالہ:(بیمہ زندگی ، مؤلف مولانا مفتی محمد شفیعؒ) .... =

(و) سائمہ جانور اور تجارتی اشیاء پر زکوۃ واجب ہے، شیر خانہ کی مصنوعات جو تجارتی ہوں ان میں ان کی قیمتوں کا اعتبار ہوگا۔ زرعی پیداوار اور پھلوں میں عشر ہے یا نصفِ عشر بشرطیکہ زمین عشری ہو۔ سبزیات اور پھلوں کی تفصیلات کتبِ فقہ میں ملاحظہ فرمائی جائیں، بعض میں عشر ہے بعض میں نہیں:

"ویجب العشر فی ثمرة جبل وفی مسقی سماء وسیح بلا شرط نصاب و بقاء، اهـ". در مختار (۱)۔

(ز) جو چیز پگھلنے، ڈھلنے والی ارضِ خراجی یا عشری سے ملے اس میں خمس یعنی پانچواں حصہ واجب ہوگا:

"وجد مسلم أو ذمی معدن نقد و حدید فی أرض خراجیة أو عشریة، خمّس، اهـ" درمختار (۲)۔

(ح) جس دفینہ پر اسلام کی علامت نہ ہو اس میں بھی خمس ہے اور جس پر اسلامی علامت ہو وہ لقطہ ہے:

"ولو وجد دفین الجاهلیة خمّس، و ما علیه سمة الإسلام من الکنوز فلقطة، و ما علیه سمة الکفر خمّس". در مختار (۳)۔

(ط) اس کا مفہوم واضح نہیں ہوا۔

= "وسببه: أی سبب افتراضها ملک نصاب حولی". (الدرالمختار). "فلا زکوة فی سوائم الوقف والخیل المسبلة لعدم الملک". (ردالمحتار، کتاب الزکوة: ۲/۲۵۹، سعید)

(۱) (الدرالمختار: ۲/۳۲۵، کتاب الزکاة، باب العشر، سعید)

(وکذا فی مجمع الأنهر: ۱/۳۱۷، باب زکاة الخارج، دار الکتب العلمیه بیروت)

(وکذا فی البحر الرائق: ۲/۴۱۳، باب العشر، رشیدیه)

(۲) (الدرالمختار: ۲/۳۱۸، باب الرکاز، سعید)

(وکذافی فتح القدیر: ۲/۲۳۲، باب فی المعادن، الخ، مصطفی البابی الحلبی مصر)

(وکذا فی تبیین الحقائق: ۲/۹۳، باب فی المعادن والرکاز، مصطفی البابی الحلبی مصر)

(۳) (الدرالمختار: ۲/۳۲۲، باب الرکاز، سعید)

(وکذا فی البحرالرائق: ۲/۴۱۱، باب الرکاز، رشیدیه)

(وکذا فی المحیط البرهانی: ۲/۵۳۶، باب المعادن و الرکاز، غفاریه کوئٹه)

(ی) اس میں بھی عشر ہے جب کہ خراجی زمین نہ ہو: "یجب العشر فی عسل أرض غیر الخراج، اھـ". درمختار (۱)۔

(ک) ان میں عشر نہیں البتہ موتی وغیرہ تجارت کے لئے ہوں تو حسبِ شرائط زکوۃ واجب ہوگی: "و لا فی لؤلؤ وغیرہ، وکذا جمیع ما یستخرج من البحر، اھـ". در مختار (۲)۔

(ل) اس میں عشر نہیں، اگر تجارت کے لئے ہو تو شرائط کے موافق زکوۃ ہوگی: "و لا فی عین قیر و نفط اھ". درمختار (۳)۔

(م) مسلمان تاجر سے زکوۃ لیجائے گی اور ذمی سے نصف عشر لیا جائے گا اور غیر ملکی کافروں سے ان کے ملک کا معاملہ دیکھ کر فیصلہ کیا جائے گا یعنی وہ جتنا مسلمان سے لیتے ہیں اسی قدر لیا جائے گا، مگر کل مال نہیں لیں گے، ہمارا معاملہ بہر حال بہتر ہونا چاہئے (۴)۔

---

(۱) (الدرالمختار: ۳۲۵/۲، باب العشر، سعید)

(وکذا فی تبیین الحقائق: ۱۰۱/۲، باب العشر، دار الکتب العلمیة بیروت)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة: ۱۸۶/۱، الباب السادس فی زکاة الزروع والثمار، رشیدیه)

(۲) (الدرالمختار: ۳۲۲/۲، باب الرکاز، سعید)

(وکذا فی الدر المنتقی علی هامش مجمع الأنهر: ۳۱۶/۱، باب الرکاز، دار الکتب العلمیة بیروت)

(وکذا فی البحر الرائق: ۴۱۲/۲، باب الرکاز، رشیدیه)

(۳) (الدرالمختار: ۳۳۱/۲، باب العشر، سعید)

(وکذا فی النهر الفائق: ۴۵۷/۱، باب العشر، امدادیه ملتان)

(وکذافی فتح القدیر: ۲۵۸/۲، باب العشر، مصطفی البابی الحلبی مصر)

(۴) "وأما القدر المأخوذ مما یمرّبه التاجر علی العاشر، فالمار لا یخلو: إما إن کان مسلمًا أو ذمیًا أو حربیًا، فإن کان مسلمًا یؤخذ منه فی أموال التجارة رُبعُ العشر؛ لأن المأخوذ منه زکاة، فیؤخذ علی قدر الواجب. وأصله ما روینا عن عمر رضی الله عنه أنه کتب إلی العشار فی الأطراف أن خُذوا من المسلم رُبعَ العشر، ومن الذمی نصف العشر، من الحربی العشر، الخ". (بدائع الصنائع: ۴۵۵/۲، فصل فی بیان القدر الماخوذ مما یمر به، دار الکتب العلمیة بیروت)

(وکذا فی الدرالمختار: ۳۱۴/۲، باب العاشر، سعید) .... =

۹......اموالِ زکوۃ کی تفصیل احادیثِ مرفوعہ میں موجود ہے،خلفائے راشدین نے اس پر کوئی اضافہ نہیں کیا(۱)۔

۱۰......سونے چاندی کے سکے یا وہ سکے جن میں سونا چاندی غالب ہے ان میں زکوۃ واجب ہوگی خواہ وہ رائج ہوں یا نہ ہوں، یا کسی دوسری حکومت کے ہوں سب کا ایک ہی حکم ہے، ایسے سکوں کے علاوہ دوسرے سکے اگر رائج ہوں تو قیمت کے اعتبار سے زکوۃ ہوگی، اگر رائج نہ ہوں تو زکوۃ نہیں، کما مر (۲)۔

۱۱......مالِ ظاہر کہتے ہیں گائے، بکری وغیرہ بقدرِ نصاب کو اور اس مالِ تجارت کو جس کو تاجر لیکر عاشر پر گزرے۔ مالِ باطن جو اس کے علاوہ ہو جیسے سونا چاندی اور وہ مالِ تجارت جو مکان یا دوکان میں ہو، بینک میں جمع شدہ رقوم مالِ باطن کے حکم میں ہیں:

"مال الزكوة نوعان: ظاهر: وهو المواشي و ما يمر به التاجر على العاشر، و باطن: وهو الذهب والفضة وأموال التجارة في مواضعها، اهـ". شامی (۳)۔

= (وكذا في النهر الفائق: ۱/۴۴۶، باب العاشر، امداديه)

(۱) "أموال الزكاة أنواع ثلاثة: أحدها: الأثمان المطلقة، و هي الذهب والفضة، والثاني: أموال التجارة، وهي العروض المعدة للتجارة، والثالث: السوائم". (بدائع الصنائع: ۲/۴۰۵، كتاب الزكاة، دار الكتب العلميه بيروت)

(وكذا في الفقه الإسلامي وأدلته: ۳/۱۸۱۹، أنواع الأموال، رشيديه)

(۲)" وغالب الفضة والذهب فضة وذهب، وما غلب غشه منهما يقوّم كالعروض، و يشترط فيه النية، إلا إذا كان يخلص منه ما يبلغ نصابًا أو أقل، و عنده ما يتم به أو كانت أثماناً رائجةً وبلغت نصابًا من أدنى، فقد تجب زكاته فتجب، وإلا لا". (الدر المختار: ۲/۳۰۰، باب زكاة المال، سعيد)

(وكذا في بدائع الصنائع: ۲/۴۰۸، فصل في بيان صفة النصاب، دار الكتب العلميه بيروت)

(وكذا في البحر الرائق: ۲/۳۹۷، باب زكاة المال، رشيديه)

(۳) (ردالمحتار: ۲/۳۱۰، باب العاشر، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۲/۴۰۳، باب العاشر، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع: ۲/۴۴۸، فصل في مَن له المطالب بأداء الوجوب، دار الكتب العلمية، بيروت)

۱۲.....صرف مالِ نامی پر زکوۃ واجب ہوگی، نامی کے معنی بڑھنے والا، اس کی دوصورتیں ہیں۔ ایک حقیقۃً جیسے مویشی کہ ان کی نسل بڑھتی ہے اور مالِ تجارت۔ دوسرے تقدیراً، اس کا مصداق سونا چاندی اور وہ سکہ جو رائج ہو:

قال ابن عابدینؒ: "النماً فی اللغة: الزیادة، وفی الشرع: هو نوعان: حقیقی و تقدیری، فالحقیقی الزیادة بالتوالد والتناسل والتجارات، والتقدیری تمكنه من الزیادة بكون المال فی یده أو ید نائبه، اهـ". شامی (۱)۔

"هوقسمان: خلقی و فعلی، فالخلقی الذهب والفضة؛ لأنها تصلح للانتفاع بأعیانها: أی فی دفع الحوائج، فلا حاجة إلی الإعداد من العبد للتجارة بالنیة لتعیینها لها بأصل الخلقة، فتجب الزكوة فیهما نوی التجارة أو لم ینو أصلاً أو نوی النفقة. والفعلی فیماسوی الذهب والفضة، وإنما یكون الإعداد للتجارة فیه بالنیة إذا كانت عروضاً أو بنیة الإسامة إن كانت سائمةً، اهـ". طحطاوی(۲)۔

۱۳.....سونے چاندی کے زیورات پر بہرصورت زکوۃ ہے، کرایہ کو دخل نہیں، دوسری کرایہ کی چیزوں پر زکوۃ نہیں، اگر وہ کرائے کے لئے ہوں تو ان پر زکوۃ ہوگی، جو چیزیں کرائے پر چلتی ہیں ان کی آمدنی پر شروط کے موافق زکوۃ ہوگی (۳)۔

۱۴.....جو جانور تجارت کے لئے ہوں ان پر زکوۃ ہوگی، جو جانور شوقیہ، نسل یا دودھ کے لئے ہوں ان میں سے اونٹ گائے، بھینس، بھیڑ، بکری، دُنبہ پر زکوۃ ہوگی جب کہ یہ جانور سال کا اکثر حصہ جنگل میں چرنے پر

---

(۱) (ردالمحتار: ۲/۲۶۳، کتاب الزکاۃ، سعید)

(وكذا فی البحرالرائق: ۲/۳۶۲، كتاب الزكاة، رشیدیه)

(۲) (حاشیة الطحطاوی علی الدرالمختار: ۱/۳۹۱، كتاب الزكاة، دارالمعرفة، بیروت)

(۳) "و لا (زكوة) فی ثیاب البدن .... و دور السكنی و نحوها: أی كثیاب البدن الغیر المحتاج إلیها كالحوانیت والعقارات". (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۲/۲۶۴، كتاب الزكاة، سعید)

(وكذا فی فتح القدیر: ۲/۱۶۲، كتاب الزكاة، مصطفی البابی الحلبی مصر)

(وكذا فی البحر الرائق: ۲/۳۶۱، كتاب الزكاة، رشیدیه)

اکتفا کرتے ہوں، بقیہ مرغیوں وغیرہ پر زکوۃ نہیں۔تجارتی جانوروں کی زکوۃ قیمت لگا کر چالیسواں حصہ ادا کردی جائے نسل کے جانوروں کی زکوۃ کا طریقہ تفصیل سے کتب فقہ میں مذکور ہے، ایسے جانوروں کا کم از کم نصاب یہ ہے، اونٹ پانچ، گائے بھینس تیس، بکری چالیس (۱)۔

۱۵......سونے چاندی کے نصاب سے چالیسواں حصہ واجب ہوتا ہے یہی حساب مال تجارت کی زکوۃ کا ہے (۲)۔جانوروں کی زکوۃ میں بہت تفصیل ہے۔زمین کی پیداوار کی زکوۃ بعض صورتوں میں دسواں حصہ ہے، بعض میں بیسواں، یہ سب تفصیلات کتب فقہ میں مذکور ہیں (۳)۔

۱۶......کوئی تبدیلی نہیں ہوئی، جو احکام نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صاف صاف بیان فرمادیے خلفائے راشدین نے ان پر عمل کر کے مستحکم کردیا، احکام منصوصہ بالخصوص مقادیر میں تبدیلی ہو بھی نہیں سکتی (۴)۔

۱۷......نہ سکوں کی تفصیل معلوم نہ اوزان کی، لہٰذا جواب سے معذوری ہے۔

---

(۱) (ردالمحتار: ۲/۲۷۵، ۲۹۵، کتاب الزکاۃ، سعید)

(ومجمع الأنهر: ۱/۲۹۲، ۳۰۳، کتاب الزکاۃ، دار الکتب العلمیة بیروت)

(والنهر الفائق: ۱/۴۲۰، ۴۳۵، کتاب الزکاۃ، امدادیه)

(۲) "نصاب الذهب عشرون مثقالاً، والفضة مائتا درهم کل عشرة ..... أو فی عرض تجارة قیمة نصاب من ذهب و ورق مقوّماً بأحدهما، الخ". (الدرالمختار: ۲/۲۹۵، باب زکاۃالمال، سعید)

(و کذا فی النهرالفائق: ۱/۴۳۶، باب زکاۃ المال، إمدادیه)

(و کذا فی مجمع الأنهر: ۱/۳۰۳، باب زکاۃ الذهب والفضة والعروض، دار الکتب العلمیه بیروت)

(۳) "یجب العشر فی ثمرة جبل أو مفازة ....وتجب فی مسقی سماء وسیح کنهر بلاشرط نصاب وبلا شرط بقاء .... یجب نصفه فی مسقی غرب و دالیة، الخ". (الدرالمختار: ۲/۳۲۵، ۳۲۸، باب العشر، سعید)

(و کذا فی التاتارخانیة: ۲/۳۲۶، باب النصاب بوجوب العشر، إدارة القرآن کراچی)

(و کذا فی فتح القدیر: ۲/۲۴۲، باب زکاۃ الزروع والثمار، مصطفی البابی الحلبی مصر)

(۴) "بأن نصب المقادیر بالرأی، لایجوز". (ردالمحتار، کتاب الطلاق، باب اللعان: ۳/۴۹۱، سعید)

۱۸......کوئی تبدیلی نہیں ہوسکتی کیونکہ مقادیر توقیفی ہیں، اجتہادی اور قیاسی مسائل پر ان کو قیاس نہیں کیا جاسکتا، کسی کو یہ حق نہیں کہ احکامِ وحی کو منسوخ کرسکے: ﴿الیوم أکملت لکم دینکم﴾ الآیة (۱)۔

۱۹......ہر قسم کے مالِ زکوۃ پر سال بھر گزرنے سے زکوۃ ہوگی: "لا زکوة فی المال حتی یحول علیه الحول". (۲)۔ زمین کی پیداوار اور معدنیات کے لئے سال گزرنا شرط نہیں۔

۲۰......اگر زمین پر خراجِ موظف ہے تو وہ صرف ایک مرتبہ واجب ہوگا، اگر خراجِ مقاسمہ ہے یا عشر ہے تو وہ ہر فصل پر واجب ہوگا: "ولا یتکرر خراج الوظیفة بتکرار الخارج، بخلاف خراج المقاسمة والعشر؛ لأنهما یتکرران ، اهـ". مجمع الأنهر (۳)۔

۲۱......قمری سال متعین ہے، کسی خاص مہینہ کی تعیین نہیں، بلکہ جس وقت سے نصاب کا مالک ہوا ہے اسی وقت سے سال بھر پورا ہونے پر زکوۃ پوری ہوگی: "و حولها (أی الزکوة) قمریٌّ لا شمسیٌّ، اهـ". درمختار (٤)۔

۲۲......مسلم فقیر، مسکین، عامل، مکاتب، غارم، فی سبیل اللہ، ابن السبیل، لقوله تعالیٰ: ﴿إنما الصدقات للفقراء﴾ الآیة (٥)۔ بشرطیکہ یہ لوگ ہاشمی نہ ہوں اور جس مسافر کے ساتھ مال نہ ہو اس کو بقدرِ

---

(۱) [المائدہ: ۳]

(۲) (الهدایة: ۱/۱۸۵، کتاب الزکاة، مکتبہ شرکة علمیه ملتان)

(وکذا فی الدرالمختار مع ردالمحتار: ۲/۲۵۹، کتاب الزکاة، سعید)

(وکذا فی تبیین الحقائق : ۲/۲۲، کتاب الزکاة، دار الکتب العلمیه بیروت)

(۳) (مجمع الأنهر: ۱/۶۶۹، باب العشر والخراج، دار إحیاء التراث العربی بیروت)

(وکذا فی الدرالمختار: ۴/۱۹۲، باب العشر والخراج والجزیه، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة: ۲/۲۳۸، باب السابع فی العشر والخراج، رشیدیه)

(۴) (ردالمحتار: ۲/۲۵۹، کتاب الزکاة، سعید)

(وکذا فی الدر المنتقی: ۱/۲۸۵، کتاب الزکاة دار الکتب العلمیه بیروت)

(وکذا فی النهرالفائق: ۱/۴۱۴، کتاب الزکاة، امدادیه)

(۵) (سورة التوبة: ۶۰)

حاجت زکوٰۃ دی جائے (۱) غیر مسلم زکوٰۃ کا مصرف نہیں (۲)۔

۲۳......فقیر: جو قدرِ نصاب سے کم کا مالک ہو۔ مسکین: جس کی ملک میں کچھ نہ ہو۔ عامل: جس نے اپنے نفس کو زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے فارغ کرلیا ہو جیسے عاشر اور ساعی، بقدرِ عمل اس کو زکوٰۃ دیجائے۔

مکاتب: جس غلام کا مولیٰ سے معاملہ ہوگیا ہو کہ اتنی مقدار ادا کردو، آزاد ہو جاؤ گے بشرطیکہ اس کا مولیٰ ہاشمی نہ ہو۔

غارم: مقروض جس کے پاس اتنا نہ ہو کہ قرض ادا کرکے بقدرِ نصاب بچ جائے۔

"فی سبیل اللّٰہ" کے مصداق تین ہیں: ۱- منقطع الغزاۃ، ۲- منقطع الحاج، ۳- طلبۂ علمِ دین۔

ابن السبیل: جس کے ساتھ مال نہ ہو اگرچہ وطن میں مال ہے، کذا فی الشامی (۳)۔

۲۴......کسی ایک پر بھی خرچ کی جاسکتی ہے، تمام مصارف پر صرف کرنا ضروری نہیں: "و یصرف علی کلهم و بعضهم و لو واحداً من أیّ صنف کان، اهـ". در مختار (٤)۔ کسی مصرف کو اس قدر

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿إنما الصدقات للفقراء والمساكين والعاملين عليها﴾ الخ [التوبة: ٦٠]

"مصرف الزكاة والعشر هو الفقير، و هو من له أدنى شيء: أي دون صاحب نصاب أو قدر نصاب غير نام، مستغرق في الحاجة. ومسكين مَن لا شيء له. وعامل. فيعطى و لو غنياً، لا هاشمياً، بقدر عمله، و مكاتب، و مديون لا يملك نصاباً فاضلاً عن دَينه و في سبيل الله وابن السبيل، الخ".

(الدر المختار: ۲/۳۳۹-۳۴۴، باب المصرف، سعید)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۲/۱۱۱، باب المصرف، دار الكتب العلميه بيروت)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۱۸۷، الباب السابع في المصارف، رشيديه)

(۲) "و لا تدفع إلى ذمي لحديث معاذ". (الدر المختار: ۲/۳۵۱، باب المصرف، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۱۸۸، الباب السابع في المصارف، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق: ۲/۴۲۳، باب المصرف، رشيديه)

(۳) (راجع حاشية رقم: ۳۸)

(۴) (الدر المختار: ۲/۳۴۴، باب المصرف، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۱۸۸، الباب السابع في المصارف، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير: ۲/۲۶۴، باب المصرف، مصطفى البابي الحلبي مصر)

زکوۃ دینا مکروہ ہے جس سے کہ وہ خود صاحبِ نصاب ہو جائے (۱)۔

۲۵......مصارفِ زکوۃ کے ہر طبقہ اور ہر فرد کو زکوۃ دی جاسکتی ہے، بنو ہاشم اور ان کے موالی کو لینا جائز نہیں، ایسے حضرات کی خدمت غیر زکوۃ سے کیجائے، حکومتِ اسلام کو چاہئے کہ احترام کے ساتھ بیت المال کے دوسرے مدات سے ان کی خدمت کرتی رہا کرے اور اس کا خاص طور پر اہتمام رکھے: ”لا إلی بني هاشم و مواليهم، اهـ“. در مختار (۲)۔مزکی کو اختیار ہے کہ حسبِ صوابدید جس کو چاہے دے۔

۲۶......زکوۃ کے لئے تملیک ضروری ہے، اگر اداروں کے منتظمین کو زکوۃ دی جائے اور وہ مصارفِ زکوۃ پر تملیکاً صرف کردیں تو زکوۃ ادا ہو جائے گی، اگر تعمیر وغیرہ دوسرے مصارف پر صرف کریں تو جائز نہیں:

”لا يصرف إلی بناء نحو مسجد كبناء القناطير والسقاية وإصلاح الطرقات وكری الأنهار والحج والجهاد، وكل ما لا تمليك فيه، اهـ“. شامی (۳)۔

۲۷......دیا جاسکتا ہے جب تک وہ مصرف رہیں۔

۲۸......ایسے موقع میں خرچ کرنا درست نہیں، لما مر من أنه لاتمليك فيها۔

۲۹......نہیں دی جاسکتی (۴)۔

(۱) ”وكره إعطاء فقير نصاباً أو أكثر، إلا إذا كان المدفوع إليه مديوناً، أو كان صاحب عيال لو فرّقه عليهم لا يخص كلا، الخ“. (الدرالمختار: ۲/ ۳۵۴، باب المصرف، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۱/۳۳۲، باب في بيان المصارف، دار الكتب العلميه بيروت)

(وكذا في النهر الفائق: ۱/۴۶۸، باب المصرف، امداديه)

(۲) (الدرالمختار: ۲/ ۳۵۰، باب المصرف، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۲/ ۴۲۹، باب المصرف، رشيديه)

(وكذا في خلاصة الفتاوىٰ: ۱/ ۲۴۲، الفصل الثامن في أداء الزكاة، امجد اكيڈمی لاهور)

(۳) (الدرالمختار: ۲/ ۳۴۴، باب المصرف، سعيد)

(وكذا في خلاصة الفتاوىٰ: ۱/ ۲۴۳، الباب الثامن في أداء الزكاة، امجد اكيڈمی لاهور)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۲/ ۱۲۰، باب المصرف، دار الكتب العلميه بيروت)

(۴) ”رجل دفع إلی رجل عشرة دراهم، وأمره أن يتصدق بها، فأنفقها الوكيل، ثم تصدق عن الآمر

۳۰......بہتر یہ ہے کہ جس بستی کی زکوۃ ہو اسی بستی میں خرچ کی جائے، بلاضرورت دوسری بستی میں بھیجنا مکروہ تنزیہی ہے، لیکن اگر دوسری بستی میں زیادہ حاجتمند ہوں، یا لڑکی کے رشتہ دار ہوں، یا زیادہ دیندار ہوں، یا طلبائے علمِ دین ہوں تو مکروہ نہیں: "و کره نقلها من بلد إلى بلد اٰخر إلا إلى ذي قرابة أو أحوج أو أصلح أو أورع" (۱)۔ پاکستان سے باہر بھی بوقتِ حاجت بھیجنا درست ہے بشرطیکہ مصرف میں خرچ کی جائے۔

۳۱......متروکہ سے جبراً زکوۃ وصول نہیں کی جاسکتی، البتہ اگر متوفی نے وصیت کی ہے اور مالِ ظاہر کی زکوۃ ہے تو وصول کی جاسکتی ہے ورنہ نہیں، اگر مالِ باطن ہو اور وصیت کی ہو تو حسبِ شرائط ورثہ اس وصیت کو پورا کریں (۲)۔

۳۲......زکوۃ کے فضائل اور ترکِ زکوۃ کی وعید کی تدریس، تعلیم، تذکیر کا اہتمام انشاء اللہ مفید ہے، جائز

= بعشرة دراهم من ماله، لايجوز ويكون ضامناً للعشرة. ولو كانت الدراهم قائمةً، فأمسكها الوكيل وتصدق من عنده بعشرة، جاز استحساناً". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوكالة، الباب العاشر في المتفرقات: ۶۴۴/۳، رشيديه)

(وكذا في الفتاویٰ التاتار خانيه، كتاب الزكاة، الفصل التاسع في المسائل المتعلقة بمعطي الزكاة: ۲۱۴/۲، ۲۱۵، قديمي)

(۱) (الدرالمختار: ۳۵۳/۲، باب المصرف، سعيد)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية: ۱۹۰/۱، الباب السابع في المصارف، رشيديه)

(وكذافي تبيين الحقائق: ۱۳۱/۲، باب المصرف، دارالكتب العلمية بيروت)

(۲) "إذا مات مَن عليه زكوة، سقطت الزكاة عنه بموته، حتى أنه إذا مات عن زكاة سائمة، فالساعي لا يجبر الوارث على الأداء .... و لو أوصى بأدائها، لا تسقط بالاتفاق، و لو أوصىٰ بأداء الزكاة يجب تنفيذ الوصية من ثلث ماله". (التاتارخانية: ۲۹۶/۲، من جملة الأسباب المسقطة للزكاة، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في المحيط البرهاني: ۴۵۵/۲، من جملة الأسباب المسقطة للزكاة، غفاريه)

(وكذا في فتاویٰ قاضي خان على هامش الفتاویٰ العالمكيرية: ۲۵۶/۱، فصل في مال التجارة، رشيديه)

تدابیر بھی اختیار کی جاسکتی ہیں۔

۳۳...... مقامی اہلِ علم اہلِ اصلاح و ورع کے مشورہ سے مرکز انتظام کرے اور حسبِ ضرورت دوسرے صوبوں اور علاقوں میں صَرف کا انتظام کیا جائے، مگر یہ انتظام ان ہی اموال کے متعلق ہے جن کی زکوۃ وصول کرنے کا حکومت کو حق ہے۔

۳۴...... بیت المال کا محکمہ علیحدہ ہونا چاہئے جس میں دیندار، اہلِ تقویٰ مسائلِ زکوۃ وغیرہ سے واقف کام کرنے والے ہوں اور یہ شعبہ کسی مخصوص شیخ الاسلام کے تحت ہو۔

۳۵...... زکوۃ حقِ فقراء ہے حقِ حکومت نہیں، حکومت کی ذمہ داری اتنی ہی ہے کہ اغنیاء سے وصول کرکے مستحقین پر اپنے انتظام سے صرف کردے اور وہ بھی اموالِ ظاہرہ کی زکوۃ وصول کرسکتی ہے اموالِ باطنہ کی زکوۃ وصول کرنے کی ذمہ داری نہیں۔ اور نہ اہلِ اموال پر اموالِ باطنہ کی زکوۃ وصول کرنے کے لئے جبر کرسکتی ہے، ہاں اہلِ اموال کے ذمہ خود ادا کرنا ازبس ضروری ہے۔ زکوۃ سرکاری محصول نہیں، یہ حقِ فقراء ہے (۱)۔

۳۶...... وقتی ضروریات وحوادث کے لئے چندہ کی ترغیب دی گئی ہے، بطورِ محصول کوئی چیز وصول نہیں کی گئی بعض دفعہ کسی مالک کی ضرورت سے زائد مال بطورِ عاریت لیا گیا ہے، مثلاً کسی کے پاس دو گھوڑے ہیں تو جہاد کے لئے اس کا ایک گھوڑا مستعار لیا گیا جو پھر واپس کردیا گیا، باقی ضروریاتِ عامہ جزیہ، خراج وغیرہ سے پوری کی جاتی تھیں:

"و مصرف الجزية والخراج ومال التغلبي و هديتهم للإمام، و ما أخذ منهم بلا حرب مصالحنا كسد ثغور، و بناء القنطرة، والجسور، وكفاية العلماء والمتعلمين، والقضاة، و رزق المقاتلة، وذراريهم، اهـ". درمختار (۲)۔

---

(۱) "صحح الولوالجي عدم الجواز في الأموال الباطنة، قال: و به يفتي؛ لأنه ليس للسلطان و لاية الزكاة في الأموال الباطنة، فلم يصح الأخذ، اهـ". (البحر الرائق: ۲/ ۳۹۰، فصل في الغنم، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار: ۲/ ۲۸۹، باب زكاة الغنم، سعيد)

(وكذا في النهر الفائق: ۱/ ۴۳۳، فصل في الغنم، امداديه)

(۲) (الدرالمختار: ۴/ ۲۱۷، مطلب في مصارف بيت المال، سعيد)

۳۷...... پہلے زمانے میں عامل، ساعی، عاشر، مصدق مقرر تھے، ان کے ذریعہ سے صدقات وصول کئے جاتے تھے اور اربابِ اموال کے اموال کی حفاظت کی جاتی تھی، بیت المال کی حدود مقرر تھیں، ان کے مصارف مقرر تھے۔ موجودہ حکومتوں کا حال حکومتِ پاکستان معلوم کرسکتی ہے(۱)۔

۳۸......اس کا جواب نمبر:۳۳و۳۴سے واضح ہے۔

۳۹......تنخواہ مدِ زکوۃ سے اس محکمہ کو دی جاسکتی ہے جب کہ وہ ہاشمی نہ ہوں۔ سب سے اعلیٰ شرط دیانت داری سے کام کرنا ہے، بقدرِ عمل تنخواہ دی جائے جو عامل کو اور اس کے اہل وعیال کو توسط کے ساتھ کافی ہو جس میں حسبِ عمل وضرورت کمی وبیشی ہوتی رہے گی اور جب خیانت کا ثبوت ہوجائے علیحدگی لازم ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۵/ ذیقعدہ/ ۶۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۲۵/ ذیقعدہ/ ۶۹ھ۔

جوابات صحیح ہیں: بندہ منظور احمد عفی عنہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: عبداللطیف، ناظم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۵/ ذیقعدہ/ ۶۹ھ۔

مجھے ان جوابات سے کامل اتفاق ہے، محمد اسعد اللہ غفرلہ، الجواب صحیح: زکریا کاندھلوی۔

صحیح: جمیل احمد تھانوی، مدرس مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔



= (وكذا في مجمع الأنهر: ۲/۴۸۵، كتاب الجهاد والسير، دار الكتب العلميه بيروت)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۱۹۰، فصل فيما يوضع في بيت المال أربعة أنواع، رشيديه)

(۱) "عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم لمعاذ بن جبل حين بعثه إلى اليمن: "إنك ستأتي قومًا أهل الكتاب، فإذا جئتهم .... إن الله قد افترض عليهم صدقةً تؤخذ من أغنيائهم، و تُردّ على فقرائهم، فإن هم أطاعوا لك بذلك، الخ". (صحيح البخاري: ۱/۲۰۳، باب أخذ الصدقة من أغنيائهم، قديمي)

(۲) (راجع، ص: ۳۶۳، رقم الحاشية: ۱)

باب الزکوٰۃ فی الذهب والفضة والفلوس الرائجة

(سونے چاندی اورنوٹ پرزکوۃ کابیان)

زیور کی زکوۃ

سوال[۴۴۸٦]: ۱...... ہندہ اوراس کا شوہر ہندہ کے خسر کی شرکت میں زندگی بسر کررہے ہیں، اگر ہندہ اوراس کا شوہر اس شرکت کے بجائے الگ ہوکر زندگی بسر کریں تو گزراوقات مشکل ہے یعنی دونوں وقت کھانا اور کپڑا بھی مشکل سے میسر آئے گا۔ ہندہ کے پاس کوئی شکل آمدنی کی نہیں ہے مگراس کوشادی کے موقعہ پر اپنے والد کی جانب سے جہیز میں تقریباً ایک ہزارروپیہ کا زیور ملا ہے اورنصف ہزار کی مالیت کے قریب خسر سے ملا ہے مگر بوجہ روزی تنگ ہونے کے زکوۃ نہیں نکال سکی۔ اس کا خسر باوجود مقدور ہونے کے ادانہیں کرتا، اس حالت میں ہندہ کوکیا کرنا چاہئے؟

۲...... ہندہ کو جوزیوراس کے خسر سے ملا ہے وہ ہندہ ہی کے قبضہ میں ہے اورابتدائی زمانہ میں اس کو استعمال بھی کیا مگراب بوجہ زکوۃ ادانہ ہونے کے اس کا استعمال ترک کردیا لیکن قبضہ ہندہ ہی کا ہے، اس صورت پر اس کی زکوۃ کس پرواجب ہے آیا ہندہ پر یااس کے شوہر پر؟ اگر ہردوصورت میں زکوۃ ہندہ پرواجب ہے تو ادائیگی کی کیا صورت ہے؟ ہندہ کوکسی قسم کی آمدنی نہیں اور شوہر میں اس قدر وسعت نہیں۔ حکم شرع سے مطلع فرمائیں۔ فقط والسلام۔

احقر: الناس محمد احسن کوچہ آتشبازاں، سہارنپور۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

۱...... جب کہ وہ زیوراستعمال کے لئے ہے اوراس لڑکی کی ملک ہے اوراسی کے قبضہ میں ہے تواس کی زکوۃ بھی اسی کے ذمہ ہے اس کے خسر کے ذمہ نہیں ہے، اگرادانہیں کرے گی تو گناہگار ہوگی (۱) خواہ حساب کر

(۱) قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: " ما من صاحب ذهب ولا فضة لا يؤدى منها حقها إلا اذا كان=

کے زیور زکوۃ میں دے یا کوئی اَور چیز زکوۃ میں دے:

"لم يختلفوا أن الحلي إذا كان في ملك الرجل تجب فيه الزكوة، فكذالك إذا كان في ملك المرأة كالدراهم و الدنانير، و أيضاً لا يختلف حكم الرجل والمرأة فيما يلزمها من الزكوة، فوجب أن لا يختلفا في الحلي، اهـ". أحكام القرآن: ۳/۱۳۳(۱)۔

۲......اگر ہندہ اپنا زیور اپنی ملک سے نکال کر اپنے شوہر کو دیدے تو شوہر کے ذمہ زکوۃ ہوگی ورنہ ہندہ کے ذمہ ہوگی خواہ زیور زکوۃ میں دے خواہ اسے فروخت کر کے اس کے پیسے وغیرہ دیدے، یا اس کی قیمت کی کوئی اَور شئے خرید کر دے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۱/۶/۵۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۱/ جمادی الثانیہ/ ۵۵ھ۔

جس زیور میں پتھر جُڑے ہوں ان پر زکوۃ

سوال[۴۴۸۷]: قیمتی پتھر یعنی فیروزہ، یاقوت وغیرہ اگر زیور میں جڑے ہوئے ہیں تو ان کی زکوۃ کس اصول کے تحت ادا کرنا چاہئے؟ اور کیا اس پر زکوۃ واجب ہے؟

= يوم القيامة صُفِحت له صفائحُ من نار، فأُحمِيَ عليها في نار جهنم فيُكوىٰ بها جَنبُه وجبِينُه وظهرُه" الخ (الصحيح لمسلم، كتاب الزكاة، باب إثم مانع الزكاة: ۱/۳۱۸، قديمي)

(۱) (أحكام القرآن للجصاص: ۳/۱۵۸، باب زكاة الحلي، قديمي)

(وكذا في التاتارخانية: ۲/۲۳، الفصل الثاني في زكاة المال، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۱۷۸، الفصل الأول في زكاة المال والفضة، رشيديه)

(۲) "ولو كان له إبريق فضة، وزنه مائتان، و قيمته لصياته ثلث مأة إن أدّى من العين يؤدّي ربع عشره، و هو خمسة قيمتها سبعة و نصف، وإن أدّى خمسةً قيمتها خمسة، جاز، و لو أدّى من خلاف جنسه يعتبر القيمة إجماعاً". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۱۷۹، الفصل الأول في زكاة الذهب والفضة، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۲/۷۴، باب زكاة المال، دار الكتب العلميه، بيروت)

(وكذا في البحر الرائق: ۲/۳۹۴، باب زكاة المال، رشيديه)

الجواب حامداً و مصلياً:

ایسے پتھروں پر زکوۃ واجب نہیں (۱) ان کے وزن کو محسوب کر کے سونے چاندی کے زیور کی زکوۃ ادا کی جائے۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند، ۸۹/۴/۲۳ھ۔

چاندی کا نصاب

سوال [۴۴۸۸]: ایک شخص کے پاس دوسو پچاس تولہ چاندی اور ایک تولہ سونا ہے اب جب کہ ۸/ تولہ چاندی اور ۳۷/ روپیہ تولہ سونے کا نرخ ہے، زکوۃ کی کیا رقم ادا کرنا چاہئے، کتنے روپیہ زکوۃ ادا کی جائے۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔بینوا و توجروا۔

الجواب حامداً و مصلياً:

زکوۃ کے وجوب اور ادا میں رقم کا اعتبار نہیں بلکہ وزن کا اعتبار ہے لہذا ایک تولہ سونے کی قیمت بازار سے معلوم کر لی جائے کہ کتنے میں آتی ہے پھر اسی ایک تولہ سونے کو اتنے تولہ چاندی کے قائم مقام مان کر مجموعہ میں سے زکوۃ یعنی چالیسواں حصہ ادا کر دیا جائے (۲) مثلاً اگر اس ایک تولہ سونے سے چاندی خریدنا چاہیں تو پچاس تولہ چاندی آتی ہے (رقم خواہ کسی قدر ہو) پس یہ سونا بمنزلہ پچاس تولہ چاندی کے ہو کر مجموعہ تین سو تولہ

---

(۱) "و أما اليواقيت واللآلي والجواهر، فلا زكاة فيها، وإن كانت حلياً، إلا أن تكون للتجارة".

(الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۱۸۰، الفصل الأول في زكاة الذهب والفضة، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار: ۲/۲۷۳، كتاب الزكاة، سعيد)

(وكذا في التاتارخانية: ۲/۲۴۵، باب زكاة عروض التجارة، إدارة القرآن كراچی)

(۲) "والمعتبر وزنهما أداءً و وجوباً و لا قيمتهما". (الدر المختار). "أي من حيث الأداء، يعني يعتبر أن يكون المؤدى قدر الواجب وزناً عند الإمام والثاني، و قال زفر: تعتبر القيمة، واعتبر محمد الأنفع للفقراء، فلو أدى عن خمسة جيدة خمسةً زيوفاً الخ". (۲/۲۹۷، باب زكاة المال، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۲/۷۴، باب زكاة المال، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في بدائع الصنائع: ۲/۴۱۲، فصل في مقدار الواجب، دار الكتب العلميه، بيروت)

چاندی ہوگئی اور تین سو تولہ چاندی کا چالیسواں حصہ ساڑھے سات تولہ چاندی ہے، اب یا تو اتنی چاندی دیدی جاوے یا اس قیمت کی چاندی کے علاوہ کوئی اور چیز کسی غریب کی ضرورت کے موافق دیدی جاوے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۹/۱۱/۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مفتی مظاہر علوم سہارنپور، ۱۹/ ذیقعدہ/ ۵۷ھ۔

چاندی کی زکوۃ

سوال[۴۴۸۹]: میری بیوی کے پاس نہ تو ساڑھے سات تولہ سونا ہے اور نہ ہی ساڑھے باون تولہ چاندی ہے، دونوں کو ملا کر دیکھا جاوے، سونے کی قیمت چاندی میں بدل کر دیکھیں تو اتنا وزن ہوجاتا ہے، چاندی کی قیمت کو سونے میں بدل کر دیکھیں تو ساڑھے سات تولہ نہیں ہوتا تو اس صورت میں کیا کرنا چاہئے؟ البتہ تعداد میں سچا گوٹہ اور ٹھپا بھی آتا ہے یا نہیں؟ سب کو ملا کر سونے کی قیمت اور سب سامان کی قیمت قریب قریب ٹھیک ہوجاتی ہے۔

میرے پاس نقد روپیہ چار سو ہے اور ایک ہزار روپیہ ایک سال سے ادھار رکھا ہے، سرکاری ملازم ہونے کی وجہ سے فنڈ میں ایک ہزار روپیہ سے زیادہ جمع ہے جس میں آدھا روپیہ تنخواہ میں سے کٹا ہے اور آدھا حکومت نے دیا ہے، دونوں ملا کر پانچ روپیہ فی صد سود لگا دیا جاتا ہے، یہ روپیہ ریٹائرڈ ہونے کے بعد ملتا ہے۔ کیا میں ان روپیوں کے اوپر زکوۃ ادا کروں یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

سونے کو بھی ملا کر چاندی تصور کرلیں یعنی اس سونے کے عوض جتنی چاندی ملتی ہو تو یوں سمجھیں کہ یہ

---

(۱) "وجاز دفع القيمة في زكاة وعشر وخراج، الخ". (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب الزكاة، باب زكاة الغنم: ۲/۲۸۵، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الزكاة، مسائل شتىٰ: ۱/۱۸۱، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الزكاة، فصل وأما صفة الواجب في سوائم: ۲/۳۳، سعيد)

چاندی ہے پھر مجموعہ کی زکوۃ ادا کریں (۱)۔ چاندی سونے کے گوٹے ٹھپے کی بھی زکوۃ ہوگی (۲)۔ جونقد روپیہ آپ کے پاس ہے اس کی زکوۃ لازم ہے (۳)، جو روپیہ ادھار دے رکھا ہے اس کے وصول ہونے پر لازم ہوگی، جو روپیہ فنڈ سے ملے گا اس کی زکوۃ اس وقت دوسرے نصاب چاندی سونا، نقد کے ساتھ اس کو بھی زکوۃ لازم ہوگی ابھی لازم نہیں (۴)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/ ۹/ ۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/ ۹/ ۸۸ھ۔

---

(۱) "و یضم الذهب إلى الفضة وعكسه بجامع الثمنية قيمةً، و قالا: بالأجزاء. الخ". (الدرالمختار).
"إن ما ذكر من وجوب الضمّ إذا لم يكن كل واحد منهما نصاباً بأن كان أقل، الخ". (ردالمحتار: ۲/ ۳۰۳، باب زكاة المال، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/ ۱۷۹، الفصل الأول في زكاة الذهب والفضة، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق: ۲/ ۴۰۰، باب زكاة المال، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع: ۲/ ۴۱۱، فصل في مقدار الواجب، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) "الدراهم إذا كانت مغشوشةً، فإن كان الغالب هو الفضة، فهي كالدراهم الخالصة: (أي فتجب في كل مائتي درهم خمسة دراهم الخ......... وإن غلب الغش فليس كالفضة كالستوقة، فينظر: إن كانت رائجة أونوى التجارة، اعتبرت قيمتها، الخ". (الفتاوى العالمكيرية، الفصل الأول في زكاة الذهب والفضة: ۱/ ۱۷۹، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار مع رد المحتار: ۲/ ۳۰۰، باب زكاة المال، سعيد)

(وكذا في البدائع: ۲/ ۴۰۸، فصل في بيان صفة النصاب، دار الكتب العلميه، بيروت)

(۳) "و شرط وجوبها العقل، والبلوغ، والإسلام، والحرية، و ملك نصاب حولي، فارغ عن الدين وحاجته الأصلية، نام ولو تقديراً، الخ". (تبيين الحقائق: ۲/ ۱۸، باب زكاة المال، دار الكتب العلميه، بيروت)

(وكذا في خلاصة الفتاوى: ۱/ ۲۳۵، كتاب الزكاة، امجد اكيڈمی لاهور)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۱/ ۲۸۵، كتاب الزكاة، دار الكتب العلميه، بيروت)

(۴) "وأما على قولهما، فالديون كلها سواء، و هي نصاب كله، تجب فيه الزكاة قبل القبض إذا حال =

سونا چاندی مخلوط کی زکوۃ

سوال[۴۴۹۰]: اگر کسی شخص کے پاس ساٹھ تولے یا ستر تولے چاندی اور دو تولے یا ایک تولہ سونا ہو تو سونے کی زکوۃ چاندی میں تول کر دی جائے یا سونے کی قیمت لگا کر زکوۃ دی جائے؟

الجواب حامداً و مصلياً:

سونے کی قیمت لگا کر اس قیمت کو چاندی میں شامل کر کے زکوۃ دی جائے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ۔

سونے چاندی کو ملا کر زکوۃ دینا

سوال[۴۴۹۱]: زید کے پاس چاندی زائد از نصاب اور سونا سات مثقال سے کم موجود ہے اس صورت میں سونے کو چاندی کے ساتھ ملا کر زکوۃ ادا کرنا واجب ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداً و مصلياً:

چاندی کے ایک نصاب کی تو مستقل زکوۃ ادا کر دی جائے، بقیہ جتنی مقدار ایک نصاب سے زائد ہے اس کو دیکھا جائے، اگر اس کی قیمت اتنے سونے کی مساوی ہے کہ اس کے ذریعہ سے سونے کا نصاب پورا ہو سکتا

= الحول، و لكن لا يجب الأداء قبل القبض، وإذا قبض شيئاً منه يجب الأداء بقدر ما قبض قليلاً كان أو كثيراً. الخ". (التاتارخانية: ۲/۳۰۰، في زكاة الديون، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في مراقي الفلاح: ص: ۷۱۶، كتاب الزكاة، قديمي)

(وكذا في فتح القدير: ۲/۱۶۷، كتاب الزكاة، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۱) "و يضم الذهب إلى الفضة وعكسه بجامع الثمنية قيمةً. الخ: أي من جهة القيمة، فمن له مأة درهم وخمسة مثاقيل قيمتها مأة عليه زكاتها، خلافاً لهما". (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الزكاة، باب زكاة المال: ۲/۳۰۳، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۲/۴۰۰، باب زكاة المال، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۲/۸۰، باب زكاة المال، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في النهر الفائق: ۱/۴۴۲، باب زكاة المال، رشيديه)

ہے تو مجموعہ کو سونے کا نصاب قرار دے کر زکوۃ دینا واجب ہے(۱)، اگر اس صورت سے سونے کا نصاب پورا نہیں ہوسکتا تو سونے کی قیمت اگر اتنی چاندی کے مساوی ہے کہ بقیہ چاندی میں ملا کر چاندی کا نصاب پورا ہوسکتا ہے تو چاندی کا نصاب اس مجموعہ کو قرار دے کر اس کی زکوۃ دینا واجب ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، ۵۳/۱۲/۲۵ھ۔

الجواب صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۸/ ذی الحجہ/۵۳ھ۔

سونے اور چاندی کی زکوۃ الگ الگ دیجائے

سوال[۴۴۹۲]: ساڑھے باون تولہ چاندی یا ساڑھے سات تولہ سونا رکھنے والے پر فطرہ، زکوۃ، قربانی، حج لازم وضروری ہے مگر یہ سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ ساڑھے باون تولہ چاندی اور ساڑھے سات تولہ سونے کی زکوۃ الگ الگ کر کے دی جائے یا کس طریقہ سے نکالا جائے؟ مالِ تجارت میں کس طرح زکوۃ ادا کرے؟

---

(۱) "وفي الينابيع: ولو فضل من النصابين أقل من أربعة مثاقيل وأقل من أربعين درهماً، فإنه يضم إحدى الزيادتين إلى الأخرى حتى يتم أربعين درهماً أو أربعة مثاقيل". (التاتار خانية، كتاب الزكاة، زكاة المال: ۲/۲۳۳، إدارة القرآن، كراچي)

"ويضم الذهب إلى الفضة والفضة إلى الذهب، ويكمل إحدى النصابين بالآخر عند علمائنا .... ويقوّم الدراهم بالدنانير، فإن بلغت قيمتها عشرين مثقالاً، تجب فيها الزكاة". (التاتارخانيه، زكاة المال، كتاب الزكاة: ۲/۲۳۲، إدارة القرآن، كراچي)

(۲) "هذا إذا كان له فضة مفردة، أو ذهب مفرد، فأما إذا كان له الصنفان جميعاً، فإن لم يكن كل واحد منهما نصاباً، بأن كان له عشرة مثاقيل و مأة درهم؛ فإنه يضم أحدهما إلى الآخر في حق تكميل النصاب عندنا .... و هذا الذي ذكرنا كله من وجوب الضمّ، إذا لم يكن كل واحد منهما نصاباً، بأن قلّ من النصاب، فأما إذا كان كل واحد منهما نصاباً تاماً و لم يكن زائداً عليه، لا يجب الضم، الخ". (بدائع الصنائع، فصل في مقدار الواجب: ۲/۴۱۱، دار الكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في التاتارخانية: ۲/۲۳۲، الفصل الثاني في زكاة المال، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية، الفصل الأول في زكاة الذهب والفضة: ۱/۱۷۹، رشيديه)

الجواب حامداً و مصلیاً:

فطرہ، قربانی، زکوۃ کے لئے تو اتنا نصاب کافی ہے مگر حج کے لئے یہ کافی نہیں بلکہ پورے سفرِ حج کا معہ نفقہ واجبہ کی مقدار کا ہونا ضروری ہے(۱)۔ چاندی، سونا دونوں الگ الگ بقدرِ نصاب ہوں تو دونوں کی زکوۃ بھی چالیسواں حصہ الگ الگ کرکے ادا کریں، مجموعہ کی زکوۃ یکجائی بھی ادا کرنا درست ہے(۲)۔ مالِ تجارت کی زکوۃ صرف نفع میں نہیں بلکہ اصل مال اور نفع کا کل مجموعہ چالیسواں ادا کرے(۳)۔ زیور پر بھی زکوۃ لازم ہوگی، جس کی ملک ہو اسی کے ذمہ واجب ہے(۴)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۱۱/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۱۱/۸۸ھ۔

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿ولله على الناس حج البيت من استطاع إليه سبيلاً﴾ (سورة آل عمران)

"هو (أي الحج) فرض على مسلم حر مكلف صحيح بصير ذي زادٍ وراحلة فضلاً عمالا بدمنه وفضلاً عن نفقة عياله إلى حين عوده الخ". (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب الحج: ۲/۴۵۴، ۴۶۳، سعيد)

(۲) "فلو كان كل منهما نصاباً تاماً بدون الزيادة، لا يجب الضم، بل ينبغي أن يؤدى من كل واحد زكاته، فلو ضمّ حتى يؤدّى كله من الذهب والفضة، فلا بأس به عندنا، و لكن يجب أن يكون التقويم بما هو أنفع للفقراء رواجاً، وإلا يؤدى من كل منهما ربع عشرة". (ردالمحتار: ۲/۳۰۳، باب زكاة المال، سعيد)

(وكذا في البدائع: ۲/۴۱۴، فصل في مقدار الواجب، دار الكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۱۷۹، الفصل الأول في زكاة الذهب والفضة، رشيديه)

(۳) "واعلم أن نية التجارة في الأصل تعتبر ثابتة في بدله وإن لم يتحقق شخصها فيه، وهو ما قوبض به مال التجارة، فإنه يكون للتجارة بلا نية به؛ لأن حكم البدل حكم الأصل، وكذا ...... أجرة دار التجارة وعبد التجارة بمنزلة ثمن مال التجارة في الصحيح (وفي عروض التجارة يجب ربع العشر إذا بلغ نصاباً من أحدهما)". (البحر الرائق، كتاب الزكاة، باب زكاة المال: ۲/۳۹۹، رشيديه)

(۴) "واللازم في مضروب كل منهما ومعموله ولو تبراً أو حلياً مطلقاً .... ربع عشر". (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب الزكاة، باب زكاة المال: ۲/۲۹۷، ۲۹۹، سعيد)

(وكذا في التاتار خانية، كتاب الزكاة، باب زكاة عروض التجارة: ۲/۲۴۵، إدارة القرآن، كراچی)

لڑکی کے زیور پر زکوۃ

سوال[۴۴۹۳]: جو زیور لڑکیوں کی شادی کے لئے بنایا جاتا ہے یا بنوا کر رکھا جاتا ہے، لڑکی کے ایسے زیور پر اس کے والدین پر زکوۃ واجب ہے یا نہیں؟ یا بعد بلوغ کے لڑکی کے مال پر اس کے والدین کے ذمہ واجب ہے؟

الجواب حامداً و مصلياً:

اگر وہ زیور لڑکی کی ملک کر دیا ہے تو اس پر زکوۃ قبل از بلوغ فرض نہیں نہ لڑکی پر نہ والدین پر، بعد از بلوغ خود لڑکی پر فرض ہوگی (۱)۔ اگر لڑکی کی ملک نہیں کیا تو جس کی ملک ہے اس پر زکوۃ فرض ہوگی، کذا قال الحصکفی فی الدرالمختار (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف۔

مرہون زیور کی زکوۃ

سوال[۴۴۹۴]: کسی کے پاس کچھ سونے کا زیور رہن رکھا ہوا ہے اور مدتِ معینہ سے بھی زائد وقت گزر گیا، اس صورت میں زکوۃ کون دے گا؟

---

(۱) "(وشرط وجوبها العقل، والبلوغ، والإسلام) خرج المجنون والصبي، فلا زكاة في مالهما .... وإنما يعتبر ابتداء الحول من وقت الإفاقة كالصبي إذا بلغ، يعتبر ابتداء الحول من وقت البلوغ". (البحر الرائق: ۲/۳۵۳، ۳۵۴، كتاب الزكاة، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۲/۲۰، باب زكاة المال، دار الكتب العلميه، بيروت)

(وكذا في بدائع الصنائع: ۲/۳۷۸، فصل في شرائط الفرضية، دارالكتب العلمية بيروت)

(۲) "واللازم في مضروب كل منهما و معموله و لو تبراً أو حلياً مطلقاً مباح الاستعمال أو لا و لو للتجمل و النفقة؛ لأنهما خلقا أثماناً، فيزكيهما كيف كانا، الخ". (الدرالمختار: ۲/۲۹۸، باب زكاة المال، سعيد)

(وكذا في التاتارخانية: ۲/۲۳۰، الفصل الثاني في زكاة المال، إدارة القرآن، كراچی)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۱/۳۰۶، كتاب الزكاة، دار الكتب العلمية بيروت)

الجواب حامداً و مصلیاً:

اس کی زکوۃ نہ راہن پر واجب ہے نہ مرتہن پر، وہ واپس کردیا جائے گا تب بھی رہن کی (گذشتہ ایام کی) زکوۃ مالک کے ذمہ لازم نہیں ہوگا (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند۔

مہر کی رقم پر زکوٰۃ کا حکم

سوال [۴۴۹۵]: دینِ مہر نکاح کی زکوۃ مرد عورت کے ذمہ واجب ہے یا نہیں؟ اور مہر ادا نہیں ہوا، لہٰذا کسی صورت سے ہو مہر کے اوپر زکوۃ کا ہونا لازم ہے یا نہیں؟

محمد ابراہیم مغل مزرعہ پرگنہ، سہارنپور۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

مرد جب دینِ مہر عورت کو دیدے اور وہ مقدارِ نصاب ہو اور اس پر سال بھی گزرجائے تب عورت کے ذمہ اس کی زکوۃ واجب ہوگی، اگر وہ مقدارِ نصاب نہیں بلکہ اس سے کم ہے اور عورت کے پاس اتنی مقدار موجود ہے جس کو مہر کے ساتھ ملا کر پورا نصاب ہوسکتا ہے تو اس کو ملا کر زکوۃ ادا کی جائے گی، اگر نصاب پورا نہیں ہوسکتا تو اس پر زکوۃ نہیں اسی طرح وصول ہونے سے پہلے زکوۃ واجب نہیں:

" و عند قبض مأتين مع حولان الحول بعده: أي بعد القبض من دين ضعيف، و هو بدل غير مال كمهر، و دية، و بدل كتابة، و خلع، إلا إذا كان عنده ما يضم إلى الدين الضعيف".

درمختار (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ ۵۳/۲/۲۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم، ۲۶/صفر/۵۳ھ۔

---

(۱) "(و لا: أي لايجب الزكوة في مرهون بعد قبضه): أي لا على المرتهن لعدم ملك الرقبة، و لا على الراهن لعدم اليد، وإذا استرده الراهن، لا يزكي عن السنين الماضية. " (الدر المختار مع رد المحتار: ۲۶۳/۲، كتاب الزكاة، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۳۵۵/۲، كتاب الزكاة، رشيديه)

(۲) (الدر المختار. ۳۰۶/۲، مطلب في وجوب الزكاة في دين المرصد، سعيد) ....=

زیور کی زکوۃ میں کس قیمت کا اعتبار ہے؟

سوال[۴۴۹۶]: چاندی اور سونے کا زیور پورے بھاؤ سے تو فروخت نہیں ہوتا، کیونکہ وہ پُرانا ہوتا ہے اور نصف قیمت پر فروخت ہوتا ہے تو اب جو زکوۃ ادا کی جائے گی وہ نئے حساب سے یا پرانے حساب سے؟

الجواب حامداً و مصلياً:

چاندی اور سونے کے زیور میں قیمت کا اعتبار نہیں وزن کا اعتبار ہے، چاندی کا نصاب ساڑھے باون تولہ ہے اور سونے کا نصاب ساڑھے سات تولہ ہے، نئے اور پُرانے سب کا یہی حکم ہے۔ چالیسواں حصہ زکوۃ لازم ہے، مثلاً اگر دوسو تولہ چاندی کا زیور ہے تو زکوۃ پانچ تولہ لازم ہے خواہ چاندی دے خواہ پانچ تولہ کے بازار کے بھاؤ سے قیمت دے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیو بند، ۱۱/۱/۸۹ھ۔

ادائے زکوۃ کے وقت سونے چاندی کی کس قیمت کا اعتبار ہوگا؟

سوال[۴۴۹۷]: سونا چاندی کے زیورات کی زکوۃ کس حساب سے دی جائے جب کہ خرید کے وقت سونا چاندی کی قیمت اس وقت کے حساب سے بہت کم تھی، چنانچہ خرید کے زمانہ میں سونا ۲۴/ روپیہ بھر کے حساب سے ملتا تھا اور اب ۱۱۵/ روپیہ بھر ملتا ہے۔

المستفتی: حکیم حبیب الرحمٰن، گورنمنٹ رجسٹرڈ نمبر:۶۱، ماٹ لین دھرم تلہ کلکتہ۔

= (وكذا في التاتارخانية: ۲/۳۰۰، الفصل الثاني عشر في زكاة الديون، إدارة القرآن، كراچی)

(وكذا في خلاصة الفتاوى: ۱/۲۳۸، الفصل السادس في الديون و مسائلها، امجد اكيڈمی لاهور)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/۱۷۵، الباب الأول في تفسيرها، وصفتها الخ، رشيديه)

(۱) "والمعتبر وزنهما أداءً ووجوباً لا قيمتهما". (الدر المختار). وفي ردالمحتار: " و هذا إن لم يؤدّ من خلاف الجنس، وإلا اعتبرت القيمة إجماعاً كما علمت". (كتاب الزكاة: ۲/۲۹۸، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۲/۷۴، باب زكاة المال، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في البحر الرائق: ۲/۳۹۵، كتاب الزكاة، باب زكاة المال، رشيديه)

الجواب حامداً و مصلیاً:

سونا چاندی دونوں وزنی چیز ہیں، ان میں نصاب اور ادائے زکوۃ ہر دو کے لئے وزن کا اعتبار ہوگا، قیمت کا اعتبار نہیں ہوتا، لہٰذا اگر دونوں کا نصاب کامل ہو تو دونوں کی زکوۃ میں چالیسواں حصہ دیدیا جائے، خواہ قیمت کچھ ہو، البتہ اگر سونا چاندی زکوۃ میں دینا مقصود نہ ہو تو ادا کرتے وقت جو قیمت قدر زکوۃ کی ہو اس کی کوئی اَور شئی دیدی جائے مثلاً اگر قدر زکوۃ دو تولہ سونا واجب ہو تو یا دو تولہ سونا دیا جائے یا اتنی مالیت کی کوئی دوسری چیز دی جائے۔ غرض مستحق زکوۃ کے پاس دو تولہ سونے کی مالیت کا پہونچنا ضروری ہے تب زکوۃ ادا ہوگی، خریدتے وقت سونے کی قیمت کا اعتبار نہیں:

"والمعتبر وزنهما أداءً ووجوباً، لا قيمتهما، اهـ". در مختار۔ "أي من حيث الأداء يعتبر أن يكون المؤدي قدر الواجب وزناً، و أجمعوا أنه لو أدى من خلاف جنسه اعتبرت القيمة، اهـ". شامی: ۲/۱۴۰(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۲/شوال/ ۶۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۳/شوال/ ۶۵ھ۔

چاندی کی زکوٰۃ میں کس قیمت کا اعتبار ہے؟

سوال[۴۴۹۸]: میں چاندی کو لیکر دکان پر جاؤں تو اس کو آدھی قیمت کے حساب سے خریدیں گے، اگر لینے جاؤں تو اصل بھاؤ میں دیں گے تو اب کس حساب سے زکوۃ دیں گے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر زکوٰۃ میں آپ چاندی نہیں دیتے بلکہ اس کی قیمت دیتے ہیں، تو جس قیمت پر وہ بازار میں فروخت

---

(۱) (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/۲۹۸، كتاب الزكاة، سعيد)

(و كذا في تبيين الحقائق: ۲/۷۴، باب زكاة المال، دار الكتب العلمية بيروت)

(و كذا في البحر الرائق: ۲/۳۹۵، كتاب الزكاة، باب زكاة المال، رشيديه)

ہوگی اس قیمت کا اعتبار ہوگا(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۱/۹ھ۔

بذریعۂ قیمت سونے چاندی کی زکوۃ

سوال[۴۴۹۹]: عرض یہ ہے کہ میری زکوۃ میں اب تک دو غلطی ہوتی رہیں: ایک تو دو چار تولہ سونے کو چاندی کے وزن میں شمار کرتا رہا، سونے کی قیمت کا کوئی حساب نہیں لگایا، اب تک جتنے سالوں کی زکوۃ دی ہے سونے کا مختلف بھاؤ رہا ہے، اب کس صورت سے پچھلی زکوۃ ادا کی جائے؟ دوسرے چاندی کے زیور کی چاندی کا وزن لگا کر اس کی قیمت لگا کر قیمت دی ہے اور چاندی کی قیمت دینا جائز نہیں ہے۔ ایسی صورت میں کیا زکوۃ ادا ہوئی یا نہیں؟

ایک اشکال یہ ہے کہ چاندی کی زکوۃ میں چاندی منگا کر دینے میں لینے والوں کو اور دینے والوں کو دونوں کو دقت ہے، لینے والوں کو ضرورت تو ہے پیسوں کی اور دی جائے چاندی وہ کہاں بیچتے پھریں گے۔

پیشگی زکوۃ میں کوئی شرط ہے، آیا کل ادا کی جائے یا جتنی چاہے وقتِ ضرورت دے سکتا ہے؟ فقط والسلام۔

کریم علی خان از ڈسنہ میرٹھ۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

سونے کو چاندی کے ساتھ ملا کر زکوۃ ادا کرنے کا یہ طریقہ ہے کہ سونے کو قیمت لگا کر چاندی کے اعتبار

---

(۱) "و تعتبر القيمة يوم الوجوب، وقالا: يوم الأداء .... و يقوّم في البلد الذي المالُ فيه، و لو في مفازة ففي أقرب الأمصار إليه". (الدرالمختار). "(قوله: وهو الأصح): أي كون المعتبر في السوائم يوم الأداء إجماعاً هو الأصح، فإنه ذكر في البدائع أنه قيل: إن المعتبر عنده فيها يوم الوجوب، وقيل: يوم الأداء، اهـ. وفي المحيط: يعتبر يوم الأداء بالإجماع، وهو الأصح اهـ. فهو تصحيح للقول الثاني الموافق لقولهما، عليه فاعتبار يوم الأداء يكون متفقاً عليه عنده وعندهما". (ردالمحتار، كتاب الزكاة، باب زكاة الغنم: ۲/۲۸۶، سعيد)

(و كذا في البحر الرائق: ۲/۴۰۰، باب زكاة المال، رشيديه)

(و كذا في فتح القدير ۲/۲۱۹، فصل في العروض، مصطفى البابي الحلبي مصر)

سے چاندی فرض کرلی جاوے، مثلاً کسی کے پاس ایک تولہ سونا ہے باقی چاندی ہے اور اس ایک تولہ سونے کی قیمت بازار میں ساٹھ تولہ چاندی ہے تو سونے کو ساٹھ تولہ چاندی فرض کر کے دوسری چاندی کے ساتھ مجموعہ کی زکوٰۃ ادا کی جائے، ایک تولہ سونے کو بلا حساب قیمت کے ایک تولہ چاندی فرض کر کے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی، حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہی مذہب ہے (۱)، لہٰذا غور وفکر کر کے گذشتہ ایام کی زکوٰۃ کی تصحیح کر دی جائے اور جب قلب شہادت دیدے کہ بس اس سے زیادہ میرے ذمہ باقی نہیں رہی تو ذمہ داری پوری ہوجائے گی، پھر بھی اگر کچھ کوتاہی رہے تو اللہ پاک سے توقع ہے کہ معاف فرمادیں گے۔

چاندی کے زیور کی قیمت لگا کر اگر زکوٰۃ میں چاندی ہی دی جائے تو اس میں وجوبِ زکوٰۃ اور ادائے زکوٰۃ دونوں میں وزن کا اعتبار کرنا ہوگا، قیمت کا اعتبار نہیں، تاہم جب دونوں جانب میں قیمت کا اعتبار کرلیا ہے تو حساب برابر ہی ہوگیا (۲)، اگر چاندی کے علاوہ کوئی اَور چیز دی جائے مثلاً سلور کی ریزگاری پیسے، غلہ وغیرہ تو اس میں قدرِ واجب کی قیمت کا اعتبار ہوگا (۳) اور اس میں لینے والے اور دینے والے دونوں کو سہولت رہے گی۔

پیشگی زکوٰۃ جب کہ نصاب موجود ہو ہر طرح ادا ہوجاتی ہے چاہے یکمشت ادا کردے چاہے تھوڑی

(۱) "و يضم الذهب إلى الفضة وعكسه بجامع الثمنية قيمةً، وقالا: بالأجزاء، فمن له مأة درهم وخمسة مثا قيل قيمتها مأة، عليه زكاتها، خلافاً لهما". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الزكاة، باب زكاة المال: ۲/۳۰۳، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۲/۴۰۰، باب زكاة المال، رشيديه)

(وكذا في النهرالفائق: ۱/۴۴۲، باب زكاة المال، رشيديه)

(۲) "والمعتبر وزنهما أداءً و وجوباً، لا قيمتهما، الخ". (الدرالمختار: ۲/۲۹۷، باب زكوة المال، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۲/۷۴، باب زكاة المال، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في البحر الرائق: ۲/۳۹۵، باب زكاة المال، رشيديه)

(۳) "وجاز دفع القيمة في الزكاة، فلا تعتبر القيمة في نصاب كيلي أو وزني ..... وهذا إذا أدى من جنسه وإلا فالمعتبر هو القيمة اتفاقاً، الخ". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الزكاة، باب زكاة الغنم: ۲/۲۷۵، سعيد) .... =

تھوڑی اس میں کوئی فرق نہیں ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

سونا اور چاندی دونوں کا نصاب پورا نہ ہو تو زکوۃ کس طرح ادا کی جائے

سوال[۴۵۰۰]: زید کے پاس ۳۳/تولہ چاندی ہے اور ساڑھے چار تولہ سونا اب زکوۃ واجب ہوگی یا نہیں؟ اگر ہوگی تو کس طرح؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

مذکورہ سونے کو بازار سے معلوم کرلیا جائے کہ یہ کتنی چاندی کا ہے، پھر اسی چاندی کے مقام اس سونے کو قرار دیکر ۳۳/تولہ چاندی سے ملا کر مجموعہ کا چالیسواں حصہ حسبِ قواعدِ شرع زکوٰۃ میں ادا کردیا جائے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۱۰/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند۔

چاندی پر سونے کا پانی پھیرنے اور پتھر چڑھانے سے اس کی زکوۃ کا حکم

سوال[۴۵۰۱]: ملمع شدہ چیزوں کی زکوۃ کس طرح دی جائے مثلاً ایک زیور بنوایا، نیچے چاندی اوپر

---

(۱) "ولو عجّل ذو نصاب زكوته لسنين أو لنصب صحّ، لوجود السبب". (الدرالمختار: ۱۹۳/۲، باب زكاة الغنم، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۳۰۸/۱، باب زكاة الذهب والفضة والعروض، دار الكتب العلميه بيروت)

(وكذا في خلاصة الفتاوىٰ: ۲۴۱/۱، الفصل الثامن في أداء الزكاة، امجد اكيڈمي لاهور)

(۲) "ويضم الذهب إلى الفضة وعكسه بجامع الثمنية قيمةً، وقالا: بالأجزاء، الخ". (الدرالمختار: ۳۰۳/۲، باب زكاة المال، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۴۰۰/۲، باب زكاة المال، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق: ۴۴۲/۱، باب زكاة المال، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۸۰/۲، باب زكاة المال، دار الكتب العلمية بيروت)

سونے کا پانی یا پتھر چڑھوایا، آیا چاندی کے ساتھ ملا کر زکوۃ دیں گے یا سونے کے ساتھ؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

چاندی کا زیور بنوا کر اس پر سونے کا پانی پھیرنے سے وہ زیور سونے کا نہیں ہوگیا، وہ پانی اس سے جدا نہیں ہوسکتا تو وہ کالعدم ہے، چاندی ہی کی زکوۃ لازم ہوگی (۱) اگر سونے کے پتھری چڑھوادیئے ہیں جو کہ جدا ہوسکتے ہیں تو ان پتھروں کی زکوۃ سونے کے حساب سے ہوگی، سنار یا صرّاف سے وزن کرالیا جائے وہ بتادے گا کہ سونا کس قدر ہے اور چاندی کس قدر ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند، ۹۴/۱/۲۳ھ۔

نصاب دوسو درہم اور ماخذ اس کا ہندی حساب سے

سوال [۴۵۰۲]: نصاب زکوۃ چاندی سے کیا ہے؟ ساڑھے باون تولہ چاندی جو مشہور ہے اس کی اصلیت کیا ہے؟ درہم کی کیا مقدار ہے جس سے ساڑھے باون تولہ درست ہوجاوے اور اس کا ماخذ کیا ہے اور آج کل روپیہ جس میں چاندی تھوڑی سی رہتی ہے اور زیادہ تر تانبا رہتا ہے اس کا نصاب کیا ہے؟ بحوالۂ کتب تحریر فرماویں۔

---

(۱) "وإن لم ينوها فإن كانت بحيث يتخلص منها فضة تبلغ نصاباً وحدها أو لا تبلغ، لكن عنده مايضمه إليها ...... وإن لم يخلص فلا شئ عليه ؛ لأن الفضة هلكت فيه ...... والذهب المخلوط بالفضة ...... وإن بلغت الفضة نصابها فزكاة الفضة، لكن إن كانت الغلبة للفضة". (فتح القدير، كتاب الزكاة، باب زكاة المال: ۲/۲۱۳، ۲۱۴، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

(۲) "الدنانير الغالب عليها الذهب كالمحمودية حكمها حكم الذهب والغالب عليها الفضة.......... وإلا يعتبر قدر ما فيها من الذهب والفضة وزناً به؛ لأن كل واحد منهما يخلص بالإذابة، اهـ". (ردالمحتار، كتاب الزكاة، باب زكاة المال: ۲/۳۰۲، سعيد)

"لا يعتبر في هذا النصاب صفة زائدة على كونه فضة، فتجب الزكاة فيها سواء كانت دراهم مضروبةً أو نقرة أو تبراً أو حلياً مصوغاً أو حلية سيف أو منطقة إذا كانت تخلص عند الإذابة إذا بلغت مائتي دراهم، الخ". (بدائع الصنائع، كتاب الزكاة، فصل: أما الأثمان المطلقة: ۲/۱۶، ۱۷، سعيد)

الجواب حامداً و مصلیاً:

چاندی کا نصاب دوسو درہم ہے اس کی اصل یہ حدیث ہے: "ليس فيما دون خمس أواق صدقةٌ، والأوقية أربعون درهماً". بخاری (۱) ومسلم (۲) سے اس حدیث کی تخریج امام زیلعی نے نصب الرایہ: ۲/۳۶۳ (۳) میں کی ہے، پھر اس مقدار کو علمائے ہندوستان نے وزن سے اعتبار کیا تو ساڑھے باون تولہ چاندی ہوئی، بعض کے حساب سے کچھ زائد ہوئی، بعض کے حساب سے کچھ کم۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے اس کی مقدار چھبیس روپیہ سکہ دہلی تحریر فرمائی ہے اور محشی نے سکوں کے اختلاف سے کچھ تفاوت بھی لکھا ہے (۴) ایک درہم کی مقدار ستر جَو دُم بُریدہ ہے جیسا کہ فتاوی رشیدیہ ص: ۱۰۲ میں لکھا ہے (۵) تو درہم بھی مختلف ہوئے اور جَو بھی مختلف، لہٰذا نصاب کی مقدار میں بھی اختلاف ہوا۔ مولانا عبدالحی رحمۃ اللہ علیہ لکھنوی نے نصاب کی مقدار بہت ہی کم تحریر فرمائی ہے (٦)۔ مولانا انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے کچھ تخطیہ کیا ہے، منشائے خطا اگر دیکھنا ہو تو العرف الشذی ص: ۲۷٦ دیکھئے (۷)، آج کل کے روپیہ کا نصاب قیمت سے ہوگا وزن سے نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ مظاہر علوم سہارنپور۔

---

(۱) (صحيح البخاري، كتاب الزكاة، بابٌ: ليس في مادون خمس ذود صدقة: ۱/۱۹٦، قديمي)

(۲) (الصحيح لمسلم، كتاب الزكاة: ۱/۳۱۵، ۳۱۲، قديمي)

(۳) (نصب الراية، كتاب الزكاة، باب زكاة المال: ۲/۳٦۳، حقانيه پشاور)

(۴) أقول: إن هذا لايصلح ردًّا على مانقل البيهقي، ووزن صاع العراقيين على تقدير علماء الهند فيه أقوال: منها أنه مائتان وسبعون تولجة، وأحسن ماصنف في صاعنا رسالة الشيخ المخدوم هاشم بن عبدالغفور السندي –رحمه الله– وقال فيها: إن فلس السلطان عالمكير مساوٍ لمثقال شرعي .... قال القاضي ثناء الله الباني بتي: إن نصاب الفضة الثان وخمسون تولجة، ونصاب الذهب سبعة تولجات ونصفها. والقاضي المرحوم من حذاقنا". (العرف الشذي على هامش جامع الترمذي: ۱/۲۰، أبواب الطهارة، باب الوضوء بالمد، سعيد)

(۵) (فتاویٰ رشیدیه، صدقۂ فطر کا بیان: ۴۴٦، سعید)

(٦) (عمدة الرعاية، كتاب الزكاة، باب زكاة الأموال، (رقم الحاشية: ۵): ۱/۲۲۹، سعيد)

(۷) "ولقد أخطأ مولانا عبدالحيؒ في نصاب الفضة والذهب، فإن حسابه غير مستقيم، واعتبر بأحمر الأطباء وهو أربع شعيرات". (العرف الشذي على جامع الترمذي، كتاب الطهارة، باب الوضوء بالمدّ: ۱/۲۰، سعيد)

نوٹ پر زکوۃ

سوال[۴۵۰۲]: (الف) آج کل روپیہ دو روپیہ کے نوٹ کا رواج عام ہوگیا ہے، چاندی کا روپیہ نہیں رہا، بعض لوگ عذر کرتے ہیں کہ زکوۃ تو سونے چاندی یا اس کے سکے پر ہے، ہمارے پاس سونا چاندی یا اس کا سکہ نہیں ہے نوٹ ہیں جو وجوبِ زکوۃ کے حکم میں نہیں۔ نیز یہ کہ زکوۃ ادا کرتے وقت علماء فرماتے ہیں کہ چاندی کے روپے یا سکہ دھات وغیرہ سے نوٹ بدل کر زکوۃ ادا کرو، جب نوٹ سے زکوۃ ادا نہیں ہوتی تو پھر اس پر زکوۃ کیسے واجب ہوتی ہے؟ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ نوٹ پر زکوۃ ہے یا نہیں؟ اور نوٹ سے زکوۃ ادا ہوسکتی ہے یا نہیں؟ یا نوٹ کو دوسرے سکہ دھات وغیرہ سے بدل کر زکوۃ ادا کریں شرعاً کیا حکم ہے؟

(ب) بعض حضرات علماء فرماتے ہیں کہ نوٹ دراصل سکہ نہیں بلکہ روپیہ کی رسید ہے، اگر پھٹ جائے یا خراب ہوجائے تو نمبر دکھانے سے دوسرا مل جاتا ہے، اس کا روپیہ گورنمنٹ کے ذمہ قرض ہے جو گورنمنٹ کے ذمہ ہوگیا اور چونکہ رسید ہے سکہ نہیں ہے اس لئے اس سے بھی زکوۃ ادا نہ ہوگی، چونکہ زکوۃ میں نوٹ دینا مال دینا نہ ہوا، رسید دینی ہوئی۔ اس جواب پر مندرجہ ذیل شبہات پیدا ہوتے ہیں:

۱-نوٹ کے ساتھ یہ تخصیص کہ اگر خراب ہوجائے یا پھٹ جائے تو نمبر دکھانے سے مل جاتا ہے، اسی طرح روپیہ نقرئی بھی اگر خراب ہو یا ٹوٹ جائے تو گورنمنٹ اس کے بدلنے کی ذمہ دار ہوتی ہے، اس لئے صرف نمبر دکھا کر بدلنے کو رسید قرار دینا کیونکر درست ہوا؟ جب کہ چاندی کے روپے خراب ہونے یا ٹوٹ جانے کی صورت میں بھی دوسرا مل جاتا ہے؟ اس صورت میں یا تو روپیہ کو بھی رسید قرار دیا جائے ورنہ نوٹ کو بھی سکہ رائج الوقت قرار دیکر زکوۃ کا لین دین مثل چاندی سونے کے درست قرار دیا جائے۔

۲- یہ کہ گورنمنٹ کا کوئی اس طرح اعلان نہیں جس سے یقین کرلیا جائے کہ نوٹ واقعی رسید ہے سکہ نہیں، بلکہ حکومت کو ہر وقت اختیار ہے کہ وہ بجائے نوٹ کے مٹی یا گارے یا کپڑے وغیرہ کے سکے چلادے، اگر بالفرض ومُحال یہ تسلیم کرلیا جائے کہ گورنمنٹ کے ذمہ قرض ہے تو گورنمنٹ کے قرض کی ذمہ دار اس کی رعایا ہوا کرتی ہے، جیسے ہندوستان سے کروڑہا روپیہ قرض کا وصول کیا جاتا ہے تو جب بہر صورت رعایا ہی مقروض ہوتی ہے تو پھر مسلمان رعایا کے پاس خواہ چاندی ہو یا سونا یا نوٹ، مقروض ہونے کی صورت میں اس پر زکوۃ بھی فرض نہ ہونا چاہئے۔

۳-اب جب کہ بعض علمائے کرام نوٹ کو رسید قرار دے چکے تو ادائیگی زکوۃ کی صورت ملاحظہ فرمائیں کہ روپیہ لیکر ریزگاری میں یا نوٹ سے غلہ کپڑا وغیرہ خرید کردیں یا کہ مال دیا جائے تب زکوۃ، فطرہ، صدقہ، قربانی کی کھال کی قیمت ادا ہوگی جس کی آسان صورت یہ بتلائی گئی کہ اگر کسی شخص کو دس روپیہ کے نوٹ زکاۃ میں دینا ہے تو اس روپیہ کا کوئی مال خرید کر رکھ لے مثلاً کپڑا، غلہ، کتابیں وغیرہ مسکین کو دیدیں، اس سے کہو کہ اس کو تم بازار میں فروخت کروگے تو اگر تمہارا جی چاہے تو ہمیں فروخت کردیں تو دس روپے کے نوٹ دیکر اس کو خرید لیں اس کو نوٹ دیدیں وہ شی پھر سے قبضہ میں آ گئی۔

اس فرمان عالی پر عرض ہے کہ موجودہ روپے یا سابق چاندی کا روپیہ یا ریزگاری کا اتنا قحط ہے کہ شہر اور دیہات میں کسی زائد قیمت پر بھی دستیاب نہیں ہوسکتی، اب صرف نوٹ ہیں، اس شکل میں خواص کا تو ذکر ہی نہیں عام مسلمان جو پہلے سے تنگدلی کے ساتھ زکوۃ ادا کرتے ہیں اس قدر احتیاط کس طرح کر سکتے ہیں تو اس صورت میں ادائیگی میں خطرات ہیں کہ کہیں عام مسلمان زکوۃ دینا ترک نہ کردیں۔

۴-ریزگاری کی قلت کی وجہ سے نوٹ کے بارہ آنے یا چودہ آنہ دینا لینا سودی لین دین میں شامل ہے یا نہیں؟ جب کہ قانوناً ہر نوٹ اور روپیہ کے سولہ آنے مقرر ہیں تو حکم شرعی کیا ہے؟ اس کا مرتکب کس گناہ میں شامل سمجھا جائے گا؟ فقط۔

الجواب حامداً و مصلياً:

(الف) نوٹ خود چاندی یا سونے کا سکہ نہیں ہے بلکہ یہ اس کی رسید ہے جو گورنمنٹ یا بینک کے ذمہ بطور قرض موجود اور اس کی وصولیابی پر اس نوٹ کے ذریعے قدرت حاصل ہے لہٰذا درحقیقت اس مال پر زکوۃ واجب ہے بہتر یہ ہے کہ اس کی یا اس کی قیمت کی کوئی شئے غلہ، کپڑا وغیرہ زکوۃ میں ادا کریں تاکہ بالیقین زکوۃ ادا ہوجائے، اگر زکوۃ میں نوٹ دیا اور مصرفِ زکوۃ فقیر نے اس کے عوض سکہ غلہ وغیرہ کوئی مال حاصل کرلیا تب بھی زکوۃ ادا ہوگئی لیکن اگر وہ نوٹ فقیر سے ضائع ہوگیا مثلاً جل گیا، گھل گیا، گم ہوگیا، یا اس نے کسی کرایہ، اجرت وغیرہ میں دیدیا، یا اس کے ذریعہ سے اپنا قرض ادا کردیا تو زکوۃ ادا نہیں ہوگی (۱)۔

---

(۱) دورِ حاضر کے اکثر علمائے کرام کا اس بات پر اتفاق ہوگیا ہے کہ اب یہ نوٹ قرض کی دستاویز کی حیثیت نہیں رکھتے بلکہ اس پر مروجہ سکوں کے احکام جاری ہونگے، چنانچہ مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم العالی ''فقہی مقالات'' میں تحریر فرماتے ہیں کہ:=

(ب)۱-روپیہ میں فی حدذاتہ خود مال موجود ہے، اگر گورنمنٹ کی طرف سے اس کے بدلنے کی ذمہ داری نہ ہوتو اس کی قیمت ہی کچھ نہیں، لہذا ایک کو دوسرے پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے۔ آج کل چھوٹے نوٹ پر ایسی عبارت درج نہیں، بڑے نوٹ پر اب بھی درج ہے۔

= ''جب کرنسی نوٹ ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کے برابر پہنچ جائیں تو ان پر بالاتفاق زکوۃ واجب ہوجائے گی اور چونکہ اب یہ قرض کی دستاویز کی حیثیت نہیں رکھتے، اس لئے ان نوٹوں پر قرض کی زکوۃ کے احکام بھی جاری نہیں ہونگے بلکہ اس پر مروجہ سکوں کے احکام جاری ہونگے، وجوبِ زکوۃ کے مسئلے میں مروجہ سکوں کا حکم سامانِ تجارت کی طرح ہے یعنی جس طرح سامانِ تجارت کی مالیت اگر ساڑھے باون تولہ چاندی تک پہنچ جائے تو ان پر زکوۃ واجب ہوتی ہے بعینہ یہی حکم مروجہ سکوں اور موجودہ کرنسی نوٹوں کا ہے۔

اور جس طرح مروجہ سکے کسی غریب کو بطورِ زکوۃ کے دیئے جائیں تو جس وقت وہ فقیر ان سکوں کو اپنے قبضے میں لے گا اسی وقت اس کی زکوۃ ادا ہوجائے گی، بعینہ یہی حکم کرنسی نوٹوں کا ہے کہ فقیر کے ان پر قبضہ کرنے سے زکوۃ فی الفور ادا ہوجائے گی، ان نوٹوں کو استعمال میں لانے پر زکوۃ کی ادائیگی موقوف نہیں رہے گی''۔ (فقہی مقالات: ۱/۳۰، میمن اسلامک پبلشرز)

''وفي الشرنبلالية: الفلوس إن كانت أثما ناً رائجةً أو سلعاً للتجارة، تجب الزكاة في قيمتها، وإلا فلا اهـ''. (الدر المختار: ۲/۳۰۰، باب زكاة المال، سعيد)

''وإذا اشترى الرجل فلوساً بدراهم، و نقد الثمن، و لم تكن الفلوس عند البائع، فالبيع جائز؛ لأن الفلوس الرائجة ثمن كالنقود ''. (المبسوط للسرخسي: ۲۲/۷، كتاب الصرف، باب البيع بالفلوس، الجزء الثاني، الغفاريه، كوئٹه)

''إن الزكاة تجب في الغطارفة إذا كانت مائتين؛ لأنها اليوم من دراهم الناس وإن لم تكن من دراهم الناس في الزمن الأول، وإنما يعتبر في كل زمان عادة أهل ذلك الزمان، ألا ترى أن مقدار المائتين لوجوب الزكاة من الفضة إنما تعتبر بوزن سبعة الخ''. (البحر الرائق: ۲/۳۹۷، باب زكاة المال، رشيديه)

''(وفي عروض تجارة بلغت نصاب ورق أو ذهب) يعني في عروض التجارة، يجب ربع العشر إذا بلغت قيمتها من الذهب أو الفضة نصاباً، يعتبر فيهما الأنفع أيهما كان، الخ''. (تبيين الحقائق: ۲/۷۷، باب زكاة المال، دار الكتب العلميه، بيروت)

''ويجوز دفع القيم في الزكاة والعشر والخراج، الخ ''. (مجمع الأنهر: ۱/۳۰۰، فصل في الخيار، دارالكتب العلمية بيروت)

۲-یہ فرضِ مُحال نہیں بلکہ حقیقتِ نفس الامری ہے، گورنمنٹ کے ذمہ رعایا کا قرض ہے(۱) جس کی رسید نوٹ ہے اوراس کے ذریعہ سے رعایا کو گورنمنٹ قرض دیکر وصول کرتی ہے، یہ نہیں کہ رعایا کے ذمہ گورنمنٹ کا کوئی قرض ہے جس کی وجہ سے رعایا کے ذمہ سے زکوۃ ساقط کردیا جائے اور جنگ کا روپیہ جو گورنمنٹ لیتی ہے وہ بھی قرض لیتی ہے، بعد اختتامِ جنگ اس کی واپسی کا وعدہ کرتی ہے، اس سے رعایا مقروض نہیں ہوئی پھر اس کے ذمہ سے زکوۃ کیوں ساقط ہوئی۔

۳-اگر ہر شخص کو یہ صورت سہل نہیں جس قدر زکوۃ واجب ہے اس کا کوئی مال خرید کر فقیر کو دیدیا جائے(۲)، ریزگاری اگر نہیں ملتی تو مال تو ملتا ہے اس میں کیا اشکال ہے، نوٹ کے ذریعہ سے بازار میں بہت مال ملتا ہے۔

۴-نوٹ کے عوض کمی زیادتی جائز نہیں(۳)، روپیہ کے عوض کمی زیادتی درست ہے، ریزگاری روپے خالص بیع صرف نہیں، البتہ اگر ایک جانب خالص چاندی یا غالب چاندی ہو اور دوسری جانب بھی ایسا ہی ہو تو

(۱) دیکھئے: (فقهي مقالات لمولانا المفتي محمد تقي العثماني دامت فيوضه ''کاغذی نوٹ اور کرنسی کا حکم'': ۱/۱۳، ۲۳، میمن اسلامک پبلشرز''۔

(وفقهي مسائل لخالد سيف الله رحماني: ۱/۱۱۷، المصباح)

(۲) قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالىٰ: "فلو أطعم يتيماً ناوياً الزكاة، لايجزيه، إلا إذا دفع إليه المطعوم كمالو كساه بشرط أن يعقل القبض، إلا إذا حكم عليه بنفقته". (الدرالمختار). وقال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "(قوله: إلا إذا دفع إليه المطعوم)؛ لأنه بالدفع إليه بنية الزكاة يهلكه، فيصير آكلاً من ملكه .... (قوله: إلا إذا حكم عليه بنفقتهم) .... قلت: هذا إذا كان على طريق الإباحة دون التمليك كما يشعر به لفظ الإطعام، ولذا قال في التاتارخانية عن المحيط: إذا كان يعول يتيما ويجعل مايكسوه ويطعمه من زكاة ماله، ففي الكسوة لاشك في الجواز لوجود الركن وهو التمليك، وأما الطعام فما يدفعه إليه بيده يجوز أيضاً". (ردالمحتار، كتاب الزكاة: ۲/۲۵۷، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الزكاة: ۲/۳۵۳، رشيديه)

(۳)''موجودہ زمانے میں کاغذی کرنسی کا تبادلہ مساوات اور برابری کے ساتھ کرنا جائز ہے، کسی زیادتی کے ساتھ نہیں''۔ (فقہی مقالات، ملکی کرنسی نوٹوں کا آپس میں تبادلہ: ۱/۳۷، میمن اسلامک پبلشرز)

مساوات شرط ہے (۱) ورنہ چاندی کے مقابلہ میں چاندی اور کھوٹ یا دوسری دھات کے مقابلہ میں کھوٹ یا چاندی یا دوسری دھات ہونے سے بیع درست ہوجائے گی (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، مدرسہ جامع العلوم کانپور۔

نوٹ کی زکوۃ

سوال [۴۵۰۴]: اگر کسی کے پاس سو روپیہ کا نوٹ ہے تو اس کی زکوۃ میں ڈھائی روپیہ دینا واجب ہے یا ڈھائی تولہ چاندی؟

الجواب حامداً و مصلياً:

خواہ ڈھائی روپیہ دے خواہ ڈھائی تولہ چاندی دے، خواہ ڈھائی تولہ چاندی کی قیمت کی کوئی اور شئی دیدے سب جائز ہے (۳)۔ فقط۔

نوٹ سے زکوۃ کا حکم

سوال [۴۵۰۵]: ا......مدِ زکوۃ کے روپے مدرسہ کے غریب فنڈ میں جس سے غریب طلبہ کی خرچ برداری کی جاوے داخل کردینے سے زکوۃ ادا ہوجائے گی یا نہیں، یا کہ حیلہ کرنا ہوگا؟ آپ کے مدرسہ میں اس کا

---

(۱) "فإن كان الغالب الذهب في الدنانير والفضة في الدراهم فهما كالذهب الخالص والفضة الخالصة اعتباراً للغالب.........، وإذا كان كالخالصين، فلا يجوز بيعهما بالخالص مع الذهب والفضة إلا متساويين في الوزن، وكذا بيع بعضها ببعض". (فتح القدير، كتاب الصرف: ۱۵۲/۷، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

(۲) "وإن كان الغالب عليهما الغش، فليسا في حكم الدراهم والدنانير .... فإن بيعت بجنسها متفاضلاً، جاز صرفاً للجنس إلى خلاف الجنس، فهي في حكم شيئين: فضة وصفر، الخ". (الهداية، كتاب الصرف: ۱۰۹/۲، شركت علميه، ملتان)

(۳) اب نوٹ کا حسابِ زکوۃ قیمت کے اعتبار سے ہوگا یعنی ساڑھے باون تولہ چاندی کے برابر جس قدر نوٹ ہوں، ان پر زکوۃ واجب ہوگی اور اس کے چالیسواں حصہ کی جو قیمت ہو اتنے نوٹ واجب ہونگے۔

(تقدم تخريجه تحت عنوان: "نوٹ پر زکوۃ")

کیا طریقہ ہے؟

۲......امدادالفتاوی میں مرقوم ہے کہ زکوۃ، فدیہ، فطرہ وغیرہ میں نوٹ دینے سے ادانہیں ہوتی بوجہ حوالہ ہونے کے، کیونکہ نوٹ عین روپیہ نہیں بلکہ سند ہے، جب بیت المال میں اس کو داخل کردے، روپیہ مل جاوے(۱)۔ اس پر موجودہ حالت سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ اب تو یہ نوٹ بعینہ روپیہ ہوگا بوجہ اس کے کہ اس نوٹ کو بیت المال میں داخل کرنے سے بھی چاندی کے روپیہ یا موجودہ لیکن کے روپیہ نہیں ملتا ہے۔ غایۃ الامر اتنا ہوتا ہے کہ زیادہ رقم کے نوٹ دینے سے وہ ایک روپیہ والا نوٹ دے دیتا ہے اس معذوری کی وجہ سے نوٹ سے زکوۃ و غیرہ ادا ہونے کا حکم ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلياً:

۱......ہمارے مدرسہ میں جو نوٹ زکوۃ میں آتے ہیں وہ بعینہ طلباء کو نہیں دیئے جاتے یا ان کو بھنا کر ریز گاری نقد وظیفہ کی صورت میں دیتے ہیں، یا کپڑا خرید کر، یا جوتہ خرید کر، یا غلہ خرید کر اس کی روٹی پکا کر، یا کتابیں خرید کر دیتے ہیں اس سے بلا شبہ زکوۃ ادا ہو جاتی ہے(۲)۔

۲......نوٹ خود روپیہ نہیں بلکہ حوالہ ہے جیسا کہ امدادالفتاوی میں ہے اس لئے نوٹ کی کوئی شئے خرید کر زکوۃ میں دی جائے تا کہ زکوۃ ادا ہو جائے، اگر نوٹ زکوۃ میں دیا گیا تو اس سے زکوۃ ادا ہونے کے لئے شرط یہ ہے کہ فقیر اس نوٹ کے عوض کوئی مال حاصل کرلے تب زکوۃ ادا ہوگی اگر فقیر سے وہ نوٹ کسی طرح ضائع ہو گیا، یا

---

(۱) (امداد الفتاویٰ، کتاب الزکوۃ و الصدقات: ۲/۴۰۵، مکتبہ دارالعلوم کراچی)

(۲) قال العلامة زين الدين ابن نجيم رحمه الله تعالىٰ: "وقيد بالتملك احترازاً عن الإباحة، ولهذا ذكر الولوالجي وغيره أنه لو عال يتيماً، فجعل يكسوه ويطعمه وجعله من زكاة ماله، فالكسوة تجوز لوجود ركنه وهو التمليك، وأما الإطعام إن دفع الطعام إليه بيده، يجوز أيضا لهذ العلة". (البحر الرائق، كتاب الزكوة: ۲/۳۵۳، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الزكوة: ۲/۲۵۷، سعيد)

لیکن اس صورت میں زکوۃ اس لئے ادا ہو جائے گی کہ زکوۃ میں دفع القیمت جائز ہے: (كما مرّ تحت عنوان: ''چاندی کا نصاب''، وتحت عنوان ''سونے چاندی کی زکوۃ بذریعہ قیمت''۔)

اس نے کسی ڈاکٹر کی فیس، یا کرایہ ریل وغیرہ میں دیدیا، یا اس کے ذریعہ سے قرض ادا کیا تو زکوۃ ادا نہیں ہوگی (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۴/ جمادی الأولی/ ۶۳ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف۔

نوٹ کے ذریعہ سے زکوۃ کی ادائیگی

سوال [۴۵۰۶]: اگر کسی نے زکوۃ میں نوٹ ادا کئے تو زکوۃ ادا ہوگی یا نہیں؟ مدارسِ عربیہ میں اکثر لوگ بذریعہ ڈاک یا دوسرے ذرائع سے زکوۃ میں نوٹ ہی ادا کرتے ہیں۔ اس صورت میں زکوۃ کیسے ادا ہوگی جیسا کہ حضرت مفتی صاحب نے آنے والے فتاویٰ میں اس کی وضاحت فرمائی ہے۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

نوٹ اپنی اصل کے اعتبار سے حوالہ اور سند ہے (مال نہیں) لیکن اس دور میں تقریباً روپیہ معدوم ہے، سب کاروبار نوٹ سے ہی ہوتا ہے اور سب جگہ نوٹ ہی بلاتر دد روپیہ کے قائم مقام بلکہ روپیہ سے زیادہ قابلِ قدر شمار ہوتا ہے اس لئے اب نوٹ کے ذریعہ سے بھی زکوۃ ادا ہو جاتی ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/ ۱۰/ ۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/ ۱۰/ ۸۸ھ۔

نوٹ کے ذریعہ زکوۃ کی ادائیگی

سوال [۴۵۰۷]: ملفوظات حصہ ہفتم، ص: ۳۰۵، رسالہ المبلغ نمبر: ۸، جلد نمبر: ۱۳، بابت ماہ جمادی الاولی/ ۶۱ھ، ملفوظ نمبر: ۴۴۶، ایک نواب صاحب نے بذریعۂ تحریر یہ مسئلہ دریافت کیا کہ آج کل روپیہ تو ملتا نہیں صرف نوٹ ملتا ہے جس سے زکوۃ ادا نہیں ہوتی۔ ایسی صورت میں کس طرح ادا کی جائے؟ حضرت اقدس

(۱) اصل حکم نوٹ کا یہی ہے لیکن اب اس کا رواج اور تعامل بالکل روپے (درہم) کی طرح ہے اور یہی اب نقد کے حکم میں ہوگیا، حوالہ نہیں رہا اب نوٹ سے زکوۃ ادا ہو جائے گی۔ (تقدم تخریجہ تحت عنوان: ''نوٹ پر زکوۃ''۔)

(۲) (تقدم تخریجہ تحت عنوان: ''نوٹ پر زکوۃ'')

نے تحریر فرمایا کہ زکوۃ غلہ ودیگر اشیاء سے بھی ادا ہوسکتی ہے پھر زبانی فرمایا کہ یہ فتویٰ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔

اشکال: ا......اب تک زکوۃ کے ادا کرنے کا یہ عمل رہا ہے کہ بذریعۂ منی آرڈر مدارس میں دوسری جگہ زکوۃ ارسال کی گئی اور نوٹ ڈاکخانہ میں آگئے اور وہاں ڈاکخانہ سے نوٹ وصول کئے گئے تو ایسی صورت میں زکوۃ ادا ہوئی ہے یا نہیں؟ اگر نہیں ہوئی تو گذشتہ عمل کے درستی کی کیا صورت ہوسکتی ہے اور آئندہ کس صورت سے زکوۃ ادا کرنی چاہئے، یا جس شخص نا مستحق زکوۃ کو اصالۃً زکوۃ دی گئی اور اس کو نوٹ دیا گیا اور اس کو یہ نہیں بتلایا گیا کہ یہ بمدِ زکوۃ ہے کیونکہ بتلانا مناسب نہیں تھا۔ اب اگر زکوۃ ادا نہیں ہوئی تو اس کی درستی کی کیا صورت ہوسکتی ہے؟

۲......ہم ملازمین کو تنخواہ میں نوٹ ہی ملتے ہیں اور نوٹ ہی ہم لوگوں کی جائیداد ہے، چاندی یا سونا یا روپیہ نہیں ہے تو نوٹوں پر زکوۃ واجب ہے یا نہیں؟ اگر نوٹوں پر زکوۃ واجب ہے تو اس کی ادائیگی کی کیا صورت ہے؟

۳......آج کل جو روپیہ ملتا ہے اس میں بھی چاندی نہیں ہوتی ہے تو اس کا حکم مثلِ نوٹ کے ہے یا مثلِ چاندی کے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

ا......نوٹ روپیہ نہیں بلکہ رسید اور حوالہ ہے، نوٹ کے ذریعہ سے زکوۃ ادا کرنے کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ فقیر سے ضائع نہ ہو بلکہ وہ اپنے تحصیلِ مال میں صرف کرے خواہ اس کا روپیہ بنالے یا اس کے ذریعہ سے کوئی اَور شی خرید لے، اگر خود نوٹ فقیر سے ضائع ہوگیا تو زکوۃ ادا نہیں ہوئی (۱)، لہٰذا اگر کسی مقام پر یہ علم ہوجائے کہ فلاں فقیر سے زکوۃ میں دیا ہوا نوٹ ضائع ہوگیا ہے تو اتنی مقدار زکوۃ کو دوبارہ دی جائے ورنہ گذشتہ ادا کی ہوئی زکوۃ کی تجدید کی ضرورت نہیں۔

۲......نوٹ اگر چہ خود روپیہ نہیں لیکن ایسے قرض کی رسید ہے جس پر ہر وقت قدرت ہے لہٰذا اس پر زکوۃ

---

(۱) یہ حکم اس وقت کا ہے جب نوٹ کا روپیہ عام طور پر ملتا تھا، اب نوٹ ہی بمنزلۂ روپے کے ہے، لہٰذا اس کے ذریعے سے زکوۃ ادا ہوجاتی ہے۔ (تقدم تفصیله تحت عنوان: ''نوٹ پر زکوۃ''۔)

(وأيضا تقدم تخريجه تحت عنوان: ''نوٹ سے زکوۃ کا حکم''۔)

واجب ہے(۱) جوادائیگی کی صورت دوسرے مال میں زکوۃ کی ہے وہی نوٹ میں ہے۔

۳......اس روپیہ میں اگر چاندی کم ہے لیکن قیمت میں بالکل چاندی کے برابر ہے لہٰذا جو حکم خالص چاندی کے روپیہ کا ہے وہی اس کا ہے قیمت کے اعتبار سے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہار نپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہار نپور، ۱۹/۸/۶۱ھ۔

صحیح: عبداللطیف مدرسہ مظاہر علوم سہار نپور، ۱۹/شعبان/۶۱ھ

نوٹ اور ریزگاری سے زکوۃ

سوال[۴۵۰۸]: زید کے پاس ایک ہزار روپیہ کے نوٹ ہیں وہ اس کی زکوۃ ادا کرنا چاہتا ہے، زکوۃ ادا کرنے کے لئے پہلا روپیہ جس میں چاندی غالب تھی نہیں ملتا، ذیل کی چار صورتوں میں سے کوئی ایک صورت اختیار کی جاسکتی ہے:

۱- زکوۃ نوٹ سے ہی ادا کردی جائے اس صورت میں زکوۃ ادا ہوگی یا نہیں؟ اگر ادا ہوگی تو کیا پہلے روپیہ کی طرح بلا قید ادا ہوگی یا کسی قید کے ساتھ؟

(نوٹ) نوٹوں کی اور دیگر مال مثل نقدی یا زیور وغیرہ کی زکوۃ ادا کرنے میں کچھ فرق ہے یا مطلقاً زکوۃ ادا ہوجائے گی؟

۲- نیا سکہ جو اب جاری ہوا (اس میں چاندی محض چار آنہ بھری ہوتی ہے) اس سے زکوۃ ادا کرے

---

(۱) (دیکھئے: فقهي مقالات "کرنسی نوٹ اور زکوۃ": ۱/ ۳۰، میمن اسلامک پبلشرز)

(۲) "وما غلب غشه منهما يقوّم كالعروض، وحاصله ان مايخلص منه نصاب أو كان ثمناً رائجاً، تجب زكاته، سواء نوى التجارة أولا، الخ". (الدرالمختار مع ردالمحتار. كتاب الزكاة، باب زكاة المال: ۲/ ۳۰۰، سعيد)

"وكان الشيخ أبو بكر محمد بن الفضل يوجب الزكاة في الغطريفية والعادلية في كل مائتي درهم خمسة دراهم عدداً؛ لأن الغش فيهما غالب، فصار فلوساً فوجب اعتبار القيمة فيه، لا الوزن، الخ". (تبيين الحقائق، كتاب الزكاة، باب زكاة المال: ۲/ ۷۷، عباس احمد الباز)

توزکوۃ ادا ہوگی یانہیں؟ اس سے زکوۃ پہلے روپیہ کی طرح بلا قید ادا ہوگی یا مشروط طریق سے اور وہ شرائط کیا ہیں؟ کیا اس روپیہ سے زکوۃ مطلق ادا ہوجائے گی یا بموجب جنس مال (یعنی نوٹ، زیور، نقد) زکوۃ ادا کرنے میں کچھ فرق ہوگا اور وہ فرق کیا ہے؟

(**نوٹ**) اس روپیہ سے زکوۃ ادا کرنے کی صورت میں یہ شبہ ہے کہ یہ روپیہ چاندی نہیں کیونکہ اس میں صرف چار آنہ کی مقدار چاندی ہے اور باقی دوسری دھات یعنی کھوٹ اور چاندی، اگر غیر چاندی سے مل جائے اور غیر چاندی کا عنصر غالب ہو تو مرکب پر چاندی کا حکم نہیں لگایا جاتا ہے بلکہ وہ اسباب کے حکم میں ہے۔

اور ظاہر بات ہے کہ نیا روپیہ پہلے کھرے روپیہ کی قیمت کا ہی نہیں بلکہ اس سے کم قیمت ہے، اگر کہا جائے کہ نیا روپیہ سرکاری طور پر پہلے کھرے روپیہ کا قائم مقام ہے پہلے اسے کھرے روپیہ کی قیمت سمجھ کر اس کو زکوۃ میں دینا درست ہوگا تو اسی طرح نوٹ بھی تو سرکاری طور پر کھرے روپیہ کی قیمت قرار دیا گیا ہے پس زکوۃ میں روپیہ کے بجائے اگر نوٹ دیدیا جائے تو زکوۃ ادا ہوجانی چاہئے، اگر اندریں صورت بھی نوٹ سے زکوۃ ادا نہیں ہوئی تو اس مروجہ روپیہ میں اور نوٹ میں کیا فرق ہے؟

۳- پیسوں سے یا غیر چاندی اِکنیوں، دونیوں، چونیوں سے زکوۃ ادا کرے، اس صورت میں زکوۃ ادا ہوگی یانہیں؟ اور ان کی ادائیگی بلا قید طریقہ سے ہے اور قیود کیا ہیں اور اس میں وہ تمام باتیں ملحوظ ہونگیں جو نئے روپے کی بحث میں گزرا، اس میں اور نئے روپے میں فرق ہے تو کیا؟

۴- چاندی خرید کر زکوۃ ادا کرے، اس میں مشکل یہ ہے کہ چاندی خریدنے کے لئے اور کھری چاندی میں فرق دشوار ہے ہر شخص نہیں کرسکتا، زکوۃ لینے والے کو بھی نقصان۔ براہِ مہربانی تمام صورتوں پر غور فرمایا جائے اور بالوضاحت جواب تحریر فرمایا جائے مع حوالۂ کتب۔

نوٹ یا ریز گاری کی صورت میں اگر مال جمع ہو تو اس پر زکوۃ کیوں واجب ہے جب کہ براہ راست نوٹ یا ریز گاری سے زکوۃ دے تو ادا نہیں ہوتی؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

۱- نوٹ روپیہ نہیں مگر روپیہ کی سند ہے لہذا نوٹ کے ذریعہ سے زکوۃ ادا ہوجائے گی بشرطیکہ مصرف کے پاس پہونچکر مصرف اس کو اپنے کام میں صرف کرلے، اگر اس سے پہلے پہلے وہ نوٹ ضائع ہوگیا اور مصرف اس

کو اپنے کام میں نہیں لا سکا تو زکوۃ ادا نہیں ہوگی۔ نوٹ اور ہر قسم کے مال کی زکوۃ نوٹ کے ذریعہ سے ادا کرنا بشرط مذکور صحیح ہے(۱)۔

۲- نیا سکہ جو کہ اب جاری ہوا ہے اس میں چاندی مغلوب ہے اور دوسری دھات غالب ہے لیکن بحیثیتِ ثمنیت ورواج پہلے روپیہ میں اور اس میں کوئی فرق نہیں، لہٰذا جس طرح پہلے روپیہ سے زکوۃ ادا کرنا درست ہے اسی طرح اس سے بھی بلا تامل درست ہے اور جس طرح پہلے روپیہ پر زکوۃ واجب ہوتی ہے اسی طرح اس پر بھی واجب ہوتی ہے، فرق صرف اتنا ہے کہ پہلے روپیہ میں چاندی غالب ہونے کی وجہ سے وجوباً واداءً وزن کا اعتبار ہوگا اور نئے روپیہ میں قیمت کا اعتبار ہوگا:

"وكان الشيخ أبو بكر محمد بن الفضل يوجب الزكوة في الغطريفية بقيمته، و العادلية في كل مائتي درهم خمسة دراهم عدداً؛ لأن الغش فيهما غالب فصارا فلوساً، و وجب اعتبار القيمة فيه لا الوزن، الخ". زيلعي شرح كنز ١/٢٧٩(٢)۔

قال الشلبي في هامشه: "روى الحسن عن أبي حنيفة رحمهما الله تعالىٰ أن الزكوة تجب في الجياد، و من الدراهم والزيوف والنبهرجة، قال: لأن الغالب فيها كلها الفضة و ما تغلب فضته على غشه، يتناوله اسم الدرهم مطلقاً، والشرع أوجب باسم الدراهم وإن كان الغالب هو الغش، والفضة فيها مغلوبة، فإن كانت رائجةً أو كان يمسكها للتجارة يعتبر قيمتها، فإن بلغت قيمتها مائتي دراهم من أدنى الدراهم التي تجب فيها الزكاة، وهي التي الغالب عليها الفضة، تجب فيها الزكاة، وإلا فلا، اهـ". بدائع"(٣)۔

وإن لم تكن رائجةً ولا معداً للتجارة، فلا زكوة فيها، إلا أن يكون مافيها من الفصة يبلغ مائتي دراهم بأن كانت كبيرةً الخ"۔ والمسئلة مذكورة في الدرالمختار

(۱) (تقديم تخريجه تحت عنوان: "نوٹ پرزکوۃ"۔)

(۲) (تبيين الحقائق للزيلعي، كتاب الزكاة، باب زكاة المال: ٢/٧٧، عباس احمد الباز)

(۳) حاشية الشلبي على تبيين الحقائق: ٣/٧٦، دارالكتب العلميه، بيروت)

(وكذا في بدائع الصنائع: ٢/٤٠٨، فصل في بيان النصاب، دارالكتب العلميه، بيروت)

وردالمحتار: ۲/۴۷(۱)، والدر المنتقى ومجمع الأنهر: ۱/۲۰٦(۲)،والفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۱۷۹(۳)۔

اس روپیہ میں اورنوٹ میں فرق یہ ہے کہ یہ روپیہ سرکار اور رعایا سب کے نزدیک روپیہ اور سکہ ہے جس کی قیمت سولہ ہے اورنوٹ کسی کے نزدیک بھی روپیہ اور سکہ نہیں نہ اس کی قیمت سولہ ہے بلکہ یہ تو ایک سند اور رسید ہے جس کے ذریعہ سے حکومت یا بینک سے حسب معاہدہ تحریر نوٹ سولہ وصول ہوسکتے ہیں اس لئے نوٹ کے ذریعہ سے زکوۃ مشروط بالشرط بالمذکور ہے اور روپیہ کے ذریعہ سے بلا شرط ہی ادا ہوجاتی ہے۔

۳- زکوۃ ادا ہوجائے گی اور اس میں قیمت کا اعتبار ہوگا یعنی جس قدر چاندی وزن کے اعتبار سے لازم ہو اس کی قیمت جس قدر اِکنیاں وغیرہ ہوں، دیدی جائے، مثلاً اگر دو تولہ چاندی لازم ہو اور بازار میں دس تولہ چاندی فروخت ہوتی ہے تو بیس اِکنیاں یا دس دونیاں ادا کریں زکوۃ ادا ہوجائے گی: "وأجمعوا أنه لو أدى من خلاف جنسه، اعتبرت القيمة، الخ". رد المحتار ۲/۴۵(٤)۔

۴- چاندی خرید کر اس کے ذریعہ سے بھی زکوۃ دینا درست ہے نوٹ کے ذریعہ زکوۃ ادا ہوجاتی ہے کمامر۔ قربانی کی کھال کی قیمت اپنی بیٹی کو دینا درست نہیں ہے بلکہ کسی اَور مستحق زکوۃ کو دیدی جائے کیونکہ اس کا تصدق واجب ہے: "فإن بدل اللحم، والجلد به: أي بما ينتفع بالاستهلاك، جاز، ولا يبيعه بالدراهم لينفق الدراهم على نفسه و عياله، الخ". مجمع الأنهر ۲/۵۲۱(۵)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، ۲۵/۱۲/۶۰ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

---

(۱) (رد المحتار على الدرالمختار: ۲/۳۰۰، باب زكاة المال، سعيد)

(۲) (مجمع الأنهر مع هامشه الدر المنتقى: ۱/۳۰٦، باب زكاة الذهب والفضة، والعروض، دارالكتب العلمية، بيروت)

(۳) (الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۱۷۹، الفصل الأول في زكاة الذهب والفضة، رشيديه)

(۴) (ردالمحتار: ۲/۲۹۷، باب الزكاة والفضة، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۲/۴۷، باب زكوة المال، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في البحر الرائق: ۲/۳۹٦، باب زكاة المال، رشيديه)

(۵) (مجمع الأنهر، كتاب الأضحية: ۲/۵۲۱، دارإحياء التراث العربي بيروت)

غیر ملکی سکہ سے ادائے زکوۃ

سوال[۴۵۰۹]: فرانسیسی سکہ مُروجہ کو ''فرانک'' کہا جاتا ہے، زید کے ذمہ زکوۃ فرض ہے، زید اپنی زکوۃ ہندوستان میں مستحقین اور مساکین ذوی القربیٰ کو ادا کرنا چاہتا ہے چونکہ فرانک ہندوستان میں رائج نہیں ہے اس لئے اس کا تبادلہ یہاں کے انگریزی (ہندی) روپیہ سے کرنے کی دو مختلف صورتیں ہیں:

۱-وہاں کی حکومت سے تبادلہ۔

۲-وہاں کے تُجّار کو دیکر ان سے چیک لے کر اس چیک کو یہاں ہندوستان بنک میں بُھنا کر۔صورتِ اولیٰ میں حکومت چالیس فرانک کے عوض ہندوستانی ایک روپیہ دیتی ہے اور وہ بھی اس شخص کے اہل وعیال کی طرف سے یہاں کے حکام کی تصدیق کے ساتھ درخواست کئے جانے پر اور وہ بھی صرف نان نفقہ کے لئے یعنی ادائے زکوۃ یا بخشش وغیرہ کے لئے وہاں کی حکومت تبادلہ نہیں کرتی۔

صورتِ ثانیہ میں وہاں کے تُجّار بعوض ستر فرانک ایک روپیہ ہندوستانی کے حساب سے چیک حوالہ کرتے ہیں۔بس قابلِ دریافت یہ امر ہے کہ زید نے تُجّار سے چیک لے کر یہاں پر زکوۃ ادا کی، اب چونکہ وہاں کی سرکاری قیمت فی روپیہ چالیس فرانک ہے (مگر تبادلہ متعذر ہے کما ذکر آنفا) اور تاجرانہ قیمت فی روپیہ ستر ہے جو ممکن ہے، لہٰذا اگر زید نے تاجرانہ قیمت سے فرانک کے روپیہ بنا کر ہندوستان میں زکوۃ ادا کی تو بہ نسبت سرکاری قیمت فی روپیہ تیس فرانک زائد خرچ ہوئے، پس اس مزید خرچ کے حساب کا کیا حکم ہوگا یعنی مُزکّی خود متحمل ہوگا یا زکوۃ کی رقم مؤدّیٰ میں سے خرچ کی جائے گی؟

الراقم: غلام رسول بن حاجی اسماعیل، مقام تاراپور ضلع کھیڑا گجرات، ۲۹/شوال/ ۶۷ھ۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

ادائے زکوۃ کے لئے ضروری ہے کہ مقدارِ واجب مستحقین کے پاس پہونچ جائے اور اس پہونچانے میں جو کچھ خرچ ہوگا، اس کا متحمل خود مزکی ہوگا، زکوۃ کی رقم سے اس کا وضع کرنا درست نہیں، ورنہ مقدارِ واجب میں نقصان رہ جائے گا اور زکوۃ پوری ادا نہیں ہوگی (۱)۔

---

(۱) ''درمختار میں ہے:''ویقوم فی البلد الذی المال فیه ولو فی مفازة ففی اقرب الأمصار الیه''.

علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:''فلو بعث عبدالتجارة فی بلد آخر یقوم فی البلد الذی فیه=

جو حکم فیس منی آرڈر کا ہے وہی حکم اس بٹہ کا ہے جو تُجار لیتے ہیں، یہ اس وقت ہے کہ چاندی کے سکہ کا چاندی کے سکہ سے تبادلہ کیا جائے جس میں وزناً کمی زیادتی جائز نہیں (۱)۔ اگر چاندی کے سکہ کا تبادلہ کسی اَور شیئ سے کیا جائے تو اس میں وزناً برابری لازم نہیں، وہاں زیادتی کمی درست ہے (۲)، پس اگر فرانک چاندی کا سکہ ہے اور ہندوستانی روپیہ سے اس کا تبادلہ ہو تو اس میں جس قیمت پر بھی تبادلہ ہو جائے درست ہے کیونکہ اس روپیہ میں چاندی بالکل نہیں، یا اگر ہے تو اس قدر مغلوب ہے کہ کالعدم ہے۔ تُجار کو بھی درست ہے کہ ستر فرانک کے حساب سے معاملہ کریں یا جس طرح چاہیں اس صورت میں مزکی پر کوئی مزید ذمہ داری نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۴/ ذیقعدہ/ ۶۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۶/ ذیقعدہ/ ۶۷ھ۔

روپے کی زکوۃ وزن سے ہے یا قیمت سے؟

سوال [۴۵۱۰]: علم الفقہ جلد چہارم، ص: ۳۲، میں تحریر ہے کہ روپیہ کی زکوۃ گنتی سے دینا خلاف

= العبد۔ اس جزئیہ سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ صورتِ مسئولہ میں سو روپیہ خام بکری کا واجب ہے، خرچہ نکالنے کی اجازت نہیں۔ فقط واللہ اعلم"۔ (خیر الفتاویٰ، کتاب الزکاۃ: ۳/ ۴۸۰، جامعۃ خیر المدارس، ملتان، پاکستان)

(وکذا فی الفتاویٰ الحقانیہ، کتاب الزکوۃ، باب العشر: ۳/ ۵۷۷، جامعۃ دارالعلوم حقانیہ، اکوڑہ خٹک)

"ویقوّم فی البلد الذی المال فیہ، ولو فی مفازۃ ففی أقرب الأمصار إلیہ". (الدرالمختار). وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: "(قولہ: ویقوم فی البلد الذی المال فیہ) فلو بعث عبداً للتجارۃ فی بلد آخر، یقوم فی البلد الذی فیہ العبد". (ردالمحتار، کتاب الزکوۃ: ۲/ ۲۸۶، سعید)

(۱) "فإن باع فضۃً بفضۃ أو ذھباً بذھب، لایجوز إلا مثلاً بمثل". (الھدایۃ، کتاب الصرف: ۷/ ۱۳۴، شرکۃ علمیہ)

(۲) "ویجوز بیع الذھب بالفضۃ مجازفۃً، وکذا سائر الأموال الربَویۃ بخلاف جنسھا؛ لأن المساواۃ غیر مشروطۃ فیہ". (الھدایۃ مع فتح القدیر، کتاب الصرف: ۷/ ۱۴۰، ۱۴۱، مصطفیٰ البابی الحلبی مصر)

احتیاط ہے(۱) تو کیسے دینا چاہئے؟اس قسم کی عبارت دوسری کتابوں میں بھی دیکھنے میں آئی، اس سے مفہوم ہوتا ہے کہ نصابِ زکوۃ میں روپے کی قیمت کا اعتبار نہیں بلکہ وزن کا اعتبار ہے، لہٰذا اگر کسی کے پاس سو روپے ہیں جو وزن کے اعتبار سے سو تولہ ہوتے ہیں جن کا چالیسواں حصہ ڈھائی روپیہ ہوا جن کا وزن ڈھائی تولے ہوا، ایسی صورت میں ڈھائی تولہ چاندی دینے سے زکوۃ ادا ہو جائے گی یا ڈھائی روپے دینے چاہئیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

بہتر یہ ہے کہ سو روپیہ کا وزن کرلیا جائے اور پھر اس کا چالیسواں حصہ وزن ہی کے اعتبار سے ادا کردیا جائے (۲) خواہ چاندی (۳) روپیہ پورا تولہ کا نہیں ہوتا بلکہ کچھ کم کا ہوتا ہے، نیز ہر روپیہ برابر نہیں ہوتا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/۱۱/۶۰ھ۔

چاندی کی زکوۃ میں قیمت دینا

سوال[۴۵۱۱]: اگر صورت مذکورہ میں ڈھائی روپیہ دینا ضروری نہیں بلکہ ڈھائی تولہ چاندی دینے سے بھی زکوۃ ادا ہو جائے گی تو ڈھائی تولہ چاندی دینا چاہئے یا اس کی قیمت بھی دے سکتا ہے یعنی دونوں صورت

---

(۱) (علم الفقه، كتاب الزكاة، حصه چهارم، چاندی سونے اور تجارتی مال کا نصاب، ص: ۴۹۰، دارالاشاعت كراچی)

(۲) "والمعتبر وزنهما أداءً ووجوباً يعني يعتبر أن يكون المؤدى قدر الواجب وزناً عندالإمام والثاني .... وأجمعو أنه لوأدى من خلاف جنسه، اعتبرت القيمة .... قوله: ووجوباً: أى من حيث الوجوب، يعنى يعتبر في الوجوب أن يبلغ وزنهما نصاباً". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الزكاة، باب زكاة المال: ۲/۲۹۷، سعيد)

(وكذا في مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوى، كتاب الزكاة، ص: ۷۱۷، قديمى)

(وفي الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الثالث في زكاة الذهب: ۱/۱۷۸، رشيديه)

(۳) "وجاز دفع القيمة في زكاة وعشر وخراج وفطرة ونذر وكفارة غير الإعتاق، وتعتبر القيمة يوم الوجوب، وقالا: يوم الأداء ...... وفي المحيط: يعتبر يوم الأداء بالإجماع، وهو الأصح ...... فاعتبار يوم الأداء يكون متفقاً عليه عنده وعندهما". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الزكاة، باب زكاة الغنم: ۲/۲۸۵، ۲۸۶، سعيد)

جائز ہیں یا ایک صورت؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

جب ڈھائی تولہ چاندی واجب ہوتی تو اس میں اختیار ہے خواہ چاندی یا زیور وغیرہ دے خواہ روپیہ، اٹھنی چونی دے، خواہ ڈھائی تولہ چاندی کی قیمت کی کوئی اَورشی کپڑا وغیرہ دیدے سب درست ہے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/۱۱/۶۰ھ۔

نصابِ زکوۃ روپے کے اعتبار سے

سوال [۴۵۱۲]: کم سے کم کتنے روپے پر زکوۃ ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

جتنے روپے میں ساڑھے باون تولہ چاندی خریدی جا سکے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

دفینہ پر زکوٰۃ اور ادائے زکوٰۃ سے قبل مسجد کا صحن بنوانا

سوال [۴۵۱۳]: ایک بڑھیا نے پہلے زمانہ میں چار ہزار روپیہ دفن کئے اور لڑکوں سے کہہ دیا تھا

---

(۱) "(جاز دفع القيمة في الزكاة) فلا تعتبر القيمة في نصاب كيلي، أو وزني .... و هذا إذا أدى من جنسه، و إلا فالمعتبر هو القيمة اتفاقاً، لتقوم الجودة في المال .... ثم إن المعتبر عند محمد الأنفع للفقير من القدر والقيمة، الخ". (ردالمحتار على الدرالمختار: ۲/۲۸۵، باب زكاة الغنم، سعيد)

(وكذا في المبسوط للسرخسي: ۲/۱۰۱، الفصل الثالث، كتاب الزكاة، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۱/۳۰۰، فصل في زكاة الخيل، كتاب الزكاة، دار الكتب العلمية، بيروت)

(۲) "وإن كان الغالب هو الغش والفضة فيها مغلوبة، فإن كانت أثماناً رائجةً أو كان يمسكها للتجارة، يعتبر قيمتها، فإن بلغت قيمتها مائتي درهم من أدنى الدراهم التي تجب فيها الزكاة وهي التي الغالب عليها الفضة تجب فيها الزكاة، وإلافلا". (بدائع الصنائع، كتاب الزكاة، فصل في بيان صفة النصاب: ۲/۴۰۸، دارالكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في ردالمحتار: كتاب الزكاة، باب زكاة المال: ۲/۳۰۰، سعيد)

میرے بعد نکال لینا، اب بڑھیا کے انتقال کے بعد بھائیوں نے اس مدفون کو نکالا، وہ سکہ بارہ ہزار کا ہوا۔ اس میں سے ایک بھائی نے اپنا حصہ لے لیا، باقی تینوں نے اپنا حصہ مسجد میں دے دیا جس سے مسجد کا صحن بنوایا گیا تو اب اس مدفون پر زکوٰۃ واجب تھی یا نہیں؟ اور اس صحن پر نماز درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

خود اس بڑھیا کے ذمہ زکوٰۃ واجب تھی، اس کے انتقال کے بعد اس کے لڑکے مالک ہوئے (۱)، اس وقت سے سال بھر گذرنے پر حسبِ ضابطۂ شرعیہ ان کے ذمہ واجب ہوگی۔ اس فرشِ صحن میں نماز درست ہے، سال سے پہلے مسجد میں دینے سے زکوٰۃ واجب نہیں (۲)۔

دَینِ قوی اور دَینِ ضعیف

سوال [۴۵۱۴]: ہمارے یہاں نیپالی لوگ آتے ہیں اور مال لے جاتے ہیں، قیمت کبھی کبھار تو آٹھ دس سال تک دیتے ہیں۔ یہ مسئلہ معلوم ہے کہ سوداگری کے مال کی قیمت قرضِ قوی کی صورت ہے، جیسا کہ بہشتی زیور میں لکھا ہے اور اس کا حکم بھی یہی ہے کہ جب وہ روپے وصول ہو جائیں تو سب برسوں کی زکوٰۃ دینا ہوگی حساب سے، لیکن ہمارے یہاں صورت یہ ہے کہ نیپالی لوگ دوسری حکومت کے رہنے والے ہیں جن پر نہ ہم دعویٰ کر سکتے ہیں نہ کوئی کچہری عدالت کر سکتے ہیں اور وہ لوگ دس دس، بارہ بارہ، چودہ چودہ دن کا سفر کر کے آتے ہیں اس لئے ہم خود وہاں جا کر وصول نہیں کر سکتے اور اگر بالفرض وہاں پہونچ بھی جائیں تو اخلاقی طریقہ پر وصول کر سکتے ہیں، لیکن غیر حکومت ہونے کی وجہ سے کوئی زبردستی نہیں کر سکتے۔ اب ان کی مرضی ہے دیں یا نہ

---

(۱) "إذا مات من عليه زكاة، سقطت عنه بموته، حتى انه إذا مات عن زكاة سائمة فالساعي لا يجبر الوارث على الأداء". (التاتارخانية: ۲/۲۹۶، الأسباب المسقطة للزكاة، إدارة القرآن، كراچي)

(وكذا في المحيط البرهاني: ۲/۴۵۵، الأسباب المسقطة للزكاة، غفاريه)

(وكذا في فتاویٰ قاضي خان: ۱/۲۵۶، فصل في مال التجارة، رشيديه)

(۲) "وسبب افتراضها ملك نصاب حولي نسبة للحول لحولانه عليه تام، الخ". (الدرالمختار مع رد المحتار: ۱/۲۸۶، كتاب الزكاة، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۲/۲۲، كتاب الزكاة، دار الكتب العلمية بيروت)

دیں، ہم اتنے کمزور ہیں کہ ان سے جبراً وصول نہیں کر سکتے۔

تو سوال یہ ہے کہ ہمارا قرض قرضِ ضعیف کی صورت ہوگا جس کا حکم یہ ہے کہ اگر وصول شدہ قرض بقدرِ نصاب ہے اور اس پر سال وصول کے وقت سے گزر جائے تب زکوۃ فرض ہوگی یا قرضِ قوی کی صورت ہوگی؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

یہ دَین اس صورت میں بھی دَینِ قوی ہے، اس کے وصول ہونے کا آپ کو پورا اطمینان ہے (اگرچہ دیر میں ہو) ورنہ آپ ان لوگوں کے ہاتھ اپنا مال فروخت نہ کرتے اس لئے اس کا حکم وہی ہے جو دَینِ قوی کا ہوتا ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۴/۳۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۵/۱ھ۔

قرض پر زکوۃ

سوال[۴۵۱۵]: ایک شخص نے کسی کو دو ہزار روپیہ قرض حسنہ دیا ہے اور اس کی ادا کرنے کی امید ہے لیکن چار سال سے اب تک کچھ بھی پیسے قرض میں ادا نہیں ہوئے، آیا جس شخص نے قرض دیا ہے اس پر زکوۃ واجب ہے یا نہیں؟ اگر زکوۃ دیتا ہے تو اس کی کیا شکل ہے؟ مع حوالہ تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

اس قرض کے وصول ہونے پر اس کی زکوۃ دینا لازم ہوگا، جتنے سال میں وصول ہو ہر سال کی زکوۃ دے گا، کذا فی رد المحتار(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح، بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "واعلم أن الديون عند الإمام ثلاثة: قوي و متوسط و ضعيف، فتجب زكاتها إذا تم نصاباً و حال الحول، و لكن لا فوراً، بل عند قبض أربعين درهماً من الدين القوي كقرض و بدل مال تجارة، الخ".

(الدرالمختار: ۳۰۵/۲، باب زكاة المال، سعيد)

(و كذا في التاتارخانية: ۲۹۹/۲، الفصل الثاني عشر في زكاة الديون، ادارة القرآن كراچي)

(و كذا في خلاصة الفتاوىٰ: ۲۳۸/۱، الفصل السادس في الديون، امجد اكيڈمی لاهور)

(۲) (تقدم تخريجه تحت عنوان: "دینِ ضعیف وقوی"۔)

قرض کی زکوۃ

سوال[۴۵۱۶]: ایک شخص نے اپنے زیورات قریب ایک ہزار روپیہ کی ملکیت کے ایک قریبی رشتہ دار کو جب کہ وہ بہت مصیبت میں مبتلا تھا اس کے اصرار پر دیدیئے، آج چھ سال سے زائد ہو چکے ہیں مگر وہ زیورات یا اس کی رقم واپس نہ کر سکا، تھوڑا عرصہ ہوا اس کا انتقال ہو گیا، متوفی کے لواحقین اور اولاد فی الحال اس قابل نہیں کہ ان زیورات کی رقم ادا کر سکیں گویا کہ زیادہ تر مایوسی نظر آتی ہے۔ کیا اس صورت میں زیورات کے مالک پر زکوۃ واجب الاداء ہے اور بعد ادائیگی کے مالک کو گذشتہ ایام چھ سال کی ادائیگی زکوۃ واجب ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلياً:

فی الحال اس کی زکوۃ کی ادائیگی واجب نہیں، اگر وصول نہ ہو تو اس کی زکوۃ بالکل ساقط ہو جائے گی۔ اگر وصول ہو جائے تو زکوۃ کی ادائیگی لازم ہوگی، اگر یکدم وصول نہ ہو تو کم از کم بقدر چالیس درہم (ایک نصاب کا پانچواں حصہ) وصول ہونے پر اتنی مقدار کی زکوۃ لازم ہے اور گذشتہ تمام سالوں کی زکوۃ کی ادائیگی لازم ہوگی، ہر سال کی زکوۃ ادا کرنے پر بقیہ رقم کو دیکھا جائے گا اس پر زکوۃ لازم ہوگی۔ تمام سالوں کی اس مجموعہ ایک ہزار پر زکوۃ لازم نہ ہوگی بلکہ اس مجموعہ پر صرف ایک سال کی لازم ہوگی۔ اور جس قدر لازم ہوگی اس کو منہا کرنے کے بعد جو رقم بچی ہے ایک سال کی اس پر لازم ہوگی اور بقدر لازم منہا کر کے بقیہ پر تیسرے سال کی لازم ہوگی اسی طرح تمام سالوں کی زکوۃ کا حساب ہوگا:

"و تجب عند قبض أربعين درهماً من الدين القوى كقرض و بدل مال تجارة، فكل ما قبض أربعين درهماً يلزم درهم، اهـ" درمختار۔ "رجل له ثلث مأة درهم دين، حال عليها ثلاثة أحوال، فقبض مائتين، فعند أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ يزكى للسنة الأولى خمسةً، و للثانية والثالثة أربعةً أربعةً عن مأة و ستين، و لا شيء عليه في الفضل، لأنه دون الأربعين".

ردالمحتار: ۲/۵۳(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

---

(۱) (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الزكاة، باب زكوة المال: ۲/۳۰۵، سعيد)

پراویڈنٹ فنڈ پر زکوۃ

سوال[۴۵۱۷]: زید کا ایک ہزار روپیہ پراویڈنٹ فنڈ میں گورنمنٹ کے یہاں جمع ہے اور یہ روپیہ نوکری چھوڑنے پر ملتا ہے، نیز اس پر سات سو روپے کا قرض بھی ہے تو اب اس ایک ہزار روپے پر زکوۃ واجب ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلياً:

جب وہ روپیہ مل جائے گا تو اس پر گذشتہ کی زکوۃ لازم نہیں ہوگی (۱) اور آئندہ جس قدر قرض سے فاضل بچے گا اس پر زکوۃ ہوگی۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

پراویڈنٹ فنڈ پر زکوۃ کا حکم

سوال[۴۵۱۸]: پراونڈنٹ فنڈ پر زکوۃ ہے یا نہیں؟ اس میں نصف رقم مالک کی ہوتی ہے اور نصف ادارہ شامل کر کے اس کو محفوظ کر دیتا ہے مگر مالک کا اس پر قبضہ نہیں ہوتا ہے اگر زکوۃ ہے تو مجموعہ پر ہے یا صرف اپنی رقم پر؟ نیز بعد القبض سے زکوۃ کا حکم ہوگا یا سال کے سال اپنی باقی رقوم کے ساتھ اس کا حساب شامل رکھا جائے گا؟

الجواب حامداً و مصلياً:

جتنی مقدار ادارہ شامل کرتا ہے اس پر ابھی تو ملک ہی ثابت نہیں ہوتی لہٰذا اس پر تو ابھی زکوۃ نہیں،

---

(۱) "روى ابن أبي شيبة في مصنفه عن عمرو بن ميمون قال: أخذ الوليد بن عبد الملك مال رجل من أهل الرقة يقال له: أبوعائشة عشرين ألفاً، فألقاها في بيت المال، فلما وُلّي عمر بن عبد العزيز، أتاه ولده فرفعوا مظلمتهم إليه، فكتب إلى ميمون أن: ادفعوا إليهم أموالهم وخذوا زكوة عامهم هذا". (فتح القدير: ۱۶۶/۲، كتاب الزكاة، مصطفى البابي الحلبي مصر)

"وفي الضعيف لا تجب ما لم يقبض نصاباً، و يحول الحول بعد القبض عليه". (البحر الرائق: ۳۶۳/۲، كتاب الزكاة، رشيديه)

(و كذا في الدر المختار: ۳۰۵/۲، باب زكاة المال، سعيد)

(و كذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱۷۵/۱، كتاب الزكاة، رشيديه)

جتنی مقدار تنخواہ سے وضع کی گئی ہے اس پر بھی زکوۃ لازم نہیں (۱)، بحث وتحقیق کے بعد حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اسی کو اختیار فرمایا ہے۔ اگر ہر سال اپنی وضع شدہ رقم کی زکوۃ ادا کردی جائے تو یہ احتیاط وتقویٰ ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

پراویڈنٹ فنڈ اور زرِ ضمانت پر زکوۃ

سوال [۴۵۱۹]: پراویڈنٹ فنڈ اور ضمانت کی رقوم جو زید کو کئی سال کے بعد ملی ہیں اور اب تک اس کے قبضہ میں نہیں تھیں ان پر زکوۃ واجب ہے یا نہیں؟ اگر واجب ہے تو کس طریقہ سے نکالی جائے گی؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

زرِ ضمانت پر حسبِ ضابطۂ شرعیہ زکوۃِ گذشتہ زمانۂ وصول سے قبل کی بھی لازم ہوگی (۳)، تنخواہ جمع شدہ پر گذشتہ کی زکوۃ لازم نہیں (۴) وہ تو ایسی رقم ہے کہ گویا اب وصول ہونے پر ملک میں آئی ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۱۱/۲۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

ختمِ ملازمت پر ملے ہوئے روپیہ کی زکوۃ

سوال [۴۵۲۰]: زید ایک مسلمان کے فرم میں عرصہ ۲۳/ سال سے کام کررہا تھا، افسران اور منتظمین

---

(۱) (تقدم تخریجه تحت عنوان: ''پراویڈنٹ فنڈ پر زکوۃ''۔)

(۲) حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ نے اس مسئلہ میں حضرت مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ کی تحقیق کو دیکھ کر اس کی تصریح وتصویب فرمائی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: ''آپ صاحبوں کی تحقیق صحیح ہے، لہٰذا میں بھی اسی کو اختیار کرتا ہوں اور اس کے خلاف سے رجوع کرتا ہوں''۔ (امداد الفتاوی: ۲/۴۸، فصل: در تنقیح وجوب یا عدمِ وجوبِ زکوۃ بر پراویڈنٹ الخ: دار العلوم کراچی)

(۳) (تقدم تخریجه تحت عنوان: ''دین قوی وضعیف''۔)

(۴) (تقدم تخریجه تحت عنوان: ''پراویڈنٹ فنڈ پر زکوۃ''۔)

کی نیت خراب ہوئی اس کو نکالنا چاہا، چنانچہ ایسے حالات پیدا کر دیئے گئے کہ زید سخت کش مکش میں مبتلا ہو گیا۔ زید کا تبادلہ ۲۳/ سال کے بعد ایک دم دہلی سے ہزار میل دور کر دیا گیا، اس نے بہت کوشش کی کہ تبادلہ منسوخ ہو جائے مگر کوئی شنوائی نہیں ہوئی۔ زید جب اس جگہ پہونچا تو معلوم ہوا کہ یہاں پر کوئی کام نہیں ہے اور آپ واپس جائیں، چنانچہ زید چلا آیا، دو ماہ بعد زید کا تبادلہ اس سے بھی دور ۱۲۰۰/ میل کر دیا گیا، پھر زید نے عدمِ تبادلہ کی بے انتہا کوشش کی مگر ناکام ہی رہا، کیونکہ افسران و منتظمین کی نیت دور بھیجنے کی ہی تھی۔

چنانچہ زید کو مجبور کیا گیا کہ یا تو دہلی چھوڑ کر باہر چلے جاؤ ورنہ استعفیٰ دیدو۔ زید نے بہت سارے اعذار پیش کئے کہ میری عدم موجودگی میں جو میرے بچے دہلی میں رہتے ہیں وہ برباد ہو جائیں گے، ان کی تعلیم وتربیت کا انتظام کون کرے گا؟ لیکن سب عذر بیکار ہوئے اور مجبوراً زید کو استعفیٰ دینا پڑا۔ چنانچہ زید نے اپنے واجبات کی مکمل فوری ادائیگی کا مطالبہ کیا، جواب ملا کہ ایک سال میں کی جائے گی اور اگر یکمشت فوراً چاہئے تو ۸۰۰/ روپیہ کم کر کے ادا کئے جا سکتے ہیں، چنانچہ زید نے منظور کر لیا۔ چونکہ شدید مالی پریشانی میں تھا، زید کی کل رقم کا میزان ۱۱۸۹۲/ روپیہ ہوتا ہے، اس رقم سے خوشامد کرنے کے بعد ۵۰۰/ نقد لیکر جب چیک دیا گیا حساب کتاب میں ۳۰۰/ کم لگاتے ہیں، اس طرح زید کی کل رقم سے ۸۰۰/ روپیہ کم کر دیا گیا اور اپنے فرم کے حساب میں رقم کی ادائیگی مکمل دکھائی گئی، یہ رقم جو غصب کر لی گئی وہ زید کی محنتِ شاقہ اور اس کے بال بچوں کا حق تھا۔ ایسی صورت میں شریعت کا حکم ان افسران کے لئے کیا ہے؟

زید کو جو رقم ملی ہے اس میں ۳۰۰/ منافع بھی شامل ہیں، اس رقم پر زکوۃ واجب ہوتی ہے یا نہیں؟ یا جو رقم ۵۰۰، ۳۰۰، ۸۰۰/ افسران نے زبردستی بے کسی اور مجبوری سے فائدہ اٹھا کر نقد حاصل کیا ہے اس کو زکوۃ کی حد میں سمجھا جائے گا یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

زکوۃ کا نصاب چاندی میں ساڑھے باون تولہ ہے اور سونا میں ساڑھے سات تولہ ہے، پس جس رقم سے اتنی چاندی خریدی جا سکے اس پر زکوۃ واجب ہوگی بشرطیکہ اس رقم پر ایک سال گزر جائے اور ایک سال کے ختم پر رقم بقدرِ نصاب موجود ہو اگرچہ وہ نصاب والی رقم درمیانِ سال میں بقدرِ نصاب نہ رہے بلکہ کچھ کم ہو جائے اور ذمہ میں اتنا دَین بھی نہ ہو کہ دین کی ادائیگی میں کمی آجائے:

"وسببه ملك نصاب حولي، تام، فارغ عن دَين له مطالب من جهة العباد، و فارغ عن حاجته الأصلية، وشرط كمال النصاب في طرفي الحول، فلا يضر نقصانه بينهما". كذا في الدر المختار على هامش رد المحتار: ۲/ ۵، ٦ (۱)۔

ظاہر ہے کہ فرم کے افسران و منتظمین نے زید کا مال ناحق اور باطل طریقہ پر لیا جس کی حرمت نصوصِ شرعیہ میں موجود ہے، کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿يا أيها الذين آمنوا لا تأكلوا أموالكم بينكم بالباطل إلا أن تكون تجارةً عن تراضٍ منكم﴾ الآية(۲)۔

حرام مال کے بارے میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشادات کتبِ احادیث میں موجود ہیں ان کا حاصل یہ ہے کہ ایک لقمہ حرام بھی جو منہ تک پہونچ جاتا ہے اس کے وبال سے ۴۰/ روز تک اس کی دعاء قبول نہیں ہوتی، اگر دس درہم کی پوشاک میں ایک درہم بھی چار آنے کی مقدار بھی حرام مال ہو تو جب تک وہ لباس بدن پر رہتا ہے اس کی نماز قبول نہیں ہوتی اور اپنے پیچھے جو چھوڑ جائے وہ اس کو دوزخ میں لے جانے کے لئے رہبر بن جاتا ہے اور جو بدن مالِ حرام سے پلا ہو وہ جنت میں نہیں جائے گا:

"عن جابر قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم "لا يدخل الجنة لحمٌ نبت من السحت، و كل لحم نبت من السحت فالنار أولى به"۔

"وعن أبي بكر رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "لا يدخل الجنة جسدٌ غُذي بالحرام"۔

"وعن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما:" من اشترى ثوباً بعشرة دراهم، و فيه درهم

(۱) (الدر المختار: ۲/ ۲۵۹، كتاب الزكاة، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۲/ ۲۲، كتاب الزكاة، دار الكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في البحر الرائق: ۲/ ۳۵۵، كتاب الزكاة، رشيديه)

(۲) (النساء: ۲۹)

قال أبو بكر الجصاص رحمه الله تعالىٰ: "قد انتظم هذا العموم النهي عن أكل مال الغير بالباطل، وأكل مال نفسه بالباطل، وذلك؛ لأن قوله تعالىٰ ...... نهى كلَّ أحد عن أكل مال نفسه و مال غيره بالباطل، الخ". (أحكام القرآن للجصاص: ۲/ ۲۴۴، باب التجارات و خيار البيع، قديمي)

حرام، لم يقبل الله تعالىٰ صلوةً مادام عليه. ثم أدخل إصبعيه فى أذنيه، وقال: صمّتا إن لم يكن النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم سمعته يقوله". كذا فى المشكوة: ص:٢٤٢، ٢٤٣(١)۔

جو رقم افسران اور منتظمین نے زبردستی لی ہے اس کو زکوۃ میں شمار نہیں کیا جائے گا، افسران اور منتظمین کے حق میں خداوند تعالیٰ سے دعاء کی جائے کہ ان کو ایسے افعالِ شنیعہ سے توبہ اور اعمالِ صالحہ کی توفیق عطا فرمائے:

"أشار إلى أنه لا اعتبار للتسمية، فلوسماها هبةً أو قرضاً. وإلى أن الساعى لوأخذها منه كرهاً، لا يسقط الفرض عنه فى الأموال الباطنة بخلاف الظاهرة، هو المفتى به". كذا فى الشامى، ص:٢/١١(٢)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۸۸/۳/۶ھ۔

الجواب صحیح، بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند۔

کسور پر زکوٰۃ اور اس کی مثال

سوال[۴۵۲۱]: کسور میں بھی زکوۃ ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو اس کو تفصیل کے ساتھ مثال دیکر بیان فرمادیں تو باعثِ شکریہ ہوگا۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

جو کسر خُمسِ نصاب تک پہونچ جائے اس میں بھی زکوۃ آئے گی، یہ تو بالاتفاق ہے۔ جو کسر خُمس سے کم رہ جائے اس میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک زکوۃ نہیں، صاحبین کے نزدیک اس میں بھی زکوۃ ہے، مثلاً

---

(١) (مشكوة المصابيح، كتاب البيوع، باب الكسب وطلب الحلال، الفصل الثالث: ١/٢٤٣، قديمى)

"عن أبى حرة الرقاشى عن عمه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "ألا! لا تظلموا، ألا! لايحل مال امرئ إلا بطيب نفسٍ منه". (مشكوة المصابيح، كتاب البيوع، باب الغصب والعارية، الفصل الثانى: ١/٢٥٥، قديمى)

(٢) (ردالمحتار: ٢/٢٦٨، كتاب الزكاة، سعيد)

(وكذا فى البحر الرائق: ٢/٣٦٩، كتاب الزكاة، رشيديه)

(وكذا فى النهر الفائق: ١/٤١٨، كتاب الزكاة، امداديه ملتان)

چاندی کا نصاب دوسو درہم ہے اس کا خُمس چالیس ہے، پس اگر کسی کے پاس دوسو چالیس درہم ہوں تو اس پر بالاتفاق چھ درہم زکوۃ ہوگی، اگر کسی کے پاس دوسوبیس درہم ہوں تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک صرف دوسو درہم پر زکوۃ ہوگی یعنی پانچ درہم، اوربیس ایسی کسر ہے جو خُمس سے کم ہے وہ معاف ہے اس کی زکوۃ نہیں آئے گی اور صاحبین کے نزدیک ان بیس پر بھی نصف درہم واجب ہوگی، یعنی دوسوبیس درہم پر ساڑھے پانچ درہم زکوۃ ہوگی (۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۱/۶/۶۰ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف۔



---

(۱) "و في كل خمس بحسابه، ففي كل أربعين درهماً درهم، و في كل أربعة مثاقيل قيراطان، و ما بين الخمس إلى الخمس عفوٌ، وقالا: و ما زاد بحسابه، و هي مسألة الكسور". (الدر المختار: ۲/۲۹۹، باب زكاة المال، سعيد)

" ذكر البيهقي في باب فرض الصدقة، وهو كتابه عليه السلام الذي بعثه إلى اليمن مع عمرو بن حزم، وفيه: "وفي كل خمس أواقٍ من الورق خمسة دراهم، وما زاد ففي كل أربعين درهماً درهم". ودلالته هذا الحديث والذي بعده على أنه لازكاة على زيادة النصاب من الفضة حتى تبلغ تلك الزيادة إلى أربعين درهماً، فإذا بلغت ففي أربعين درهماً درهم واحد ظاهرةٌ، وهو مذهب إمام الأمصار إمام الأقطاب أبي حنيفة وأرضاه، خلافاً لصاحبيه رحمهما الله تعالىٰ .... وأيضاً فقد ذكر عبدالحق في أحكامه: روى أبو اويس .... عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه كتب هذا الكتاب ..... وفيه:

"ليس فيها (الفضة) صدقة حتى تبلغ مائتي درهم ففيها خمسة دراهم، وفي كل أربعين درهماً درهمٌ، وليس فيما دون الأربعين صدقة". (إعلاء السنن، كتاب الزكاة، باب ماجاء في كسور الذهب والفضة: ۹/۴۷، ۴۸، إدارة القرآن كراچي)

"ولو زاد على نصاب الفضة شيء فلا شئي في الزيادة حتى تبلغ أربعين فيجب فيها درهمٌ في قول أبي حنيفة، وعلى هذا أبدًا في كل أربعين: درهم. وقال أبو يوسف ومحمد والشافعي: تجب الزكاة في الزيادة بحساب ذلك قلت: أو كثرت حتى لو كانت الزيادة درهماً يجب فيه جزءٌ من الأربعين جزأ من درهم". الخ

(بدائع الصنائع، كتاب الزكاة، الأثمان المطلقة فصل: وأما صفة هذا النصاب: ۲/۱۷، ۱۸، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۲/۳۹۴، باب زكاة المال، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق: ۱/۴۳۷، باب زكاة المال، امداديه ملتان)

باب زکاۃ العروض

(سامانِ تجارت پر زکوۃ واجب ہونے کا بیان)

سامانِ تجارت پر زکوۃ

سوال[۴۵۲۲]: ہمارا اپنا پریس ہے، اپنی کتابیں بھی چھاپتے ہیں اور دوسروں کے کام بھی اجرت لے کر کرتے ہیں، کتابوں کی فروخت اور چھپائی کے بل وصول ہوتے ہیں تو روپیہ آ جاتا ہے، کاغذ وغیرہ ہم خود خریدتے ہیں اور اس کا ذخیرہ ہمارے پاس رہتا ہے مگر اس میں سے وہی بچتا ہے جو چھپائی سے رہ جائے، کتب خانہ میں کتابوں کا ذخیرہ رہتا ہے۔ مذکورہ بالا روپیہ کچھ تعمیری کاموں میں صرف ہوجاتا ہے اور کچھ ذاتی اخراجات ہیں، جس قدر مال بچ رہتا ہے اس کی مقدار اس قرض سے بہت کم ہوتی ہے جو کاغذ وغیرہ کا لوگوں کا بھی ہمارے ذمہ ہے، انکم ٹیکس والے کل آمد کو خرچ معلوم کر کے ایک رقم نفع کی متعین کر دیتے ہیں اور اس پر ٹیکس لگا دیتے ہیں مگر ہمارے پاس کوئی روپیہ نفع کا جمع نہیں رہتا۔ اس حالت میں زکوۃ کیسے ادا کی جائے؟ کیا انکم ٹیکس والے جو نفع متعین کرتے ہیں اسی کو نفع سمجھ کر اس کے حساب سے زکوۃ دے دی جائے یا کوئی اَور شکل کی جائے اور وہ کیا شکل اختیار کی جائے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

آپ نے تحریر کیا ہے کہ ''جس قدر مال بچ رہتا ہے اس کی مقدار اس قرض سے بہت کم ہے جو کاغذ وغیرہ کا لوگوں کا ہمارے ذمہ ہے''۔ اس مال سے مراد روپیہ ہے یا کل سامانِ تجارت، اگر روپیہ مراد ہے تو اس روپیہ کے ساتھ کل سامانِ تجارت کو ملا کر دیکھئے کہ یہ مجموعہ قرض کے مجموعہ سے زیادہ ہے یا برابر یا کم ہے، اگر برابر یا کم ہو تب اس پر زکوۃ فرض نہیں ہے، اگر زیادہ ہو اور مقدارِ نصاب سے زیادہ ہے تو اس پر زکوۃ فرض ہوگی۔ نقد روپیہ کو قرض میں محسوب کیا جائے اور جس قدر قرض اس کے بعد بچے اس کو سامانِ تجارت سے منہا کر کے بقیہ پر

زکوۃ فرض ہوگی (۱)۔ نفع کی رقم معین کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ اصل سامانِ تجارت (بعد منہائی مقدارِ فرض) کا حساب کرکے اور قیمت لگا کر زکوۃ ادا کی جائے (۲)۔ اگر اس مال سے مراد کل سامان تجارت ہے تو اس پر زکوۃ فرض نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح :سعید احمد غفرلہ، صحیح :عبداللطیف، ۱۶/۶/۶۰ھ۔

سامان تجارت کی زکوۃ

سوال[۴۵۲۳]: اگر کسی کے پاس سو روپیہ کا مالِ تجارت ہے تو زکوۃ میں ڈھائی روپیہ دینا واجب ہے یا ڈھائی تولہ چاندی؟

عرضگذار: محمد عبدالرؤف، مقیم حال سلطان پور۔

الجواب حامداً و مصلياً:

ڈھائی روپیہ دے یا اس کی قیمت کی چاندی وغیرہ، نیز مالِ تجارت کا چالیسواں حصہ دینا بھی درست ہے (۳)، لیکن اگر اس کے پاس صرف سو روپیہ کا سامانِ تجارت ہے اور نقد، چاندی، سونا کچھ اس کے پاس نہیں تو

---

(۱) "من كان عليه دين يحيط بماله، فلا زكوة عليه، وإن كان ماله أكثر من دينه زكّى الفاضل إذا بلغ نصاباً". (الهداية: ۱/۱۸۶، كتاب الزكاة، شركة علميه ملتان)

(وكذا في الدرالمختار: ۲/۲۶۲، كتاب الزكاة، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۲/۴۲، دار الكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في التاتارخانية: ۲/۲۸۷، الفصل العاشر في بيان ما يمنع وجوب الزكاة، إدارة القرآن كراچی)

(۲) "شرط وجوب أدائها حولان الحول على النصاب الأصلي". (مراقي الفلاح: ص:۷۱۴، كتاب الزكاة، قديمی)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/۱۷۵، كتاب الزكاة، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع: ۲/۴۰۰، كتاب الزكاة، دارالكتب العلمية، بيروت)

(۳) "وفي عروض التجارة بلغت نصاب ورق أو ذهب: يعني في عروض التجارة، يجب ربع العشر إذا بلغت قيمتها من الذهب أو الفضة نصاباً إلى آخره". (تبيين الحقائق: ۲/۷۷، باب زكوة المال، دار الكتب العلمية، بيروت) =

اس پر زکوۃ ہی واجب نہیں (۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/۱۱/۶۰ھ۔

مالِ تجارت میں زکوۃ

سوال [۴۵۲۴] : میں نے صرف پچاس روپیہ کے سرمایہ سے کتب خانہ شروع کیا، جوں جوں فروختگی ہوتی رہی یوں یوں دینی، درسی، تبلیغی کتابیں، اردو، ہندی، عربی، فارسی و گجراتی ۱۰۰، ۱۰۰/ روپے کی ادھار خریدتے گیا، فروختگی پر کتابیں منگواتا رہتا ہوں، پانچ پچیس کا مال، کبھی قرآن شریف ہے تو کبھی کتابیں، اس طرح درسی کتب سال دو سال جمع رہتی ہیں، فی الحال جملہ مال دو ہزار روپے تک کا جمع ہو جاتا ہے اور ماہ دو ماہ میں ختم ہو جاتا ہے، پھر تھوڑا تھوڑا مال تیس پچاس کا طلب کرتا رہتا ہوں۔ تو اس ہیئت میں زکوۃ نکالنی ہوگی؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

جس وقت آپ کا سرمایہ (نقد کتابیں، زیور) بقدرِ نصاب (ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کا) ہو گیا اس وقت سے سال بھر گزرنے پر آپ کے ذمہ اس کی زکوۃ لازم ہوگئی، بشرطیکہ ختمِ سال پر نصاب سے کم نہ رہ جائے (۲) درمیان میں کم ہو کر پھر پورا ہو جائے تو زکوۃ ساقط نہیں ہوگی۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۱۰/۹/۹۱ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند۔

= (وكذا في مجمع الأنهر: ۱/۳۰۵، باب زكاة الذهب والفضة والعروض، دار الكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في التاتارخانية: ۲/۲۳۷، الفصل الثالث في بيان ما يمنع وجوب الزكاة، إدارة القرآن، كراچی)

(۱) چونکہ یہ مقدار نصاب سے کم ہے اس وجہ سے اس میں زکاۃ نہیں ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲) "في عروض التجارة بلغت قيمتها نصاباً من أحدهما، تقوم بما هو أنفع للفقراء و تضم قيمتها إليهما .... نقصان النصاب في أثناء الحول لا يضر إن كمل في طرفيه؛ لأن في اعتبار كمال النصاب في جميع الحول حرجاً، فاعتبر وجود النصاب في أول الحول للانعقاد، و في آخره للوجوب". (مجمع الأنهر: ۱/۳۰۴، كتاب الزكاة، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في مختصر الطحاوي: ص: ۵۰، باب زكاة التجارة، سعيد)

(وكذا في فتح القدير شرح الهداية: ۲/۲۱۸، فصل في العروض، مصطفى البابي الحلبي مصر)

9

ایضاً

سوال[۴۵۲۵]: بکر نے کپڑے کی دوکان کی ہے اور مال قرض مہاجن کے یہاں سے لاتا ہے اور مال بیچ کر تھوڑا تھوڑا روپیہ مہاجن کو دیتا ہے(۱)۔ تو ایسے مالِ تجارت میں زکوۃ ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو اس کی زکوۃ کیسے ادا کی جائے گی؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر اس کے پاس کپڑا یا روپیہ بقدرِ نصاب زکوۃ (ساڑھے باون تولہ چاندی یا اس کی قیمت) قرض سے زائد ہو اور اس پر سال بھر گزر جائے تو اس کی زکوۃ (چالیسواں حصہ) واجب ہے ورنہ واجب نہیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفی عنہ۔

مالِ تجارت کی زکوۃ ادا کرنے کا طریقہ

سوال[۴۵۲۶]: تجارتی مال کی زکوۃ کا طریقہ کیا ہے، سال کے آخر میں موجودہ مال کی قیمت لگا کر ادا کر دے یا کوئی اَور طریقہ ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

سال پورا ہونے پر جس قدر مال موجود ہو اس وقت اس کی جتنی قیمت ہو اس کے حساب سے زکوۃ

---

(۱) ''مہاجرین: سوداگر، بیوپاری''۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۳۲۱، فیروز سنز، لاہور)

(۲) "فلا زكاة على مكاتب، ومديون للعبد بقدر دينه فيزكي الزائد إن بلغ نصاباً، الخ". (تنوير الأبصار مع الدر المختار، ۲/۲۶۳، كتاب الزكاة، سعيد)

"(وفي مضروب كل ومعموله ولو تبراً أوحلياً مطلقاً) .... (أو) في (عروض التجارة قيمته، نصاب) .... (من ذهب أوورق) .... (ربع عشر)". (الدرالمختار، كتاب الزكاة: ۲/۲۹۸، ۲۹۹، سعيد)

(وكذا في الهداية: ۱/۱۸۶، كتاب الزكاة، مكتبه شركة علميه)

(وكذا في التاتارخانية: ۲/۲۸۷، الفصل العاشر، إدارة القرآن، كراچی)

ادا کرے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

بعض مالِ تجارت فروخت ہوجائے اور بعض رہ جائے تو زکوٰۃ کیسے ادا کی جائے؟

سوال[۴۵۲۷]: مال تجارت یعنی ایک دوکان میں بیس ہزار روپے کا سامان ہے مگر بعض فروخت ہو چکا ہے اور بعض موجود ہے، اب زکوٰۃ کس حساب سے دی جائے؟

الجواب حامداً و مصلياً:

جتنا مال موجود ہے اس کا چالیسواں حصہ دیدے یا اس کی قیمت دیدے، جتنا روپیہ ہے اس کا چالیسواں حصہ دیدے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/ ۹/ ۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/ ۹/ ۸۸ھ۔

مالِ تجارت کی زکوٰۃ پیشگی تدریجاً ادا کرنا

سوال[۴۵۲۸]: زید نے تجارت کی غرض سے یکم/ ذی الحجہ/ ۱۳۸۷ھ، کو دو ہزار قلم بنوائے جن کی مجموعی قیمت چار ہزار روپے ہوتی ہے، اب ظاہر ہے کہ زید صاحبِ نصاب ہے اور یکم/ ذی الحجہ/ ۱۳۸۸ھ، کو اس مال پر زکوٰۃ واجب ہوجائے گی جس کا ادا کرنا ضروری ہوگا، مگر زید یہ چاہتا ہے کہ وہ زکوٰۃ کو تدریجی طور پر ابھی سے ادائیگی شروع کردے اور صاحبِ نصاب ہونے کی وجہ سے وہ ایسا کر بھی سکتا ہے اس لئے اس نے ۴/ ذی الحجہ/ ۱۳۸۷ھ، سے ہی مختلف مقامات پر ضرورت مند طلباء کو زکوٰۃ کی نیت سے ایک ایک دو دو قلم بھیجنا شروع

---

(۱) "و شرط وجوب أدائها حولان الحول على النصاب الأصلي، وأما المستفاد في أثناء الحول، فيضم إلى مجانسه، و يزكي بتمام الحول الأصلي سواء استفيد بتجارة أو ميراث". (مراقي الفلاح، ص: ۴۱۷، كتاب الزكاة، قديمي)

(وكذا في الدر المختار: ۲/ ۳۰۲، فصل في زكاة الغنم، سعيد)

(وكذا في مختصر الطحاوي، ص: ۵۰، باب زكاة التجارة، سعيد)

(۲) (تقدم تخريجه تحت عنوان: "سامان تجارت کی زکوٰۃ".)

کردیجئے اور یہ ارادہ کرلیا کہ آخر سال میں رأس المال کا حساب لگا کر جو کچھ رہ جائے گا اس کو ادا کردے گا۔

اصل نیت زکوۃ ادا کرنے کی ہے، ظاہر ہے کہ اس طرح قلموں کے بھیجنے سے قلموں کی شہرت ہوتی ہے اور اس شہرت سے زید کی تجارت کو فائدہ پہونچتا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ زید حصولِ منفعت کے شائبہ کی پروا کئے بغیر قلم اسی طرح زکوۃ میں بھیجتا رہے یا بند کردے؟ اگر بند کردے تو جو قلم وہ بھیج چکا ہے وہ زکوۃ میں شمار ہوں گے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اس طرح قلم دینے سے زکوۃ ادا ہوجائے گی، اس شائبہ سے ادائے زکوۃ میں نقصان نہیں ہوگا (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۱۰/۱/۸۸ھ۔

مالِ تجارت میں کس قیمت پر زکوۃ ہوگی؟

سوال [۴۵۲۹]: کتابوں کی بکری پر کمیشن وغیرہ نکال کر ہمیں بیس پچیس روپے فی سیکڑا بچ رہتا ہے۔ تو کتابوں کے اسٹاک میں اس لاگت پر زکوۃ واجب ہوگی جو ہمارا ان پر خرچ ہوا ہے، یا جس قیمت پر ہم کتابوں کو فروخت کرتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بوقتِ ادائے زکوۃ یعنی سال بھر پورا ہونے پر جس قدر کی مالیت موجود ہو اس قدر پر زکوۃ واجب ہوگی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۱۶/۶/۶۰ھ۔

---

(۱) "وشرط صحة أدائها نية مقارنة له أى للأداء ولو كانت المقارنة حكماً .... أو مقارنة بعزل ما وجب كله أو بعضه و لا يخرج عن العهدة بالعزل بل بالأداء للفقراء". (الدرالمختار: ۲/۲۶۹، كتاب الزكاة، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۱۷۰، كتاب الزكاة، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۱/۲۹۰، كتاب الزكاة، دار الكتب العلمية، بيروت)

تجارت کے لئے کتاب چھپوائی، زکوۃ کس قیمت سے ادا کرے؟

سوال[۴۵۳۰]: مالِ تجارت کی قیمت زکوۃ کے لئے کس حساب سے لگائی جائے گی، آیا اصل مصارف پر یا مع منافع؟ مثلاً زید نے تجارت کے لئے ایک کتاب کے دو ہزار نسخے چھپوائے، ہر نسخہ پر اصل مصارف بغیر منافع کے ایک روپیہ آیا یعنی کل مال کی اصل قیمت دو ہزار روپے ہوئی، مگر زید نے اس کتاب پر بازار کے لئے تین روپے قیمت مقرر کی اور خود اس کو دوسرے تاجروں کو دو روپے فی کتاب کے حساب سے فروخت کرنا شروع کیا۔ اپنے کاروبار کے لئے زید نے ملازم بھی رکھے، دوکان وغیرہ کا کرایہ بھی دیا، جب سال پورا ہوا تو اس کے پاس اسی کتاب کے آٹھ سو نسخے باقی تھے، نقد کچھ نہ تھا۔ درمیانِ سال میں ملازم کی تنخواہ، دوکان کے کرایہ وغیرہ میں چار سو روپے بھی خرچ کئے۔ اب سوال یہ ہے کہ زید کا راُس المال کیا ہے؟ زید اگر زکوۃ اصل کتاب ہی دینا چاہے تو ہر کتاب کی قیمت کیا لگائے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

سال بھر گزرنے پر زید کے پاس تجارتی کتاب کے آٹھ سو نسخے ہیں اس کے علاوہ ایسا کوئی مال نقد وغیرہ نہیں جس میں زکوۃ واجب ہو تو اب زکوۃ کتاب کے موجودہ نسخوں ہی میں واجب ہوگی (۱)، نہ کہ کل مال میں جس کو صَرف کر کے کتاب چھپوائی، نہ خرچ کردہ تنخواہ وغیرہ میں، نہ فروخت شدہ وخرچ شدہ قیمت میں، لہٰذا آسان صورت یہ ہے کہ بیس نسخے زکوۃ میں ادا کرے پھر مصرفِ زکوۃ ان نسخوں کو چالیس روپے میں فروخت کرے یا ساٹھ میں اس کو اختیار ہے، یا جس قیمت میں خود فروخت کرتا ہے بیس نسخوں کی وہ قیمت دیدے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۱/۸۸ھ۔

---

(۱) "وفي عروض التجارة بلغت نصاب ورق أو ذهب يعني في عروض التجارة، يجب ربع العشر إذا بلغت قيمتها من الذهب أو الفضة نصاباً". (تبيين الحقائق: ۲/۷۷، باب زكوة المال، دار الكتب العلمية، بيروت)

(و كذا في خلاصة الفتاوى: ۱/۲۳۷، الفصل الخامس في زكاة المال، امجد اكيڈمی لاهور)

(و كذا في النهر الفائق: ۱/۴۳۹، كتاب الزكاة، إمداديه ملتان)

چھپائی کے کاغذ پر زکوۃ

سوال[۴۵۳۱]: جو کاغذ کتابیں چھاپنے کے لئے ہمارے یہاں رہتے ہیں آیا اس کی قیمت میں زکوۃ ہے؟ یہ واضح ہے کہ وہ کاغذ تجارت کے لئے نہیں ہوتا بلکہ اس پر کتابیں چھاپ کر بیچی جاتی ہیں، سادہ کاغذ ہم فروخت نہیں کرتے۔

نوٹ: اگر کوئی بات دریافت طلب ہو تو مہربانی فرما کر دریافت فرمائیں، یا کسی چیز کی تشریح کی ضرورت ہو۔ بہر حال مفصل ومشرح جواب تحریر فرمائیں تا کہ ہم عند اللہ ماخوذ نہ ہوں۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

اس کاغذ پر زکوۃ فرض ہوگی، یہ کتابوں کے حکم میں ہے مشینوں کے حکم میں نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۱۶/۶/۶۰ھ۔

آلاتِ تجارت پر زکوۃ

سوال[۴۵۳۲]: آلاتِ تجارت پر زکوۃ ہے یا نہیں؟ مثلاً پن چکی یا ٹریکٹر جس کے ذریعہ سے تجارت کی جاتی ہے یعنی پیسہ کمایا جاتا ہے۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر یہ آلات خود فروخت کرنے کے لئے ہوں تو ان پر زکوۃ ہوگی، اگر ان کے ذریعہ سے کاشت کی

---

(۱) "و أما إذا كان يبقى أثرها في المعمول كما لو اشترى الصباغ عصفراً أو زعفراناً ليصبغ ثياب الناس بأجر، و حال عليه الحول، كان عليه الزكاة إذا بلغ نصاباً، وكذا كل من ابتاع عيناً ليعمل به، و يبقى أثر في المعمول كالعفص و الدهن لدبغ الجلد، فحال عليه الحول، كان عليه الزكاة". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۱۷۲، كتاب الزكاة، الباب الأول في تفسيرها وصفتها وشرائطها، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار: ۲/۲۶۵، كتاب الزكاة، سعيد)

(وكذا في التاتارخانية: ۲/۲۰۴، الفصل الثالث في بيان زكاة عروض التجارة، إدارة القرآن كراچی)

جاوے یا آٹا پیسا جاوے خود ان کوفروخت نہ کیا جائے تو ان پر زکوۃ نہیں (۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ،۱۰/۱/۸۸ھ۔

سامانِ مَطَب میں زکوۃ

سوال[۴۵۳۴]: میں حکیم ہوں، دوائی خانہ بھی رکھتا ہوں، مجھ پر دواؤں کی زکوۃ فرض ہے یا نہیں؟ دوائیں جن شیشیوں میں رکھی ہیں ان کی زکوۃ، وہ شیشیاں جو مریضوں کو دوائیں دینے کے لئے رکھی ہیں، نیز میز، کرسی، الماری جو مطب کی آرائش کے لئے ہے ان میں سے کس کس کی زکوۃ دی جائے گی؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

جو سامان مطب کی آرائش کے لئے ہے یا دوائیں رکھنے کے لئے اس میں زکوۃ نہیں (۲)، جو سامان فروخت کے لئے ہے جیسے دوائیں یا شیشیاں وغیرہ تو اس میں زکوۃ فرض ہے جب کہ وہ قدرِ نصاب ہو اور اس پر سال بھی گزر جائے۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور،۱۲/محرم/۶۸ھ۔

الجواب صحیح:سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور،۱۲/محرم/۶۸ھ۔

---

(۱) "فليس في دور المسكنى .... و سلاح استعمال زكاةٌ ..... و كذا كتب العلم إن كان من أهله، وآلات المحترفين، هذا في الآلات التي ينتفع بنفسها، و لا يبقى أثرها في المعمول". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۱۷۲/۱، كتاب الزكاة، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار: ۲۶۵/۲، كتاب الزكاة، سعيد)

(وكذا في فتح القدير: ۱۶۴/۲، كتاب الزكاة، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۲) "أصل هذا أنه ليس على التاجر زكاة مسكنه و خَدَمه و مركبه و كسوة أهله و طعامهم ...... العطار إذا اشترى قوارير فهو هكذا، الخ". (التاتارخانية: ۲۴۰/۲، الفصل الثالث في زكاة عروض التجارة، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية: ۱۸۰/۱، الفصل الثالث في العروض، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار: ۲۶۵/۲، كتاب الزكاة، سعيد)

پریس کی مشین پر زکوۃ

سوال[۴۵۳۴]: چھاپنے کی مشینوں کی اصل لاگت میں زکوۃ ہے یانہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

ان مشینوں پر بھی زکوۃ واجب نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۱۶/۶/۶۰ھ۔

شیئرز کی بیع اوران کی زکوۃ

سوال[۴۵۳۵]: ۱...... ہمارے یہاں شیئرز کی ایک کمپنی ہے اس کے اس شیئرز کی قیمت مثلاً دس روپیہ ہے تو زید نے دس شیئرز خرید ے، وہ کمپنی منافع کچھ نہیں دیتی مگر جب اس کو بیچتے ہیں اگر کمپنی کو نفع ہوتا ہے تو وہ نفع دیتی ہے اور اگر نقصان ہوتا ہے تو نقصان کے ساتھ اصل روپیہ کو واپس کرتی ہے تو اس طرح کا معاملہ کرنا جائز ہے یانہیں؟ اگر جائز ہے تو جب وہ روپیہ مل جاوے گا تو زمانہ ماضی کی زکوۃ ادا کرنی ہوگی یانہیں؟ اور اگر ملنے سے قبل اس کی زکوۃ ادا کرے تو نفع کے حساب سے یا نقصان کے حساب سے ادا کریں؟

۲...... یہ کمپنی دوسری کمپنی کو روپیہ دیتی ہے اور ظاہر بات ہے کہ سود پر ہی دیتی ہوگی اور کمپنی ہمیں سود میں سے دیتی ہوگی تو اس کا لینا جائز ہے یانہیں؟ اور جب نقصان کا خطرہ ہو تو اپنے شیئرز کو بیچ کر اپنی اصل قیمت لے لینا صحیح ہے یانہیں؟

۳...... چھ ہزار روپیہ کا شیئرز رکھا تو اس میں سے پانچ سو روپیہ کمیشن ایجنٹ کٹ جاتا ہے تو اب ہمیں ساڑھے پانچ ہزار کی زکوۃ ادا کرنی چاہئے یا چھ ہزار کی جب کہ ۵۰۰/ روپیہ ایجنٹ خود رکھ لیتا ہے، اسے بینک میں جمع ہی نہیں کرتا تو اب بینک سے چھ ہزار روپے ملنے کا انتظار کر کے روپیوں کو روکے رکھنا جائز ہے یانہیں؟

۴...... زید کی پوری آمدنی سودی ہے تو اس کے ساتھ تعلق رکھنا اس کے گھر پر فیس ادا کر کے کھانا کھانا کیسا ہے؟ اور اگر بعض آمدنی سود کی ہے اور بعض حلال طریقہ کی تو اس کا کیا حکم ہے؟ اگر کوئی غیر مسلم دوست ہو

(۱) (تقدم تخریجه تحت عنوان: ''آلاتِ تجارت پر زکوۃ'')

اوراس کا کاروبار سود کا ہواس کے گھر کا کھانا کیسا ہے؟ اور غیر مسلم کے ساتھ تعلق رکھنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

۱......اگر کوئی کمپنی تجارت کرتی ہے اوراسی مقصد کے لئے دس دس روپیہ کا لوگوں کو شریک بناتی ہے اور روپیہ کے مقدار کے اعتبار سے ہی نفع ونقصان کی تعیین کرتی ہے تو یہ صورت جائز ہے بشرطیکہ تجارت بھی جائز ہو، شراب وغیرہ کی تجارت نہ ہو(۱)۔

ہر شخص کو اپنے اپنے رأس المال کی ہر سال زکوۃ ادا کرنی چاہئے ، نفع اگر ہر سال ملتا ہے تو اس کو بھی اصل ہی میں محسوب کرلیا جاوے، اگر نفع ہر سال نہیں ملتا ہے بلکہ معاملہ ختم ہونے پر اصل مال مع نفع کے ملتا ہے تب بھی اصل مال کی زکوۃ دے تو (سالانہ ادا کرنے کی بنا پر) بری الذمہ ہوجاوے گا، صرف نفع کی زکوۃ باقی رہ جاوے گی وہ بھی ادا کردی جاوے، اگر خدانخواستہ نقصان ہوا تب بھی برأۃ میں تو شبہ ہی نہیں (۲)۔

۲......اگر کمپنی کا کاروبار سود پر ہی چلتا ہے خود مستقل تجارت نہیں کرتا ہے تو اس کی شرکت ہی ناجائز ہے(۳)، اپنا روپیہ واپس لے لیا جاوے، اگر وہ کچھ نفع دے تو واپس کردیا جائے۔

---

(۱) **ســــوال(۱۶۳)** ''اکثر ایسا ہوتا ہے کہ بہت سے لوگ شریک ہوکر کمپنی بناتے ہیں، اور تجارتی کاروبار کرتے ہیں۔ان کمپنیوں کے حصص اکثر فروخت ہوتے رہتے ہیں جو لوگ حصص خریدتے ہیں ان پر سالانہ منافع جس قدر کمپنی کو ہو تقسیم کردیا جاتا ہے، کبھی کم کبھی زیادہ، اسی طرح اگر کمپنی کو نقصان ہو تو حصہ داران اپنے حصوں کی نسبت سے نقصان کے ذمہ دار ہوتے ہیں، ایسے حصص خرید کرنا شرعاً جائز ہے، یا ناجائز؟

الــجــواب: تجارتی کمپنی جس میں مختلف کاروبار ہوتے ہیں اس کا حکم یہ ہے کہ چونکہ ہر حصہ دار اپنے حصہ کا مالک ہے اور عملہ کاروبار میں ان حصہ داروں کا وکیل ہوتا ہے، اور شرعاً ان کا فعل حصہ داروں کی طرف منسوب ہوگا، اگر وہ کوئی ناجائز تجارت کریں گے اور یقیناً کرتے ہیں حتی کہ مسلمانوں سے بھی سود لیا جاتا ہے تو ایسا ہی ہوگا جیسے خود حصہ دار کریں اسی لئے ایسی کمپنیوں میں شرکت ناجائز ہے، اسی طرح حصص خریدنا چونکہ یہ روپیہ کا مبادلہ روپیہ سے ہے، اور دست بدست نہیں اس لئے جائز نہیں، اور قرض کی تاویل بھی قواعد پر منطبق نہیں ہوتی''۔(امداد الفتاویٰ: ۳/۱۳۰، ۱۳۲، مکتبہ دارالعلوم)

(وأیضاً فقهي مقالات: ۱/۱۴۴)

(۲) " فـمـن كـان لـه نـصـاب فـاسـتـفـاد في أثناء الحول مالاً من جنسه، ضمّه إلى ماله وزكاه، سواء كان المستفاد من نمائه أولا". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الزكاة: ۱/۱۷۵، رشيديه)

(۳) "لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم آكل الربوا وموكله وكاتبه وشاهديه، وقال: "هم سواء". رواه مسلم". =

۳...... جب آپ کو معلوم ہے کہ آپ کی رقم ساڑھے پانچ ہزار رہ گئی تو زکوۃ بھی اتنے ہی روپے کی ہوگی (۱)، اگر وہاں صرف سود پر رقم دی جاتی ہے تو اس میں شرکت ہی درست نہیں، جلد از جلد روپیہ نکال لیا جاوے۔

۴...... جب متعین طور پر معلوم ہو کہ یہ سود کی آمدنی کھاتا ہے تو فیس ادا کرکے یا بغیر ادا کئے ہوئے کھانا درست نہیں مسلم ہو یا غیر مسلم سب کا حکم ایک ہے، اگر مخلوط آمدنی ہو تو غالب کا اعتبار ہوگا (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

مالِ مضاربت میں زکوۃ کا حکم

سوال [۴۵۳۶]: زید نے بکر کو تجارت کے لئے روپیہ دیا کہ روپیہ زید کا اور محنت بکر کی اور نفع نصف نصف، اب اس روپیہ کی زکوۃ زید کو دینا چاہئے یا دونوں کو نصف نصف؟ دوسرے کی طرف سے بغیر اس کی اطلاع کے زکوۃ دیدے تو زکوۃ ادا ہو جائے گی یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اصل روپیہ زید کا ہے اس کی زکوۃ بھی زید کے ذمہ ہے بکر کے ذمہ نہیں، اگر زید کی اجازت سے بکر اصل

= (مشکوۃ المصابیح، کتاب البیوع، باب الربا، الفصل الأول: ۱/۲۴۵، قدیمی)

(۱) "(وسببه): أی سبب افتراضها: أی الزكاة (ملک نصاب حولی)". (الدرالمختار). "(قوله: ملک نصاب) فلازكاة فی سوائم الوقف ...... لعدم الملک". (ردالمحتار، كتاب الزكاة: ۲/۲۵۸، سعيد)

(۲) " أهدى إلى رجل شيئاً أو أضافه، إن كان غالب ماله من الحلال، فلا بأس، إلا أن يعلم بأنه حرام، فإن كان الغالب هوالحرام ينبغي أن لايتقبل الهدية ولا يأكل الطعام، إلا أن يخبره بأنه حلالٌ ورثتُه أو استقرضتُه من رجل، كذا في الينابيع". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الثاني عشر في الهدايا والضيافات: ۵/۳۴۲، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الزكاة، باب زكاة الغنم: ۲/۲۹۲، سعيد)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان بهامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳/۴۰۰، ومايكره اكله وماله يكره وما يتعلق بالضيافة، رشيديه)

روپیہ کی زکوۃ ادا کردے گا تو ادا ہوجائے گی، بغیر اجازت کے ادا نہیں ہوگی (۱) اور ضمان بکر کے ذمہ لازم ہوگا (۲)۔ نفع میں بکر بھی نصف کا شریک ہے وہ اپنے حصہ نفع کی زکوۃ دیگا (۳) اور زید کی اجازت سے زید کے حصۂ نفع کی زکوۃ دینا بھی درست ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

مضاربت میں زکوۃ

سوال [۴۵۳۷]: ایک تجارت ہے جس کے اندر تین شریک ہیں اس طریقہ سے کہ رقم ایک آدمی اور باقی کی صرف محنت ہے اور نفع برابر برابر مثلاً تین ہزار کا سالانہ نفع ہوا اور اصل رقم چالیس ہزار تھی باقی شرکاء کا نفع زکوۃ ایک ایک ہزار کا نکالیں گے۔ اب جس کی اصل رقم ہے وہ اکتالیس ہزار کی نکالے گا یا ایک ہزار کی صرف نفع ہی کی زکوۃ نکالے گا تو باقی شرکاء تو نفع میں رہے اور اس کا گھر سے بھی گیا؟

الجواب حامداً و مصلياً:

یہ مضاربت کی صورت ہے، زکوۃ اصل مال اور نفع کے مجموعہ پر واجب ہوتی ہے، جس شخص کا رأس

(۱) "لأنه: أي المضارب ليس بمالک، و لا نائب عنه في أداء الزكاة، إلا أن يكون في المال ربح يبلغ نصيبه نصاباً، فيؤخذ منه؛ لأنه مالک له". (الهداية: ۱/۱۹۸، باب في من يمر على العاشر، مكتبه شركة علميه)

(وكذا في الدرالمختار: ۲/۳۱۲، باب العاشر، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۲/۹۱، باب العاشر، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) "لو أدى زكوة غيره بغير أمره فبلغه، فأجاز، لم يجز، لأنها وجدت نفاذاً على المتصدق؛ لأنه ملكه، ولم يصر نائباً عن غيره فنفذت عليه". (ردالمحتار: ۲/۲۶۹، كتاب الزكاة، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۲/۳۶۹، كتاب الزكاة، سعيد)

(وكذا في التاتارخانية: ۲/۲۸۴، المسائل المتعلقة بمعطى الزكاة، إدارة القرآن، كراچى)

(۳) " لأنه [أي المضارب] ليس بمالک ولانائب عنه في اداء الزكاة إلا أن يكون في المال ربح يبلغ نصيبه نصاباً فيؤخذ منه؛ لأنه مالک له. قال ابن الهمام: بخلاف حصة المضارب؛ لأنه يملكها فيؤخذ منه عنها".

(الهداية مع فتح القدير: ۲/۲۳۱، كتاب الزكاة، باب فيمن يمر على العاشر، مصطفىٰ البابى الحلبى، مصر)

المال چالیس ہزار ہے اور ایک ہزار اس کا نفع ہوا تو اکتالیس ہزار کی زکوۃ اس کے ذمہ لازم ہے، دوسرے دوشرکاء مضارب کی ملک میں اگر اس نفع کے علاوہ کچھ نہیں تو جب سے مقدارِ نصاب کے مالک ہوئے اس وقت سے سال بھر پورا ہو جانے کے بعد اس کے ذمہ اس کی زکوۃ واجب ہوگئی ہے(۱)۔

رہا یہ سوال کہ تجارت کا نفع کیا ہوا؟ تو خود غور کرلیں کہ سال بھر کے اخراجات بھی اس تجارت سے پورے کئے ہوں گے، اگر تجارت نہ کرتا تو وہ اخراجات چالیس ہزار سے منہا کئے جاتے پھر حساب لگا کر دیکھتا کہ کیا نفع ہوا، نیز سال بھر کی زکوۃ مزید ہوتی یعنی تجارت کی برکت سے سال بھر کے اخراجات حاصل ہوئے اور زکوۃ میں صرف رأس المال (چالیس ہزار روپیہ) میں سے پچیس روپیہ ادا کرنے کی نوبت آئی، تجارت نہ ہوتی تو سال بھر کے اخراجات اس چالیس ہزار سے نکلتے اور زکوۃ بھی اس میں سے ادا ہوتی، نیز دوسرے دونوں شرکاء کو ایک ایک ہزار اس تجارت کی بدولت ملا اور تجارت کی ساکھ قائم ہوگئی، باقی آئندہ کتنا نفع ہوگا، اس کا علم اللہ کو ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۹/۱۴/۹۰ھ۔

جس غلہ میں تجارت کی نیت نہ ہو، اس پر زکوۃ

سوال[۴۵۳۸]: زید کے پاس دوسومن دھان موجود ہیں (۲) اس پر حولانِ حول بھی گزر گیا لیکن تجارت کی نیت نہیں، کیا اس دھان پر زکوۃ واجب ہوگی یا نہیں؟ اگر زید کے پاس دوسرا روپیہ موجود ہو اس دھان کے علاوہ تو اس صورت میں بھی زکوۃ واجب ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

جب کہ وہ دھان تجارت کے لئے نہیں تو اس پر زکوۃ واجب نہیں خواہ اس پر حولانِ حول ہو یا نہیں، اس کے علاوہ جو روپیہ موجود ہے وہ اگر مقدار نصاب ہے تو اس روپیہ میں زکوۃ واجب ہوگی (۳)، دھان پر روپیہ

(۱) (تقدم تخریجه تحت عنوان: ''مالِ مضاربت میں زکوۃ کا حکم''۔)

(۲) ''دھان: چاول کا پودا، چھلکے دار چاول''۔ (فیروز اللغات، ص: ۶۶۰، فیروز سنز، لاہور)

(۳) "و شرط حولان الحول و ثمنية المال كالدراهم والدنانير والسوم و نية التجارة في العروض".

(تنویر الأبصار مع الدرالمختار: ۲/۲۶۷، کتاب الزکاة، سعید) .... =

کیسا تھ بھی زکوۃ واجب نہیں ہوگی (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

گھر کے سامان میں زکوۃ

سوال [۴۵۳۹]: زید کہتا ہے کہ زکوۃ صرف زیور پر واجب ہے سونے کی شکل میں ہو یا چاندی کی صورت میں، لیکن بکر کہتا ہے کہ زیور پر، کپڑوں پر چاہے استعمال کے ہوں یا نئے رکھے ہوں اور برتنوں پر جو کہ استعمال میں آرہے ہیں، یا وہ برتن جو یوں ہی رکھے ہوئے ہیں، یا گھر کے استعمال کی الماریاں ہوں، یا صندوق غرضیکہ جو بھی اشیاء ہوں سب پر زکوۃ واجب ہے۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

چاندی، سونا، نقد (نوٹ) اور مالِ تجارت پر زکوۃ واجب ہوتی ہے، گھر کے استعمالی سامان: کپڑوں، برتنوں، صندوقوں وغیرہ پر زکوۃ نہیں، اگر چہ وہ ویسے ہی رکھے ہوں استعمال میں نہ ہوں:

"(قوله: فارغ عن حاجته الأصلية) و فسره ابن ملك بما يدفع عنه الهلاك تحقيقاً أو تقديراً: أى فسر المشغولة بالحاجة الأصلية، والأولىٰ فسرها، و ذلك حيث قال: و هى ما يدفع الهلاك عن الإنسان تحقيقاً كالنفقة و دور السكنىٰ وآلات الحرب والثياب المحتاج إليها لدفع الحر والبرد، أو تقديرًا كالدَّين وكآلات الحرفة وأثاث المنزل و دواب الركوب و كتب العلم لأهلها، اهـ". درمختار و شامی: ۲/۶ (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۹/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

= (وكذا فى بدائع الصنائع: ۲/۳۹۵، كتاب الزكاة، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا فى خلاصة الفتاوى: ۱/۲۳۵، كتاب الزكاة، امجد اكيڈمى لاهور)

(۱) "ولو وجد من أرضه حنطةً تبلغ قيمتها قيمة نصاب، نوى أن يمسكها و يبيعها، فأمسكها حولاً، لا تجب فيها الزكاة، حتى ينفذ ثمنها و يحول الحول". (التاتارخانية: ۲/۲۴۳، باب زكاة عروض التجارة، ادارة القرآن كراچى)

(وكذا فى فتاوىٰ قاضى خان: ۲/۲۵۱، فصل فى مال التجارة، رشيديه)

(۲) (الدر المختار: ۲/۲۶۲، كتاب الزكاة، سعيد) .... =

گھڑی کی زکوۃ

سوال[۴۵۴۰]: ہاتھ کی گھڑی اور گھر میں الارم گھڑی کی زکوۃ نکالی جائے گی یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر گھڑی چاندی سونے کی نہیں اور تجارت کے لئے بھی نہیں تو اس کی زکوۃ نہیں (۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیو بند۔

کرایہ کے مکانات پر زکوۃ

سوال[۴۵۴۱]: ہماری اپنی رہائش اور پریس کے مصرف میں جو مکان ہے اس کے علاوہ جو مکانات ہیں اس کا کرایہ درج آمدنی ہوجاتا ہے اور تقریباً اس کے قریب قریب دوسرے مکانوں کا کرایہ ادا کرنا پڑتا ہے جو پریس کی ضروریات کے لئے کرایہ پر لینے پڑتے ہیں، نیز یہ کہ مکانات سال بھر تک کرایہ پر چڑھتے نہیں رہتے بلکہ کبھی چڑھ گئے اور کبھی خالی بھی رہتا ہے کہ ایک مکان سال بھر تک چڑھا رہے، بہرحال متعین نہیں۔ایسی صورت میں زکوۃ کی کیا صورت ہوگی؟

= "وأما كونه فارغاً عن الدين و عن حاجته الأصلية كدور السكنى و ثياب البذلة وأثاث المنازل و آلات المحترفين، وكتب الفقه لأهلها، فلأن المشغول بالحاجة الأصلية كالمعدوم". (تبيين الحقائق: ۲/۲۳، كتاب الزكاة، دارالكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في التاتارخانية: ۲/۲۴۵، باب زكاة عروض التجارة، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۱۷۲، كتاب الزكاة، رشيديه)

(۱) "فليس في دور السكنى .... وسلاح استعمال زكاة.......... وكذا كتب العلم إن كان من أهله وآلات المحترفين، هذا في الآلات التي ينتفع بنفسها ولايبقى أثرها في المعمول". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الزكاة: ۱/۱۷۲، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الزكوة: ۲/۲۶۵، سعيد)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الزكاة: ۲/۱۶۴، مصطفىٰ البابي الحلبي، مصر)

الجواب حامداً و مصلیاً:

ان مکانوں پر زکوۃ واجب نہیں (۱) ان کی آمدنی کا روپیہ اگر مقدارِ نصاب کو پہونچ کر اس پر سال بھر گزر جائے تو اس پر زکوۃ واجب ہوگی بشرطیکہ وہ حوائجِ اصلیہ سے فارغ ہوں (۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۶/۶/۶۰ھ۔

سَلَم کے روپیہ اور زمین پر زکوۃ

سوال[۴۵۴۲]: اہلِ نصاب کے پاس جو زمین ہے اس زمین کی قیمت لگا کر زکوۃ دینا ہے یا صرف جمع شدہ روپے کی زکوۃ دینا پڑیگی؟ اور جو روپیہ لوگوں کے پاس بطور قرض کے ہے اس شرط پر کہ شوال کے ماہ قرض میں دیا ہے اور ربیع الاول کے ماہ میں ہر روپے کے بدلے میں ایک من؟ یا نصف من دھان دینا پڑے گا؟ اس طریقے پر مبلغ ساٹھ روپے قرض دیا ہے؟ اب اس روپیہ کی زکوۃ دینا ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

زمین اگر کاشت کے لئے ہے تجارت کے لئے نہیں تو اس زمین کی زکوۃ نہیں خواہ اس کی قیمت کتنی ہی ہو، اس کی پیداوار پر عشر یا نصف عشر واجب ہوگا اگر وہ زمین عشری ہو (۳)، روپیہ بقدر نصاب اگر موجود ہو اور

---

(۱) (راجع، ص: ۴۱۸، رقم الحاشية: ۱)

(۲) "إذا أجرداره أو عبده بمأتي درهم لاتجب الزكوة مالم يحل الحول بعد القبض في قول أبي حنيفة رحمه الله تعالیٰ، فإن كانت الدار والعبد للتجارة وقبض أربعين درهماً بعدالحول، كان عليه درهمٌ بحكم الحول الماضي قبل القبض؛ لأن أجرة دار التجارة وعبد التجارة بمنزلة ثمن التجارة في الصحيح من الرواية". (فتاویٰ قاضي خان بهامش الفتاویٰ العالمكيرية : ۱/۲۵۳، كتاب الزكوة، فصل في مال التجارة، رشيديه)

(۳) "و قد أورد الزيلعي أيضاً ما إذا اشترى أرض عشر و زرعها، أو اشترى بذراً للتجارة و زرعه، فإنه يجب فيه العشر و لا تجب فيه الزكاة؛ لأنهما لا يجتمعان، اهـ". (ردالمحتار: ۲/۲۹۸، باب زكاة الذهب والفضة والعروض، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق : ۲/۷۸، باب زكاة الذهب والفضة، دارالكتب العلمية، بيروت) .... =

اس پر سال بھی گزر جائے تو اس پر زکوۃ فرض ہوتی ہے(۱)، طریق مذکور پر جو روپیہ دیا ہے وہ اس کی ملک سے خارج ہوگیا اب اس روپیہ کو واپس نہیں لے سکتا بلکہ اس روپے کے عوض دھان خرید چکا ہے، دھان لینے کا حقدار ہے لہذا اس روپیہ پر زکوۃ فرض نہیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۰/۱۱/۶۰ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف۔

کارخانہ کی زمین و مشین پر زکوۃ

سوال[۴۵۴۳]: میں نے ایک زمین خرید کر اس پر اپنا کارخانہ تعمیر کرایا، چنانچہ اس کارخانہ میں میری مشینیں چل رہی ہیں، اب اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل سوالات ہیں:

۱......کیا اس سرزمین اور تعمیرات میں زکوۃ واجب ہے؟

۲......جو مشینوں سے اس کارخانہ میں کام لیا جا رہا ہے کیا اس پر بھی زکوۃ واجب ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر یہ زمین و تعمیرات و مشین خود فروخت کرنے کے لئے نہیں، بلکہ آمدنی حاصل کرنے کا ذریعہ ہیں، تو اُن پر زکوۃ لازم نہیں (۳)، ان سے حاصل شدہ آمدنی حسبِ ضابطۂ شرعیہ دیگر نقود کی طرح زکوۃ واجب ہوگی۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۶/۸/۸۹ھ۔

= (وكذا في فتح القدير: ۲۱۸/۲، فصل في العروض، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۱) "و يقوّم يوم حال عليها الحول بالغةً ما بلغت بعد أن كانت قيمتها في أوّل الحول مائتين، ويزكي عن مائتي درهم خمسةَ دراهم". (التاتارخانية: ۲۳۸/۲، باب زكوة عروض التجارة، إدارة القرآن)

(وكذا في بدائع الصنائع: ۴۱۵/۲، فصل في نصاب اموال التجارة، دارالكتب العلميه بيروت)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱۷۹/۱، الفصل الثاني في العروض، رشيديه)

(۲) "قيد بكونها للتجارة؛ لأنها لو كانت للغلة فلا زكاة فيها؛ لأنها ليست للمبايعة". (البحرالرائق: ۳۹۸/۲، باب زكاة المال، رشيديه)

(۳) "فليس في دُور السكنى .... وسلاح الاستعمال زكاة .... وكذا كتب العلم إن كان من أهل، وآلات المتحرفين، وهذا في الآلات التي ينتفع بنفسها ولا يبقى أثرها في المعمول". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الزكوة: ۱۷۲/۱، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الزكوة: ۲۶۵/۲، سعيد)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الزكوة: ۱۶۴/۲، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

باب زكاة المواشي

(جانوروں کی زکوٰۃ کا بیان)

بھینس پر زکوٰۃ ہے یا دودھ پر؟

سوال[۴۵۴۴]: ہماری بھینس جوکہ تجارت کی غرض سے ہے جس کا دودھ فروخت کیا جاتا ہے لیکن اس کی گھاس اور مختلف قسم کے دانے تیل وغیرہ کا انتظام خود کیا جاتا ہے وہ چرتی نہیں ہے۔تو کیا اس صورت میں زکوٰۃ ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر بھینسوں کی بھی تجارت ہوتی ہے تب تو دیگر مالِ تجارت کی طرح ان میں بھی زکوٰۃ لازم ہوگی یعنی سال بھر گذرنے پر جتنی قیمت کی بھینس موجود ہوگی اس کا چالیسواں حصہ زکوٰۃ ادا کریں گے۔درمیانِ سال جو کچھ ان کو کھلایا پلایا، یا ان سے کما کر کھایا، خرچ کر ڈالا اس کا کوئی حساب زکوٰۃ میں نہیں ہوگا۔اگر تجارت بھینسوں کی نہیں بلکہ ان کے دودھ کی تجارت ہوتی ہے تو بھینسوں پر زکوٰۃ لازم نہیں ہوگی، بلکہ دودھ کی قیمت کا جو روپیہ سال پورا ہونے پر موجود ہو اس میں زکوٰۃ لازم ہوگی (۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۳/۱۵ھ۔

---

(۱)" وإن كانت للتجارة، فحكمها حكم العروض، يعتبر أن تبلغ قيمتها نصاباً، سواء كانت سائمةً أو علوفةً". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۱۷۸/۱، كتاب الزكوٰة، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۷۷/۲، باب زكوٰة المال، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق: ۹۳۸/۲، باب زكوٰة المال، رشيديه)

"وينظر في السائمة إلى كمال النصاب.....وينظر إلى قيمتها إن أراد بها التجارة، فإن كانت أقل من مائتي درهم، لم تجب الزكوٰة، وإن كان العدد كاملاً، الخ". (المبسوط للسرخسي: ۲۳۸/۱، الزكاة، دار الكتب العلمية بيروت)

تجارت کے جانوروں کی زکوٰۃ

سوال[۴۵۴۵]: ایک شخص نے تجارت کے لئے بکرے، اونٹ، گھوڑے وغیرہ خریدے، یہ جانور ایک سال میں کئی دفعہ بک جاتے ہیں اور خریدے بھی جاتے ہیں تو اب ان کی زکوٰۃ کس طرح ادا کی جائے گی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

قیمت لگا کر اس کا چالیسواں حصہ سال ختم ہونے پر ادا کیا جائے، پھر چاہے قیمت دیدی جائے اور چاہے اس قیمت کا جانور دیدیا جائے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/ ۷/ ۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/ ۷/ ۸۷ھ۔

نصاب سے کم جانوروں میں زکوٰۃ نہیں

سوال[۴۵۴۶]: زید کے پاس ۳۵/ بھیڑ اور دو گائے ہیں اور ایک بھینس بھی ہے، کل ۴۰/ عدد ہیں، جنگل میں چرایا جاتا ہے، ان پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو کس حساب سے ادا کی جاوے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

زید کے پاس بھیڑ: ۳۵/، گائے: ۲/، بھینس: ۱/ اس مجموعہ میں زکوٰۃ واجب نہیں، کسی کا بھی نصاب پورا

---

(۱) "وتجب الزكوٰة أيضاً في عروض التجارة بلغت قيمتها نصاباً من أحدهما، الخ". (مجمع الأنهر: ۱/ ۳۰۶، باب زكوٰة الذهب والفضة والعروض، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۲/ ۷۷، باب زكوٰة المال، دار الكتب العلمية بيروت)

"عن ابن عمر رضي الله عنهما أنه كان يقول: "في كل مال يدار في عبيد، أو دواب، أو بز التجارة، تدار الزكاة فيه كل عام". رواه عبد الرزاق بإسناد صحيح". دراية: ۱۶۳". (إعلاء السنن: ۹/ ۶۴، باب زكاة عروض التجارة، إدارة القرآن كراچي)

"لا يجب في العلوفة.........حتى لو كانت العلوفة للتجارة، كان فيها زكاة للتجارة". (النهر الفائق: ۱/ ۴۶۸، فصل في الغنم، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/ ۱۷۶، الباب الثاني في صدقة السوائم، رشيديه)

نہیں (۱) اور ایک جنس کو دوسری جنس کے ساتھ ملا کر نصاب پورا کرنے کا حکم نہیں (۲)۔ ہاں اگر یہ جانور تجارت کے لئے ہوں تو زکوۃ قیمت کے اعتبار سے چالیسواں حصہ واجب ہوگی (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند، ۱۲/۹/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند۔



(۱) "ليس في أقل من أربعين من الغنم السائمة صدقة". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الزكاة، الفصل الرابع في زكاة الغنم: ۱/۱۷۸، مكتبه رشيديه)

"وفي فتح القدير: والضأن والمعز سواء: أي في تكميل النصاب". (البحر الرائق، كتاب الزكاة، فصل في الغنم: ۲/۳۷۸، رشيديه)

"ليس في أقل من ثلاثين من البقر صدقة، ...... والجاموس كالبقر". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الزكاة، الفصل الثالث في زكاة البقر: ۱/۱۷۷، ۱۷۸، رشيديه)

(۲) "وأما السوائم إذا اختلف أجناسها، لايضم البعض إلى البعض لتكميل النصاب". (التاتار خانية، كتاب الزكاة، زكاة المال: ۲/۲۳۳، إدارة القرآن كراچی)

"والمستفاد وسط الحول يضم إلى نصاب من جنسه". (الدرالمختار). "(قوله: جنسه) سيأتي أن أحد النقدين يضم إلى الآخر، وأن عروض التجارة تضم إلى النقدين للجنسية باعتبار قيمتها، واحترز عن المستفاد من خلاف جنسه كالإبل مع الشياه، فلا تضم". (ردالمحتار، كتاب الزكاة، باب زكاة الغنم: ۲/۲۸۸، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الزكاة، فصل في الغنم: ۲/۳۸۸، رشيديه)

(وكذا في البدائع، كتاب الزكاة، فصل: وأما صفة نصاب السائمة، ...... ومنها أن يكون الجنس فيه واحد من الإبل والبقر والغنم الخ: ۲/۳۰، سعيد)

(۳) "أما التي نوى بها التجارة، فتجب فيها زكاة التجارة". (ردالمحتار، كتاب الزكاة، باب زكاة الغنم: ۲/۲۸۲، سعيد)

"ويضمّ بعض العروض (أي عروض التجارة) إلى بعض وإن اختلف اجناسها". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الزكاة، الفصل الثاني في العروض: ۱/۱۸۰، رشيديه)

"يجب ربع العشر في عروض التجارة إذا بلغت نصاباً من أحد هما .... وكل شئ فهو عرض سوى الدراهم والدنانير .... فيدخل الحيوان". (البحر الرائق، كتاب الزكاة، باب زكاة المال: ۲/۳۹۸، رشيديه)

باب العشر والخراج

(عشر اور خراج کا بیان)

قرآن کریم سے عشر کا ثبوت

سوال[۴۵۴۷]: بعض لوگ کہتے ہیں کہ عشر زمین کے بارے میں قرآن پاک میں خدا تعالیٰ نے کوئی حکم نازل نہیں کیا، کیا یہ حکم: ﴿یا أیها الذین آمنوا أنفقوا من طیبات ما کسبتم، و مما أخرجنا لکم من الأرض﴾ الآیة، پارہ: ۳، رکوع: ۵ "سے ثابت نہیں ہوتا۔ ایسے شخص کے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

حافظ ابوبکر جصاص رازی رحمہ اللہ نے "احکام القرآن" ۳/۱۲ میں امت کا اتفاق نقل کیا ہے اس بات پر کہ آیت: ﴿ واتوا حقه یوم حصاده ﴾ میں عشر مراد ہے(۱) بعض ائمہ نے: ﴿أنفقوا من طیبات ما کسبتم، و مما أخرجنالکم من الأرض﴾ سے بھی وجوب عشر پر استدلال کیا ہے، کذا فی أحکام القرآن: ۱/۵۴٤" (۲)، والزیلعی ۱/۲۹۲(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲/۱۰/۶۴ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲/شوال/۶۴ھ۔

---

(۱) (أحکام القرآن للجصاص: ۳/۱۶، ذکر خلاف فی الموجب فیه، قدیمی)

(۲) "﴿ومما أخرجنا لکم من الأرض﴾، عموم فی إیجابه الحق فی قلیل ماتخرجه الأرض و کثیره فی إیجابه العشر فی قلیل ما تخرجه الأرض ....اهـ". (أحکام القرآن: ۱/۲۲۵، باب المکاسبة، قدیمی)

(وکذا فی بدائع الصنائع: ۲/۴۹۳، فصل فی زکاة المزروع، دار الکتب العلمیة، بیروت)

(وکذا فی روح المعانی: ۳/۳۸، دار إحیاء التراث العربی بیروت)

(وکذا فی ردالمحتار: ۲/۳۲۵، باب العشر، سعید)

(۳) "ولأبی حنیفة قوله تعالیٰ: ﴿أنفقوا من طیبات ماکسبتم وممّا أخرجنالکم من الأرض﴾ [البقرة: ۲۶۷]،=

وجوبِ عشر

سوال[۴۵۴۸]: ہندوستان کی ایسی زمین کہ جس کی پیداوار ماءالسماء پر ہوں اور صاحبِ زمین گورنمنٹ کو خراج بھی دیتا ہو، تو کیا ایسی زمین کا عُشر نکالنا واجب ہے، اگر واجب نہیں تو سنت ہے یا مستحب؟ اگر سنت ہے تو کس درجہ کی مدلل ہو۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ زمین عشری ہے تو اس کی پیداوار میں عشر نکالنا واجب ہے(۱) اور گورنمنٹ جو خراج لیتی ہے وہ عشر میں محسوب نہ ہوگا، کیونکہ وہ صحیح مصرف پر خرچ نہیں کرتی، هكذا أفتىٰ مولانا گنگوهی المرحوم(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۸/۲/۶۱ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

عشر کا نصاب

سوال[۴۵۴۹]: ۱..... پیداوار کی زکوۃ کا کیا نصاب ہے؟

مقدارِ عشر

سوال[۴۵۵۰]: ۲..... پیداوار میں زکوۃ کب اور کس حساب سے نکالی جائے؟

ٹیوب ویل سے بھی پانی دیا گیا تو کیا حکم ہے؟

سوال[۴۵۵۱]: ۳..... ربیع یا خریف کی زکوۃ کا حکم یکساں ہے یا جداگانہ؟ کیونکہ کبھی کبھی بارش اور

= وهو بعمومه يتناول جميع مايخرج من الأرض". (تبيين الحقائق، كتاب الزكوة، باب العشر: ۱۰۲/۲، دارالكتب العلمية، بيروت)

(۱) "(و) يجب العشر في (مسقى السماء) : أي مطر (وسيح) كنهر". (الدرالمختار، باب العشر: ۳۲۶/۱، سعيد)

(وكذا في الهداية، باب زكاة الزروع والثمار: ۲۰۱/۱، مكتبه شركت علميه)

(۲) یہ اس وقت کی بات ہے جب کہ زمینیں زمینداروں کی مِلک تھیں، مِلک سرکار نہیں تھیں، خاتمۂ زمینداری کے بعد سے عُشر =

ٹیوب ویل دونوں قسم کے پانی سے سینچائی ہوتی ہے، ایک ہی قسم کی پیداوار میں، لہٰذا ایسی صورت میں زکوۃ کا حساب کیا ہوگا؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

۱.....ایک صاع (سوا تین سیر) بھی پیدا ہو تب بھی عشری زمین کی پیداوار میں عشر واجب ہوتا ہے، كذا في رد المحتار: ۲/۴۹ (۱)۔

۲.....عشری زمین کی پیداوار میں دسواں حصہ نکالا جائے گا جب کہ وہ زمین بارانی ہو، اگر آپ پاشی کرنی پڑتی ہے تو نصف عشر واجب ہوگا، حولانِ حول شرط نہیں، شامی (۲)۔

۳.....دونوں فصلوں کا حکم یکساں ہے، اگر بارش کا پانی غالب ہے اور ٹیوب ویل کی اتفاقیہ معمولی نوبت آتی ہے تو اس کو بارانی ہی سمجھا جائے گا ورنہ نصف عشر دینا ہوگا (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۵/۹۱ھ۔

= واجب نہیں رہا۔ فقط۔

(راجع فتاویٰ رشیدیہ، باب عشر وخراج کے احکام کا بیان، ص: ۳۲۶، ۳۲۷، إدارۃ اسلامیات، لاھور)

(۱) "(قوله: بلا شرط نصاب) و بقاء، فيجب فيمادون النصاب بشرط أن يبلغ صاعاً، و قيل: نصفه، وفي الخضروات التي لا تبقى، و هذا قول الإمام، وهو الصحيح، كما في التحفة". (ردالمحتار: ۳۲۶/۲، باب العشر، سعيد).

(وكذا في النهر الفائق: ۴۵۳/۱، باب العشر، امداديه)

(۲) "وتجب في مسقى سماء: أي مطرو سيح كنهر بلا شرط نصاب و بلا شرط بقاء و حولان حولٍ .... يجب العشر. ويجب نصفه في مسقى غرب: أي دلو كبير ودالية: أي دولاب لكثرة المؤنة".

(الدرالمختار: ۳۲۶/۲، باب العشر، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۱۰۱/۲، ۱۰۲، باب العشر، دارالكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في الهداية: ۲۰۱/۱، ۲۰۲ باب زكاة الزروع والثمار، شركة علميه ملتان)

(۳) "ولو سقى سيحاً وبآلة، اعتبر الغالب: أي أكثر السنة كما مر في السائمة والعلوفة، الخ".

(الدرالمختار مع ردالمحتار: ۳۲۸/۲، باب العشر، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۱۰۲/۲، باب العشر. دارالكتب العلمية، بيروت) .... =

عشر

سوال[۴۵۵۲]: زید ایک عالم ہے اس کے علاقہ میں غلہ کی پیداوار سے زکوۃ عام طور سے ادا کی جاتی ہے اور زکوۃ ادا نہ کرنے والوں پر لعن طعن ہوتی ہے۔ کیا یہ برتاؤ عندالشرع درست ہے؟ یہ بات ملحوظ رہے کہ زکوۃ غلہ صاحب نصاب ہی لوگ دیتے ہیں۔ زید آج ڈھائی برس سے آسام کے ایک علاقہ میں دینی کام انجام دے رہا ہے، اس سلسلے میں حفظِ قرآن پاک کے واسطے ایک مدرسہ قائم کیا گیا ہے جس کی آمدنی کا کوئی خاص ذریعہ نہ دیکھ کر غلہ کی زکوۃ لوگوں کو گراں معلوم ہوتی ہے، اس کے پیش نظر صرف یہ بات ہے کہ اگر دھان (چھلکوں والا چاول) کی فقط زکوۃ مسلمانوں کی طرف سے نکال کر اکٹھا کر لیا جائے تو عمدہ طور سے مدرسہ کے لئے طلبہ کے واسطے طعام وقیام کا نظم ہو سکے جب کہ زید کو کسی قسم کی تنخواہ ومعاوضہ نہیں دیا جاتا ہے اور نہ ہی وہ طلب کرتا ہے۔

آسام یا پورے ہندوستان کی زمینوں پر گورنمنٹ کا ٹیکس وصول کر لیا جاتا ہے تو کیا "كلما أخرجت الأرض ففيه العشر" پر عمل ہوجاتا ہے؟ دھان یا غلہ جس مقدار میں پیدا ہوا اس پر زکوۃ واجب ہے یا نہیں، اگر ہے تو کتنی ہے؟ مدلل جواب سے مطلع فرمائیں۔ نیز اگر زکوۃ یہاں کی زمینوں پر واجب نہیں ہے تو پھر زید کا یہ عمل کیسا ہے، اب اس کو کیا کرنا چاہئے؟ فقط۔

الجواب حامداً و مصلياً:

زید کا دینی مدرسہ قائم کرنا اور اس کے لئے کوشش کرنا قابلِ صد تحسین ہے، اللہ پاک اس کی کوشش کو بار آور فرمائے اور جزائے خیر دے۔

زمین کی پیداوار میں زکوۃ وعشر واجب ہونے کے لئے اس زمین پر ملکِ مسلم قائم ہونا ضروری ہے، خاتمۂ زمینداری کے بعد یہاں کی زمینوں پر عموماً ملکِ مسلم قائم نہیں رہی، لہٰذا ایسی زمینوں کی پیداوار میں زکوۃ عشر واجب نہیں، البتہ بطورِ صدقۂ نافلہ اور دینی خدمت کے لئے جس قدر بھی دیدیں اور اس سے مدرسہ چلایا جائے، موجبِ خیر وبرکت اور باعثِ اجر وثواب ہے جو لوگ عشر نہ دیں ان پر لعن طعن درست نہیں، بات صرف ترغیب تک رکھی جائے:

= (وكذا في التاتارخانية: ۲/۳۲۶، النصاب لوجوب العشر، إدارة القرآن كراچی)

"وانقسمت بين المسلمين لا يوظف إلا العشر، وإن سقيت بماء الأنهار، فلهذا قال في التبيين: هذا في حق المسلم، أما الكافر فيجب عليها الخراج من أيّ ماءٍ سقي؛ لأن الكافر لا يبتدأ بالعشر، الخ". مجمع الأنهر: ۱/۶۷۱(۱)۔

"و خراج إن اشترى ذميٌّ أرضاً عشريةً من مسلم: أي يجب الخراج؛ لأن في العشر معنى العبادة، والكفر ينافيها، الخ". ۲/۲۳۸ (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، یکم/ ذیقعدہ/ ۱۳۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۲/۱۱/ ۸۸ھ۔

آبی اور بارشی زمین میں عشر

سوال[۴۵۵۳]: آبی زمین میں عشر کتنا فرض ہے اور بارش والی زمین میں کتنا فرض ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

جس زمین کی آب پاشی کی جاتی ہے یا محنت کر کے کنویں وغیرہ سے پانی دیا جاتا ہے اس کی پیداوار میں نصف عشر واجب ہے اور جس زمین میں بارش کے پانی سے کھیتی ہوتی ہے اور مستقل پانی دینا نہیں پڑتا اس کی پیداوار میں عشر واجب ہوتا ہے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ۔

عشری اور خراجی زمین

سوال[۴۵۵۴]: ہندوستان کی زمین خصوصاً نئی آبادی مثلاً ملتان، منٹگمری وغیرہ کے علاقہ کی زمین

(۱) (مجمع الأنهر: ۱/۳۲۱، باب زكاة الخارج، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) "وخراج إن اشترى ذمي أرضاً عشريةً من مسلم: أي يجب الخراج إن اشترى ذمي غير تغلبي أرضاً عشريةً من مسلم، الخ". (تبيين الحقائق: ۲/۱۰۷، باب العشر، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في فتح القدير: ۲/۲۵۶، باب العشر، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في البحر الرائق: ۲/۴۱۷، باب العشر، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۱۸۶، الباب السادس في زكاة الزروع والثمار، رشيديه)

(۳) (تقدم تخريجه تحت عنوان: "مقدار عشر"۔)

عشری ہے یا خراجی؟ اس کی صحیح تعریف تحریر کرنے کے بعد یہ بیان فرمایئے کہ ان زمینوں کی پیداوار کی زکوۃ کی کیا صورت ہوگی؟ ذرا مفصل تحریر فرمایئے کہ عشر کیسی زمین پر واجب ہے اور اس کا کیا حکم ہے، کچھ عشری خراجی زمین کی بھی تقسیم ہے یا عام ہے؟ فقط۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

جو زمین اسلامی حکومت کے وقت سے مسلمان کے پاس ہے اور عشری پانی سے سیراب کی جاتی ہے وہ عشری ہے، اس کا حکم یہ ہے کہ اس کی پیداوار میں عشر واجب ہوتا ہے(۱)۔ زمین کی متعدد قسمیں ہیں:

"والأرض إما عشريةٌ أو خراجيةٌ أو تضعيفيةٌ، والمشترون: مسلمٌ و ذميٌّ و تغلبيٌّ. فالمسلم إذا إشترى العشرية أو الخراجية بقيت على حالها، أو التضعيفية فكذالك عند الإمام ومحمد، وقال أبو يوسف: ترجع إلى عشر واحد. وإذا اشترى التغلبيّ الخراجيةَ بقيت خراجيةً أو التضعيفية فهي التضعيفية، إذا العشرية من مسلم، ضُوعف عليه العشر عندهما خلافاً لمحمد. وإذا اشترى ذمي غير تغلبي خراجيةً أو تضعيفيةً، بقيت على حالها، أو عشريةً صارت خراجيةً إن استقرت في ملكه عنده، اهـ". طحطاوی: ۱/۴۱۹(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

---

(۱) "كل أرض أسلم اهلها أو فتحت عنوةً، وقسمت بين الغانمين، فهي أرض عشر؛ لأن الحاجة إلى ابتداء التوظيف على المسلم، والعشر أليق به، لما فيه من معنى العبادة ...... في جامع الصغير: كل أرض فتحت عنوةً فوصل إليها ماء الأنهار، فهي أرض خراج، و مالم يصل ماء الأنهار واستخرج منها عين، فهي أرض عشر .... فيعتبر السقي بماء العشر أو بماء الخراج". (الهداية: ۲/۱۹۵، باب العشر والخراج، مكتبه شركة علميه)

(وكذا في ردالمحتار: ۴/۱۷۶، باب العشر والخراج، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۱/۶۶۱، باب العشر والخراج، دار إحياء التراث العربي)

تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں: (اسلام کا نظام عشر وخراج، ادارۃ القرآن) (واسلام کا نظام اراضی، دارالاشاعت)

(۲) (حاشيه الطحطاوي على الدرالمختار: ۱/۴۱۹، باب العشر، دار المعرفة، بيروت)

(وكذا في البحر الرائق: ۲/۴۱۶، باب العشر، رشيديه) ....

مال گذاری سے عشر ساقط نہیں ہوتا

سوال[۴۵۵۵]: صوبہ بنگال کی زمین جس میں گورنمنٹ مالگذاری بھی لیتی ہے، آیا یہ مالگذاری لینا خراج شمار ہوگا یا نہیں؟ اگر نہیں تو اس زمین پر عشر واجب ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلياً:

اگر وہ عشری زمین ہے تو اس پر عشر واجب ہوگا، مالگذاری ادا کرنے سے عشر ساقط نہیں ہوگا (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ عفا اللہ عنہ۔

باغ اور زمین کی پیداوار میں زکوۃ

سوال[۴۵۵۶]: زید ڈیڑھ سو بیگہ زمین کا زمیندار یا کاشتکار تھا اس کے پاس مالگذاری سال وار ضروری اخراجاتِ خانگی کے بعد ہزاروں من غلہ بچتا تھا، اسی طرح معمولی کمی بیشی کے ساتھ ہر سال بچت ہوتی ہے۔ وہ غلہ فروخت بھی نہیں کرتا، خانگی ضرورت کے لئے کبھی فروخت کرتا ہے تو بقدرِ ضرورت سالوں کا پرانا غلہ اس کے پاس فروختگی کے بعد کئی کئی نصاب کی قیمت کا موجود ہے۔ تو کیا اس حالت میں اس کے اوپر غلوں میں زکوۃ ہے؟ اسی طرح ضرورت سے زائد اس کے پاس باغ ہیں جن کی قیمت کئی نصابوں کو پہنچتی ہے، آیا ان باغات میں بھی زکوۃ واجب ہوگی تو کس صورت سے؟

= (وكذا في ردالمحتار: ۲/۳۲۹، باب العشر، سعيد)

(۱) "أخذ البغاة والسلاطين الجائرة زكاة الأموال الظاهرة كالسوائم والعشر والخراج، لا إعادة على أربابها إن صرف المأخوذ في محله الآتي ذكره، ولا يصرف فيه، فعليهم فيما بينهم و بين الله إعادة غير الخراج". (الدرالمختار: ۲/۲۸۹، باب زكاة الغنم، سعيد)

(وكذا في الهداية: ۱/۱۹۳، فصل في الغنم، مكتبه شركة علميه ملتان)

(وكذا في البحر الرائق: ۲/۳۸۹، فصل في الغنم، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۱/۳۰۳، فصل في زكاة الخيل، دارالكتب العلمية، بيروت)

الجواب حامداً و مصلیاً:

جوغلہ تجارت کے لئے نہیں اس میں زکوۃ فرض نہیں خواہ وہ کتنی بھی مقدار میں ہو، یہی حال زمین، کھیت، باغ کا ہے(۱)۔البتہ زمین اور باغ کی پیداوار میں عشر واجب ہوگا اگر وہ عشری ہے اور اس میں قیمت کا اعتبار نہیں بلکہ کل پیداوار کا عشر واجب ہوتا ہے خواہ کتنی ہی پیداوار ہو اور اس کی قیمت کتنی ہی ہو(۲)۔البسط فی رد المحتار۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ دار العلوم دیوبند

زمینداری ختم ہونے کے بعد مسئلۂ عشر

سوال[۴۵۵۷]: تھوڑا عرصہ ہوا کہ سفر میں لوگوں نے ایک استفتاء اور اس کا جواب دکھلایا، اس مجمع میں واقف کار لوگوں نے جوابی استدلال پر اظہارِ تعجب بھی کیا، جواب کی نقل ارسال ہے، صورتحال یہ ہے کہ

---

(۱) "ولا تصح نية التجارة فيما خرج من أرضه العشرية أو الخراجية". (الدرالمختار).

"قوله : ولا تصح نية التجارة؛ لأنها لاتصح إلا عند عقد التجارة، فلا تصح فيما ملكه بغير عقد كإرث ونحوه كما سيأتي، ومثله الخارج من أرضه؛ لأن الملك يثبت فيه بالنبات ولااختيار له فيه، ولذا قال في البحر: وخرج أي بقيد العقد ما إذا دخل من أرضه حنطة تبلغ قيمتها نصاباً ونوى أن يمسكها ويبيعها، فامسكها حولاً، لاتجب فيها الزكاة كما في الميراث". (ردالمحتار: ۲۶۸/۲، كتاب الزكوة، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱۷۴/۱، كتاب الزكوة، الباب الأول في تفسيرها وصفتها وشرائطها، رشيديه)

(۲) "قال أبو حنيفة: في قليل ما أخرجتْه الأرض و كثيرِه العشر، سواء سقى سيحاً أو سقته السماء، الخ". (الهداية: ۲۰۱/۱، باب زكاة الزروع والثمار، شركة علميه)

(وكذا ردالمحتار: ۳۲۵/۲، باب العشر، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱۸۶/۱، الباب السادس في زكاة الزروع والثمار، رشيديه)

(وكذا في خلاصة الفتاوى: ۲۴۶/۱، الفصل العاشر في العشر والخراج، امجد اكيڈمی لاهور)

(وكذا في امداد الفتاوى: ۵۷/۲، عشر در باغات، دار العلوم كراچی)

زمینداری ختم ہونے کے بعد زمین حکومت کی ملک قرار پائی ہو یا نہ پائی ہو، زمین پر قبضہ اور تصرف کا حق رکھنے والوں کے حقوق میں کچھ اضافہ ہوا ہے یا نہیں، یہ ایک علیحدہ بحث ہے کہ زمانہ سابق میں زمین کا مالک کاشتکار تھا یا زمین دار یا حکومت، بہر حال اتنی بات تو واضح ہے کہ زمینداری ختم ہونے سے پہلے جس زمین پر جو متصرف تھا وہ آج بھی ہے اگر اس پر پہلے عشر تھا تو آج بھی ہونا چاہئے۔

اب رہی یہ بات کہ حکومت نے اپنی طرف سے جس جس کو زمین دی ہے تو اس پر نہ عشر واجب ہے نہ نصف عشر تو یہ اس وقت ہوسکتا ہے کہ جب حکومت نے زمینداری ختم کرنے کے بعد زمینوں کے مالکوں کی ملکیت منسوخ کر کے اپنی ملکیت کا اعلان کر دیا ہو اور پھر حکومت نے اپنی طرف سے زید، عمر، سیتارام اور تارا سنگھ وغیرہ کو زمین دی ہو لیکن ایسا واقعہ نہیں ہے، حکومت نے جن جن صورتوں میں زمین داری ختم کی اور زمین دار کی جگہ خود وہاں کوئی نئی ہندوبستی عمومی طریقے پر نہیں کی گئی، اس لئے یہ سوال ہی نہیں ہوتا کہ زمینداری ختم ہونے کے بعد جو زمین حکومت کی ملک قرار پا گئی اور پھر حکومت نے اپنی طرف سے لوگوں کو زمین دی ہو۔ اس حالت میں عرض ہے کہ جواب پر نظر ثانی فرمائی جائے اور اس عاجز کی اور ساتھ ہی ساتھ ہزاروں اہل علم کی تشنگی جو اس جواب سے پیدا ہوئی دور فرمائی جائے۔ والسلام۔

محمد عارف۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

زمینداری ختم ہونے کے بعد جب ہر زمین ملکِ حکومت قرار پا گئی پھر حکومت نے اپنی طرف سے جس جس کو بھی زمین دی ہے تو اس پر نہ عشر واجب ہے نہ نصفِ عشر، تاہم اگر کوئی شخص عشر یا نصفِ عشر ادا کر دے تو موجبِ خیر و برکت ہے، جس قدر بھی وہ زیادہ غرباء کو دے گا اجر و ثواب پائے گا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۳/۸۷ھ۔

الجواب ھوالموفق للصواب:

وجوبِ عشر کا مدار حقوق پر نہیں بلکہ مِلک پر ہے یعنی وجوبِ عشر کے لئے شرط یہ ہے کہ زمین مسلمانوں کی مِلک ہو اور جب سے مسلمانوں نے اس مُلک کو فتح کیا ہو اس کی زمین غانمین میں تقسیم ہوئی ہو اور اس وقت سے آج تک برابر مسلمانوں کی ہی ملک چلی آ رہی ہو:

"إرثاً أوشراءً وغير ذلك. أما شرط الأهلية فنوعان: أحدهما الإسلام، وإنه شرط ابتداء هذا الحق، فلا يبدأ بهذا الحق إلاعلى مسلم بلا خلاف؛ لأن فيه معنى العبادة، والكافر ليس من أهل وجو بها ابتداءً، فلا يبدأ عليه". (بدائع الصنائع: ۲/٥٤، في بيان العشر(۱)۔

درمیان میں کسی کافر کی ملک میں نہ چلی گئی ہو اور اگر درمیان میں کسی کافر کی ملک میں چلی گئی ہوگی تو عشری نہ رہے گی، چنانچہ فقہائے کرام کی عبارتیں اسی کی تصریح کرتی ہیں: "واشترى ذمىٌّ أرضاً عشريةً من مسلم، فعليه الخراج". ملتقى الأبحر على هامش مجمع الأنهر: ۱/۲۱۷(۲)۔ ہدایہ میں ہے: "ولو كانت الأرض لمسلم باعها لنصرانيّ -يريد به ذمياً غير تغلبيّ- وقبضها، فعليه الخراج عند أبي حنيفة رحمه الله؛ لأنه أليق بحال الكافر". هدايه: ۱/۱۷٥(۳)۔

فتح القدیر میں شیخ ابن ہمام فرماتے ہیں: "وإذا اشترى ذمىٌّ غير تغلبيّ خراجيةً أو تضعيفيةً، بقيت على حالها، لو اشترى عشريةً من مسلم فعند أبي حنيفة رحمه الله تصير خراجيةً إن استقرت في ملكه". فتح القدير: ۲/ ۱۹٦(٤)۔ علامہ جلال الدین خوارزمی شارحِ ہدایہ فرماتے ہیں: "كذميّ اشترى أرض عشر من مسلم، ففيه الخراج عند أبي حنيفة رحمه الله". كفاية مع الفتح: ۱۹۸/۲(٥)۔ من مسلم كنزالدقائق، ص: ٦۳(٦)۔ علامہ شامی حاشیہ بحرالرائق میں تحریر فرماتے ہیں: "ولو أن كافراً اشترى أرضاً عشريةً، فعليه الخراج في قول أبي حنيفة رحمه الله". منحة

(۱) (بدائع الصنائع، كتاب الزكاة، فصل في شرائط الفرضية: ۴۹۲/۲، دارالكتب العلمية، بيروت)

(۲) (ملتقى الأبحر على هامش مجمع الأنهر، كتاب الزكاة، باب زكاة الخارج: ۱/۲۱۷، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(۳) (الهداية، كتاب الزكاة، باب زكاة الزروع والثمار: ۱/۲۰۳، مكتبه شركت عليمه ملتان)

(۴) (فتح القدير، كتاب الزكاة، باب الزروع والثمار: ۲/۲۵۳، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

(۵) "كذمي اشترىٰ أرض عشر من مسلم ففيه الخراج". (الكفاية مع الفتح، باب زكاة الزروع والثمار: ۱۹۸/۲، رشيديه)

(۶) (كنز الدقائق، كتاب الزكاة، باب العشر، ص: ۶۳، رشيديه)

الخالق حاشیہ البحر الرائق: ۲/۲۳۹(۱)۔

اب اس کے بعد اگر اس کافر سے مسلمان نے خریدی یا کسی اَور طریقہ سے مسلمان کی ملک میں آئی تو یہ زمین عشری نہ بنے گی: "فصار شراء المسلم من الذمیّ بعد ماصارت خراجیةً فتصير على حالها، ذكره التمرتاشي، كما إذا أسلم هو واشتراها منه مسلم اٰخر". فتح القدير: ۲/۱۹۷(۲)۔

اب ہمیں دیکھنا ہے کہ خاتمہ زمینداری سے پہلے زمین کس کی ملک تھی، تو اس میں دو احتمال ہیں: پہلا یہ کہ زمین سرکاری ملک میں ہو جیسا کہ بعض کا خیال ہے، گو دلائل کے اعتبار سے یہ بات کچھ قوی نہ ہو۔ اس احتمال پر زمینداری کا مطلب یہ ہوا کہ سرکار کو چونکہ کاشتکاروں سے براہِ راست لگان وصول کرنے میں دشواری رہتی ہے اس لئے اس نے خطے بنا کر زمینداروں میں تقسیم کردیئے کہ یہ لوگ یعنی زمیندار کاشت کاروں سے لگان وصول کرلیا کریں اور سرکار میں پہونچا دیا کریں تاکہ سرکار کو اس کی وصولیابی میں دشواری نہ ہو تو گویا زمیندار مالکِ زمین نہیں ہوتے تھے بلکہ مالک تو سرکار ہی تھی، زمیندار تو کاشتکار اور سرکار کے درمیان لگان کی وصولیابی کا واسطہ تھے اور جو کچھ ان کو ملتا تھا وہ ان کی اجرت تھی۔

بہر حال زمیندار کی حیثیت اس صورت میں ایک اجیر سے بڑھ کر نہ تھی، ان کو جو کچھ اختیارات بھی دیئے گئے تھے وہ محض اسی حیثیت سے تھے، اب جب کہ سرکار بدلی اور انگریز کی جگہ نئی سرکار نے لی تو اس نے زمینداروں کی اس حیثیت کو ختم کردیا اور چونکہ انہوں نے اتنی مدت تک سرکار کی خدمت کی تھی اس لئے اس کے عوض کے طور پر اور ان سے جو اختیارات چھین لئے گئے اس کی اشک شوئی کرتے ہوئے انہیں کچھ رقم بھی بونس کی شکل میں دی، یہ ایسا ہے جیسے پنشن کہ سابقہ خدمت کے عوض کردی جاتی ہے۔

ان اختیارات کو ختم کرنے کا نام "خاتمۂ زمینداری" ہے تو اس صورت میں زمین زمیندار کی ملک تھی ہی نہیں بلکہ سرکار کی ملک تھی، اس میں وجوبِ عشر کا سوال ہی نہیں اس لئے کہ سرکار اور حکومت اگر مسلمان ہو تو اس وقت بھی عشر واجب نہیں ہوتا، چنانچہ الدار المنتقی میں ہے: "وهذا نوعٌ ثالثٌ يعني لا عشرية ولا خراجية

---

(۱) (منحة الخالق على البحر الرائق، كتاب الزكاة، باب العشر: ۲/۴۱۷، رشیدیه)

(۲) (فتح القدير، كتاب الزكاة، باب زكاة الزروع والثمار: ۲/۲۵۴، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

من الأراضي تسمى أراضي المملكة، ص: ۲/٦٧١(۱)۔ چنانچہ جب سرکار مسلم ہو اس وقت سرکاری زمین میں نہ عشر واجب ہے نہ خراج تو جب سرکار غیر مسلم ہو تو اس وقت بطریقِ اَولیٰ یہ حکم ہوگا۔

دوسرا احتمال یہ ہے کہ زمین، زمیندار ہی کی ملک تھی جیسا کہ اکثر علمائے کرام کی تصریحات ہیں اور دلائل کے اعتبار سے بھی اقرب واظہر ہے تو اس صورت میں ختمِ زمینداری کا مطلب یہ ہوا کہ وہ زمین زمیندار سے خرید لی گئی، گو جبراً ہی صحیح اور کاشتکار کے ہاتھ فروخت کردی گئی اور کاشتکار کو خریدنے پر مجبور نہیں کیا بلکہ یوں کہا کہ جو دس گنا ادا کرے وہ لے لے۔ کاشتکار نے براہِ راست زمیندار سے خریدی نہ ہو، اس لئے کہ ان دونوں میں خرید وفروخت ہوتی ہی نہیں۔ لامحالہ سرکار نے زمیندار سے خریدی اور کاشتکار کو فروخت کی تو اس میں ملک کافر کا تخلل ہوگیا اور عشر ساقط ہوگیا(۲)۔

کتبِ فقہ: خانیہ(۳)، بحر(۴)، طحطاوی(۵)، عالمگیری(٦) وغیرہ تقریباً سبھی میں یہ مسائل بصراحت موجود ہیں جو اہلِ علم حضرات کی نظر سے مخفی نہیں، پھر تعجب ہے کہ اس عاجز کے جواب سے ہزاروں اہلِ علم کو تشنگی کیوں پیدا ہوئی، کیا یہ سب کتابیں تشنگی دفع کرنے کے لئے کافی نہیں، غالباً جواب مختصر ہونے اور استدلالی عبارات جواب میں نقل نہ کرنے اور اہلِ علم کی وسعتِ نظر پر اعتماد کرنے سے ایسا ہوا۔ تاہم اگر اسکے خلاف کتبِ مذہب میں دلائلِ قویہ موجود ہوں اور اس عاجز نے سمجھنے میں غلطی کی ہو تو دینی بات میں اصرار نہیں،

---

(۱) (الدرالمحتار، المنتقىٰ في شرح الملتقىٰ، باب العشر والخراج: ۲/۴۲۲، المكتبة الغفارية)

(۲) حضرت مولانا مفتی شفیع صاحب ؒ ہندوستانی اراضی کے عشری یا خراجی ہونے کی تحقیق کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''اگر کسی جگہ مسلمانوں کی متروکہ زمین حکومتِ ہند نے کسی کو ابتداءً دیدی ہو تو وہ بھی بوجہِ استیلاء کے عشری نہ رہے گی بلکہ خراجی ہوجائے گی''۔ (اسلام کا نظامِ اراضی، ص: ۱۸۰، عشر وخراج کے احکام، دارالاشاعت کراچی)

(وكذا في امداد الفتاوى: ۲/٦٠، فصل في العشر والخراج، مكتبه دارالعلوم كراچي)

(وكذا في فتاوى دار العلوم ديوبند: ۲/۱۹۱، چهٹا باب عشر، امداديه ملتان)

(۳) (الخانية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، فصل في العشر والخراج: ۱/۲۷۰ - ۲۷٦، رشيديه)

(۴) (البحر الرائق، باب العشر: ۲/۴۱۲-۴۱۸، رشيديه)

(۵) (حاشيه الطحطاوي على الدرالمختار، باب العشر: ۱/۴۱۷ - ۴۲۲، دار المعرفة بيروت)

(٦) (الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب السادس في زكاة الزروع والثمار: ۱/۱۸۵-۱۸۷، رشيديه)

سمجھ میں آنے پر انشاء اللہ تعالیٰ رجوع سے دریغ نہ ہوگا۔حق تعالیٰ ضد اور ہٹ سے محفوظ رکھے۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند،۱۴/۲/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند،۱۵/۲/۸۸ھ۔

نقد، زمین وغیرہ میں زکوۃ

سوال[۴۵۵۸]: ۱......جس زمین کی مالگذاری فی بیگہ دوروپیہ، تین روپیہ، چارروپیہ تک سالانہ ہو اس زمین کی بھی زکوۃ نکالنی چاہئے یا نہیں؟ اگر زکوۃ اس میں نکالنا فرض ہے تو کیا زمین کی قیمت لگا کر، اگر زمین کی پیداوار کی زکوۃ نکالنا ہے تو کتنا پیدا ہونے سے زکوۃ فرض ہوتی ہے؟ کیا اس وقت زکوۃ پیداوار کی نکال دینی چاہئے یا سال بھر اپنی ضروریات میں خرچ کرنے کے بعد اور مالگذاری ادا کرنے کے بعد زکوۃ نکالنی چاہئے؟

۲......زید کی دال کی ایک مشین ہے اس مشین کی قیمت لگا کر زکوۃ نکالنی چاہئے یا جو نفع سال بھر میں ہو وہ اپنی ضروریات میں صَرف کرنے کے بعد جو روپیہ باقی رہے اس میں زکوۃ واجب ہوگی؟

۳......جو سکہ ہندوستان میں انگریزی رائج ہے اس میں زکوۃ کس حساب سے نکالی جائے، سینکڑہ میں کتنی زکوۃ نکالنی پڑے گی؟

۴......زید کے پاس کچھ نقد روپے ہیں اور کچھ زمین ہے، رمضان کا مہینہ زکوۃ کے لئے مقرر کیا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ نقد روپیہ میں تو زکوۃ رمضان میں نکالیں گے، باقی زمین کی پیداوار میں زکوۃ فی الحال نکالی جائے گی، یا اپنی ضرورت میں خرچ کرنے کے بعد جو غلہ بچ جائے گا وہ رمضان میں فروخت کر کے قیمت نقد روپیہ میں ملا کر زکوۃ نکالی جاوے؟

۵......جن علماء کے نزدیک ہندوستان دارالحرب ہے، چند کفار کی زمین زید کے پاس مرہون ہے، زکوۃ زمین کی پیداوار سے نکالی جاوے گی یا جو روپیہ باقی ہے اس کی زکوۃ نکالی جاوے گی؟

۶......زید کا کچھ روپیہ بقدرِ حساب لوگوں کے پاس باقی ہے جس کے وصول ہونے کے بہت کم امید ہے۔کیا زید پر اس روپیہ کی زکوۃ واجب ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

۱...... ہندوستان کی جو زمین کفار کے قبضہ میں تھی یا ہے اس میں زکوۃ واجب نہیں اور سلطنتِ اسلامیہ کے زمانے سے جو زمین برابر مسلم کے قبضہ میں آرہی ہے وہ عشری ہے اس کی پیداوار کی زکوۃ بہرصورت واجب ہے (۱) خواہ مالگذاری کتنی ہی دینی پڑتی ہو، خواہ پیداوار کم ہو یا زیادہ ہو اس کا کوئی حساب متعین نہیں اور نہ سال گزرنا یا سال بھر تک باقی رہنا شرط ہے، اس میں زمین کی قیمت کا اعتبار نہیں بلکہ کل پیداوار کا (بغیر مالگذاری اور بیج کی قیمت اور ملازمین کی تنخواہ اور جانوروں کی خوراک اور اپنا خرچ منہا کئے) دسواں حصہ (جب کہ کھیتی بارش کے پانی سے یا نہری پانی سے ہوتی ہو) پہلے ہی علیحدہ کر کے مستحقین کو دیدیا جاوے۔ اور کنویں کے پانی سے ہر ٹ پرس وغیرہ کے ذریعہ سے کھیتی ہوتی ہے تو کل پیداوار کا بیسواں حصہ پہلے ہی نکال دیا جاوے اس کے بعد میں اپنے خرچ میں لانا چاہئے۔

۲......اس مشین پر زکوۃ واجب نہیں ہے کیونکہ وہ مالِ تجارت نہیں ہے (۲)، البتہ سونے اور چاندی پر جب کہ بقدرِ نصاب ہو اور حوائجِ اصلیہ سے زائد ہو اور اس پر سال بھر گزر جائے زکوۃ واجب ہے خواہ اس مشین کے ذریعہ سے حاصل ہوا ہو یا کسی اور ذریعہ سے (۳)۔

---

(۱) "كل أرض أسلم أهلها أو فتحت عنوةً، وقسمت بين الغانمين، فهي أرض عشر؛ لأن الحاجة إلى ابتداء التوظيف على المسلم، والعشر أليق به لما فيه من معنى العبادة ......الخ". (الهداية: ۲/ ۱۵۹، باب العشر والخراج، مكتبه شركة علميه ملتان)

(وكذا في ردالمحتار: ۴/ ۱۷۶، باب العشر والخراج، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۱/ ۲۶۱، باب العشر والخراج، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في خلاصة الفتاوى: ۱/ ۲۴۶، الفصل العاشر في العشر والخراج، امجد اكيڈمي لاهور)

(۲) "فليس في دور السكنى .... و سلاح استعمال زكاةٌ ..... و كذا كتب العلم إن كان من أهله، وآلات المحترفين، هذا في الآلات التي ينتفع بنفسها، و لا يبقى أثرها في المعمول". (الفتاوى العالمكيرية: ۱/ ۱۷۲، كتاب الزكاة، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار: ۲/ ۲۶۵، كتاب الزكاة، سعيد)

(وكذا في فتح القدير: ۲/ ۱۶۴، كتاب الزكاة، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۳) "مال التجارة نوعان: أحدهما ماخلق ثمناً وهو الذهب والفضة، ففي الذهب في كل عشرين مثقال =

۳......سو روپیہ میں اڑھائی روپیہ یا اڑھائی روپیہ کے وزن کے برابر چاندی یا اس چاندی کی قیمت کی کوئی اَور شئی نکالنی چاہئے (۱)۔

۴......اس کا جواب پہلے نمبر میں آچکا ہے۔

۵......اس زمین میں زکوۃ نہیں ہے اور روپیہ کی زکوۃ جب روپیہ تمام یا بقدرِ نصاب یا خمس نصاب وصول ہو تب گذشتہ تمام سالوں کی ادا کردے۔

۶......واجب ہے لیکن کم از کم خمس نصاب وصول ہو جانے پر اس کی ادائیگی واجب ہوگی پھر جب دوسرا خمس وصول ہو تو اس کی زکوۃ ادا کردے (۲)۔

= ذهب نصف مثقال، مضروباً كان أولم يكن، مصوغاً أو غير مصوغ، حلياً كانت للرجال أو للنساء، تبراً كان أو سبيكة، يعتبر في الذهب وزن المثاقيل وفي الدراهم وزن سبعة". (خلاصة الفتاوىٰ: ۱/۲۳۷، كتاب الزكوة، الفصل الخامس في زكوة المال، امجد اكيڈمى لاهور)

"ليس فيما دون مائتي درهم صدقة .... فإذا كانت مائتين وحال عليها الحول، ففيها خمسة دراهم، لأنه عليه السلام كتب إلى معاذ رضي الله تعالىٰ عنه: أن خُذ من كل مائتي درهم خمسة دراهم ومن كل عشرين مثقالاً من ذهب نصف مثقال .... ليس فيما دون عشرين مثقالاً من ذهب صدقة فإذا كانت عشرين مثقالاً ففيها نصف مثقال". (الهداية: ۱/۱۹۴-۱۹۵، كتاب الزكوة، باب زكوة المال، شركت علميه)

(۱) "من كان عليه دين يحيط بماله، فلا زكوة عليه، وإن كان ماله أكثر من دينه، زكّى الفاضل إذا بلغ نصاباً". (الهداية: ۱/۱۸۶، كتاب الزكاة، شركة علميه ملتان)

(وكذا في الدر المختار: ۲/۲۶۲، كتاب الزكاة، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۲/۲۴، دار الكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في التاتارخانية: ۲/۲۸۷، الفصل العاشر في بيان ما يمنع وجوب الزكاة، إدارة القرآن كراچى)

(۲) "واعلم أن الديون عند الإمام ثلاثة: قوى و متوسط و ضعيف، فتجب زكاتها إذا تم نصاباً و حال الحول، و لكن لا فوراً، بل عند قبض أربعين درهماً من الدين القوى كقرض و بدل مال تجارة، الخ". (الدر المختار: ۲/۳۰۵، باب زكاة المال، سعيد)

(وكذا في التاتارخانية: ۲/۲۹۹، الفصل الثاني عشر في زكاة الديون، ادارة القرآن كراچى) .... =

۷...... جب زید کے روپیہ کے برابر اس زمین سے وصول ہوجائے تو زید زمین چھوڑ دے اور اصل مالک کے حوالے کردے کہ میں اپنا مطالبہ وصول کرچکا ہوں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم، ۱۶/ ذی الحجہ/ ۵۶ھ۔

زکوٰۃ وعشر اور مصرف کی تحقیق

سوال [۴۵۵۹]: ۱...... زمینی پیداوار کی زکوۃ چالیسواں حصہ ہے یا بیسواں حصہ؟ اور کن شرائط کے ساتھ یعنی کیا موجودہ حکومت کا لگان اور مال گزاری دینے کی حالت میں بھی زکوۃ کی وہی مقدار ادا کرنی پڑے گی جو اسلام نے اسلامی حکومت میں مقرر کی ہے؟

۲...... زمینی پیداوار میں صرف غلہ مثلاً گیہوں اور چنا وغیرہ کا شمار ہے، یا اَدرک اور آلو وغیرہ بھی زمینی پیداوار میں شامل ہے؟

۳...... زمینی پیداوار کی زکوۃ کب فرض ہوتی ہے حاصل ہونے کے ساتھ ہی یا سال بھر تک کھانے پینے سے اگر بچے اس وقت؟

۴...... پیدوار کی زکوۃ پوری حاصل شدہ پیداوار میں نکلے گی یا مزدوری اور دیگر ضروری اخراجات نکال کر جو باقی بچے اس میں سے زکوۃ نکلے گی؟

۵...... مقروض پر زکوۃ فرض ہے یا نہیں، اگر فرض نہیں ہے تو صرف سونے چاندی کی فرض نہیں ہے یا پیدوار کی بھی زکوۃ اس پر فرض نہیں ہے؟

۶...... اگر کوئی شخص مقروض ہے لیکن اس کے پاس اتنی جائیداد بصورتِ زمینداری موجود ہے، جس کی قیمت قرض کے بارسے زائد ہے، اور مقروض اس جائیداد کا پورا مالک ہے، فروخت اور رہن سب کچھ کرنے کا اختیار رکھتا ہے، ایسی حالت میں اس کے لئے سونے چاندی اور زمینی پیداوار کا کیا حکم ہے یعنی ان چیزوں کی زکوۃ اس پر فرض ہے کہ نہیں؟

۷...... اگر کہیں مسلمانوں نے مل کر اپنا ایک قومی بیت المال قائم کرلیا ہو وہاں کوئی شخص زکوۃ نکال کر

= (وكذا في خلاصة الفتاوىٰ: ۱/ ۲۳۸، الفصل السادس في الديون، امجد اكيڈمی لاهور)

بیت المال میں نہ بھیجے بلکہ بطورِ خود تقسیم کردے تو یہ زکوۃ ادا ہوئی کہ نہیں؟

۸......کیا زکوۃ کی رقم وجنس ایسے مکاتب میں لگائی جاسکتی ہے جو تعلیم قرآن پاک کے لئے قائم کئے گئے ہوں؟

۹......کیا زکوۃ کی رقم کسی ایسے جلسہ میں خرچ ہوسکتی ہے جو تبلیغِ اسلام کے خیال سے منعقد کئے جائیں؟ مثلاً بارہ ربیع الاول کا جلسہ میلا دالنبی جس میں غیر مسلمین کو خصوصیت کے ساتھ اس لئے دعوت دی جاتی ہے کہ ان کے سامنے اسلام اور شارحِ اسلام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فضائل پیش کئے جائیں اور وہ اس کا کوئی بہتر اثر قبول کرسکیں۔

۱۰......اگر سونے چاندی اور پیداوار کی زکوۃ نہ نکالی جائے تو اس کے استعمال کے متعلق کیا حکم ہے یعنی اس سونے چاندی یا غلہ کا استعمال کرنا اور کھانا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز نہیں ہے تو کس مرتبہ میں یعنی صرف ناجائز ہے یا حرام؟

۱۱......زیور کی زکوۃ فرض ہے یا نہیں؟

۱۲......عام خیرات وزکوۃ ایسے لوگوں کو جو............اور دیگر ذرائع آمدنی رکھتے ہیں، روپے اور غلہ کے خود مالک ہیں جائز ہے یا نہیں؟ نیز ان لوگوں کو زکوۃ وخیرات دینا جائز ہے یا نہیں جو ہاتھ پاؤں کے مضبوط ہیں یعنی محنت کرنے کے قابل ہیں لیکن بلا وجہ محنت نہیں کرتے؟ نیز یہ بھی ارشاد ہو کہ ان دونوں قسموں کے لوگوں کو خیرات اور زکوۃ کی رقم وجنس کا کھانا جائز ہے یا نہیں؟

۱۳......موجودہ فقیر جو ہاتھ پاؤں کے مضبوط یا کھیت اور روپے وغیرہ کے مالک ہیں لیکن بھیک مانگتے پھرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم ذات کے فقیر ہیں۔ ان کو از روئے شریعت بھیک دینا جائز ہے کہ نہیں اور ان کے لئے بھیک مانگنا جائز ہے یا نہیں؟ نیز کیا اسلام میں فقیر کی کوئی ذات ہے کہ نہیں؟

۱۴......اگر نمبر:۱۳ میں درج شدہ لوگوں کو زکوۃ وخیرات دینا جائز ہے تو اس زکوۃ وخیرات کا کوئی ثواب بھی دینے والے کو ملے گا یا نہیں؟

۱۵......جو لوگ اپنے کو ذات کا فقیر کہتے ہیں لیکن پیداوار اور سونے چاندی کے مالک ہیں ان پر زکوۃ فرض ہے کہ نہیں؟ ازراہِ عنایت مذکورہ بالا مسائل کے متعلق بالتفصیل قرآن پاک واحادیث نبوی وفتاوی فقہیہ کے

حوالہ سے جواب تحریر فرمائیں اور ہر نمبر کا علیحدہ علیحدہ بالترتیب جواب دینے کی زحمت گوارہ کریں اور خدا سے اجر وثواب حاصل کرنے کے لئے مستحق بنیں۔

المستفتی: سکریٹری کمیٹی قاضی پورہ نواب گنج گونڈہ یوپی۔

الجواب حامداً و مصلياً:

۱...... جو غلہ وغیرہ عشری زمین سے پیدا ہو خواہ اس کی پیداوار بارش کے پانی سے ہوئی ہو یا قدرتی نہر وغیرہ کے پانی سے بلا قیمت ہوئی ہو، اس میں زکوۃ واجب ہے اور وہ پیداوار کا دسواں حصہ ہے:

"قال أبو حنيفة رحمة الله تعالىٰ عليه: و في قليل ما أخرجته الأرض و كثيره العشر، سواء سقىٰ سيحاً أو سقته السماء". هدايه، ص: ۱۸۱(۱)۔

اور اگر چرس(۲) یا ہرٹ وغیرہ کے ذریعہ سے اس میں کاشت کی گئی ہے تو اس کی زکوۃ پیداوار کا بیسواں حصہ ہے:

"و يسقى بغرب أو دالية أو سانية، ففيه نصف العشر على القولين". هدايه (۳)۔

مالگذاری اور لگان دینے سے یہ زکوۃ ادا نہ ہوگی۔

۲...... یہ چیزیں بھی پیداوار میں شمار ہیں ان میں بھی زکوۃ مذکورہ لازم ہے: "فيما سقته السماء أو سقىٰ سيحاً أو أخذه من ثمر جبل العشرُ، قل أو كثر"(۴)۔

---

(۱) (الهداية: ۱/۲۰۱، باب زكاة الزروع والثمار، مكتبه شركة علميه ملتان)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۱۸۶، الباب السادس في زكاة الزروع والثمار، رشيديه)

(وكذا في مختصر الطحاوي: ص: ۴۶، باب زكوة الثمار والزروع، سعيد)

(۲) "چرس: چڑے کا بڑا ڈول"۔ (فیروز اللغات، تحت لفظ چ-ر، ص: ۵۲۶، فیروز سنز، لاہور)

(۳) (الهداية: ۱/۲۰۱، باب زكاة الزروع والثمار، مكتبه شركة علميه ملتان)

(وكذا في التبيين: ۲/۱۰۶، باب العشر، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۱/۳۱۹، باب زكاة الخارج، دار الكتب العلمية بيروت)

(۴) (ملتقى الأبحر على مجمع الأنهر: ۱/۳۱۷، باب زكاة الخارج، دار الكتب)

"يجب العشر عند أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ في كل ما تخرجه الأرض من الحنطة والشعير =

۳......حاصل ہونے کے ساتھ ہی لازم ہو جاتی ہے سال بھر گزرنا لازم نہیں:"بلا شرط نصاب و بقاء و حولان حول". سکب الأنہر (۱)۔

۴......پوری پیداوار میں سے لگائی جائے گی مزدوری وغیرہ کو اس سے منہا نہیں کیا جائے گا:"و کل شیء أخرجته الأرض عما فیه العشر لا یحتسب أجرة العمال و نفقة البقر اھ"(۲)۔

۵، ۶......قرض کی ادائیگی کے بعد اگر سونا یا چاندی بقدرِ نصاب اس کے پاس بچے تو اس پر زکوۃ فرض ہے ورنہ نہیں (۳) زمین کی پیداوار میں بہرصورت زکوۃ یعنی عشر واجب ہے۔

= والدخن والأرز و أصناف الحبوب، والبقول والرياحين والأوراد والرطاب و قصب السكر والذريرة والبطيخ والقثاء و الخيار والباذنجان والعصفر وأشباه ذلك مما له ثمرة باقية أو غير باقية قل أو كثر".

(الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۱۸۶، الباب السادس في زكاة الزروع والثمار، رشيديه)

(وكذا في الهداية: ۱/۲۰۱، باب زكاة الزروع والثمار، مكتبه شركة علميه ملتان)

(وكذا في الدر المختار: ۲/۳۲۵، باب العشر، سعيد)

(۱) "بلا شرط نصاب، و بلا شرط بقاء و حولان حول؛ لأن فيه معنى المؤنة". (الدر المختار: ۲/۳۲۶، باب العشر، سعيد)

(وكذا في الدر المنتقى شرح الملتقى: ۱/۳۱۷، باب زكاة الخارج، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في النهر الفائق: ۱/۴۵۳، باب العشر، امداديه ملتان)

(۲) (الهداية: ۱/۲۰۲، باب زكاة الزروع والثمار، مكتبه شركة علميه ملتان)

"(بلا رفع مؤن) يجب العشر في الأول و نصف في الثاني بلا رفع أجرة العمال و نفقة البقر وكرى الأنهار وأجرة الحافظ و نحو ذلك". (ردالمحتار: ۲/۳۲۸، باب العشر، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۱/۳۲۰، باب زكاة الخارج، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في البحر الرائق: ۲/۴۱۶، باب العشر، رشيديه)

(۳) "و من كان عليه دين يحيط بماله، فلا زكاة عليه وإن كان أكثر من دينه، زكى الفاضل إذا بلغ نصاباً، الخ". (فتح القدير: ۲/۱۶۰، مصطفى البابي الحلبي، مصر)

(وكذا في ردالمحتار: ۲/۲۶۲، كتاب الزكاة، سعيد)

۷......ادا ہو جائے گی (۱) اگر بیت المال کے ذمہ دار منتظم اسے صحیح مصرف پر صرف کرتے ہیں تو وہاں دینا بھی درست ہے۔

۸......زکوٰۃ سے غریب لڑکوں کو جو کہ سیّد نہ ہوں وظیفہ اور کپڑا وغیرہ تملیکاً دینا واجب ہے (۲)، مکتب کی تعمیر میں لگانا یا معلم کی تنخواہ میں دینا درست نہیں، اگر کسی مستحق کو زکوٰۃ دیجائے اور وہ اس پر قبضہ کرکے اپنی طرف سے مکتب کے متولی اور مہتمم کو دیدے تو پھر معلم کی تنخواہ وغیرہ میں دینا بھی درست ہوگا (۳)۔

۹......ادائے زکوٰۃ کے لئے یہ ضروری ہے کہ کسی غریب مسلم غیر سید کو بلاکسی معاوضہ ومنفعت کے برائے خدا تملیکاً دی جاوے اور ایسے جلسوں میں یہ صورت نہیں ہوتی، لہذا جلسہ میں خرچ کرنے سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی:

"الزكوة هي تمليك المال من فقير مسلم غير هاشمي و لا مولاه بشرط قطع المنفعة عن المَمَّلك من كل وجه للّٰه تعالىٰ". زيلعي (٤)۔

۱۰......زکوٰۃ اگر فرض ہو اور کوئی ادا نہ کرے تو وہ سخت گنہ گار، فاسق اور مردود الشہادۃ ہے مگر اس مال میں حرمت نہیں آتی (۵)، اگر چہ غلہ کا کھانا قبل ادائے زکوٰۃ منع ہے (۶)۔

---

(۱) "في المال الظاهر الأفضل أن يؤدى الزكاة بنفسه؛ لأنهم لا يضعون مواضعها". (خلاصة الفتاوى: ۱/۲۴۱، جنس آخر في أداء الزكاة، امجد اكيڈمي لاهور)

(وكذا في ردالمحتار: ۲/۳۳۷، باب العشر، سعيد)

(۲) "ولو أدى من خلاف جنسه، تعتبر القيمة بالإجماع". (مجمع الأنهر: ۱/۳۰۵، كتاب الزكاة، دارالكتب العلمية بيروت)

(۳) "وحيلة التكفين بها التصدق على فقير، ثم هو يكفن، فيكون الثواب لهما، و كذا في تعمير المسجد، و تمامهٗ في حيل الأشباه". (الدرالمختار: ۲/۲۷۱. كتاب الزكاة، سعيد)

(۴)(تبيين الحقائق: ۲/۱۲۱، كتاب الزكوٰة، باب المصرف، دارالكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في ردالمحتار: ۲/۲۵۶، كتاب الزكاة، سعيد)

(۵) "عن محمد: أن من لم يؤد الزكاة، لم تقبل شهادته". (بدائع الصنائع: ۲/۳۷۴، في كيفية فرضها، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في التاتارخانية: ۲/۲۱۸، كتاب الزكاة، إدارة القرآن كراچي)

(۶) "و لا يأكل من طعام العشر حتى يؤدى العشر، وإن أكل ضمن عشره". (الدرالمختار: ۲/۳۳۲، باب العشر، سعيد) =

۱۱......جس طرح چاندی سونے میں زکوۃ ضروری ہے اسی طرح چاندی سونے کے زیور میں بھی زکوۃ ضروری ہے:

"یجب فی مائتی درهم و عشرین دیناراً رُبع العشر و لو تبراً أو حلیاً، اهـ. و دلیل وجوب الزکوة فی الحلی أحادیث فی السنن: منها قوله علیه السلام لعائشة رضی الله تعالیٰ عنها لما تزینت له بالفتخات: "أتؤدین زکوتهن"؟ قالت: لا، قال: "هو حسبك من النار، اهـ". بحر: ۲/۲۲۹(۱)۔

۱۲......جو شخص ایک زکوۃ یعنی ساڑھے باون تولہ چاندی یا اس کی قیمت کی کوئی اَور شی رکھتا ہو اور وہ اس کی حاجتِ اصلیہ سے زائد ہو اگر چہ اس پر سال بھر نہ گزرا ہو اور اگر چہ وہ تجارت کے لئے نہ ہو، ایسے شخص کو زکوۃ ہرگز نہ دیجائے ورنہ زکوۃ ادا نہ ہوگی، شرعاً ایسا شخص غریب اور فقیر نہیں اور ایسے شخص کو زکوۃ لینا حرام ہے اور اس قدر مالیت اس کے پاس نہیں تو اس کو زکوۃ دینا جائز ہے اگر چہ اس میں کمانے کی قدرت ہو:

"(المصرف) هو الفقیر، وهو من یملك لا یبلغ نصاباً و لا قیمة من أیّ مال کان، و لو صحیحاً مکتسباً، اهـ". مراقی الفلاح، ص:۴۱۷(۲)۔

تاہم بہتر یہ ہے کہ جو شخص زیادہ حاجت مند ہے اور کمانے سے عاجز ہے اس کو دی جائے، جس کے پاس کھیت کی آمدنی اس قدر نہیں کہ اس کو اور اس کے اہل وعیال کو کافی ہو اس کو زکوۃ دینا درست ہے اگر چہ کھیت کی قیمت زائد ہو۔

۱۳......جس شخص کے پاس ایک دن کا کھانا موجود ہو اس کو سوال کرنا اور بھیک مانگنا حرام ہے، کذا فی

= (وکذا فی بدائع الصنائع: ۲/۵۱۷، فصل فی وقت الوجوب، دار الکتب العلمیة بیروت)

(وکذا فی التاتارخانیة: ۲/۳۳۳، معرفة وجوب العشر عند ظهور الخارج، إدارة القرآن کراچی)

(۱) (البحر الرائق: ۲/۳۹۴، باب زکاة المال، رشیدیه)

(وکذا فی النهر الفائق: ۱/۴۳۶، باب زکاة المال، امدادیه)

(وکذا فی الدر المختار: ۲/۳۴۷ باب المصرف، سعید)

(۲) (مراقی الفلاح، باب المصرف، ص: ۷۱۹، قدیمی)

الطحطاوی، ص: ٤٢٠(١)، ایسے لوگوں کو بھیک دینا بھی ناجائز ہے، البتہ اگر کسی شخص کے متعلق علم نہ ہو کہ یہ مالدار ہے یا نہیں، یا اس کے غریب اور عاجز ہونے کا علم نہیں تو اس کو دینا درست ہے۔ شریعتِ مطہرہ میں سوال کو منع فرمایا ہے لہٰذا جب تک بغیر سوال کیے ضرورت پوری ہو جائے سوال کرنا حرام ہے، پس فقیر بننا اور باوجود صاحبِ مال و وسعت ہونے کے مانگنے کا پیشہ اختیار کرنا حرام ہے۔

۱۴..... ایسے لوگوں کو دینے سے زکوۃ ادا نہ ہوگی اور دینے کا گناہ ہوگا کہ اعانتِ معصیت ہے۔

۱۵..... اگر بقدرِ نصاب سونا یا چاندی ہے اور حاجتِ اصلیہ سے زائد ہے نیز اس پر سال بھر گزر چکا ہے تو زکوۃ فرض ہے اور پیداوار میں بھی زکوۃ لازم ہے:

"فرضت علی حر، مسلم، مکلف، مالك لنصاب من نقد و لو تبراً أو حلیاً أو زینةً أو ما یساوی قیمته من عروض تجارة فارغٍ عن الدین، و عن حاجته الأصلیة، نامٍ و لو تقدیراً. وشرط وجوب أدائها حولان الحول علی النصاب الأصلی، اهـ".(٢)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۵/۹/۵۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۶/ رمضان المبارک/ ۵۵ھ۔



(١) "ولا یحل أن یسأل شیئاً من القوت من له قوت یومه بالفعل أو بالقوة کالصحیح المکتسب، و یأثم معطیه إن علم بحاله لإعانته علی المحرم، الخ". (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، ص: ٤٢٢، باب المصرف، قدیمی)

(وکذا فی ردالمحتار: ۲/۳۵۴، باب المصرف، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق: ۲/۴۳۶، باب المصرف، رشیدیه)

(٢) "الزکاة إنما تجب إذا ملک نصاباً نامیاً حولاً کاملاً، الخ". (خلاصة الفتاوی: ۱/۲۳۵، کتاب الزکاة، امجد اکیڈمی لاهور)

(وکذا فی التاتارخانیة: ۲/۲۱۷، کتاب الزکاة، إدارة القرآن کراچی)

فصل فی أراضی الهند

(ہندوستان کی زمینوں میں عشر کا بیان)

اراضیٔ ہند سے متعلق تفصیل

سوال[۴۵۶۰]: یہ رسالہ کبھی نظروں سے نہیں گزرا، جواب سے بڑی تشفی ہوئی، ذرا اس کی وضاحت فرمائیں جو زمین مِلکِ مسلم نہ ہو، ہمارے قبضہ میں جو زمین ہے جو سرکار سے بندوبست کرلی ہے، کیا اس زمین پر ہماری ملکیت نہیں خاتمۂ زمینداری کے بعد تمام زمینوں کی مالک حکومت ہوگی، ہمارے پاس جو زمین ہے، ہم اس کے عارضی مالک ہیں۔

نور الہدیٰ قاسمی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

قانونِ زمیندار کی جو تشریحات جو حکومت کی طرف سے شائع ہوتی تھیں ان میں واضح کردیا گیا تھا کہ زمیندار مالک نہیں رہا اس کو معاوضہ دیا جائے گا، مالک حکومت ہے، وہ جس کو چاہے دے اور جس طرح چاہے دے۔ پھر اس صورت میں جب کہ مالک مسلم نہیں اس میں عشر کا کیا سوال (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۱۲/۸۸ھ۔

---

(۱) ''حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ اس سوال کے جواب میں فرماتے ہیں کہ: ''ضبط کرنے کے دو معنی ہوسکتے ہیں: ایک قبضہ مالکانہ، اگر یہ ہوا ہے تو وہ اراضی عشری نہیں ہیں۔ دوسرا قبضہ مِلکانہ وحکیمانہ ومنتظمانہ (اور احقر کے نزدیک قرائنِ قویہ سے اسی کو ترجیح ہے) اگر ایسا ہوا ہے تو اراضی عشریہ بحالہا عشری رہیں، البتہ اگر پہلے سے وہ ارض عشری نہ تھی یا سرکار نے کوئی دوسری زمین اس زمین کے عوض میں دیدی یا کسی صلہ میں اس کو زمین دی سو چونکہ وہ دینے سے قبل استیلاء سے سرکار کی ملک ہوگئی تھی لہٰذا وہ عشری نہ رہی، یہ دونوں فتاوی امداد الفتاوی میں ہیں۔ حضرت مولانا عزیز الرحمٰن صاحبؒ کے فتاوی میں بھی اسی مضمون کے شاہد ومؤید ہیں۔ (اسلام کا نظام اراضی، مؤلف مولانا مفتی محمد شفیع صاحب، =

ہندوستانی زمین کا حکم

سوال[۴۵۶۱]: ہندوستانی زمین عشری ہے یا خراجی؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

موجودہ حالت میں جب کہ زمینیں مِلکِ سرکار ہیں تو نہ وہ عشری ہیں نہ خراجی: "هذا نوع ثالث لا عشرية و لا خراجية من الأراضي، تسمى أراضي المملكة وأراضي الحوز، اهـ". شامی(۱)۔ فقط. واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

ہندوستان کی زمین عشری ہے یا خراجی؟

سوال[۴۵۶۲]: ہندوستان کی زمین (خواہ بہار کی ہو یا یوپی وغیرہ کی) عشری ہے یا خراجی؟ بحوالہ کتب معتبرہ جواب عنایت فرمائیں۔ بینوا تو جروا۔

المستفتی: محمد سعد اللہ بخاری، پیش امام جامع مسجد مونگیر، ۲۳/۱۱/۵۰ء۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

جو زمین بادشاہِ اسلام کے وقت سے مسلم کی مِلک و قبضہ میں ہیں ان میں عشر ہے، نیز جو زمین اس وقت مسلم کی ملک و قبضہ میں ہیں اور کسی غیر مسلم سے منتقل ہو کر ملک مسلم میں آنا معلوم نہیں تو بناء بر استصحابِ حال ان پر قبضۂ مسلم مستمر مان کر ان کو بھی عشری قرار دیا جائے گا۔ حکومت جو محصول لیتی ہے وہ خراج میں محسوب ہوسکتا ہے لیکن عشر کے حق میں محسوب نہیں ہوسکتا، فتاوی رشیدیہ حصہ سوم، ص: ۵۵ میں اس کی تصریح موجود ہے(۲)،

=ص: ۱۷۹، دارالاشاعت کراچی)

(وكذا في امداد الفتاوى: ۲/۲۰، فصل في العشر والخراج، مكتبه دارالعلوم كراچى)

(وكذا في فتاوى دار العلوم ديوبند: ۶/۱۹۱، چھٹا باب عشر، امداديه)

(۱) (رد المحتار: ۴/۱۷۸، مطلب: أراضي المملكة والحوز لا عشرية و لا خراجية، سعيد)

(وراجع أيضاً عنوان: "اراضی ہند سے متعلق تفصیل")

(۲) (فتاوىٰ رشيديه، ص: ۳۶۶، عشر وخراج کے احکام کا بیان، اداره اسلاميات لاهور)

ایسا ہی عزیز الفتاوی: ۱/۲/۷۷، ۶۷، وتتمہ جلد اول(۱) امداد الفتاوی، ص: ۵۰ (۲) وحوادث الفتاوی، ص: ۱۹ میں بعض علماء نے ہندوستان کے دارالحرب ہونے کی بناء پر یہاں کی زمینوں کو دونوں قسم کی مؤ ونتوں: عشر وخراج سے مستثنیٰ کردیا ہے:

"وما أسلم أهله طوعاً أو فتح عنوةً وقسم بين جيشنا والبصرة بإجماع الصحابة عشرية؛ لأنه أليق بالمسلم، الخ". در مختار۔ "(و قوله: وقسم بين جيشنا) احترز به عما إن أقسم بين قوم كافر غير أهله، فإنه خراجي، كما في النتف، و لو قال: بيننا، لَشمل ما إذا قسم بين المسلمين غير الغانمين، فإنه عشري؛ لأن الخراج لا يؤظف على المسلم ابتداءً". شامي: ۳/۲۰۴(۳)۔

"لا يؤخذ العشر من الخارج ترك السلطان أو نائبه الخراج لرب الأرض أو وهبه له، جاز عند الثاني، وحل له لو مصرفاً وأن لا تصدق، به يفتىٰ. و لو ترك العشر، لايجوز إجماعاً، ويخرجه بنفسه للفقراء، الخ". در مختار۔

" و كذا لو كانت عشريةً، لايؤخذ منها خراج؛ لأنهما لا يجتمعان. (قوله: لا يجوز إجماعاً) لعل وجهه أن العشر مصرفه مصرف الزكوة؛ لأنه زكوة الخارج، ولا يكون الإنسان مصرفاً لزكوة نفسه، بخلاف الخراج، فإنه ليس زكوة، و لذا يوضع على أرض الكافر". ملخصا(٤)۔

حکومت اگر ارضِ عشریہ سے خراج وصول کرے تو یہ ناجائز ہے اور اس سے عشر ادا نہیں ہوگا کیونکہ

---

(۱) (عزیز الفتاویٰ: ۱/۱۸ ۴، دارالاشاعت کراچی)

(۲) (امداد الفتاویٰ: ۲/ ۷۱، مکتبہ دارالعلوم کراچی)

(۳) (ردالمحتار على الدرالمختار: ۴/۱۷۶، باب العشر والخراج والجزية، سعيد)

(وكذا في الهداية: ۲/ ۵۹۱، باب العشر والخراج، شركة علميه ملتان)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۱/ ۶۶۱، باب العشر والخراج، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

(۴) (الدرالمختار مع رد المحتار، كتاب الجهاد، باب العشر والخراج والجزية: ۴/۱۹۲، ۱۹۳، سعيد)

حکومت مصرفِ زکوۃ نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۸/۴/۷۰ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۰/۴/۷۰ھ۔

اراضیٔ ہند میں عشر وخراج کا حکم

سوال[۴۵۶۳]: ۱...... ما قولكم في مسئلة وجوب العشر و عدمه في الأراضي التي كانت مقبوضةً في أيدي النصارىٰ كأرض الهند، والفنجاب، والفشاور وغيره، فإن كان واجباً فبأيّ دليل واضح و سند ساطع، وإن كان غير واجب، فلعدم وجوبه كونها أراضي دار الحرب كافية أم لا؟

۲......وإذا وضعت النصارىٰ على الأراضي المملوكة المذكورة ثمناً مخصوصاً و نقداً معلوماً الذي يسمى في عرف عامة الخلائق بمالية المال، هل هذا خراج شرعي أم لا؟ وفي صورة عدمه موجب لسقوط العشر أم لا؟

۳...... والأراضي التيٰ تستقىٰ بماء الأنهار حفرتها النصارىٰ، و وضعوا لاستعمال مائها طرقاً مختلفةً وثمنًا متفرقةً حسب الفصول والبقول، والعامل في مائها خلاف قوانينهم يكون مجرماً عندهم، هل يجب فيها العشر أو نصف العشر؟ بينوا بحوالة الكتب المعتبرة۔

الجواب حامداً و مصلياً:

۱......فيه قولان: أحدهما: وجوب العشر إذا ملك المسلم مستمراً عليها من زمن

---

(۱) "أخذ البغاة والسلاطين الجائرة زكاةَ الأموال الظاهرة كالسوائم والعشر والخراج، لا إعادة على أربابها إن صرف المأخوذ في محله الآتي ذكرُه، وإلا يصرف فيه، فعليهم فيما بينهم و بين الله إعادة غير الخراج". (الدر المختار: ۲/۲۸۹، باب زكاة الغنم، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۲/۳۸۹، فصل في الغنم، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۱/۳۰۳، فصل في زكوة الخيل، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الهداية: ۱/۱۹۳، فصل في الغنم، مكتبه شركة علميه ملتان)

السلطنة المسلمة انتقلت إليه، وهو لا يعلم أنها من مسلم انتقلت أو كافر، هذا ما اختاره الشيخ رشيد أحمد المحدث الگنگوهي في فتاواه(١)، و مولانا أشرف علي التهانوي، و مبناه عدم القطع بكونه دار الحرب لا سيماً في بعض الأحكام (٢)۔

والقول الثاني: عدم وجوب العشر والخراج، واختاره مولانا محمد أعلى التهانويؒ في رسالته حيث قال: إن أراضي الهند ليست بعشرية و لا خراجية، بل هي أراضي الحوز: أي أراضي بيت المال والمملكة، وصرح الشامي بعدم وجوب العشر والخراج من مثل تلك الأراضي (٣)۔

٢...... الأصح أن الثمن المذكور أجرة الأراضي، والعشر لا يسقط به إذا كانت الأرض عشريةً، أما إذا كانت خراجيةً فهذا الثمن ينوب عن الخراج، كذا في الفتاوى الرشيدية (٤)۔

٣...... إذا كانت الأرض مسقيةً بماء الأنهار المذكورة الماخوذ بالثمن، ففيها نصف العشر (٥)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، مظاہر علوم سہارنپور۔

---

(١) (فتاویٰ رشیدیہ، ص: ٣٦٧، ٣٦٨، ادارہ اسلامیات لاہور)

(٢) (امداد الفتاویٰ: ٦٢/٢، مکتبہ دارالعلوم کراچی)

"كل أرض أسلم أهلها أو فتحت عنوةً وقسمت بين الغانمين، فهي أرض عشر؛ لأن الحاجة إلى ابتداء التوظيف على المسلم، والعشر أليق به لما فيه من معنى العبادة ......الخ". (الهداية: ١٩١/٢، باب العشر والخراج، مكتبه شركة علميه ملتان)

(وكذا في ردالمحتار: ١٧٦/٤، باب العشر والخراج، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر: ٦٦١/١، باب العشر والخراج، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في تاليفات رشيديه، ص: ٣٦٦، عشر وخراج کے احکام، ادارہ اسلامیات، لاہور)

(٣) (تقدم تخريجه تحت عنوان: "ہندوستانی زمین کا حکم"۔)

(٤) (تقدم تخريجه تحت عنوان: "ہندوستان کی زمین عشری ہے یا خراجی")

(٥) "و ما سقي بغرب أو دالية أو سانية، ففيه نصف العشر على القولين؛ لأن المؤنة تكثر فيه الخ". =

اراضیٔ ہند میں عشر کا حکم

سوال[۴۵۶۴]: اراضیٔ ہند کی عشری وغیر عشری ہونے کی تحقیق فرمائیں، علماء نے اس مسئلہ کو ایسا الجھا دیا ہے کہ مسئلہ کا کوئی رخ واضح نظر نہیں آتا، آخر عوام کیا کریں عشر نکالیں یا نہیں؟ زمین کی مالگذاری پانی کا جو حکومت نے پبلک پر عائد کردیا ہے یہ عشر کے غلہ سے دیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ آم، امرود، لیموں، سبزی، ترکاریوں میں عشر ہے یا نہیں؟ اوراس کے دینے کی کیا شکل ہوگی؟ بینوا توجروا۔

المرسل: محمد نورالہدیٰ القاسمی ضلع سہرسامہ۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

علماء نے تو بہت سلجھایا ہے، آج نہیں کئی سو سال پہلے شیخ جلال الدین تھانیسری رحمۃ اللہ علیہ نے-جو خلیفۂ خاص تھے حضرت شیخ عبدالقدوس رحمۃ اللہ علیہ کے-اس مسئلہ پر مستقل رسالہ اپنے وقت میں تصنیف فرمایا جس کا نام رسالہ ''اراضیٔ ہند'' ہے، اس میں زمینوں کے اقسام اوران کے احکام تفصیلاً بیان کئے ہیں، موجودہ دور میں بھی مختلف رسائل لکھے گئے۔ مختصراً عرض یہ ہے کہ جو زمین ملکِ مسلم نہ ہو جیسے کہ خاتمۂ زمینداری کے بعد سے یہاں کی زمینوں کا حال ہے اس میں عشر واجب نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۱۰/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: سید احمد علی سعید، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

ہندوستانی زمینوں میں عشر

سوال[۴۵۶۵]: ہندوستان کی وہ زمینیں جو حکومتِ اسلامیہ کے زمانہ سے مسلمانوں کے قبضہ میں

= (الهداية: ۱/۲۰۲، باب زكاة الزروع والثمار، مكتبه شركة علميه)

(وكذا في الدرالمختار مع ردالمحتار: ۳۲۸/۲، باب العشر، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۱۸۶، باب زكاة الزروع والثمار، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية: ۳۲۶/۲، الفصل الأول في بيان ما يجب فيه العشر و ما لا يجب، إدارة القرآن كراچی)

(۱) (تقدم تخريجه تحت عنوان: ''اراضیٔ ہند کے متعلق تفصیل''۔)

ہیں اوران کی کاشت میں ہیں تو کیاان پرعشرواجب ہوگا؟مشہور یہ ہے کہ جو مال گذاری حکومت کودی جاتی ہے یہ قائم مقام عشر کے ہے۔کیا یہ صحیح ہے؟اگر زمین دوسرے کوکاشت کے لئے دیدی جائے توعشرکس پرواجب ہوگا؟

افتخارالحسن کاندھلہ،۲/رجب/٦٦ھ۔

الجواب حامداً و مصلياً:

ایسی زمینوں پرعشرواجب ہے(۱)،حکومت کی مالگذاری عشر کے قائم مقام نہیں ہوتی جیسا کہ فتاوی رشیدیہ میں ہے(۲)۔عشری زمین اگرکاشت پردی جائے تو مالک اورمزارع پرحصہ دارعشرواجب ہوگا،جوزمین نقدکرایہ پردی جائے اس میں اختلاف ہے امام صاحب کے نزدیک مالک پرعشرہوگا،صاحبین کے نزدیک مستاجر پرہوگا:

"والعشر على المؤجر كخراج مؤظّف، وقالا: على المستاجر كمستعير مسلم. و فى الحاوى: و بقولهما نأخذ. وفى المزارعة إن كان البذر من رب الأرض فعليه، و لو من العامل فعليهما بالحصة". در مختار۔ "و قال: حتى تفسد الإجارة باشتراط خراجها أو عشرها على المستاجر، كما فى الأشباه، و كذا حامد آفند العمادى، و قال فى فتاواه: قلت: عبارة الحاوى القدسى لا تُعارض عبارة غيره، فإن قاضى خان من أهل الترجيح، فإن من عادته تقديم الأظهر والأشهر، و قد قدّم قول الإمام، فكان هوالمعتمد، وأفتى به غير واحدٍ، منهم: زكريا آفندى شيخ

(۱) "كل أرض أسلم أهلها أو فتحت عَنوةً، وقسمت بين الغانمين، فهى أرض عشر؛ لأن الحاجة إلى ابتداء التوظيف على المسلم، والعشر أليق به لما فيه من معنى العبادة ......الخ". (الهداية: ۲/ ۱۵۹، باب العشر والخراج، مكتبه شركة علميه ملتان)

(وكذا فى ردالمحتار: ۴/۱۷٦، باب العشر والخراج، سعيد)

(وكذا فى مجمع الأنهر: ۱/ ۲٦۱، باب العشر والخراج، دار إحياء التراث العربى بيروت)

(وكذا فى خلاصة الفتاوى: ۱/۲۴٦، الفصل العاشر فى العشر والخراج، امجد اكيڈمى لاهور)

(۲) (تاليفات رشيديه مع فتاوى رشيديه، ص: ۳٦٦، عشروخراج کے احکام،ادار اسلاميات لاهور)

(وكذا فى امداد الفتاوى: ۲/ ٦۰، فصل فى العشر والخراج، دار العلوم كراچى)

الإسلام و عطاء الله آفندی شیخ الإسلام، و قد اقتصر علیه فی الإسعاف والخصاف، اھ".

ردالمحتار، باب العشر: ۲/۷۵(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵/رجب/۶۲ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۵/رجب/۶۲ھ۔

صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶/رجب/۶۲ھ۔

کیا ہندوستان کی زمینیں عشری ہیں؟

سوال[۴۵۶۶]: عشر کے متعلق آپ حضرات تحریر فرماتے ہیں کہ زمینداری ختم ہونے کے بعد اراضی ہندوستان موجودہ حکومت کی ملکیت میں آ گئی، لہٰذا عشر واجب نہیں لیکن رسالہ دارالعلوم (مولانا فضل الرحمٰن مونگیری کا) کے پرچہ میں ایک مضمون شائع ہوا ہے جس میں انہوں نے ثابت کیا ہے کہ ہندوستان میں عشری زمین موجود ہے، رسالہ دارالعلوم دیوبند میں اس کے خلاف ہے۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

مونگیری حضرات کی رائے عشر کے متعلق وہی ہے کہ واجب ہے، وہ حضرات اِمارتِ شرعیہ کو ایک نوع کی اسلامی اِمارت قرار دیتے ہیں اور دارالعلوم میں جو مضمون شائع ہوا ہے وہ بھی صحیح ہے مگر وہ خاتمۂ زمینداری سے پہلے کا ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۱/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) (وکذا فی الدرالمختار مع ردالمحتار: ۲/۳۳۴، باب العشر، سعید)

(وکذا فی الفتاوىٰ العالمکیریة: ۱/۱۸۷، باب زکاة الزروع والثمار، رشیدیه)

(وکذا فی البحر الرائق: ۲/۴۱۳، باب العشر، رشیدیه)

(۲) ان حضرت کی رائے ہے جب کہ ہمارے دوسرے اکابر حضرات نے دونوں (خاتمہ اراضی سے قبل وبعد) میں کوئی فرق نہیں کیا لہٰذا عشر واجب ہوگا۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں عنوان "اراضی ھند سے متعلق تفصیل"، وعنوان: "ہندوستان کی زمین عشری ہے یا خراجی"؟

9

عشر وخراج اور اراضیِ ہند

سوال[۴۵۶۷]: ۱.....قبیل رمضان المبارک دارالاسلام ودارالحرب کی تعریف میں چندالفاظ میں احقر کوشبہ ہوا تھا، جناب کے ذریعہ سے بندے نے انہی الفاظ کوحل کیا تھا،لیکن بندے نے غلطی سے ''نظر والحکم من البعض برسم االتتار'' کےعلاوہ''بنی قریظة بالیهودیه'' پرنمبرنہیں دیا تھا،اس عبارت کا مطلب حل نہیں ہوا،لہٰذا ثانیاً حضور کوتکلیف دیتا ہوں،امید ہے کہ حضوراس تکلیف کوگوارہ فرمائیں۔

۲......دیگر یہ کہ احقر کا زعم تھا کہ تحقیقات الفاظ سے ملکِ ہندوستان دارالاسلام ہے یا دارالحرب حل ہوجائے،لیکن چونکہ حضوروالا نے معنیٰ اجزائے احکام کفرکی تفصیل یہ فرمائی ہے کہ'' کافر اپنی مملکت میں مستقل طور سے حکم جاری کرے''،یعنی''**مراد اجرائے احکام کفر ایں کہ در مقدمۂ ملک داری وبندوبستِ رعایا وحدِّ خراج وباج وعشرِ اموالِ تجارت وسیاست وقطع الطریق وسراق وفصلِ خصومات سزائے جنایات کفار بطورِ خد حاکم باشند**''. سوہندستان دارالاسلام ہے یا دارالحرب، بندہ کواس میں شبہ پیدا ہوگیا، کیونکہ ہندوستان میں انگریز مستقل حکم نہیں کرتا ہے بلکہ اہلِ اسلام اور ہندوؤں کولے کرحکم کرتا ہے،پس ان احکامِ مذکورہ کا اجراء انگریز بطورِخودنہیں کرتے ہیں۔

۳......حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی مدظلہ العالی کے کسی ایک رسالہ میں بندے نے دیکھا ہے کہ حضرت موصوف نے تحریر فرمایا کہ ہے''جواراضی عشری ہے اس سے عشر ادا کرنا واجب ہے،اور جو خراجی ہے اس سے خراج ادا کرنا واجب ہے''۔لیکن ہندوستان میں سرکارکوخراج دیا جاتا ہےاور چونکہ یہ خراج اپنے مصرف میں خرچ ہوتا نہیں،سوجس مقدارروپے سرکارکودیا جاتا ہےاس مقدارروپے یااس مقدارغلہ کسی دینی مدرسہ میں یافقراءکودیدیں ورنہ گنہگار ہوں گے۔

اب اس میں یہ شبہ ہے کہ جوخراج سرکار میں ادا کیا جاتا ہے یہ بعوضِ حفظِ جان ومال ہے، جب کہ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ امین الامت کا تسلط جس وقت اہلِ شام پر ہوا تھا، اس اثناء میں جب آپ مع لشکر دوسرے شہر میں محاصرہ کےقصد سے گئے تھےتو شام کےبعض شہر کی حفاظت نہیں ہوسکی، اس بناء پرآپ نے

اس شہر والوں کے خراج کو- جواُن لوگوں نے ادا کی اتھا- واپس کردیا تھا۔پس جوخراج انگریز کودیا جاتا ہے یہ حفظِ جان و مال کے لئے ہے، پھر فقراء کودینا ضروری کیوں ہے۔ البتہ عشری اراضی کا عشر فقراء کو دینا واجب ہے، کیونکہ یہ حق فقراء کا ہےاور خراج کے مستحق لشکر ہیں۔پس خراج کا حقدار مدرسہ یا فقراء ہونا سمجھ میں نہیں آتا ہے۔

۴...... فتح میں مرقوم ہے کہ وصول مصر فی زماننا اجرت ہے یعنی کرایہ ہے، عشر یا خراج نہیں۔اب دریافت اس بات کی ہے کہ مصر کی اراضی جس سے کرایہ وصول کیا جاتا ہے اس پر عشر واجب ہوگا یا سوائے کرایہ کے کچھ دینا ضروری نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

یہ اصل عبارت فتاویٰ بزازیہ کی ہے، مگر مولانا عبدالحیؒ نے کچھ اختصار کے ساتھ نقل کی ہے اور کہیں کہیں کچھ کتابت کی غلطی بھی ہے، چنانچہ عبارتِ مسئولہ میں منشاءعدم فہم یہی کتابت کی غلطی ہے۔عبارت اس طرح ہےاور "إعلان بيع الخمور وأخذ الضرائب والمكوس والحكم من البعض برسم التتار كإعلان بني قريظة بالتهود، وطلب الحكم من الطاغوت في مقابلة محمد عليه الصلوة والسلام في عهده بالمدينة، ومع ذلك كانت بلدة الإسلام بلاريب، الخ". بزازیہ ،ص: ۲۱۴(۱)۔ ہندیہ، ج:۲۔

جن بلاد پر اس زمانہ میں کفار کا تسلط ہوگیا تھا مگر تدریس، افتاء، جمعہ، عیدین وغیرہ حکومت نے جبراً نہیں روکا تھا، ان کا حکم بیان کررہے ہیں کہ وہ دارالحرب نہیں بلکہ دارالاسلام ہے، کیونکہ اسلام کے آثار واحکام ہنوز کچھ باقی ہیں۔اس پر اشکال وارد ہوتا تھا کہ خلافِ اسلام بھی تو بہت سی اشیاء علی الاعلان کی جاتی ہیں جیسے بیع الخمور وغیرہ، نیز بعض لوگ کفار کے طریقہ پر حکم کرتے ہیں، اسلام کے طریقہ پر نہیں کرتے، پھر ان بلاد کے دارالاسلام ہونے کو ترجیح کیوں دی گئی؟ اس کا جواب دیا ہے کہ یہ "اعلان بيع الخمور" وغیرہ اور "حكم من البعض برسم الكفار" -یہ لفظ "من بعض" ہے "من البعض" نہیں- ایسا ہی ہے جیسا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ میں مدینہ منورہ میں بنوقریظہ اپنے یہودی ہونے کا اعلان کرتے تھے، اخفاء نہیں کرتے

---

(۱) (الفتاویٰ البزازية على هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب السير، الثالث في الحظر والإباحة: ۳۱۲/۲، رشيديه)

تھے اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مقابلہ میں طاغوت سے حکم طلب کرکے اس کی پیروی کرتے تھے اور پھر بھی اس کو دارالحرب نہیں کہا گیا بلکہ وہ دارالاسلام ہی رہا۔

۲...... مولانا عبدالحیؒ نے ہندوستان کو دارالاسلام مانا ہے اور عبارات بزازیہ وغیرہ سے استدلال کیا ہے لیکن حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ ہندوستان کو دارالحرب فرماتے ہیں اور اجزائے احکام کی تفصیل وہی بیان فرماتے ہیں جو اس سے قبل نقل کی گئی تھی اور آپ نے بھی اب اس کو سوال میں نقل کیا ہے۔

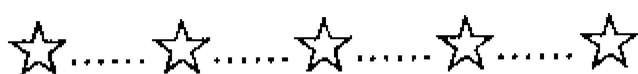
حضرت شاہ صاحبؒ کے ارشاد پر آپ کا یہ اشکال کہ ''ہندوستان میں انگریز مستقل حکم نہیں کرتا، بلکہ ہندوؤں اور مسلمانوں کو ساتھ لے کر حکم کرتا ہے'' حکم کے معنی نہ سمجھنے کی بناء پر ہے، اس لئے کہ جو ہندو یا مسلمان کسی جگہ ڈپٹی وغیرہ حکام انگریز کی طرف سے مقرر ہے وہ قطعاً حکم انگریز کے تابع ہیں، ذرا بھی خلاف نہیں کرسکتے، تو درحقیقت یہ اجرائے حکم انگریز کا اگر اور ذریعہ ہے، مستقل طور پر حکم صرف انگریز کا ہے اس میں کسی کی شرکت نہیں، اپنے قوانین ان لوگوں کے حوالے کردیئے کہ ان کے ماتحت حکم کرتے رہو، ان کے خلاف یہ لوگ ہرگز نہیں کرسکتے۔ یہ تو شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے نزدیک ہے۔ اور مولانا عبدالحیؒ چونکہ دارالاسلام مانتے ہیں اس لئے ان کے نزدیک بعض احکام اسلام کا بقاء کافی ہے جیسا کہ عبارتِ بزازیہ سے ظاہر ہوتا ہے۔ غرض کہ ہندوستان کا دارالاسلام اور دارالحرب ہونا ان دونوں بزرگوں کے نزدیک مختلف فیہ ہے۔

۳...... حضرت حکیم الامت مدت فیوضہم کی وہ تحریر میں نے نہیں دیکھی، لہٰذا اس کے متعلق کچھ تحریر نہیں کرسکتا، البتہ یہ مسئلہ فتاویٰ رشیدیہ حصۂ سوم، ص: ۵۵ میں مذکور ہے، دیکھ لیجئے (۱)۔

۴...... ''فتح'' سے کیا مراد ہے، فتح القدیر، یا فتح الباری، یا فتح المعین، یا فتح الملہم، یا فتح المنان وغیرہ، اصل عبارت سے حوالۂ کتاب وجلد و باب وصفحہ نقل کیجئے تا کہ اس عبارت پر غور کیا جاسکے، صرف اتنا لکھ دینا کہ ''فتح میں مرقوم ہے'' کافی نہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم، ۱۸/۱۰/۵۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ ہذا۔



(۱) (فتاویٰ رشیدیہ، عشر وخراج کے احکام کا بیان، ص: ۳۶۶، ۳۶۷، ادارۃ اسلامیات)

باب أداء الزكاة

(زکوٰۃ کی ادائیگی کا بیان)

زکوۃ انفرادی طور پر ادا کی جائے یا اجتماعی طور پر؟

سوال[۴۵۶۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں آیا زکوۃ انفرادی طور پر ادا کی جاسکتی ہے یا نہیں؟ اگر اجتماعی طور پر ادا ہو تو اطمینان کی صورت کیا ہوگی؟

عبدالرحمٰن وکیل۔

الجواب حامداً و مصلياً:

مولانا ابوالکلام آزاد کا یہ فرمانا: ''میں اس منبر سے پوری ذمہ داری کے ساتھ بیان کرتا ہوں کہ صرف یہ ہی نہیں کہ یہ زکوۃ جو انفرادی طور پر ادا کی گئی ہے درست نہیں ہے بلکہ صحیح اور اصح یہ ہے کہ وہ زکوۃ ہی نہیں، کوئی دوسرا نام دیا جاسکتا ہے زکوۃ کا نام نہیں دیا جاسکتا''، تصریحات مذہب اور جمہور علمائے امت کے خلاف ہے، غالباً اس کا منشاء یہ ہے کہ زکوۃ کے وصول کرنے کا مخاطب رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بنایا گیا ہے جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے: ﴿خذ من أموالهم صدقةً﴾ الآیۃ(۱) اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ تک یہ ہی معمول رہا کہ اموال ظاہرہ و باطنہ دونوں کی زکوۃ امام کا مقرر کردہ ساعی وصول کرتا تھا، جب حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لوگوں کی حالت میں تغیر پایا تو پھر اموالِ باطنہ کی زکوۃ کے لئے اربابِ اموال کو خود ادا کرنے کے لئے فرمایا اور اب تک یہ ہی معمول ہے، یہ امر کہ یہ حکم کیا تھا اور اس کے خلاف کیوں کیا گیا، اس کی جواب دہی ہمارے ذمہ نہیں۔

حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم قرآن وحدیث کو خوب سمجھتے تھے، انہوں نے جو کچھ فیصلہ کیا وہ حق ہے، اس لئے اس قسم کے ظواہر نص سے استدلال کرنا اور اجماعِ اصحاب کو نظر انداز کر کے اپنی ذمہ داری پر لوگوں کو عمل

(۱) (التوبة: ۱۰۳)

کی تلقین کرنا عوام کے لئے نہ صرف مغالطہ ہے بلکہ اصلاح کے ساتھ ساتھ ایک اَور نقذۂ عطیہ کا دروازہ کھولنا ہے جیسا کہ ارباب بصیرت پر مخفی نہیں ہے۔

اس وقت ہم تفصیلی گفتگو نہیں کرنا چاہتے، صرف یہ بتانا چاہتے ہیں کہ زکوۃ صاحب مال خود ادا کرے یا امام کا آدمی اس سے وصول کرے، بہرصورت ادا ہو جاتی ہے اور انفرادی طور سے عدمِ جواز کا فتوی اجماعِ صحابہ کے خلاف ہے:

قال المحقق في الفتح: ۴۸۷/۱ ،تحت قول صاحب الهداية: "(وإن كان ماله أكثر من دينه زكى الفاضل)": .... و لأبي يوسف في الثاني على ما روى عنه، لأن له مطالباً و هو الإمام، وذلك أن ظاهر قوله تعالى: ﴿خذ من أموالهم صدقةً﴾ الآية، توجب حق أخذ الزكوة مطلقاً للإمام، و على هذا كان رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم والخليفتان بعده، فلما وُلّي عثمان، وظهر تغير الناس، كره أن تفتش السعاةُ على الناس مستور أموالهم .... ولم تختلف الصحابة عليه في ذلك، و هذا لا يسقط طلب الإمام أصلاً، و لذا لو علم أن أهل بلدة لا يؤدون زكوتهم، طالبهم بها. الخ "(۱)۔

بلکہ موجودہ زمانہ میں خود ہی ادا کرنا افضل ہے:"و في الظهيرية: ألافضل لصاحب المال الظاهر أن يؤدى الزكوة إلى الفقراء بنفسه؛ لأن هؤلاء لا يضعون الزكوة مواضعها ". بحر: ۲۲۳/۱(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

تھوڑی تھوڑی کر کے زکوۃ ادا کرنا

سوال[۴۵۶۹]: ایک شخص کے پاس مال وزیور ہے جس کی زکوۃ سالانہ ۱۲۰/ روپیہ ہے، اس کی

---

(۱) (فتح القدير: ۱۶۲/۲، كتاب الزكاة، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۲) (البحر الرائق: ۳۹۰/۲، كتاب الزكاة، فصل في الغنم، رشيديه)

(و كذا في مجمع الأنهر: ۲۸۷/۱، كتاب الزكاة، دارالكتب العلمية، بيروت)

(و كذا في الخلاصة: ۲۴۱/۱، الفصل الثاني في أداء الزكاة، امجد)

آمدنی یکشت زکوۃ ادا کرنے کے قابل نہیں اور بارِ گراں ہے اور بعض اوقات یکشت زکوۃ ادا کرنے کی طاقت بھی نہیں ہوتی، ایک دفعہ ادا کرنا گراں بھی گزرتا ہے، آیا تھوڑا تھوڑا ماہانہ زکوۃ دے سکتا ہے یا خاص رمضان ہی میں ادا کرے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

تھوڑا تھوڑا دینے سے بھی زکوۃ ادا ہو جاتی ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳۰/ ۷/ ۶۱ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، صحیح: عبد اللطیف، ۴/ شعبان/ ۶۱ھ۔

زکوۃ تھوڑی تھوڑی کر کے اور پیشگی ادا کرنا

سوال[۴۵۷۰]: ۱...... ایک شخص ماہ رمضان آتے ہی اپنے مال اور روپیہ کا حساب کر کے رقم کتاب میں درج کر لیتا ہے، مثلاً دوسو روپیہ، اور سال آئندہ تک بتفریق خرچ کرنے لگتا ہے، کچھ اسی رمضان میں فوراً اور کچھ آئندہ مہینوں میں جس وقت مستحقین نظر آویں اور کچھ ماہوار مقررہ مسکینوں کو بطور وظیفہ، کسی کو ماہوار دو روپیہ کسی کو ایک علی ہذا القیاس۔ اس مذکورہ بالا طریق سے زکوۃ ادا ہو سکتی ہے یا کل مبلغ فوراً رمضان ہی میں صرف کرنا ہوگا؟

۲...... بعض دفعہ بسبب نہ ملنے مستحقین کے کچھ رقم بچ رہتی ہے اور دوسرا رمضان آتا ہے تو یہ شخص عادت کے موافق زکوۃ درج کر لیتا ہے، مثلاً گذشتہ سال کی بچت تیس روپیہ، موجودہ سال کی دوسو، جملہ دوسوتیس روپیہ ہوئے اور اب جیسا نمبر: ا میں ذکر ہوا ویسا خرچ کرنے لگتا ہے۔ کیا یہ درست ہے، کسی صورت سے ممنوع تو نہیں؟

---

(۱) " وشرط صحة أدائها نية مقارنة أی للأداء ولو .... حكماً .... أو مقارنة بعزل ما وجب كله أو بعضه، و لا يخرج عن العهدة بالعزل، بل بالأداء للفقراء ". (الدر المختار: ۲/ ۲۷۰، كتاب الزكاة، سعيد)

(و كذا فی الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/ ۱۷۰، الباب الأول فی تفسيرها و صفتها و شرائطها، رشيديه)

(و كذا فی البحر الرائق: ۲/ ۳۶۸، كتاب الزكاة، رشيديه)

(و كذا فی تبيين الحقائق: ۲/ ۳۰، كتاب الزكاة، دار الكتب العلمية، بيروت)

۳......اگر کسی وجہ سے زکوۃ کی رقم حساب سے زیادہ صرف ہوگئی بجائے دوسو کے دوسو بیس خرچ ہوگئے، کیا یہ بیس روپیہ آئندہ سال کی زکوۃ میں سے وضع کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

۱......کل رقم کا فوراً رمضان میں صرف کرنا ضروری نہیں بلکہ طریقۂ مذکورہ سے بھی زکوۃ ادا ہوجاتی ہے، البتہ دیتے وقت نیت کا ہونا ضروری ہے(۱) اور جلد ادا کرنا احوط ہے۔

۲...... یہ بھی درست ہے لیکن ادائے زکوۃ میں دیر مناسب نہیں بلکہ مکروہ ہے(۲)۔

۳......اگر آئندہ بھی اتنا نصاب ہے تو یہ زائد رقم آئندہ سال کی زکوۃ میں شمار کرنا شرعاً درست ہے(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

زکوۃ تھوڑی تھوڑی کر کے ادا کرنا

سوال[۴۵۷۱]: کسی نے زکوۃ کا حساب کیا مگر جو رقم واجب الاداہوتی پوری موجود نہیں تو ایسی صورت میں کیا طریقہ ادائیگی زکوۃ کا ہوگا؟ آیا کما کر تھوڑی تھوڑی رقم ادا کرتے رہنے سے ادا ہوجائے گی؟

---

(۱) "وشرط صحة أدائها نية مقارنة له و لو حكماً، أو مقارنة بعزل ما وجب كله أو بعضه".
(الدر المختار: ۲/۲٦۸، كتاب الزكاة، سعيد)
(وكذا في مجمع الأنهر: ۱/۲۹۰، كتاب الزكاة، دار الكتب العلمية بيروت)
(و كذا في النهر الفائق: ۱/۴۱۸، كتاب الزكاة، امداديه)

(۲)" و يأثم بتأخيرها بلا عذر". (الدر المختار: ۲/۱۷۱، كتاب الزكاة، سعيد)
(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۱۷۰، الباب الأول في تفسيرها و صفتها، رشيديه)
(وكذا في حاشية الشلبي على تبيين الحقائق: ۲/۱۸، كتاب الزكاة، دار الكتب العلمية بيروت)

(۳)" و لو عجل ذو نصاب زكاته لسنين أو لنصب صح لوجود السبب". (الدر المختار: ۲/۲۹۳، كتاب الزكاة، سعيد)
(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، ص: ۷۱۵، قديمي)
(وكذا في المبسوط: ۱/۲۳٦، كتاب الزكاة، دار الكتب العلمية بيروت)

الجواب حامداً و مصلیاً:

جب نصابِ زکوۃ پر سال گزر گیا تو اس نصاب کی زکوۃ کی ادائیگی میں جلدی کرنا بہتر ہے اور اگر متفرق طور پر مثلاً سال کے اندر فقراء کو تھوڑا تھوڑا بنیتِ زکوۃ دیدیا جائے تو یہ بھی درست ہے:

"وقیل: فوریّ: أی واجب علی الفور، و علیه الفتوی، .... فیأثم بتأخیرها بلا عذر الدرالمختار، ظاهراً لإ ثم بالتأخیر و لو قلّ کیوم أو یومین .... و قد یقال: المراد أن لا یؤخر إلی العام القابل". شامی: ۲/۱۷(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/۷/۸۸ھ۔

حساب کرنے سے پہلے مختلف اوقات میں زکوۃ دینا

سوال[۴۵۷۲]: ۱...... زکوۃ کے سالانہ حساب سے بے غم رہنے کی غرض سے اگر زکوۃ کی نیت سے مساکین کو نقد اور غیر نقد اتنا دیا جاتا رہے جو زکوۃ کے حساب سے بگمانِ غالب بلکہ یقیناً زیادہ ہو تو کیا اس طرح بھی ادائیگی زکوۃ سے سبکدوشی ہوسکتی ہے؟

غیر نقد سے زکوۃ کی ادائیگی

سوال[۴۵۷۳]: ۲...... غیر نقد سے زکوۃ کی ادائیگی کی بہت سی ایسی صورتیں ذہن میں آتی ہیں جن کو پوچھنا ضروری ہے، مثلاً بیمار کو دوا دیدی، یا کسی مسکین کو کھانا یا مٹھائی یا پھل کھلا دیا، نیا پرانا کپڑا دیدیا، دستکار کو اوزار دے دیئے، کسی مسکین کو ایسی کوئی چیز دی جس کا وہ بذاتِ خود ضرورت مند ہے۔ تندرست کو دوا، یا ان پڑھ کو کتاب، نیز بعض قیمتی اشیاء ایسی ہیں جن کو زندگی کی اصل اور حقیقی ضروریات سے کچھ تعلق نہیں جیسے پان، چھالیہ، کتھہ، چونا، سگریٹ، بیڑی یا بچوں کے کھیل کھلونے وغیرہ تو غیر نقد سے ادائیگی زکوۃ کے لئے اگر شرعاً حدود ہوں تو تحریر فرمائیں۔

---

(۱) (ردالمحتار: ۲/۲۷۱، ۲۷۲، کتاب الزکوۃ، سعید)

(وکذا فی فتح القدیر: ۲/۱۵۵، ۱۵۶، کتاب الزکاۃ، مصطفی البابی الحلبی مصر)

(وکذا فی التاتارخانیة: ۲/۲۱۷، کتاب الزکاۃ، إدارۃ القرآن کراچی)

(وکذا فی بدائع الصنائع: ۲/۳۷۳، کتاب الزکاۃ، فصل فی کیفیة فرضیتها، دارالکتب العلمیة بیروت)

مستعمل چیز زکوۃ میں دی تو قیمت کیسے لگائی جائے؟

سوال[۴۵۷۴]: ۳..... غیر نقدشی اگر نئی ہو تب تو اس کی قیمت معلوم ہوتی ہے اور اگر پرانی یا استعمال شدہ ہو تو اس کی قیمت لگانے میں دشواری ہے کہ مثلاً دس روپے کی جوتی جس کو تین ماہ پہنا گیا اور وہ اتنی مضبوط کہ کم از کم دو سال چلے تو اس کو فروخت کا ارادہ کیا جائے تو نصف یا نصف سے بھی کم قیمت ملتی ہے اور از روئے انصاف کم از کم آٹھ روپے کی بکنی چاہئے تو زکوۃ کے حساب کے لئے کون سی قیمت لگائی جائے گی؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

۱..... جس قدر بنیتِ زکوۃ غرباء کو وقتاً فوقتاً دیا جائے اور مجموعہ زکوۃ واجب ہو جائے تو زکوۃ ادا ہو جائے گی (۱)، بار بار اگر حساب میں الجھن ہوتی ہو تو ایک دفعہ حساب لگا کر مقدارِ واجب کو الگ الگ رکھ لیا جائے اس میں سے دیدیا کریں، حساب نہ کرنے سے اندیشہ ہے کہ اگر کبھی کمی ہوئی تو ذمہ بری نہ ہوگا۔

۲..... ان صورتوں میں جب مقدارِ واجب مستحق کو بنیتِ زکوۃ تملیکاً دیدی جائے تو ادا ہو جائے گی (۲)، تاہم تندرست کو دوا اور اَن پڑھ کو کتاب دینا زیادہ کار آمد نہیں، یا تو وہ ضائع کر دے گا یا بہت کم قیمت پر کسی کو دے گا، مستحق کی حاجت کو پورا کرنا بھی زکوۃ کا بڑا مقصد ہے وہ اس سے پوری طرح سے حاصل نہیں ہوگا (۳)۔

---

(۱) " و لو عجل ذو نصاب لسنين أو لنصب، صح، أما الأول، فلأنه أدى بعد سبب الوجوب، فيجوز لسنة أو لسنين كما إذا كفّر بعد الجرح". (البحر الرائق: ۳۹۰/۲، فصل في الغنم، رشيديه)

(و كذا في خلاصة الفتاوى: ۲۴۱/۱، الفصل الثامن في أداء الزكاة، امجد اكيڈمی لاهور)

(۲) "ويشترط أن يكون الصرف تمليكاً لا إباحةً" (الدر المختار: ۳۴۷/۲، باب المصرف، سعيد)

(و كذا في التاتار خانيه: ۲۷۷/۲، باب من توضع الزكاة فيه، رشيديه)

(۳) " قال محمد: المعتبر ما هو أنفع للفقراء، فإن كان اعتبار القدر أنفع، فالمعتبر هو القدر، كما قال أبو حنيفة وأبو يوسف رحمهما الله تعالىٰ، وإن كان اعتبار القيمة أنفع، فالمعتبر هو القيمة كما قال زفر رحمه الله تعالىٰ". (بدائع الصنائع: ۴۶۲/۲، فصل فيما يرجع إلى المؤدى، دار الكتب العلمية، بيروت)

(و كذا في فتح القدير: ۲۱۹/۲، فصل في العروض، المصطفى البابي الحلبي)

(و كذا في المبسوط: ۲۵۶/۱، باب زكاة المال، دار الكتب العلمية بيروت)

۳...... مالیت تو وہ ہے جو اہلِ تجربہ قیمت تجویز کریں، وہ اگر اس جوتی کو تین روپیہ کی تجویز کریں تو یہی قیمت معتبر ہوگی (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۵/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۵/۸۷ھ۔

زکوۃ کی ادائیگی رسید پر موقوف نہیں

سوال[۴۵۷۵]: زید نے مہتمم کے نام زکوۃ کا روپیہ بھیجا اور مہتمم نے جب زکوۃ کا روپیہ وصول کر کے اپنے رجسٹر میں جمع کرلیا تو وصول کر کے جمع کے بعد معطی کی زکوۃ ادا ہوگئی یا جب مہتمم رسید دے جب ادا ہوگی؟ اور اگر کسی وجہ سے ایک مرتبہ رسید نہ دیں بلکہ علیحدہ علیحدہ سالانہ رسید دے تھوڑی تھوڑی کی بھجوا دے تو رسید سے ادا ہوگی؟ دریافت طلب یہ ہے کہ وصول کر لینے کے بعد معطی زکوۃ دینے والا ہی ہوگیا، یا جب کُل رسیدات پہونچے گی جب زکوۃ دینے والے کی زکوۃ ادا ہوگی اور وصول یابی مہتمم کے کرنے سے ادا نہیں ہوگی؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

زکوۃ کا ادا ہونا رسید پر موقوف نہیں ہے، مہتمم مصالحِ مدرسہ کے تحت رسید چاہے یکدم دے یا تدریجاً دے بلکہ معطی نے جب مہتمم کو رقم زکوۃ دے کر اپنی ملک ختم کردی اور مہتمم نے وصول کرلی تو معطی بری ہوگیا اور اس کے ذمہ سے زکوۃ ادا ہوگئی اور معطی مستحقِ ثواب ہوگا (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، یکم/ جمادی الثانیہ/ ۹۰ھ۔

---

(۱) "و یقوّمها المالک فی البلد الذی فیه المال، حتی لو بعث عبداً للتجارة إلی بلد آخر فحال الحول، تعتبر قیمته فی ذلک البلد، الخ". (الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۱۸۰، الفصل الثانی فی العروض، رشیدیه)

(و کذا فی البحر الرائق: ۲/۴۰۰، باب زکاة المال، رشیدیه)

(و کذا فی التاتارخانیة: ۲/۲۴۲، زکاة عروض التجارة، إدارة القرآن کراچی)

(۲) "و لایخرج عن العهدة بالعزل، بل بالأداء للفقراء". (الدرالمختار: ۲/۲۷۰، کتاب الزکاة، سعید)

(و کذا فی حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، ص: ۷۱۵، کتاب الزکاة، قدیمی)

(و کذا فی البحرالرائق: ۲/۳۶۹، کتاب الزکاة، رشیدیه)

(و کذا فی النهر الفائق: ۱/۴۱۹، کتاب الزکاة، امدادیه)

زکوۃ کے روپیہ کی تقسیم

سوال[۴۵۷۶] : زکوۃ کا روپیہ یکمشت تقسیم کردینا چاہئے یا کسی مدت تک؟ زکوۃ کا مستحق کون شخص ہے؟ فقط۔

خادم خدا بخش خان، از تنگھ تھلہ، ضلع حصار، ۱۴/فروری/۳۶ھ۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

یکدم تقسیم کرنا بھی جائز ہے اور حسبِ ضرورت تھوڑا تھوڑا دینا بھی درست ہے اس میں کوئی تحدید نہیں، لیکن جس کو دے کم از کم اتنا دے کہ اس کو سوال کی ضرورت باقی نہ رہے اور اتنا زیادہ نہ دے کہ وہ مالکِ نصاب بن جائے جس کو بالفعل خرچ کرنے کی ضرورت نہیں، جو مالکِ نصاب نہ ہو اس کو زکوۃ دینا درست ہے، مالک نصاب اور سیّد کو دینا درست نہیں:

"وکره الإغناء، و هو أن يفضل للفقير نصاب بعد قضاء دينه، و بعد إعطاء كل فرد من عياله دون نصاب من المدفوع إليه، و إلا فلا يكره، و ندب غناء ه عن السوال". مراقی الفلاح"۔ قال الطحطاوی: "ولا يحل أن يسئل شيئاً من القوت مَن له قوت يومه بالفعل، أو بالقوة كالصحيح المكتسب، الخ". طحطاوی ص: ۴۱۹ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۳/۱۲/۵۴ھ

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵/ ذی الحجہ/۵۴ھ۔

کیا زکوۃ کے لئے تملیک شرط ہے؟

سوال[۴۵۷۷] : ادائے زکوۃ کے لئے فقہائے احناف نے –جزاهم الله خير الجزاء– شرط

(۱) (حاشية الطحطاوی على مراقی الفلاح، ص: ۴۷۱، باب المصرف، قديمی)

"كره إعطاء فقير نصاباً أو أكثر إلا إذا كان المدفوع إليه مديوناً أو كان صاحب عيالٍ، الخ".

(الدرالمختار: ۲/۳۵۳، باب المصرف، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۱۸۸، الباب السابع في المصارف، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير: ۲/۲۷۸، باب من يجوز دفع الصدقة إليه، مصطفى البابي الحلبي، مصر)

لگائی ہے کہ زکوۃ جس شخص کو دی جائے اس کو مالِ زکوۃ کا پورا مالک قرار دیا جائے اور اسی لئے رفاہِ عام کے کاروبار میں جو سرمایہ داخل کیا جاتا ہے اور مختلف ضرورتوں میں حسبِ مصلحت خرچ کیا جاتا ہے وہاں مالِ زکوۃ دینے سے روکا جاتا ہے مثلاً خیراتی مدارس مذہبی میں جہاں نادار طلباء درس حاصل کرتے ہیں اور ان کے واسطے مدارس میں کتابوں کا ذخیرہ جمع کیا جاتا ہو جو طلباء عاریۃً لیتے ہیں اور بعد فارغ ہونے مدرسہ کو واپس کر دیتے ہیں، یا طلباء کی خوراک کے واسطے کوئی سرمایہ ہوتا ہے جس سے وہ بسرِ اوقات کرتے ہیں، ایسے موقعوں پر زکوۃ کا روپیہ خرچ نہیں کرتے۔

ایک اور مصرف انفاق فی سبیل اللہ ہے اس میں جہاد کے آلاتِ جنگ اور گھوڑے دیئے جاتے ہیں تو وہ بھی جس شخص کے مصرف میں دیا جاتا ہے اس کو اسی چیز کا مالک قرار دیتے ہیں اور گھوڑا ، ہتھیار لینے والا اختیار رکھتا ہے کہ وہ جہاد میں صَرف کرے یا تجارت کے کاروبار میں استعمال کرے یا فروخت کر دے اور ایسی صورتوں میں مال کے فی سبیل اللہ خرچ کرنے کا فائدہ کم رہ جاتا ہے، اس کے بجائے اگر سامانِ جنگ خود اسلامی حکومت کی ملک قرار پائے اور اغراضِ جہاد میں صرف کرنے کے لئے اسے خزانہ میں محفوظ رکھیں تو زیادہ فائدہ پہونچائے کہ یہ شرط لگانے اور شرط کے ساتھ سختی سے اس کی پابندی کرنے کے لئے یہ سمجھنے کی ضرورت ہے کہ اس شرط کی بنا کس دلیل پر اور کب رکھی گئی؟

قرآن پاک میں زکوۃ کا ذکر بار بار اور تاکید سے آیا ہے اس کے مصارف بھی معین فرمائے گئے ہیں اور نبوت کے مبارک عہد میں اور خلفائے راشدین کے زمانہ میں معلوم ہوتا ہے کہ تمام ممالکِ اسلامیہ کے دیہات اور قریوں میں زکوۃ وصول کرنے والے دورہ کرتے تھے، وصول کرنے والوں کا بھی قرآن مجید میں "عاملین "(۱) کے نام سے ذکر ہوا ہے اور انہیں اسی سرمایۂ زکوۃ سے اجرت دی جاتی تھی، وہ تمام ہمسروں سے زکوۃ وصول کرتے تھے اور دینے والے انہیں دے کر فریضہ سے فارغ البال ہو جاتے تھے۔

مال عاملین زکوۃ باہر سے لا کر داخلِ خزانہ کرتے تھے تو کارکنانِ خزانہ بھی زکوۃ کے مالک قرار نہیں پاتے تھے، پھر حاکم یا اس کے مشیروں کے قبضہ سے زکوۃ صرف ہوتی تھی اور ان میں سے کوئی بھی مالک قرار نہیں پاتا تھا، مگر مفصلات کے زکوۃ دینے والے اپنے فریضہ سے انہی غیر مالکوں کو دے کر بری الذمہ ہو جاتے تھے اور

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿إنما الصدقات للفقراء والمسكين والعاملين عليها﴾ (سورة التوبة: ٦٠)

جن لوگوں کی ضرورتوں میں مال صرف ہوتا ہوگا انہیں مالک سمجھیں تو سمجھیں ورنہ حاکمِ وقت سے لے کر عاملین تک مال سب مالکوں کی طرف سے بطورِ وکیل کے تصرف کرتے تھے۔

پس یہ وکیل بننے کا اختیار جو حاکمِ وقت کو اور اس کے ماتحتوں کو دیا گیا ایسا ہی اختیار مہتممانِ مدارس اور منتظمانِ جنگ و جہاد سے کس بنا پر روک لیا گیا ہے؟ مہتممانِ مدارس خود مالک قرار نہ پائیں مگر سرمایہ کو مدرسہ کی ملکیت قرار دیں، اسے اپنے ذاتی تصرف میں کام نہ لائیں اور کتب خانہ، خوراکِ طلباء اور تنخواہِ مدرسین پر صرف کریں، اسی طرح منتظمانِ جنگ و جہاد حکومتِ اسلامیہ کو مالک تصور فرما کر اغراضِ جنگ کا سامان مہیا رکھیں اور کتابوں کو طلباء کی ملکیت اور گھوڑوں کو سواروں کی ملکیت قرار دے کر رفاہ عام کا مدعا زیادہ استقلال اور دیر تک پورا کر سکیں۔

پس یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ زکوۃ کا حکم صادر ہونے میں جس شکل سے اس کی تعمیل زکوۃ سے ہے اور باوجودِ تتبع کے کوئی جزئیہ ایسا نہیں ملا جس سے معلوم ہو کہ عہدِ نبوت یا عہدِ خلفائے راشدین یا دیگر شاہان اسلام (جن کا قول وفعل ائمۂ فقہائے مجتہدین کے نزدیک قابلِ استدلال ہو) کے زمانہ میں مال زکوۃ کو مستعار دے کر ادائے زکوۃ کے لئے کافی سمجھا گیا ہو اور تملیک ضروری قرار نہ دی گئی ہو، اگر آپ کی نظر میں کوئی جزئیہ ایسا ہو تو ضرور مطلع فرمایئے۔

آپ خود اعتراف کرتے ہیں کہ عاملین اور حُکامِ وقت سب کے سب مالکوں کی طرف سے وکیل ہوتے تھے مگر مہتممانِ مدرسہ اور منتظمانِ جنگ و جہاد سے یہ اختیار کس بناء پر روک لیا گیا؟ ہم تو نہیں سمجھتے کہ اختیار روکا گیا ہے بلکہ ہمارا خیال تو یہ ہے کہ ان حضرات کو اب بھی اختیار ہے اور جس شخص کی ضرورت میں کھانا کپڑا وغیرہ دے کر صرف کریں گے وہ مالک بن جائے گا اور یہ دینا بطورِ تملیک ہوگا نہ کہ بطورِ عاریت کہ کپڑا دے کر واپس لے لیا جائے اور کتاب دے کر واپس لے لی جائے، نہ ہی آپ نے کوئی ایسی نظیر لکھی جس سے معلوم ہو کہ حکّامِ وقت بطورِ عاریت دے کر زکوۃ کی ادائیگی کے لئے کافی سمجھتے تھے، مالک بننے کی صلاحیت ذی روح ذی عقل میں ہوتی ہے۔

سرمایہ کو مدرسہ کی ملک قرار دینے سے اگر یہ مراد ہے کہ ملازمین وطلباء سب مالک ہیں تو رفاہِ عام میں ان کی مِلک خرچ کرنے کا کیا حق حاصل ہے؟ کوئی مہتمم جو کہ زکوۃ ادا کرنے کے لئے محض وکیل ہے اس بات کا

مُجاز نہیں کہ کسی طالب علم کی مِلک میں -خواہ اس کو وہ کسی طرح حاصل ہوئی ہو- کوئی تصرف بغیر اس کی رضامندی کے کر سکے۔ جب آپ نے اس مالِ زکوۃ کو طلباء کی ملک قرار دیا تو طلبہ کو اپنی ملک میں بیع، ہبہ وغیرہ کا پورے طور پر تصرفات کا اختیار حاصل ہوگا، مہتمم وغیرہ کسی کو منع کرنے کا حق نہیں، یہی کیفیت سواروں کی اور قرنِ اوّل میں ہوتی اور اسلامی حکومت کے تمام زمانۂ قیام میں ہوتی رہی، اس سے یہ شرط کب استنباط ہوتی ہے کہ لینے والے کو زکوۃ کا مالک قرار دینا ضروری ہے؟ اور جس حدیث میں زکوۃ کی مصلحت بیان ہوئی ہے کہ ''اغنیاء سے لی جائے اور فقراء کو دی جائے'' (۱) اس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ فقراء کو فائدہ پہنچانا مقصود ہے۔ جس صورت میں فائدہ زیادہ ہو وہی بہتر ہونی چاہئے، اور انتظام کرنے والوں کو اس میں مصلحت دیکھنے کا اختیار ہونا چاہئے۔

پس استدعا ہے کہ علمائے اسلام اس عقدہ کو حل فرمانے کی زحمت برداشت کریں اور اس دشواری کو اسلامیوں کے دماغ سے دور کرنے کا ثواب لے کر رفاہ عام کے کام کو سہل اور مفید تر بنائیں۔ فقط۔

المستفتی: عاجز محمود علی۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

مدارس میں طلباء کی خوراک وبسرِ اوقات کے لئے کس نے زکوۃ کو منع کیا؟ آج بھی جگہ جگہ مدارسِ اسلامیہ میں زکوۃ کا روپیہ آتا ہے اور اس سے مستحق طلباء کو کھانا، کپڑا، جوتہ، نقد وظیفہ دیا جاتا ہے اور یہ سب کچھ بطورِ تملیک ہوتا ہے، لہذا اس پر تو اشکال بے محل ہے۔ باقی رہی یہ بات کہ تملیک من کل وجہ کس شرط پر مبنی ہے اور کس وقت سے؟ تو ہمارے فقہائے کرام نے لفظ ''آتــو'' سے استدلال کیا ہے، چنانچہ علامہ عثمانی ابن علی زیلعی ''تبیین، ص: ۲۵۱، میں فرماتے ہیں:

''لأن الزکوۃ یجب فیھا تملیك المال؛ لأن الإیتاء من قوله تعالیٰ: ﴿واٰتوا الزکوۃ﴾ یقتضی التملیك، و لا تتأدی بالإباحة، حتی لو کفل یتیماً فأنفق علیه ناویاً للزکوۃ، لا یجزیه،

---

(۱) عن ابن عباس رضي الله تعالیٰ عنهما أن رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم بعث معاذاً إلی الیمن فقال: .... ''إن الله قد فرض علیھم صدقةً تؤخذ من أغنیائھم، فتردُّ علی فقرائھم''. الحدیث. متفق علیه''. (مشکوۃ المصابیح، کتاب الزکوۃ، الفصل الأول: ۱/۱۵۵، قدیمی)

بخلاف الكفارة لو كساه، تجزيه لوجود التمليك، اهـ" (١)۔

ابوبکر جصاص رازیؒ نے "تفسیر احکام القرآن" میں منتخب مقامات پر لفظ "إيتـاء"، "إعطاء" اورلفظ "راداً" اورلفظ "إغناء" وغیرہ سے (جوکہ احادیث میں وارد ہیں) استدلال کیا ہے (۲) جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شرط وقتِ فرضیت منتظمانِ جنگ و جہاد کی ہوگی۔ اگر مراد یہ ہے کہ عمارتِ مدرسہ سرمایہ کی مالک ہو تو اس میں مالک بننے کی صلاحیت ہی نہیں:

"و لا يبنى بها مسجدٌ، و لا يكفن بها، لانعدام التمليك، و هو الركن، اهـ". هدايه"۔

"ولقائل أن يقول: قولكم: "التمليك ركن "دعوىٰ مجردة، إذ ليس فى الأدلة النقلية المنقولة فى هذا الباب ما يدل على ذلك ما خلافه قوله تعالىٰ: ﴿ إنما الصدقات للفقراء ﴾وأنتم جعلتم اللّامَ للعاقبة دون التمليك؟ والجواب أن معنى قولهم للعاقبة أن المقبوض يصير ملكالهم فى العاقبة فهم مصارف ابتداءً لامستحقون ثم يحصل لهم الملك فى العاقبة: بدلالة اللام، فلم تبق دعوى مجردة، اهـ". عناية: ٢٠/٢ (٣)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

امام کو جوڑا بنا کر دیتے ہیں کیا وہ زکوۃ ہے؟

سوال [۴۵۷۸]: اگر کوئی صاحب مسجد کے امام صاحب یا مؤذن صاحب کو ماہِ رمضان المبارک

---

(١) (تبيين الحقائق: ١٨/٢، كتاب الزكاة، دار الكتب العلميه بيروت)

(وكذا فى حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، ص: ٧١٤، كتاب الزكاة، قديمى)

(وكذا فى البحر الرائق: ٣٥٢/٢، كتاب الزكاة، رشيديه)

(٢) "فلا تجوز أن يكون ذلك مجريًا من الصدقة؛ إذ شرط الصدقة وقوع الملك للمتصدق عليه .... فوجب بظاهر الآية جواز دفع المال الكثير من الزكاة إلى واحد من الفقراء من غير تحديد لمقداره وأيضاً، فإن الدفع والتمليك يُصادِف فإنه وهو فقير، فلا فرق بين دفع القليل والكثير لحصول التمليك". (أحكام القرآن: ١٨٣/٣، ١٠٤، قديمى)

(٣) (العناية على الهداية على هامش فتح القدير: ٢٦٧/٢، باب من يجوز دفع الصدقة إليه الخ، مصطفى البابى الحلبى مصر) .... =

میں روپیہ یا کپڑا تحفہ دیا، مگر یہ نہیں کہا کہ یہ زکوۃ کا مال ہے۔اب تحفہ لینے والے کو کیا حکم ہے، وہ تحفہ بلاتحقیق لیں یا تحقیق کریں؟ اگر وہ مالِ زکوۃ ہی تھا اور لینے والا اس کا مستحق نہیں تھا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

عام طور پر امام یا مؤذن کو رمضان المبارک میں جوڑا بنا کر جو لوگ دیتے ہیں زکوۃ کے پیسہ کا نہیں ہوتا، جب تک یہ ظنِ غالب نہ ہو کہ یہ زکوۃ کا ہے اس کی تحقیق کی ضرورت نہیں (۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/ ۷/ ۹۵ھ۔

مقروض کو قرض سے بری کردینا، زکوۃ کے لئے

سوال[۴۵۷۹]: زید پر عمر کا قرض ہے، زید فی الحال مستحق زکوۃ ہے، اگر عمر زید سے کہدے کہ میں نے رقم تجھ کو دیدی تو اس صورت میں عمر زکوۃ کی نیت کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

جو رقم بطور قرض واجب الاداہو، اس سے مقروض کو بری کردینا ادائے زکوۃ کے لئے کافی نہیں، البتہ اگر مقروض کو زکوۃ کی رقم دیدی جائے پھر اس سے اپنے قرض میں وصول کرلی جائے تو درست ہے (۲)، کسی غریب مستحقِ زکوۃ کو اگر قرض کے نام سے دیدی جائے تب بھی زکوۃ ادا ہو جاتی ہے (۳) مگر پھر اس کو واپس نہ لے جس کا قرض ذمہ میں ہو اور وہ اب مستحقِ زکوۃ ہو تو اس کو بھی زکوۃ دینا درست ہے لیکن اس سے اس کا قرض ختم نہیں ہوگا وہ بدستور باقی اور واجب الأ دار ہے گا۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۲/ ۸۹ھ۔

= (و كذا في تبيين الحقائق : ۱۱۸/۲ ، باب المصرف، دار الكتب العلمية بيروت)

(۱) "فأما الصدقة على وجه العلة والقطوع، فلا بأس به، وكذالك يجوز النفل للغني". (التاتارخانية: ۲۷۵/۲ ، من توضع الزكاة فيه، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في الفقه الإسلامي وأدلته: ۲۵۶/۳ ، المتصدق عليه، رشيديه)

(۲) (سيأتي تخريجه تحت عنوان: ''قرض کو زکوۃ میں محسوب کرنا''۔)

(۳) "(نوى الزكاة إلا أنه سماه قرضاً، جاز) في الأصح؛ لأن العبرة للقلب لا للسان". (الدر المختار: ۷۳۳/۶ ، مسائل شتى، سعيد) .

قرض کوزکوۃ میں محسوب کرنا

سوال[۴۵۸۰]: زید نے عمر کو دوسورو پیہ قرض دیئے اب زید قرض کو معاف کرنا چاہتا ہے، لیکن اس طرح کہ زید کے ذمہ دوسورو پیہ زکوۃ ہے تو ہر سال ۲۵، ۲۵/ روپیہ عمر کے ذمہ سے قرض ساقط ہوجائے اور وہی ۲۵/ روپیہ زکوۃ کے طور پر ادا ہوجائیں۔ تو کیا یہ درست ہے؟

الجواب حامداً و مصلياً:

اس صورت میں زکوۃ ادا نہیں ہوگی بلکہ دوسورو پیہ یکدم یا متعدد بار اس کو دے کر اپنے قرض میں اس سے وصول کرے، اس طرح زکوۃ بھی ادا ہوجائے گی اور قرض بھی وصول ہوجائے گا (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ۔

زکوۃ کے روپیہ سے مستحق کے لئے رسالہ ماہانہ جاری کرنا

سوال[۴۵۸۱]: زکوۃ کا روپیہ کوئی شخص کسی رسالہ کے ادارے میں دے اس خیال سے کہ رسالہ کسی نادار مفلس کو یا طالب علم کو سال بھر تک پہنچایا جائے تو زکوۃ ادا ہوجائے گی اور ایسا کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً و مصلياً:

جتنی قیمت کا رسالہ مفلس کے پاس پہنچے گا، اتنی زکوۃ ادا ہوجائے گی، ایسا کرنا ادارہ کو وکیل بنانا ہے کہ تم اولاً اپنا رسالہ ہمارے ہاتھ فروخت کردو پھر ہماری طرف سے وکیل ہو کر وہ رسالہ فلاں شخص کو دیدو، یا خود خرید کر فلاں شخص کے قبضہ کے لئے وکیل بنانا ہے اور بعد القبض اس کو مالک بنانا ہے اور دونوں طرح زکوۃ کا ادا کرنا درست ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ۔

---

(۱) "و حيلة الجواز أن يعطي مديونه الفقير زكاته، ثم يأخذها عن دينه، و لو امتنع المديون مَدّ يده وأخذها لكونه ظفر بجنس حقه، الخ". (الدر المختار: ۲/ ۲۷۱، كتاب الزكاة، سعيد)

(و كذا في البحر الرائق: ۲/ ۳۷۰، كتاب الزكاة، رشيديه)

(۲) "و كيل المزكي .... فيصح و لا يخرج عن العهدة بالعزل بل بالأداء للفقراء". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح ص: ۷۱۵، باب المصرف، قديمي) .... =

فقیر کو کھلانے سے زکوۃ کی ادائیگی

سوال[۴۵۸۲]: زکوۃ کے پیسوں سے اناج خرید کر تو مساکین کو دے سکتے ہیں، کیا اس اناج کو پکا کر بھی کھلا سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

کھلا سکتے ہیں، جتنی مقدار کا ان کو مالک بنا کر کھلا دیں گے اتنی زکوۃ ادا ہو جاوے گی، اگر بغیر مالک بنائے ہوئے بطورِ حاجت کے اس طرح کھلائیں گے جس طرح عامۂ دعوت میں کھلایا جاتا ہے تو اس سے زکوۃ ادا نہ ہوگی:

"(الزکوة هی تملیك مال مخصوص، الخ). وأخرج بالتملیك الإباحة، فلاتکفی فیها، فلو أطعم یتیماً ناویاً به الزکوة لاتجزیه، إلا إذا دفع إلیه المطعوم، اهـ". طحطاوی، ص: ۳۸۹(۱)۔ واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۴/ ذی قعدہ/۶۲ھ۔

زکوۃ میں کھانا دینا

سوال[۴۵۸۳]: زکوۃ میں اگر کوئی طالب علم کو دو وقت یا ایک وقت کھانا دے تو اس کی زکوۃ ادا ہو جائے گی یا نہیں؟ اور کیا زکوۃ کا شعار سال بھر میں ایک دفعہ ہونا ضروری ہے یا بس ایک دفعہ کے بعد اندازہ کافی ہے؟ اور سو روپیہ کی مالیت کی کیا زکوۃ ہوئی؟ فقط۔

= (وکذا فی ردالمحتار: ۲/۲۶۸، کتاب الزکاة، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۱۷۰، الباب الأول فی تفسیرها الخ، رشیدیه)

(۱) (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، ص: ۷۱۴، کتاب الزکاة، قدیمی)

(وکذا فی ردالمحتار علی الدرالمختار: ۲/۲۵۷، کتاب الزکاة، سعید)

(وکذا فی الدر المنتقی علی هامش مجمع الأنهر: ۲/۲۸۴، کتاب الزکاة، دار الکتب العلمیه بیروت)

الجواب حامداً و مصلیاً:

جتنی زکوۃ واجب ہے اگر اتنا سامان خورد ونوش لے کر اس کا کھانا پکا کر کسی مستحق طالب علم کو دیدیا جائے، تب بھی زکوۃ ادا ہو جائے گی (۱)۔ اگر آمدنی میں کمی زیادتی کا تغیر ہوتا رہتا ہے تب تو ہر سال اپنی آمدنی کا حساب کرنا ضروری ہے، اگر ایک رقم کسی کے پاس رکھی ہوئی ہے یا زیور رکھا ہے اور کوئی آمدنی ایسی نہیں کہ جس پر زکوۃ واجب ہو تو صرف ایک مرتبہ حساب کرلینا کافی ہے اس کے بعد اسی حساب سے ہر سال زکوۃ ادا کردی جائے۔

زکوۃ میں چالیسواں حصہ واجب ہوتا ہے (۲) اس اعتبار سے سو روپیہ پر ڈھائی روپیہ واجب ہوئے، اب اس کو اختیار ہے کہ خواہ ڈھائی روپیہ دے خواہ ڈھائی روپیہ کے وزن کے برابر چاندی دیدے یا اس چاندی کی قیمت کی کوئی اور چیز دیدے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۷/۱۲/۵۶ھ۔

چوری کی ہوئی رقم کو زکوۃ میں شمار کرنا

سوال [۴۵۸۴]: اگر رقم چوری ہو جائے بعد میں پتہ چل جائے مگر رقم کی ادائیگی سے عاجزی ظاہر کی تو کیا اس رقم کو زکوۃ میں محسوب شمار کیا جا سکتا ہے؟

---

(۱) "هی تملیک، خرج الإباحة، فلو أطعم يتيماً ناوياً الزكاة، لا يجزيه، إلا إذا دفع إليه المطعوم، كما لو كساه بشرط أن يعقل القبض. الخ". (الدرالمختار: ۲/۲۵۷، كتاب الزكاة، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۲/۳۵۳، كتاب الزكاة رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق: ۱/۴۱۲، كتاب الزكاة، امداديه)

(۲) "فإذا بلغ الذهب عشرين مثقالاً أو الورق خمس أواقٍ، ففيه ربع عشره بعد أن يحول الحول عليه قبل ذلك". (مختصر الطحاوى، ص:۴۷، باب زكاة الذهب والورق، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۲/۷۰، باب زكاة المال، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في النهر الفائق: ۱/۴۳۶، باب زكاة المال، امداديه)

الجواب حامداً و مصلیاً:

چوری کی ہوئی رقم میں اب زکوۃ کی نیت کرنے سے زکوۃ ادا نہیں ہوگی، زکوۃ کے لئے حکم ہے: ﴿اٰتـــوا الزکوۃ﴾ اور اس صورت میں "إیتاء" نہیں پایا گیا(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۶/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

زکوۃ کی رقم چوری ہوجائے تو زکوۃ ادا ہوجاتی ہے یا نہیں؟

سوال[۴۵۸۵]: ایک شخص نے اپنے مال وغیرہ کا حساب لگا کر جتنی زکوۃ اس پر واجب ہوتی تھی نکال کر علیحدہ کردی، اب اس کی جیب کسی نے کاٹ لی یا کسی طرح اس کی زکوۃ کی رقم ضائع ہوگئی، اس شکل میں اس کی زکوۃ ادا ہوگئی یا دوبارہ ادا کرنا ہوگی؟ اسی طرح فطرہ کی گم شدہ رقم کا حکم بیان فرمائیں۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

اس طرح زکوۃ ادا نہیں ہوئی نہ فطرہ ادا ہوا، زکوۃ اور فطرہ ادا کریں، شامی(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

مقدارِ نصاب سے زائد کسی کو زکوۃ دینا

سوال[۴۵۸۶]: ایک مستحقِ زکوۃ کو بیک وقت زکوۃ، فدیہ روزہ ونماز میں سترہ اٹھارہ ہزار کی رقم یا اسی قیمت کا کوئی مکان دیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

---

(۱) (راجع الحاشیة الآتیة)

(۲) "ولا یخرج عن العهدة بالعدل". (الدر المختار). "قوله (ولایخرج عن العهدة بالعزل) فلو ضاعت لاتسقط عنه الزکاة". (ردالمحتار، کتاب الزکوة: ۲/۲۷۰، سعید)

"رجل عزل زکوة ماله، و وضعها فی ناحیة بیته، فسرقها سارق، لا یقطع یده للشبهة، وعلیه أن یزکیها". (خلاصة الفتاوی: ۱/۲۳۸، الفصل الخامس فی زکوة المال، امجداکیڈمی لاهور)

(وکذا فی البحر الرائق: ۲/۳۶۹، کتاب الزکاة، رشیدیه)

(وکذا فی فتاویٰ قاضی خان: ۱/۲۶۳، باب أداء الزکاة، رشیدیه)

الجواب حامداً و مصلیاً:

زکوۃ اتنی مقدار میں کسی کو دینا جس سے وہ صاحبِ نصاب ہوجائے مکروہ ہے، کذا فی الدر المختار۔ پس اگر اس شخص کے ذمہ سترہ اٹھارہ ہزار قرضہ ہے یا اتنا قرضہ ہے کہ یہ رقم بمدِ زکوۃ اس کو دیدی جائے اور وہ اس سے اپنا قرضہ ادا کردے تو مقدارِ نصاب نہ بچے گا تو یہ دینا بلا کراہت درست ہوگا، اسی طرح اگر وہ شخص عیالدار ہے، بے گھر ہے، اگر اس روپے سے گھر خرید کر اس کی ملک میں دیدیا جائے جس سے وہ صاحبِ نصاب نہ ہوجائے جب بھی مکروہ نہ ہوگا بلکہ بہتر ہوگا (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۸/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۲/۸/۸۹ھ۔

اگر ایک سال زکوۃ نہیں دی کیا آئندہ سال دوسال کی زکوۃ دینا ضروری ہے؟

سوال [۴۵۸۷]: اگر ایک نصاب کا مالک سال پورا ہوجانے کے باوجود زکوۃ ادا نہیں کی دوسرا سال بھی پورا ہوگیا تو اب ایک سال کی زکوۃ ادا کرے یا دوسال کی؟ اسی طرح اگر چار سال ہوجائیں تو صرف سالِ اول کی زکوۃ واجب ہوگی یا ہر سال کی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

دوسال کی ادا کرے اگر ایک سال کی ادا کرنے کے بعد بھی مقدارِ نصاب باقی رہے، ورنہ صرف ایک سال کی واجب ہوگی یعنی جب کہ اس کے پاس صرف ایک نصاب ہے اس سے زائد نہیں، تو اس میں سے بقدرِ زکوۃ سال پورا ہونے پر دَین ہوگیا اور سالِ آئندہ کے لئے نصاب باقی نہیں رہا تو سالِ آئندہ کی زکوۃ واجب نہیں ہوگی:

---

(۱) "و كره إعطاء فقير نصاباً أو أكثر، إلا إذا كان المدفوع إليه مديوناً، أو كان صاحب عيال بحيث لو فرقه عليهم لا يخص كلاً، أو لا يفضل بعد دينه نصاب، فلا يكره". (الدرالمختار: ۳۵۳/۲، باب المصرف، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱۸۸/۱، الباب السابع في المصارف، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير: ۲۷۸/۲، باب من يجوز دفع الصدقة إليه الخ، المصطفى البابي الحلبي، مصر)

"ومدیون العبد بقدر دینه، فیزکی الزائد إن بلغ نصاباً. الخ". درمختار۔ "(قوله: ومدیون العبد) الأولی "ومدیون بدین یطالبه به العبد" لیشمل دین الزکوة والخراج؛ لأنه لله تعالی مع أنه یمنع؛ لأن له مطالباً من جهة العباد، کما مر". شامی: ۲/۷(۱)، چار سال کا حکم اسی سے ظاہر ہے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۴/۹۵ھ۔

ادائے زکوۃ میں بازاری نرخ کا اعتبار کیا جائے گا

سوال[۴۵۸۸]: ایک کتب فروش نے مثلاً دس ہزار کتابیں فی سیکڑہ دس روپے کے حساب سے ایک ہزار روپے میں طبع کرائیں یا خریدیں، اب اس نے فی سیکڑہ چار روپے نفع لینا طے کرکے اس کو فروخت کرنا شروع کیا، سال بھر میں پانچ ہزار کتابیں (جن کی اصل قیمت پانچ سو روپے ہے) فروخت ہوئیں، جن پر چار روپے سیکڑہ کے حساب سے دو سو روپے نفع ملا اور پانچ ہزار کتابوں کا اسٹاک اس کے پاس موجود ہے، اختتامِ سال پر زکوۃ کی ادائیگی کے سلسلہ میں فروخت شدہ پانچ ہزار کتابوں کی اصل قیمتِ خرید جو کہ پانچ سو روپے ہے اس کے ساتھ نفع کی رقم دو سو روپے بھی شامل کرکے کل سات سو روپے کی زکوۃ ادا کی، اب باقی ماندہ پانچ ہزار کتابوں کا جو اسٹاک اس کے پاس موجود ہے جس کی اصل قیمتِ خرید پانچ سو روپے ہے اور فی سیکڑہ چار روپے نفع کے حساب سے قیمتِ فروخت سات سو روپے ہے۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ زکوۃ کی ادائیگی کے سلسلہ میں موجودہ اسٹاک کی اصل قیمتِ خرید پانچ سو روپے اور قیمتِ فروخت سات سو روپے میں سے کونسی قیمت شرعاً معتبر ہوگی؟ اگر اس وقت قیمتِ فروخت ہی معتبر اور ضروری ہو تو کتب فروش پر دگنا بوجھ پڑے گا کیونکہ آئندہ سال کے اختتام پر مذکورہ اسٹاک کے فی سیکڑہ

---

(۱) (الدر المختار: ۲/۲۶۳، کتاب الزکوة، سعید)

(وکذا فی مجمع الأنهر: ۱/۲۸۷، کتاب الزکوة، دار الکتب العلمیة، بیروت)

(وکذا فی العنایة شرح الهدایة علی هامش فتح القدیر: ۲/۱۶۰، کتاب الزکوة، مصطفی البابی الحلبی مصر)

(وکذا فی إعلاء السنن: ۹/۱۳، باب من کان علیه الدین لازکوة علیه، إدارة القرآن کراچی)

چار روپے نفع سے فروخت ہوجانے کی صورت میں اسے قیمتِ فروخت (سات سوروپے) ہی کے حساب سے زکوۃ ادا کرنی ہوگی۔ اس لئے اس سال موجودہ اسٹاک کی زکوۃ اصل قیمتِ خرید (پانچ سوروپے) کے اعتبار سے ادا کرنے کی شرعاً اجازت ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

سال ختم ہونے پر بازاری نرخ سے (نہ کہ اصل خرید کے اعتبار سے) جتنی قیمت کا مال موجود ہو اس کی زکوۃ ادا کی جائے گی (۱)، بہتر یہ ہے کہ اسی نرخ کے اعتبار سے زکوۃ میں چالیسواں حصہ کتابیں ہی دیدے تاکہ اصل مال اور زکوۃ کا نرخ کی وجہ سے تناسب قائم رہے، وهذا ظاهر لا يخفى۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۸/۹۲ھ۔

الجواب صحیح: نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۸/۹۲ھ۔

صرفۂ ڈاک زکوۃ سے وصول نہیں کیا جاسکتا

سوال [۴۵۸۹]: زید جو ہندوستان میں تجارت کرتا ہے، ہندوستان کے اکثر مسلمان زید کی معرفت غربائے حرمین اور وہاں کے مہاجرین کی مالی خدمت کیا کرتے تھے جس کی صورت یہ ہوتی تھی کہ زید جو روپیہ ہندوستان کے اہلِ خیر کا جمع کرتا تھا اس کی دہانید (۲) حرمین کے تاجروں کو بھیج دیا کرتا تھا اور وہ تاجر غرباء و مہاجرین کو تقسیم کردیا کرتے تھے اور حرمین شریفین کے تاجر وہ روپیہ جو دہانید میں ادا کرتے تھے حوالہ ہندی کے ذریعہ ہندوستان میں وصول کرایا کرتے تھے۔

لیکن اب کچھ عرصہ سے سونے کی قیمت بڑھ جانے سے اور شرحِ تبادلہ ایکسچینج کے فرق کی وجہ سے وہ حضرات اس سلسلہ کو ختم کرنا چاہتے ہیں، اس لئے اب مجبوراً زید نے یہ صورت اختیار کی کہ یہ زائد رقم جو اہلِ خیر صدقات بھیجتے ہیں ان سے ہی وصول کر کے مثلاً جو لوگ سوروپیہ بھیجتے ہیں ان سے ایک سو دس وصول کر کے بھیجتا

---

(۱) "وتعتبر القيمة عند حولان الحول بعد أن تكون قيمتها في ابتداء الحول مائتي درهم من الدراهم الغالب عليها الفضة". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الزكوة، الباب الثالث، الفصل الثاني في العروض: ۱/۱۷۹، رشيديه)

(۲) "دہانیدن: دینا، دلانا"۔ (فرہنگ فارسی، ص: ۳۶۲، دارالاشاعت)

ہے تاکہ وہ زائد رقم اسی سے وصول کرلی جائے اور اس طرح حرمین کے غرباء ومہاجرین کو پوری رقم مل جائے اور وہاں کے تاجروں کو بھی نقصان نہ پہونچے۔ زید کا ایسا کرنا درست ہے یا نہیں؟ حرمین کے غرباء کو دہائید میں سونے یا چاندی کا سکہ دیا جاتا ہے اور زید وہ رقم حرمین کے تاجروں کو نوٹوں کی شکل میں ادا کرتا ہے۔ فقط۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

زید سو روپے کے بجائے ایک سو دس لیکر بھیجے تاکہ اس کو نقصان نہ پہونچے (یہ درست ہے)(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

زکوۃ کا پیسہ خادم مدرسہ کو قرض دینا

سوال[۴۵۹۰]: مہتمم مدرسہ کو بوجہ وکیلِ قوم ہونے کے ادارہ کے خادم کو مدرسہ سے زکوۃ کے روپیہ سے قرض دینا درست ہے یا نہیں؟ جب کہ معطی یہ بھی لکھدے کہ اگر مناسب ہو تو قرض دیدیا جائے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

معطی کی اجازت کے بعد مہتمم کو حسبِ صوابدید زکوۃ کا روپیہ قرض میں دینا درست ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۵/۹۰ھ۔

---

(۱) ''بشرطیکہ جو دس روپے لے رہا ہے وہ زکاۃ کے نہ ہوں، اگر زکوۃ ہی کے ہیں تو چونکہ وہ مستحق کو نہیں ملیں گے، لہٰذا وہ زکاۃ میں شمار نہیں ہوں گے جیسا کہ فتاویٰ دارالعلوم دیوبند میں تصریح ہے کہ: ''یہ مسلّم ہے کہ فیس منی آرڈر فقراء کو نہیں ملتی اس لئے وہ زکوۃ میں شمار نہیں ہوگی''۔ (فتاوی دار العلوم دیوبند: ۲/۳۳۵، متفرق مسائل زکوۃ، إمدادیہ ملتان)

''و لا یخرج المزکی عن العهدة بالعزل، بل بالأداء للفقراء''. (الدرالمختار: ۲/۲۷۰، کتاب الزکاة، سعید)

(و کذا فی البحر الرائق: ۲/۳۶۸، کتاب الزکاة، رشیدیه)

(و کذا فی تبیین الحقائق: ۲/۳۰، کتاب الزکاة، دار الکتب العلمیة بیروت)

(۲) ''رجل دفع إلی رجل عشرة دراهم وأمره أن یتصدق بها فأنفقها الوکیل ثم تصدق عن الآمر بعشرة =

زکوٰۃ کی رقم بطورِ قرض لے کر خرچ کرنا

سوال[۴۵۹۱]: یہ بات تو ظاہر ہے کہ صدقات وغیرہ کا مصرف صرف یتیم ومسکین ہیں تو کیا کوئی شرعاً ایسی صورت بھی ہے کہ جس مدرسہ میں کھانے والے بچے نہ پڑھتے ہوں اس مدرسہ میں ان مدّات کو خرچ کیا جاسکتا ہے؟ کیا یہ درست ہے کہ مدرسہ بطورِ قرض کے لے کر خرچ کرے اس میں کوئی گناہ نہیں؟ اگر کوئی صورت جواز کی ہو تو تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

رقم واجب التملیک میں مالکوں کی طرف سے خلط وتصرف کی اجازت ہو تو وقتِ ضرورت ان کو بطورِ قرض دوسرے مدات میں خرچ کیا جاسکتا ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

زکوٰۃ بذریعۂ منی آرڈر بھیجنا

سوال[۴۵۹۲]: اگر مالِ زکوٰۃ بذریعۂ منی آرڈر بھیجی جائے تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی یا نہیں، کیونکہ ''فتاویٰ رشیدیہ'' (۲) میں لکھا ہے کہ ''روپیہ بذریعہ منی آرڈر نہیں بھیجنا چاہئے اس میں سود کا شائبہ ہے'' اور ''در

= دراهم من ماله، لايجوز ويكون ضامناً للعشرة. ولو كانت الدراهم قائمةً فأمسكها الوكيل وتصدق من عنده بعشرة، جاز استحساناً". (الفتاویٰ العالمكيرية ، كتاب الوكالة، الباب العاشر في المتفرقات: ۶۴۴/۳، رشيديه)

(وكذا في الفتاویٰ التاتارخانية، كتاب الزكوة، الفصل التاسع في مسائل المتعلقة بمعطي الزكاة: ۲۱۴/۲، ۲۱۵، قديمي)

(۱) "وعلى الإمام أن يجعل لكل نوع بيتاً يخصه، وله أن يستقرض من أحدهما ليصرفه للآخر، ويعطي بقدر الحاجة والفقه والفضل، فإن قصر كان الله عليه حسيباً". (الدرالمختار: ۲۱۹/۴، كتاب الجهاد، فصل في الجزية، سعيد)

(۲) ''سوال: منی آرڈر کرنا اور محصول منی آرڈر کا دینا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

جواب: بذریعہ منی آرڈر روپیہ بھیجنا نادرست ہے اور داخل ربوا ہے، اور یہ جو محصول دیا جاتا ہے نادرست ہے''۔

(فتاویٰ رشيديه للمحدث العلامة مولانا رشيد احمد گنگوهي رحمه الله تعالیٰ ، بيوع، سود کے مسائل کا بیان، ص: ۵۰۱، ۵۰۲، سعيد)

مختار'' میں لکھا ہے کہ ''اگر وکیل روپیہ زکوۃ کو قبل از ادا خرچ کر لیوے تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی'' (۱) اور یہ بھی لکھا ہے کہ ''اگر وکیلِ زکوٰۃ دو موکلوں کو خلط کرے گا تو وکیل خائن ہوگا یعنی زکوۃ ادا نہ ہوگی'' (۲)۔ گو شامی لکھتا ہے کہ ''زکوۃ مخلوط باعتبار عرف کے اگر مالک کو علم ہوا ادا ہو جائے گی، مگر یہ صورت صرف خلطِ زکوۃ موکلوں میں گفتگو ہے نہ کہ عام مخلوط مال میں''۔

پس ان صورتوں سے معلوم ہوا کہ اگر زکوۃ بذریعۂ منی آرڈر بھیجی جاوے تو ادا نہ ہوگی کیونکہ اول تو وہ اصل روپیہ جاتا نہیں، دوسرے وہ روپیہ اسی وقت دیگر اقوام میں مخلوط ہو جاتا ہے، تیسرے قبل از پہنچنے منی آرڈر یہ روپیہ مرسلہ زکوۃ اسی جگہ خرچ ہو جاتا ہے اور نہ اس میں وکیل کی کچھ نیت ہے اور نہ اس کو علم ہے، چوتھے یہ وکیل آئندہ تقسیم کنندہ کو بلا نیت وکیل کرتا ہے، سو یہ بھی چیز درست ہے۔ بروے کتب معتبرہ مفصل تحریر فرماویں تاکہ طمانینت ہو۔

الجواب حامداً و مصلياً:

آپ کے سوال میں دو امر غور طلب ہیں: اول یہ کہ منی آرڈر نا جائز ہے، دوم یہ کہ منی آرڈر سے زکوۃ ادا نہیں ہوتی جس کی وجوہ کا خلاصہ یہ ہے کہ گورنمنٹ ادائے زکوۃ کے لئے وکیل ہے اور وہ منصبِ وکالت کے خلاف کرتی ہے۔

سو امر اول کے متعلق عرض ہے کہ حضرت گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ کے فتاویٰ میں بھی مذکور ہے کہ منی آرڈر نا جائز ہے اور مولانا تھانوی مدظلہم کے پہلے فتاویٰ میں بھی یہی ہے لیکن بعد کے ایک فتویٰ میں جواز تحریر فرمایا ہے، چنانچہ حوادث الفتاوی حصہ ثانیہ ص: ۵۵ مطبوعہ مجتبائی ۱۳۳۴ھ مطابق ۱۹۱۶ء میں لکھا ہے کہ ''منی آرڈر مرکب ہے دو معاملہ سے: ایک قرض جو اصل رقم سے متعلق ہے، دوسرے اجارہ جو فارم کے لکھنے اور روانہ کرنے پر بنام فیس دی جاتی ہے اور دونوں معاملے جائز ہیں پس دونوں کا مجموعہ بھی جائز ہے اور چونکہ آپس میں ابتلائے عام

(۱) "بخلاف ما إذا أنفقه أولاً على نفسه مثلاً، ثم دفع من ماله فهو متبرع". (ردالمحتار، كتاب الزكاة: ۲۷۰/۳، سعيد)

(۲) "ولو خلط زكاة موكليه ضمن، وكان متبرعاً". (الدرالمختار، كتاب الزكاة، مطلب في زكاة ثمن المبيع: ۲۶۹/۲، سعيد)

ہےاس لئے یہ تاویل کرکے جواز کا فتوی مناسب ہے''(۱)۔

امرِ ثانی کے متعلق گزارش ہے کہ جو روپیہ منی آرڈر کے متعلق سے بھیجا جاتا ہے، سرکار اس روپیہ کے حق میں وکیل نہیں جیسا کہ مولانا تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس روپیہ کو قرض فرمایا ہے اور یہ بالکل ظاہر ہے کیونکہ وکیل امین ہوتا ہے اور اس کو امانت میں تصرف کا حق نہیں ہوتا:

''المال الذی قبضه الوكيل بالبيع والشراء وإيفاء الدين واستيفاء ه، و قبض العين من جهة الوكالة فی حكم الوديعة فی يده، اهـ''. مراة المجلة: ۲/۲۷۰(۲)۔

بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ایک فرض ہے کہ روپیہ بھیجنے والا مصرفِ زکوۃ کو فارم کے ذریعہ سے امر کرتا ہے کہ سرکار سے میرے اس دین پر قبضہ کرلو اور خود اس میں ادائے زکوۃ کی نیت کر لیتا ہے۔ اور مال موجودہ کی زکوۃ اس طرح ادا کرنا درست ہے جیسا کہ فقہاء نے اس جزئیہ کی تصریح کی ہے:

''لو أمر فقيراً لقبض دينٍ له على اٰخرٍ عن زكوة عين عنده، جاز، اهـ''. البحر الرائق: ۲/۲۱۱(۳)۔

نیز ادائے زکوۃ کے لئے تملیک ضروری ہے اور تسلیط بھی تملیک کی ایک صورت ہے جو کہ منی آرڈر میں یقیناً متحقق ہے پس بوقتِ منی آرڈر ادائے زکوۃ کی نیت کافی ہے:

''تمليك الدين لمن ليس عليه الدين باطل، إلا فی ثلث: حوالة، و وصية، وإذا سلّطه: أی سلطه غير المديون على قبضه: أی الدين، فيصح حينئذ، و منه مالو وهبت من ابنها على أبيه، فالمعتمد الصحة للتسليط، اهـ''. درمختار۔

قال الشامی: ''قال السائحانی: و حينئذ يصير وكيلاً فی القبض عن الاٰمر، ثم أصيلاً فی

(۱) (امداد الفتاویٰ، كتاب البيوع، باب الربا: ۳/۱۴۶، مكتبه دارالعلوم كراچی)

(۲) (شرح المجلة، كتاب الزكاة: ۳/۸۴۷، لمادة: ۱۴۶۳، دارالكتب العلمية، بيروت)

(۳) (البحر الرائق: ۲/۳۷۰، كتاب الزكاة، رشيديه)

(وكذا فی ردالمحتار: ۲/۲۷۱، كتاب الزكاة، سعيد)

(وكذا فی الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۱۷۱، كتاب الزكاة، الباب الأول فی تفسيرها الخ، رشيديه)

القبض لنفسه، و مقتضاه صحة عزله عن التسليط قبل القبض، وإذا قبض بدل الدراهم دنانير، صح؛ لأنه صار الحق للموهوب له، فملك الاستبدال، وإذا نوى في ذلك التصدق بالزكوة أجزأه، كما في الأشباه، اهـ". رد المحتار: ۲/۷۱۷(۱)۔

اس صورت میں اصل رقم کا مصرف کے پاس نہ پہونچنا بلکہ اس جگہ مخلوط اور خرچ ہو جانا کچھ مضر نہیں۔

گورنمنٹ کو ادائے زکوۃ کے لئے وکیل قرار دینے میں جس قدر اشکالات تھے وہ سب مرتفع ہو گئے، اگر منی آرڈر کو جائز نہ کہا جاوے بلکہ ناجائز ہی مانا جائے جیسا کہ فتاویٰ رشیدیہ وغیرہ میں ہے تب بھی زکوۃ کے ادا کرنے میں کوئی تامل نہیں۔

تنبیہ: ۱-ادائے زکوۃ کے لئے وکیل کی نیت اور علم ضروری نہیں بلکہ صرف مؤکل کی نیت کافی ہے:

"أو نوى عند الدفع للوكيل، ثم دفع الوكيل بلانية، أو دفعها لذمي ليدفعها للفقراء، جاز؛ لأن المعتبر نية الأمر". اهـ". در مختار(۲)۔

تنبیہ: ۲-جب وکیل کی نیت اور علم ضروری نہیں تو وکیل الوکیل کی نیت اور علم بطریقِ اَولیٰ ضروری نہیں، نیز وکیل کو یہ بھی جائز ہے کہ دوسرے شخص کو وکیل بنادے:"للوكيل بدفع الزكوة أن يؤكل بلا إذن، و لا يتوقف اهـ". بحر: ۲/۲۱۲(۳)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۶/صفر/۵۷ھ۔

---

(۱) (الدر المختار مع رد المحتار: ۵/۷۰۸، المسائل المتفرقة من الهبة، سعيد)

(۲) (الدر المختار: ۲/۲۶۸، كتاب الزكاة، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۱۷۱، كتاب الزكاة، الباب الأول في تفسيرها الخ، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق: ۲/۳۶۸، كتاب الزكاة، رشيديه)

(۳) (البحر الرائق: ۲/۲۷۱، كتاب الزكاة، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان: ۳/۳۵۵، فصل في المسائل المتفرقة من الأضحية، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار: ۲/۲۷۰، كتاب الزكاة، سعيد)

زکوۃ دوسری جگہ بھیجنا

سوال[۴۵۹۳]: اپنے قرب وجوار اور شہر کو چھوڑ کر اگر کوئی شخص محض اس خیال اور نیت سے دوسرے شہر اور مدارسِ اسلامیہ کی امداد کرے کہ وہ چند حیثیت سے بہتر نظر آتا ہو تو حق تلفی کے گناہ کا مرتکب تو نہ ہوگا، مثلاً بڑا اور قدیمی مدرسہ فیض بخش سمجھ کر یا تعلیم اور انتظام اور دیانتداری کی خوبی سمجھ کر یا صحیح عقائد، عمدہ تعلیم اور فرقہ بندی کے جھگڑوں سے اس پر زوال آجانے کے سبب سے دور کے مدارس کی امداد کی جائے۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

ان وجوہِ ترجیح کی بنا پر دور کے مدارس میں بھیجنا گناہ نہیں، ایک شہر سے دوسرے شہر میں بلا کسی معتبر وجہ ترجیح کے زکوۃ نقل کرنی مکروہ ہے، یہ کراہت سال پورا ہونے کے بعد میں ہے، اگر کوئی سال پورا ہونے سے پیشتر زکوۃ ادا کرنا چاہے اور ایک شہر سے دوسرے شہر میں بھیج دے تو وہ مکروہ نہیں، کذا فی الطحطاوی(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۱/۷/۵۵ھ۔

جواب صحیح ہے: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف غفرلہ۔

زکوۃ کا روپیہ اپنے کام میں خرچ کرنا اور تنخواہ سے اس کا عوض دینا

سوال[۴۵۹۴]: ا...... کسی مدرسہ میں مدرسہ کی طرف سے زکوۃ وصدقات کا مال وصول کرنے والا

---

(۱) "و کره نقلها بعد تمام الحول لبلد آخر لغير قريب أو أحوج و أورع و أنفع للمسلمين بتعليم، والأفضل وصرفها للأقرب، الخ". (مراقی الفلاح). "و کره نقلها: أی تحريماً، ولو إلى مادون مسافة القصر بعد تمام الحول، أما المعجلة و لو لفقير غير أحوج .... أما نقلها للقريب، فلا كراهة فيه؛ لأن الدفع إلى الفقير منهم فيه صلة و صدقة .... التصدق على العالم الفقير أفضل من الجاهل الفقير، الخ". (مراقی الفلاح مع حاشية الطحطاوی، ص: ۷۲۲، باب المصرف، قديمی)

(وكذا فی الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۱۹۰، الباب السابع فی المصارف، رشيديه)

(وكذا فی التاتارخانية: ۲/۲۸۱، باب من توضع فيه الزكاة، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا فی تبيين الحقائق: ۲/۱۳۱، باب المصرف، دارالكتب العلمية، بيروت)

درصورتیکہ محصّل محتاج ہواور مصرفِ زکوۃ ہو، اگر اپنی اجرت سے زائد کچھ روپیہ خرچ کرڈالے پھراس کواپنی آمدنی سے بعد میں پورا کردے، کیسا ہے جائز ہے یا ناجائز؟

۲......زکوۃ کا مال مدرسین کی تنخواہوں میں استعمال کرنا بغیر تملیک کے جس مدرسہ میں مطبخ ہو کیا حکم ہے؟ فقط۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

۱......مدرسہ کی طرف سے جوشخص محصل مقرر کیا گیا ہے وہ امین ہے، جتنا روپیہ زکوۃ وصدقات وصول کرتا ہے وہ امانت ہے اس میں تصرف کرنے کا حق نہیں، ایسی صورت میں زکوۃ ادانہیں ہوگی (۱) اور لازم ہے ہوگا کہ اس کا ضمان معطی کودے اور کہدے کہ آپ کا دیا ہوا روپیہ میں نے خرچ کرلیا، زکوۃ ادانہیں ہوئی، اس لئے یہ روپیہ بطور ضمان دے رہا ہوں، ہاں اگر معطی کی طرف سے صرف کرنے کی اجازت ہوتو بطور قرض اس کو صرف کرسکتا ہے پھر قرض مدرسہ کوواپس کرکے مصارفِ زکوۃ پر صرف کردیا جائے۔

۲......تنخواہ میں زکوۃ کا روپیہ لینا دینا جائز نہیں اس سے زکوۃ ادانہیں ہوگی (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۱۰/۹۰ھ۔

وکیل کا زکوۃ کو اپنے مصرف میں لانا اور پھر ادا کرنا

سوال [۴۵۹۵]: زید کو خالد نے مبلغ سوروپے دیئے کہ یہ روپے فلاں مدرسہ کو بمدِ زکوۃ دیدینا، زید نے کہا کہ منی آرڈر کردوں گا، خالد نے کہا کہ ہاں منی آرڈر کردینا۔ اب زید اپنی کسی مجبوری سے یا بداطواری سے کچھ رقم یا پورے روپے کو خود خرچ کرلے اور زید کو کہدے کہ میں نے وہ روپے تمہارے کہنے کے مطابق مدرسہ کو

---

(۱) "و للوكيل أن يدفع لولده الفقير و زوجته لا لنفسه، إلا إذا قال: ربها: ضعها حيث شئت".

(الدرالمختار: ۲/۲۶۹، کتاب الزکاۃ، سعید)

(وكذا في البحر الرائق. ۲/۳۶۹، کتاب الزکاۃ، رشیدیہ)

(وكذا في النهر الفائق: ۱/۴۱۸، کتاب الزکاۃ، امدادیہ ملتان)

(۲) (تقدم تخريجه تحت عنوان: ''امام کوزکوۃ دینا''۔)

منی آرڈر کر دیئے۔ اب ایک عرصہ کے بعد زید کو حق تعالیٰ نے ہدایت دی اور پچھلے کئے پر نادم ہے اور چاہتا ہے کہ وہ روپے جو خالد نے کسی مدرسہ کے واسطے دیئے تھے وہ ادا کر دے اور آہستہ آہستہ ادا کر دے، چونکہ بیک دم ادا کرنے کی سکت نہیں ہے تو کیا اب وہ روپیہ اس مدرسہ کو ادا کر سکتا ہے؟

''بہشتی زیور'' میں لکھا ہے کہ ''اگر زکوۃ کا روپیہ کسی کو دیا اور اس نے وہ خرچ کر دیا تو وہ جواب روپیہ دیگا، اس سے زکوۃ ادا نہ ہوگی اور زکوۃ کا روپیہ اگر خرچ نہ کیا اور دوسرا روپیہ اپنے پاس سے دیدیا تو زکوۃ ادا ہوجائے گی'' (۱) تو اب اس میں کیا کیا جائے؟ اگر اس روپیہ کو ظاہر کرے تو زید کی عزت وتوقیر ختم ہوجانے کا قوی احتمال ہے، اس حق کو کس طرح ادا کرے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

جب حق تعالیٰ سے ڈر کر توبہ کرنے اور اپنی اصلاح کرنے کی نیت ہے تو بات صاف صاف بتادے اور روپیہ دینے والے سے اجازت لے لے کہ میں اب وہ روپیہ آپ کی طرف سے ادا کرتا ہوں، بغیر جدید اجازت کے زکوۃ ادا نہیں ہوگی (۲)، اس لئے آپ گذشتہ کوتاہی کو معاف کر دیں اور اب اجازت دیدیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ اس سے توقیر ختم نہیں ہوگی بلکہ عند اللہ وعند الناس یہ شخص مستحسن ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۹۲/۶/۱۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۹۲/۶/۱۶ھ۔

وکیل خود مستحق زکوۃ ہو تو کیا وہ زکوۃ کی رقم رکھ سکتا ہے؟

سوال [۴۵۹۶]: زکوۃ یا صدقہ کوئی کسی کو اس واسطے دے کہ جہاں مصرف ہو اور جس کو مستحق دیکھے دیدے، درحقیقت وہ جس کو ادائیگی کے لئے دی جاتی ہے وہ خود مستحق ہے لیکن اس دینے والے کو اس کے مستحق اور

(۱) (بهشتی زیور، حصه سوم، ص: ۲۲۳، دارالاشاعت کراچی)

(۲) "(قوله: و لو تصدق الخ): أي الوكيل بدفع الزكاة إذا أمسك دراهم المؤكل و دفع من ماله ليرجع ببدلها في دراهم المؤكل، صح، بخلاف ما إذا أنفقها أولاً على نفسه مثلاً، ثم دفع من ماله فهو متبرع. الخ". (ردالمحتار: ۲/۲۶۹، كتاب الزكاة، سعيد)

(وكذا في التاتارخانية: ۲/۲۸۴. فصل في المسائل المتعلقة بمعطي الزكاة، إدارة القرآن كراچی)

مصرف ہونے کا علم نہیں، کیا وہ مستحق رقم زکوۃ خود لے سکتا ہے یا نہیں، یا صرف دوسرے مستحقین پر تقسیم کردے؟ اس بات کا اس کو اختیار تھا کہ جس کو چاہے دے اور جتنا دے لیکن مستحق کو دے۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس صورت میں اس کو خود رکھنا درست نہیں: "لو قال لرجل: ادفع زکاتی إلی من شئت، أو أعطها من شئت، فدفعها لنفسه، لم یجز. و فی جوامع الفقه: جعله قول أبی حنیفة رحمه الله تعالیٰ و قال: عند أبی یوسف رحمه الله تعالی یجوز. و لو قال: ضعها حیث شئت، جاز و ضعها فی نفسه". شلبی هامش زیلعی: ۱/۳۰۵(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، صحیح: عبد اللطیف، ۱۱/ ذیقعدہ/۱۳۶۰ھ۔

وکیل کا زکوۃ کی رقم خود رکھنا

سوال [۴۵۹۷]: ۱......ایک شخص مسمی حمید جو صاحبِ نصاب ہے اس نے مالِ مملوکہ کی زکوۃ ایک سال گذشتہ کی یا ایک سال آئندہ کی بطورِ پیشگی کئی سو یا کئی ہزار کی رقم نکال کر ایک غیر ذی نصاب مسمی رشید مفلس کے حوالہ یہ کہہ کر دی ہے کہ یہ تمام رقم جو میں آپ کے سپرد کر رہا ہوں مدِ زکوۃ کی ہے، اس رقم کا کوئی جز کسی ذی نصاب کی ملکیت میں ہرگز نہیں پہونچنا چاہئے، اور بھائی رشید صاحب! آپ بھی چونکہ غیر ذی نصاب ہیں حد

(۱) (حاشیة الشلبی علی تبیین الحقائق: ۲/۳۲، کتاب الزکوٰة، دارالکتب العلمیة، بیروت)

"سئل البقالی عمن أعطی رجلاً دراهم یتصدق بها عن زکاة الآمر، فتصدق المأمور بدراهم نفسه، هل تقع الزکاة عن الآمر ؟ فقال: إذا تصدق بذلک علی نیة الرجوع، جاز، و سئل عنها الوبری؟ فقال: هذا علی وجهین: إن کان صرف المال الذی دفعه الآمر فی حاجته، ثم دفعه من مال نفسه، فهذا لا یجوز؛ لأنه لما أنفقه صار مضموناً علیه، فلا یبرأ إلا بالأداء إلی المالک. الخ". (التاتارخانیة: ۲/۲۸۴، فصل فی المسائل المتعلقة بمعطی الزکاة، إدارة القرآن کراچی)

(وکذا فی ردالمحتار: ۲/۲۶۹، کتاب الزکاة، سعید)

شریعت کے اندر آپ بھی اس رقم میں سے لے سکتے ہیں۔

پس مسمی رشید مفلس نے وہ رقم زکوۃ کئی سو یا کئی ہزار کی اپنے قبضہ میں لے لی اور پچاس روپیہ اس رقم زکوۃ میں سے خود لے کر اپنی زوجہ کو جو پہلے سے وہ صاحبِ نصاب تھی اس کو ہبہ کردیئے، اس کے بعد باقی ماندہ رقم زکوۃ میں سے پھر پچاس روپیہ رشید نے خود لے کر اپنی اسی زوجہ کو ہبہ کردیئے اور بایں صورت اس رقم زکوۃ میں سے بار بار مسمی رشید پچاس پچاس روپیہ خود لیتا رہا اور ہر بار اپنی اسی زوجہ کو ہبہ کرتا رہا اور یہ کام ایک ہی دن میں بیک وقت رقم زکوۃ کو ختم کردینے کا رشید نے پورا کر کے تمام رقم زکوۃ اپنی زوجہ کی حوالگی میں بصورتِ مذکورہ بالا دے دی اور مسمی حمید رقمِ زکوٰۃ کو رشید کے سپرد کردینے کے وقت خوب اچھی طرح جانتا تھا کہ میں مسمی رشید کو جس قدر زکوۃ کی رقم سپرد کروں گا اس رقم میں رشید ایسا عمل کرے گا جو اوپر ذکر کیا گیا ہے۔

پس رشید ایسا عمل کرنے کے بعد اپنی زوجہ کی ہمراہ بنیتِ ہجرت یا بلا نیتِ ہجرت حرمین شریفین چلا گیا یا پاکستان جانے کا ارادہ رکھتا ہے۔ لہٰذا اس میں دریافت طلب یہ ہے کہ صورتِ مذکورہ میں مسمی حمید جو صاحب نصاب ہے اس کی زکوۃ ادا ہوگئی یا نہیں؟ اور اگر زکوۃ ادا ہوگئی تو اس ادائیگی میں کراہتِ شرعیہ داخل رہی یا بلا کراہت حمید کی زکوۃ ادا ہوگئی؟

۲...... اگر صورتِ مذکوہ میں زکوۃ کی ادائیگی میں کوئی کراہت باقی رہ گئی ہو تو وہ کراہت جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی فرمودہ ہے یا حضرات صحابہ کرام یا حضرات تابعین یا حضرات تبع تابعین کی بتلائی ہوئی ہے، یا ائمۂ اربعہ: یعنی حضرت امام اعظم، حضرت امام مالک، حضرت امام احمد بن حنبل، حضرت امام شافعی رحمہم اللہ تعالیٰ کی ارشاد کردہ ہے؟

المستفتی: فیض الحسن از خورجہ، ۲۹/صفر/۱۳۶۷ھ۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

۱...... زکوۃ تو ادا ہوگئی مگر یہ فعل فقہاء کے نزدیک مکروہ ہے۔

۲...... یہ کراہت حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حدیث سے ماخوذ ہے، حضرت سلیک غطفانی

رضی اللہ عنہ کا قصہ کتب صحاح میں مذکور ہے(۱) وہ اس کراہت کا ماخذ ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۵/۳/۶۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۵/۳/۶۷ھ۔

وکیل کا مؤکل کی ہدایت کے خلاف دوسرے شخص کو زکوۃ دینا

سوال[۴۵۹۸]: مرسلِ زکوۃ نے یہ شرط لگائی تھی کہ یہ پہلے کاشتکاروں کو اس طرح دیئے جائیں کہ میری زکوۃ ادا ہوجائے، نمبر تین کے کارندوں (دوکان چلانے والے، زمین بڑھانے والے، جو خود کو قرضدار سمجھتے ہوں) کو یہ پیسے عمداً دیئے تو زکوۃ ادا ہوگی یا نہیں؟ اگر زکوۃ ادا نہیں ہوئی تو یہ گناہ کس کے ذمہ ہوگا؟ تفصیل سے لکھیں۔

---

(۱) "عن عياض بن عبدالله قال: سمعت أبا سعيد الخدري يقول: جاء رجل يوم الجمعة –والنبي صلى الله عليه وسلم يخطب– بهيأةٍ بذّةٍ، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "أصليت"؟ قال: لا، قال: "صل ركعتين"، وحث الناس على الصدقة، فألقوا ثيابهم، فأعطاه منها ثوبين، فلما كانت يوم الجمعة الثانية، جاء ورسول الله صلى الله عليه وسلم يخطب، فحث الناس على الصدقة، قال: فألقى أحد ثوبيه، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "جاء هذا يوم الجمعة بهيأةٍ بذّةٍ، فأمرت الناس بالصدقة، فألقو اثياباً، فأمرت له منها بثوبين، ثم جاء الآن، فأمرتُ الناس بالصدقة، فألقى أحدهما"، فانتهره، وقال: "خذثوبك". (سنن النسائي، كتاب الجمعة، باب حث الإمام على الصدقة يوم الجمعة في الخطبة: ۲۰۸/۱، قديمي)

"عن جابر بن عبدالله قال بينما النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يخطب يوم الجمعة إذ جاء رجل فقال النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "أصلّيت"؟ قال: لا، قال: "فقم، فاركع".

"(قوله: رجل) هو سليك بن هدية الغطفاني وأطنب الحافظ ههنا ورد على خصومة والجواب المشهور منا ان هذا الرجل كان في هيأة بذة وكان غرضه عليه السلام ان يجمع له المتفرقات من الناس وأنه عليه السلام امهل خطبته وأما كونه في هيئة بذة فثابت في حديث الباب والنسائي الصغرىٰ .... واما الحض على الصدقات له فمذكور في النسائي والطحاوي". (الحواشي المفيدة على جامع الترمذي، ابواب الجمعة، باب ماجاء في الركعتين والإمام يخطب: ۱۱۵/۱، سعيد)

الجواب حامداً و مصلیاً:

وکیل امین ہوتا ہے، ہدایتِ مؤکل کے خلاف تصرف کرنے کا اس کو حق نہیں، خلاف کرنے سے وکیل کے ذمہ ضمان لازم آئے گا اور زکوۃ ادا نہیں ہوگی (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/۶/۹۱ھ۔

وکیل کا زکوۃ دینے میں تاخیر کرنا

سوال[۴۵۹۹]: زید نے عمر کو سو روپیہ زکوۃ کے دیئے کہ ان کو تقسیم کردے مگر عرصہ دس سال گزر گیا عمر نے تقسیم نہیں کئے بلکہ استعمال کر لئے، اب عمر ان کو تقسیم کرنا چاہتا ہے تو کیا صرف سو روپیہ زکوۃ کے نکالدے یا کچھ جرمانہ وغیرہ بھی ہوگا؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

عمر کو از خود سو روپیہ دینا کافی نہیں بلکہ اس کے ذمہ ضمان لازم ہے جو زید کو واپس کرنا ضروری ہے (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، یکم/ ربیع الاول/ ۸۸ھ۔

معاون کا مالک کی اجازت کے بغیر زکوۃ ادا کرنا

سوال[۴۶۰۰]: میں، میرے والد صاحب اور تین بھائی پانچوں مل کر تجارت کرتے ہیں، تمام مال

(۱) "سئل عمر الحافظ عن رجل دفع إلی الآخر مالاً، فقال له: هذا زكاة مالي فادفعها إلی فلان، فدفعها الوكيل إلی الآخر، هل يضمن؟ فقال: نعم، له التعيين". (التاتارخانية: ۲/۲۸۴، الفصل التاسع في المسائل المتعلقة بمعطي الزكاة، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في ردالمحتار: ۲/۲۶۹، كتاب الزكاة، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۲/۳۷۱، كتاب الزكاة، رشيديه)

(۲) "(قوله: و لو تصدق، الخ): أي الوكيل بدفع الزكاة إذا أمسك دراهم المؤكل، و دفع من ماله ليرجع ببدلها في دراهم المؤكل، صح، بخلاف ما إذا أنفقها أولاً علی نفسه مثلاً، ثم دفع من ماله فهو متبرع. الخ". (ردالمحتار: ۲/۲۶۹، كتاب الزكاة، سعيد)

(وكذا في التاتارخانية: ۲/۲۸۴، فصل في المسائل المتعلقة بمعطي الزكاة، إدارة القرآن كراچی)

اورحساب وکتاب میرے پاس ہی رہتا ہےاور نفع نقصان کو آپس میں تقسیم نہیں کرتے بلکہ جو کچھ ہووہ تجارت میں ہی لگادیتے ہیں، اگر کسی کو روپیہ کی ضرورت ہوتو اس کی ضرورت کے مطابق روپیہ دیدیتے ہیں باقی تمام مال کو تجارت میں لگادیتے ہیں۔ جب زکوۃ کا نصاب آتا ہے تو نصاب کے مطابق زکوۃ دینے کو والد صاحب اور باقی تینوں بھائی تیار نہیں، اس حال میں بندہ مجبور ہے اور حکمِ خداوندی کو پورا کرنا ضروری ہے اس وجہ سے میں پورے دوسال سے مال کی زکوۃ نکال کردے رہا ہوں، حالانکہ ان کا بھی حق ہے۔ان سے اجازت لئے بغیران سے چھپا کرزکوۃ نکالنا میرے لئے جائز ہے یانہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر اصل رقم والد صاحب کی ہے، اس سے تجارت شروع کی گئی ہے تو کل مال کے مالک والد صاحب ہیں ان کے ذمہ زکوۃ ہے، آپ چاروں بھائی شریک اس کے مالک نہیں، بلکہ والد صاحب کے معاون ہیں اس مال میں چاروں پر زکوۃ واجب نہیں، بغیر والد صاحب کی اجازت کے آپ کو اس کی زکوۃ دینا جائز نہیں اور اس طرح زکوۃ ادا بھی نہیں ہوتی (۱)۔

آپ کو چاہئے کہ بہت نرمی اور ادب واحترام سے والد صاحب کو بتائیں اور سمجھائیں کہ زکوۃ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرض ہے اور اس کے ادا کرنے سے مال میں برکت ہوتی ہے، مال محفوظ رہتا ہے ضائع نہیں ہوتا، اور جس مال کی زکوۃ نہ دی جائے وہ سانپ بن کر گلے کا طوق ہوگا، کاٹے گا، نیز اس سونے چاندی کو تپا کر پیشانی پر، پہلو پر، کمر پر داغ دیا جائے گا (۲) کتاب ''فضائل صدقات'' ان کو سنائیں اور دعاء بھی کریں، حق تعالیٰ دل

---

(۱) "و لو أدى زكاة غيره بغير أمره، فبلغه فأجاز، لم يجز؛ لأنها وجدت نفاذاً على المتصدق؛ لأنها ملكه و لم يصر نائباً عن غيره، فنفذت عليه". (البحر الرائق: ۳۶۹/۲، كتاب الزكوة، باب المصرف، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية: ۲۸۴/۲. فصل في المسائل المتعلقة بمعطى الزكاة، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱۷۱/۱، الفصل الأول في تفسيرها و صفتها الخ، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار: ۲۶۹/۲، كتاب الزكاة، سعيد)

(۲) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "من آتاه الله مالاً فلم يؤد زكاته مُثّل له ماله يوم القيمة شجاعاً أقرع، له زبيبتان يطوقه يوم القيمة". الحديث. (صحيح البخاري، كتاب الزكاة، باب إثم مانع الزكاة: ۱۸۸/۱، قديمي)

میں اس کا احساس پیدا فرمائے اور زکوۃ ادا کرنے پر آمادہ ہو جائیں۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۹/۹۱ھ۔

زکوۃ نہ دینے والے کے مال کو چوری کر کے خیرات کرنا

سوال[۴۶۰۱]: عمر بہت مالدار آدمی ہے مگر زکوۃ خیرات ادا نہیں کرتا، زید نے اس کا تمام روپیہ چوری کر کے خیرات کر دیا اس میں عمر اور زید کے لئے شرعی حکم کیا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

عمر ترکِ فرض کا گناہگار ہے اور زکوۃ کی ادائیگی اس کے ذمہ لازم ہے(۱) اور زید چور ہے، اگر حکومتِ اسلامی ہو اور شرعی شہادت سے ثبوت ہو جائے تو زید کا ہاتھ کاٹا جائے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۷/صفر/۶۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

---

(۱) "الزکاة إنما تجب إذا ملک نصاباً تاماً نامیاً حولاً کاملاً، الخ". (خلاصة الفتاویٰ: ۱/۲۳۵، کتاب الزکاة، امجد اکیڈمی لاهور)

(وکذا في التاتارخانية: ۲/۲۱۷، کتاب الزکاة، إدارة القرآن کراچی)

(وکذا في النهر الفائق: ۱/۴۱۲، کتاب الزکاة، إمدادیه)

(۲) قال الله تعالیٰ: ﴿والسارق والسارقة، فاقطعوا أیدیهما جزاءً بما کسبا نکالاً من الله، و الله عزیز حکیم﴾(المائدة)

اگر مالِ مسروقہ زکوۃ ہی ہو، اصل مال نہ ہو تو اس صورت میں قطعِ ید کی سزا نہیں دی جائے گی:

"لو عزل الرجل زکاة ماله، و وضعه في ناحيةٍ من بیته، فسرقها منه سارق، لم تقطع یده للشبهة، و قد ذکر في کتاب السرقة من هذا الکتاب أنه یقطع السارق غنیاً کان أو فقیراً، اهـ. بلفظه. .... وإن أخذ، کان لصاحب المال أن یسترده إن کان قائماً، و یضمنه إن کان هالکاً".

(البحر الرائق: ۲/۳۶۹، کتاب الزکاة، رشیدیه)

(وکذافي خلاصة الفتاویٰ: ۱/۲۴۵، کتاب الزکاة، الفصل التاسع في الحظر والإباحة، امجد اکیڈمی لاهور)

سفیہ کی زکوۃ ادا کرنے کا طریقہ

سوال[۴۲۰۲]: نابالغ جس وقت شرعاً بالغ ہوجائے لیکن دنیاوی معاملات میں نابالغ رہے، مثلاً یہ کہ اگر اس کا مال اس کے سپرد کردیا جائے تو اضاعت کا اندیشہ ہے وغیرہ تو اس کے مال کی زکوۃ کا کیا طریقہ ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مقدارِ زکوۃ حساب کرکے اس کو دے دیا جائے کہ وہ مصرف زکوۃ پر صرف کرے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۱/۶/۶۰ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح عبداللطیف۔

زکوۃ کے روپیہ کی تملیک کے بعد واپسی

سوال[۴۲۰۳]: ۱...... ہمارے یہاں قصبہ اُبو پورہ میں ایک اسلامی مکتب ہے، مکتب کے نام پر ایک دوسری جگہ سے مبلغ چار سو چھتیس روپیہ زکوۃ کے مہتمم کے پاس آئے، مکتب میں زکوۃ کا مصرف نہ تھا لہذا مہتمم نے یہ ۴۳۶/ روپیہ زکوۃ کا ایک دوسرے شخص زید کو بطورِ تملیک کے دیدیا اور کہا کہ میں نے یہ روپیہ مدرسہ میں دیا اس کو مدرسہ کی ضروریات میں خرچ کرو، مہتمم نے روپیہ زید سے نہیں لیا اور کہا کہ تم ہی رکھو ضرورت پڑنے پر تم سے ہم لیتے رہیں گے۔ ضرورت کے موقع پر زید نے اس میں سے مبلغ ۲۹۰/ روپیہ مدرسہ کو دیدئے اور باقی ۱۴۶/ روپیہ کو اپنی ضروریات میں خرچ کرلیا، مہتمم مدرسہ اس باقی ماندہ رقم کو زید سے طلب کرتا ہے۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ یہ باقی ماندہ ۱۴۶/ روپے زید کے ذمہ مدرسہ میں دینا واجب ہے یا اس کو پورا اختیار ہے کہ دے یا نہ دے؟

۲...... نہ دینے کی صورت میں زید گناہ گار ہوگا یا نہیں؟

---

(۱) "ویخرج الزکاۃ من مال السفیه ...... إلا أن القاضي یدفع قدر الزکاۃ إلیه لیصر فها إلی مصر فها".

(الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الحجر، الباب الثانی فی الحجر للفساد، الفصل الأول: ۵۸/۵، رشیدیه)

(وکذا فی بدائع الصنائع، کتاب الحجر، فصل فی بیان حکم الحجر: ۸۶/۱۰، دارالکتب العلمیة، بیروت)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الاکراہ، باب الحجر: ۱۴۸/۸، رشیدیه)

۳......زید کے ذمہ واجب نہ ہونے کی صورت میں مدرسہ کا مہتمم جبراً یہ روپیہ زید سے لے سکتا ہے یا نہیں؟

۴......زید سے یہ باقی ماندہ روپیہ لینے کی صورت میں مدرسہ کا مہتمم گناہ گار یا فاسق ہوگا یا نہیں؟

۵......زید کے ذمہ ان روپیوں کے واجب الادا ہونے کی صورت میں اگر زید سے مدرسے کے مہتمم ناراض ہوں اور دل میں کسی قسم کی کشیدگی و کدورت رکھیں تو مہتمم اس کشیدگی و ناراضی سے گناہ گار ہوں گے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

۱،۲......جب یہ روپے مکتب کے نام مہتمم صاحب کے پاس آئے تو مہتمم صاحب کو حق نہیں تھا کہ کسی غیر آدمی کو دیدیں، غیر آدمی کو دینے کی وجہ سے ان کے ذمہ ضمان لازم ہے (۱) پھر جتنا روپیہ اس نے دیا اس کا مکتب میں صَرف کرنا اس دینے والے کی طرف سے درست ہے، جو باقی رہ گیا اس کا ابھی مدرسہ میں دینا معتبر نہیں، اس پر مہتمم کا قبضہ نہیں ہوا تھا، وہ وعدہ کے درجہ میں ہے اس کو چاہئے کہ اپنا وعدہ پورا کرے اور بقیہ روپیہ دیدے، بلا وجہ وعدہ خلافی کرنا گناہ ہے (۲)۔

---

(۱) "سئل عمر الحافظ عن رجل دفع إلى الآخر مالاً فقال له: هذا زكاة مالي فادفعها إلى فلان، فدفعها الوكيل إلى الآخر، هل يضمن؟ فقال: نعم، له التعيين". (التاتارخانية: ۲/۲۸۴، الفصل التاسع في المسائل المتعلقة بمعطى الزكاة، إدارة القرآن كراچى)

(وكذا في ردالمحتار: ۲/۲۶۹، كتاب الزكاة، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۲/۳۷۱، كتاب الزكاة، رشيديه)

" و قدمنا أن الحيلة أن يتصدق على الفقير، ثم يأمره بفعل هذه الأشياء، و هل له أن يخالف أمره؟ لم أره، والظاهر نعم". (الدرالمختار). "وقال: لأنه مقتضى صحة التمليك، قال الرحمتي: الظاهر أنه لا شبهة فيه؛ لأنه ملكه إياه عن زكاة ماله، و شرط عليه شرطاً فاسداً، الخ". (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۲/۳۴۵، باب المصرف، سعيد)

(وكذا في النهر الفائق: ۱/۴۶۲، باب المصرف، امداديه)

(وكذا في الدر المنتقى على هامش مجمع الأنهر: ۱/۳۲۹، باب المصرف، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) "وعن عبدالله بن عامر قال: دَعَتْنِيْ أمي يوماً ورسول الله صلى الله عليه وسلم قاعد في بيتنا، فقالت: =

۳......جبراً اس سے لینے کا مہتمم کو حق نہیں (۱)۔

۴......مہتمم اس کو روپیہ ناحق دیکر گنہگار ہو چکا اب اس سے لینے کا حق نہیں کہ وصول نہ کرنے کی وجہ سے مستقل گناہ گار رہو۔

۵......زید کے ذمہ دیانۃً وعدہ کر لینے کی وجہ سے اس کا دینا واجب ہے (۲)، زید تو اپنی طرف سے کہہ چکا تھا کہ میں نے یہ روپیہ مدرسہ کو دیا، اس کو مدرسہ کی ضروریات میں خرچ کرو، اگر اس کہنے کے بعد وہ روپیہ مہتمم کے ہاتھ میں دے دیتا تو وہ مدرسہ کا ہو جاتا (۳) پھر مہتمم زید کو دیتا تو یہ امانت ہوتا اور مہتمم کو ان کا واپس لینا قضاءً و قانوناً بھی برحق ہوتا اور واپس نہ لینے کی وجہ سے وہ گناہگار بھی ہوتا، مگر چونکہ اس پر مہتمم کا قبضہ نہیں ہوا اس لئے زید کی ملک ختم نہیں ہوئی لہذا یہ دینا وعدہ کے درجہ میں رہ گیا۔ زید کو اور مہتمم کو مسئلہ سمجھا دیا جائے تا کہ دونوں اس کے موافق عمل کریں اور کشیدگی اور ناراضگی کو ختم کر دیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/ ۷/ ۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/ ۷/ ۹۲ھ۔

حیلۂ تملیک

سوال [۴۶۰۴]: اگر اہلِ برادری زکوۃ کا روپیہ فقیر مدرسہ ومکانات احاطۂ مسجد میں صَرف

= ها تعال! أعطيک، فقال لها رسول الله صلى الله عليه وسلم: "ماأردت أن تُعطيَه"، قالتْ: أردتُ أن أعطيَه تمرًا، فقال لها رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "أمَا أنكِ لو تعطيه شيئاً، كُتِبتْ عليكِ كَذِبَةٌ". رواه أبوداؤد والبيهقي في شعب الإيمان". (مشكوٰة المصابيح، كتاب الآداب، باب الوعد، الفصل الثاني، ص: ۴۱۶، قديمي)

(۱) "عن أبي حُرّة الرقاشي عن عمه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "ألا! لا تظلموا، ألا! لايحل مال امرئ إلابطيب نفسٍ منه". رواه البيهقي في شعب الإيمان والدار قطني في المجتبى". (مشكوٰة المصابيح، كتاب البيوع، باب الغضب والعارية، الفصل الثاني، ص: ۱/ ۲۵۵، قديمي)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿يأيها الذين اٰمنوا أوفوا بالعقود﴾ (المائدة: ۱)

(۳) "(والصدقة كالهبة) بجامع التبرع وحينئذٍ (لاتصح غير مقبوضة) اهـ". (الدرالمختار، كتاب الهبة، فصل في مسائل متفرقة: ۵/ ۷۰۹، سعيد)

کرنا چاہتے ہیں اس کی صورت یہ تجویز کرتے ہیں کہ مہتمم مدرسہ جو صاحبِ قرض ہیں اور صاحبِ نصاب نہیں ہیں زکوۃ کا پیسہ ان کو دیدیا جائے اور وہ پھر اپنی طرف سے مواقعِ مذکورہ میں فی الحال یا جب ضرورت ہو صَرف کردیں، یا مہتمم صاحب اگر صاحبِ نصاب ہیں تو وہ اس پیسے کو کسی غیر صاحبِ نصاب کو دیدیں وہ پھر مہتمم صاحب کو دیدے، پھر مہتمم صاحب اس کی طرف سے مذکورہ بالا مصرف میں صرف کردے یا کوئی اور صورت جواز کی ہو کہ اس کے مطابق عمل کیا جاوے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس طرح زکوۃ ادا ہو جائے گی: "من عليه الزكوة لو أراد صرفها إلى بناء المسجد والقنطرة، لا يجوز، فإن أراد الحيلة، فالحيلة أن يتصدق به المتولي على الفقرآء، ثم الفقراء يدفعونه إلى المتولي، ثم المتولي يصرف إلى ذلك، كذا في الذخيرة، اهـ". عالم گیری ٤٧٣/٢ (١)۔

لیکن مہتمم یا کسی دوسرے مصرف کو مجبور کرنا اور اس پر دباؤ ڈالنا درست نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، مظاہر علوم سہارنپور۔

حیلۂ تملیک

سوال[۴۶۰۵]: کسی صاحب مال کو کسی اسلامی ادارہ میں کثیر رقم خرچ کرنی ہے، صاحبِ مال یہ حیلہ کرتا ہے کہ کسی مستحقِ زکوۃ کو وہ رقم اس شرط پر دیتا ہے کہ وہ مستحقِ زکوۃ وہ رقم اسلامی ادارہ میں واپس کرے تو یہ حیلہ کیسا ہے، زکوۃ ادا ہوگی یا نہیں؟ اور وہ مستحق زکوۃ جس نے مال اسلامی ادارہ میں واپس کیا ہے اس کو کارِ خیر میں خرچ کرنے کا ثواب ملے گا یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

یہ شرط قطعاً ناجائز ہے، صاحبِ مال کو کسی طرح جائز نہیں کہ مستحقِ زکوۃ کو اس اسلامی ادارہ میں اس رقم

---

(۱) (الفتاویٰ العالکمیریة: ۴۷۳/۲، مطلب: یجوز وقف البناء وحده في مسئلة القنطرة، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار: ۲۷۱/۲، كتاب الزكاة، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۴۲۴/۲، كتاب المصرف، رشيديه)

(وكذا في حاشيه الطحطاوي على مراقي الفلاح، ص: ۷۲۱، باب المصرف، قديمي)

کے دینے پر مجبور کرے، اگر باوجود شرط کے مستحق زکوۃ وہ رقم اسلامی ادارہ میں واپس نہ دے اب بھی صاحب مال کو واپس لینے کا حق حاصل نہیں رہا، جب مستحق کو رقم کا مالک بنادیا اور اس کے حوالہ کردی تو زکوۃ ادا ہوگی، اب اس کو اختیار ہے کہ وہ رقم جہاں چاہے صرف کرے، چاہے اسلامی ادارہ میں دے چاہے اپنے کسی اَور کام میں لاوے۔ جب ثواب کی جگہ میں صرف کرے گا ثواب کا مستحق ہوگا، ایسی صورت میں شرط اور جبر کا تو حق نہیں ہے صرف تلقین کرسکتا ہے کہ اس ادارہ میں ضرورت زیادہ ہے اور اس میں دینے سے ثواب بھی زیادہ ہے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب: صحیح سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۱/۵/۵۹ھ۔

تملیک کی صورت

سوال [۴۲۰۶]: ۱...... تملیک کی صورت کیا ہے؟ کیا ان غریب الوطن یا مقیم طلباء سے جن کے اولیاء غنی ہیں، لیکن وہ خود نصابِ زکوۃ کے مالک نہیں ہیں تملیک کرائی جاسکتی ہے؟ نیز کیا تملیک شدہ مال کو تعمیرِ مساجد جیسے دیگر مصارف میں صرف کیا جاسکتا ہے؟ چرم قربانی کی رقم کی بھی تملیک ہوسکتی ہے یا نہیں؟

۲...... تملیک کے لئے مملک کا بالغ ہونا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

۱، ۲...... کسی مستحقِ زکوۃ سے کہا جائے کہ ہمارے مدرسہ میں تعمیر یا تنخواہ یا خریداری مال وکتب وغیرہ کی ضرورت ہے، پیسہ موجود نہیں ہے تُو مدرسہ کی امداد کردو، وہ کہے گا کہ میں خود غریب مستحقِ زکوۃ ہوں میرے پاس پیسہ نہیں میں کہاں سے دونگا؟ اس سے کہا جائے گا کہ تم کسی سے مثلاً زید سے قرض لے کر دیدو، اللہ تعالیٰ تمہارا

---

(۱) "والحيلة أن يتصدق على الفقير، ثم يأمره بفعل هذه الأشياء، فتكون لرب المال ثواب الزكاة، وللفقير ثواب هذا التقرب، ذكره في البحر. وهل له أن يخالف أمره؟ لم أره، والظاهر نعم".

(الدر المنتقى على هامش مجمع الأنهر: ۱/۳۲۹، باب المصرف، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في النهر الفائق: ۱/۴۶۲، باب المصرف، امداديه)

(وكذا في الدر المختار مع رد المحتار: ۲/۳۴۵، باب المصرف، سعيد)

قرض ادا کردے گا، اس کی ذات سے امید ہے، وہ شخص زید سے قرض لاکر مدرسے میں دیدے، اس سے تنخواہ، تعمیر وغیرہ کی ضرورت پوری کرلی جائے، پھر اس کو مذکورہ رقم دی جائے جس سے وہ قرض ادا کردے۔

جو طالب علم بالغ ہو، صاحبِ نصاب نہ ہو اس سے بھی تملیک کرائی جاسکتی ہے اگر چہ اس کے ولی غنی ہوں، نابالغ سے تملیک نہ کرائی جائے۔ جمیع صدقاتِ واجبہ، چرمِ قربانی وغیرہ میں یہ صورت ہوسکتی ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۲/۹۳ھ۔

حج کے لئے حیلۂ تملیک

سوال[۴۲۰۷]: احقر کو میراثی ترکہ سے حصہ ملا ہے، کل تین سو روپیہ ہیں، وہ اس طرح کہ مرحومہ بیوی کے حصہ میں باپ کا ترکہ کل نوصد روپیہ آیا جس کے حسب وصیتِ مرحومہ تین حصہ کئے گئے: ایک حصہ مرحومہ کی بہن کو ملا اور ایک احقر کو اور ایک حصہ مرحومہ کے ایصال ثواب کا نکال کر ڈیڑھ سو میرے پاس ہیں اور ڈیڑھ سو مرحومہ کی بہن کے پاس ہیں، گویا ڈیڑھ سو ایصالِ ثواب میں میں صرف کروں گا اور ڈیڑھ سو مرحومہ کی بہن صرف کرے گی۔

چونکہ مرحومہ کی بیماری میں روپیہ بھی دوا کے لئے بھیجے تھے جو مرحومہ کی کچھ دوا میں لگ گئے باقی ماندہ کچھ مرحومہ اپنے ہاتھ سے خیرات کرگئی، کچھ میں نے ایصال ثواب میں لگادیئے، وہ پچاس روپیہ بہن نے اس کے تین تہائی حصہ میں وضع کرکے احقر کو کل چار سو روپیہ دیئے جس میں تین سو میرے حصے کے ہیں اور ایک سو مرحومہ کے حصہ کے ہیں، اب میں کل تین سو کا مالک ہوں اس کے علاوہ میں نے جو اپنے سرمایہ کا حساب دیکھا تو قرض وغیرہ ادا کرکے کل پچاس روپیہ کا حساب ہے جس میں پچاس سے زیادہ ادھار میں ہیں جن کی عند

---

(۱) "لا تدفع الزكاة لبناء المسجد .... و كذا بناء القناطير و إصلاح الطرقات .... و إن أريد الصرف إلى هذه الوجوه، صرف إلى فقير، ثم يأمره بالصرف إليها، فيثاب المزكي و الفقير". (مجمع الأنهر: ۱/۳۲۸، باب المصرف دار الكتب العلمية بيروت)

(و كذا في تبيين الحقائق: ۱/۱۲۱، باب المصرف، دار الكتب العلمية بيروت)

(و كذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۶/۳۹۲، الفصل الثالث في مسائل الآبار من الحيل، رشيديه)

الضرورت وصولیت کی پختہ امید نہیں اور ایامِ حج کے چھ سات مہینے باقی ہیں، نہ معلوم اتنے دن اگر رہا ان میں سے کچھ گھٹے گا یا بڑھے گا اس کا علم اللہ تعالیٰ کو ہے کہ کیا صورت ہوگی، مذکورہ رقم میں سے پچاس روپیہ ادھار دیدیئے۔

جب احقر کو بہت تنگی ہوئی اور گزارہ مشکل ہونے لگا تو ادھار بھی ایسا ہے کہ وقت پر نہ ملے۔ احقر کے سرمایہ کی یہ صورت ہے اور فریضہ حج کی ادائیگی ذمہ ہے، اس لئے عرض کیا تھا کہ مرحومہ کے حصہ کے جو یک صد روپیہ باقی ہے اگر ان کی اجازت مل گئی تو ساڑھے تین سو کے قریب روپیہ قبضہ میں آجائے گا، حج کا ارادہ کرلوں گا، گو اتنا روپیہ بھی مجھ معذور کے لئے کافی معلوم نہیں ہوتا کیونکہ مجھے معیت کے لئے ہر وقت ایک مستقل آدمی کی ضرورت ہے کیونکہ وہ سفر تو دور دراز کا ہے، اگر قریبی سفر میں جاتا ہوں بغیر معیت دوسرے آدمی کے پریشانی اٹھانی پڑتی ہے۔

سہارنپور جب گیا بازار میں تانگا موٹر کی بھیڑ میں کئی دفعہ چوٹ سے بچا اور مغرب کے بعد تو اندھیرے میں کہیں آنے جانے کی بہت ہی دقت ہوتی ہے حتی کہ دن کو مکان میں بیٹھا ہوا آدمی بہت دیر میں پہچانا جاتا ہے، چنانچہ اپنے حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحب اور مولانا الیاس صاحب چھوٹے مدرسہ کی سہ دری میں تشریف فرماتھے، صبح کے وقت جب میں گیا تو پہچان نہیں سکا، یوں ہی السلام علیکم کی، انہوں نے سلام کا جواب دیا اس وقت مصافحہ کیا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس کی بہتر صورت یہ ہے کہ وہ یک صد روپیہ کسی غریب کو برائے ایصالِ ثواب دیدیا جائے وہ اگر اپنی خوشی سے آپ کو دے دے تو پھر آپ اس کو اپنے صرف میں لاسکتے ہیں، مرحومہ نے آپ کو اس روپیہ کے مصرفِ خیر پر صرف کرنے کا وکیل بنایا ہے خود رکھنے کی اجازت نہیں دی اس لئے بغیر تملیک کے آپ کو خود رکھنا جائز نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم، ۱۰/۳/۵۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ ہذا، صحیح: عبد اللطیف، ۱۵/ ربیع الاول/ ۵۹ھ۔

---

(۱) "قال الطیبی: إذا تصدق علی المحتاج بشئی ملکه، فله أن یهدی به إلی غیره. الخ". وهو معنی قول =

صدقۂ نافلہ کے ہوتے ہوئے حیلۂ تملیک

سوال[۴۶۰۸]: ہمارے مدرسہ میں نافلہ کی مد میں بھی کچھ روپیہ باقی رہتا ہے مگر زکوۃ کی رقم حیلۂ تملیک کے بعد مدرسین کی تنخواہ وغیرہ میں صرف کی جاتی ہے، کیا صدقاتِ نافلہ جب تک بالکل ختم نہ ہوجائے اس وقت تک حیلۂ تملیک جائز نہیں؟ ان مفاد کے پیشِ نظر زکوۃ کی رقم کو حیلۂ تملیک کے ساتھ نافلہ بنایا جاتا ہے کہ مرکز کی زکوۃ جلد از جلد ادا ہوجاتی ہے اور عوام الناس اور مجہول الحال لوگوں پر صَرف کرنے میں دل کو خدشہ باقی رہتا ہے کہ کہیں یہ صاحبِ نصاب تو نہیں، نیز تملیک کے بعد یہ وسعت ہوجاتی ہے، زکوۃ کی مد میں صَرف کرسکتے ہیں اور نافلہ کی مد میں بھی (حسبِ ضرورت) وغیرہ۔ کیا یہ درست ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

عواقب کے پیشِ نظر اس کی گنجائش ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

سیّد سے تملیکِ زکوٰۃ

سوال[۴۶۰۹]: سید جبکہ غریب ہو اس سے مدرسہ کی تملیک کراسکتے ہیں یا نہیں؟

= ابن ملک: فیحل التصدق علی من حرم علیه بطریق الهدیة". (مرقاۃ المفاتیح: ۳۳۸/۴، باب من لاتحل له الصدقة، رشیدیه)

"والحیلة لمن أراد ذلک أن یتصدق ینوی الزکاۃ علی فقیر، ثم یأمره بعد ذلک بالصرف إلی هذه الوجوه، فیکون لصاحب المال ثواب الصدقة ولذلک الفقیر ثواب هذا الصرف، وإن ملک المال من الحاج لیحج عن نفسه دون المالک، جاز لوجود التملیک من الفقیر". (التاتارخانیة: ۲۷۲/۲، الفصل الثامن بمن توضع الزکاۃ فیه، غفاریه)

(۱) "و کل حیلة یحتال بها الرجل، لیتخلص بها عن حرام، أو لیتوصل بها إلی حلال، فهی حَسنةٌ، والأصل فی جواز هذا النوع من الحِیَل قول الله تعالیٰ: ﴿خذ بیدک ضغثاً فاضرب به ولاتحنث﴾ (الفتاویٰ العالمکیریة: ۳۹۰/۶، الفصل الأول فی بیان جواز الحیل و عدم جوازها، رشیدیه)

(وکذا فی أحکام القرآن للجصاص: ۵۶۲/۳، فصل: سورة، صٓ، قدیمی)

الجواب حامداومصلیاً:

ساداتِ کرام کی خدمت پورے ادب اوراحترام کے ساتھ زکوۃ وغیرہ کے علاوہ دوسرے طُرق سے کی جائے،صدقاتِ واجبہ ان کے لئے جائز نہیں (۱) ان سے تملیک بھی نہ کرائی جائے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۱۱/۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۱۱/۸۵ھ۔

کیامہتمم مدرسہ کوزکوۃ دینے سے زکوۃ اداہوجائے گی؟

سوال [۴۲۱۰]: گزارش ہے کہ احقر کوایک مسئلہ درپیش ہےاور چونکہ اس میں زید (عالم) کی طرف سے چند کتابوں کے حوالے دیئے گئے ہیں اس لئے احقر آپ سے تحقیق کی غرض سے ملتمس ہے کہ آیا زید نے جوعبارات تحریر کی ہیں وہ مفتیٰ بہااور معمول بہا ہیں یانہیں؟ درصورتِ ثانیہ وجۂ متروکیت ذکرفرماکرعنایت فرمادیں،اولاً مسئلہ مبتلی بہاذکرکرتا ہوں بعدازیں زید کی پیش کردہ عبارات درج کروں گا۔

مسئلہ: احقر ایک مدرسہ کارکن ہےاس لئے حصولِ چندۂ مدرسہ کا کام بھی انجام دینا ہوتا ہے،زید نے مجھ سے کہا کہ تم نے جو چندہ فراہم کیااس پرمدِ زکوۃ اوردونوں رقوم کونیز رقوم مزکین مختلطین کواگر باہم اختلاط

---

(۱) (الدرالمختار: ۲/۳۵۱،سعید)

"ولایدفع إلی بني هاشم، وهم آل عليّ وآل عباس وآل جعفروآل عقیل وآل الحارث بن عبدالمطلب.....هذافي الواجبات کالزکاة، والنذر، والعشر، والکفارات، فأماالتطوع فیجوزالصرف إلیهم". (الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۱۸۹ الباب السابع في المصارف، رشیدیه)

(وکذا في إعلاء السنن: ۹/۹۳، باب من یجوز دفع الصدقات إلیه، إدارة القرآن کراچی)

(وکذا في البدائع: ۲/۴۸۲، فصل الذي یرجع إلی المؤدی إلیه، دارالکتب العلمیة، بیروت)

(وکذا في فتح القدیر: ۲/۲۷۲، فصل: الذي یرجع إلی المؤدی إلیه، مصطفی البابي الحلبي مصر)

(وکذا في البحرالرائق: ۲/۴۲۹، باب المصرف، رشیدیه)

(وکذا في مرقاة المفاتیح: ۴/۲۳۵، باب لا تحل له الصدقات، رشیدیه)

(وکذا في مجمع الأنهر: ۱/۳۳۰، باب بیان أحکام المصرف، دارالکتب العلمیة، بیروت)

(وکذا في النهر الفائق: ۱/۴۶۵، باب المصرف، إمدادیه)

کر دیا ہو تو مزکین کی زکوۃ ادا نہیں ہوئی اور تم اس رقم زکوۃ کے ضامن ہوئے اور تمہاری طرف سے مدرسہ میں تبرع ہوا، چنانچہ احقر نے بناءً علی حسن الظن بالعلماء یہ جواب دیا کہ اکثر و بیشتر مدارس کی طرف سے جو محصّلین دورہ کرتے ہیں یا تو وہ خود بھی عالم ہوتے ہیں یا مرسل من المہتمم العالم ہوتے ہیں، نیز علمائے دیوبند و سہارنپور جیسے معتبر و معتمد حضرات اس مسئلۂ اختلاط سے واقف ضرور ہوں گے اور جانتے ہیں کہ اختلاطِ رقوم میں ضمان آتا ہے اور باوجود اس کے ساکت ہیں لہٰذا کچھ حرج معلوم نہیں ہوتا۔

زید نے کہا سکوت محض اثباتِ جواز کے لئے ناکافی ہے جب کہ عالمگیری، بزازیہ، شامی وغیرہ میں عدمِ جواز کی تصریح ہے، البتہ حسنِ ظن بھی قائم رہ سکتا ہے، بایں وجوہ ممکن ہے دیوبند و سہارنپور کے سفیر اختلاط سے اجتناب کرتے ہوں، یا ممکن ہے کتبِ مذکورہ کے خلاف فقہاء کا کوئی راجح، اقویٰ اور مفتیٰ بہ قول ان کے پیش نظر ہو جو مثبتِ جوازِ اختلاط ہو، لیکن پھر بھی جب تک اس قولِ راجح کی تصریح ہمارے پاس نہ ہو اس وقت تک کتبِ مذکورہ بالا پر عمل کرنا واجب ہوگا۔ پس احقر ملتمس ہے کہ جواب باصواب سے سرفراز فرمائیں۔ فاحکم بیننا بالحق۔

عبارات کتب:

"رجلان دفع كل واحد منهما زكوة ماله إلى رجل ليؤدى عنه، فخلط مالهما، ثم تصدق، ضمن الوكيل، وكانت الصدقة عنه". عالمگیری، جلد اول، مسائل متفرقة من كتاب الزكاة (۱)۔

"رجلان دفع كل واحد منهما زكوة ماله إلى واحد يتصدق به عن زكوته إلى فقير، فخلط قبل الدفع .... يجب الضمان على الكل". بزازية على هامش العالمگيريه(۲)۔

"ولو خلط زكوة مؤكليه، ضمن وكان تبرعاً درمختار۔ "(قوله: ضمن وكان تبرعاً)؛ لأنه ملكه بالخلط، وصار مؤدياً مال نفسه. وقال فى التاتارخانية: إلا إذا وجد الإذن أو أجاز المالكان. ثم قال فى التتارخانية: أو وجدت دلالة الإذن بالخلط، ويتصل بهذا العالم إذا سئل

(۱) (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الزكاة، مسائل متفرقة: ۱/۱۸۳، رشيديه)

(۲) (البزازية، كتاب الزكاة، ۴/۸۶، رشيديه)

للفقراء شیئاً و خلط، یضمن. قلت (والقائل العلامة الشامی): و مقتضاه أنه لو وجد العرف، فلا ضمان، لوجود الإذن حینئذ دلالةً، والظاهر أنه لا بد من علم المالك بهذا العرف، لیکون إذناً منه دلالةً". شامی ملخصاً(۱)۔

"قال زید مستفتیاً: هل یجعل الاختلاط الواقع فی المسئله المسئولة مأذوناً عرفاً أم لا؟ فإن الواقع باختلاط للشتة، و لكن لا یعلم مسئلة الاختلاط، و لا یخطر بباله قط أنه یتغیر الأحکام بالاختلاط، و عدمه لكونه جاهلاً، فیسکت و لا یمنع من الاختلاط، فهل یجعل سکوته فی هذه الصورة إذناً له دلالةً أم لا یشترط علم بمسئلة الاختلاط؟

الراقم: غلام رسول بن حاجی اسماعیل، مدرسہ تعلیم الاسلام آنند۔
ضلع کھیڑہ (گجرات) مورخہ ۱۲/ ذی قعدہ/ ۶۵ھ، مطابق ۹/ اکتوبر/ ۴۶ء۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

مدرسہ کا مہتمم وکیل ہوتا ہے طلبہ (فقراء) کی طرف سے کہ ارباب اموال سے زکوۃ وصول کر کے طلبہ پر صرف کرے، اس صورت میں بلا شبہ مختلف اربابِ اموال کی زکوۃ کو خلط کرنا مہتمم کے لئے درست ہے، درمختار کی جو عبارت سوال میں نقل کی گئی ہے اس کے متصل ہی ایک استثناء بھی مذکور ہے اگر اس پر غور کیا جائے تو اربابِ اموال کی طرف سے اذن کی ضرورت بھی باقی نہیں رہتی:

" خلط زکوة موکلیه ضمن و کا ن متبرعاً، إلا إذا وكله الفقراء، اهـ". در مختار۔ "لأنه کلما قبض شیئاً ملکوه و صار خالطاً مالهم بعضه من بعض، اهـ ". شامی ۲/۱٤. (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۵/۱۱/۵۶ھ۔

آج کل اہلِ مدارس اور اربابِ چندہ کا عرف اختلاط ہے اور سب کو معلوم ہے اس لئے خلط کی صورت میں زکوۃ ادا ہو جاتی ہے، ہاں اگر کسی کو معلوم نہ ہو یا وہ خاص طور سے خلط سے روک دے تو پھر زید کا قول صحیح ہے،

(۱) (ردالمحتار، کتاب الزکاۃ: ۲/۲۶۹، سعید)

(۲) (ردالمحتار، کتاب الزکاۃ: ۲/۲۶۹، سعید)

لیکن صورتِ مسئولہ میں کسی کا عدمِ علم یا صراحۃً منع کرنا معلوم نہیں ہے اس لئے صورتِ مسئولہ میں ضمان واجب نہیں ہے۔ فقط۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۷/ ذیقعدہ/ ۶۵ھ۔

سوال متعلقہ سوال وجواب بالا

[۴۲۱۱]: بعدہ احقر غلام رسول بن حاجی اسماعیل عرض گزار ہے کہ آپ کی طرف سے جواب موصول ہوا، پڑھ کر واقف ہوا۔ زید نے کہا کہ واقعی عرف کے تحقق کی وجہ سے تم پر ضمان واجب نہیں مگر جہاں تک جواب کا تعلق ہے مزید تنقیح کی غرض سے ذیل کے معروضہ کی طرف حضرات مجیبین کی طرف توجہ منعطف کرنا مناسب ہوگا۔

الراقم: غلام رسول بن حاجی اسماعیل۔

مدرسہ تعلیم الاسلام آنند گجرات، ۱۱/ ذی الحجہ/ ۱۳۶۵ھ۔

معروضة: تتعلق هذا المسئلة بأمور: ۱–**الأول** منها أن الروايات المذكورة مفتى بها أم لا؟ ۲–**والثاني**: أن المهتمم هل يعد وكيلاً من المزكين أم من الفقراء (الطلباء)؟ ۳–**والثالث**: هل يجعل الخلط المبتلى به المسئول عنه مأذوناً عرفاً أم لا؟ ٤–**والرابع**: أنه لوفرض عدم جريان العرف، فسكوت المزكي الجاهل هل هو إذن منه دلالةً أم لا؟ ٥–**والخامس**: أنه إن تحقق العرف فلأجل اشتراط الشامي علم المالك بهذا العرف ماشان الوكيل فيما إذا كانا شاكاً في علم المالك بهذا العرف؟ قال زيد: وبالله التوفيق، **أما الأول** فهو ظاهر لعدم التعرض له من أحد المجيبين.

وأما الثاني فإن المجيب (المعين المفتي) مدظلهم جعل المهتمم وكيلاً للفقراء وليس الأمر (في زعمي) كذالك، فلا يكون داخلاً تحت الاستثناء المذكورة في الدرالمختار. نعم لاشك أنه سائل وجامع للفقراء والحكم مذكور في الشامي صراحةً بقوله: "ويتصل بهذا العالم إذا سأل الخ" حيث جعله ضامناً مع أن العلامة ذكر بعد ذلك ليس له الخلط بلا إذنهم ...... وضمن للموكلين (الفقراء) والكلام في عدالتهم وكيلاً للفقراء والطلباء يحتاج إلى فكر عميق، فإن الطلبة ليسوا بأنستهم وكنوه.

کیف وإن بعضهم یدخلون فی المدرسة بعد تحصیل أموال الزکوٰۃ، ففی حین الحصول کیف یکون هذا المحصّل وکیلاً منهم، وإن بعضهم یترکون المدرسة ولا یمکثون فیها، فلا یصل إلیهم مالهم الذی قبضه وکیلهم حین الإقامة فیها، وأنه لا یفرض إلیهم مالهم محرزاً، لکن یأکلون الطعام ماداموا مقیمین فیها بشرط الفوز فی الامتحان، فلو سلّم المهتمم وکیل الطلباء بشکل هذا إلا أنه لیس للوکیل اشتراط الإقامة وغیر ذلك، وإنما هو حق المؤکلین (الطلباء) مطلقاً وملك لهم (فلیتأمل)۔

وأما الثالث فقد اعتبر المجیب (المفتی سعید أحمد مدظلهم) جریان العرف، نعم والأمر کذلك مشاهد ومسلم ولا حاجة إلی علم المزکی بالمسئلة الاختلافیة (ولکن یشترط علم المزکی بهذا العرف)۔

وأما الرابع ففی جعل سکوت الجاهل حینئذ إذناً منه دلالةً یشکل بأن علم الشئ مقدم علی إذنه عقلاً فکیف یحصل بدونه؟

وأما الخامس فلعله یقال فیه: إنه لماتحقق العرف جعل المزکی کأنه العالم به. و اللّٰہ أعلم بالصواب۔

الجواب وهو الموفق للسداد و الصواب حامداً ومصلیاً:

یہ اشکال اس سے پہلے بھی ہو چکا ہے، حضرت تھانوی نے بھی، حضرت سہارنپوری رحمہما اللہ تعالیٰ سے اس کو دریافت فرمایا تھا اور جواب پر مکرر اشکال کیا تھا، امداد الفتاویٰ جلد رابع کے آخر میں یہ مُراسلہ منقول ہے، نہایت بہترین علمی مضامین پر مشتمل ہے۔

حضرت گنگوہیؒ سے بھی اس کو دریافت کیا گیا تھا، وہ سوال و جواب تذکرۃ الرشید، ص:۱۶۴، ۱۶۵، سے نقل کرتا ہوں (۱):

”**سوال:** مدرسہ میں جو چندہ وغیرہ کا روپیہ آتا ہے وہ وقف ہے یا مملوک؟ اگر وقف ہے تو بقاء عین واجب ہے اور صَرف بالا ستہلاک ناجائز ہے؟ اگر مملوک ہے اور مہتمم صرف وکیل، تو معطی چندہ اگر مرجاتا

(۱) (امداد الفتاویٰ، کتاب الوکالۃ: ۳/۶۳۱، دارالعلوم دیوبند، کراچی)

ورثہ کا حق ہے اس کی تفتیش وکیل کو واجب ہے۔ زمانہ شارع علیہ السلام وخلفاء رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں جو بیت المال تھا اس میں یہ اشکال جاری ہے، بہت سوچا مگر قواعدِ شرعیہ سے حل نہ ہوا اور مختلف چندوں کو خلط کرنا استہلاک ہوجانا چاہیے اور مستہلک ملکِ مستہلک ہوکر صَرف کیا جائے تو اس کا تبرع ہوگا اور مالکوں کا ضامن ہوگا، اگر یہ ہے تو اہلِ مدرسہ کے امیر انجمن کو سخت دقت ہے۔ امید ہے کہ جواب باصواب سے مشفی فرمائیں۔

جواب: مہتمم مدرسہ کا، نائب جملہ طلبہ کا ہوتا ہے جیسے امیر نائب جملہ عام کا ہوتا ہے، پس جو شئ کسی نے مہتمم کو دی مہتمم کا قبضہ خود طلبہ کا قبضہ ہے، اس کے قبضہ سے ملک معطی سے نکلا اور ملک طلبہ کا ہوگیا اگر چہ وہ مجہول الکمیت والذات ہوں مگر نائب معیّن ہے، پس بعد موت معطی کے ملک ورثہ معطی اس میں نہیں ہوسکتی اور مہتمم بعض وجوہ میں وکیل معطی کا بھی ہوسکتا ہے۔ بہر حال نہ یہ وقف مال ہے اور نہ ملک ورثہ معطی کی ہوگی اور نہ خود معطی کی ملک رہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم" (۱)۔

اس مختصر سے جواب میں زید کے جملہ اشکالات کا حل موجود ہے بشرطیکہ فکرِ عمیق سے مطالعہ کیا جائے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۵/۱۲/۶۵ھ۔

دوبارہ جو تنقیحات اور ان کے جوابات زید کی طرف سے نقل کئے گئے ہیں ان کو دیکھا، ان کے دیکھنے کے بعد بھی اصل مسئلہ کے جواب میں کوئی فرق نہیں آیا، اس لئے اب بھی بندہ کی رائے وہی ہے کہ صورتِ مسئولہ میں ضمان واجب نہیں ہے، باقی وکالتِ مہتمم کا مسئلہ اختلافی ہے، امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ اور امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ دونوں کا اس میں اختلاف ہے (۲)، بعد میں بھی فقہاء کا اختلاف رہا ہے۔ حضرت گنگوہیؒ کی تحریر مفتی صاحب نے نقل کردی ہے اس لئے اس میں کلام کی ضرورت معلوم نہیں ہوتی۔ فقط۔

سعید احمد غفرلہ، ۱۸/ ذی الحجہ/ ۶۵ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۸/ ذی الحجہ/ ۶۵ھ۔

---

(۱) (تذكرة الرشيد، عنوان شبهات فقهيه ومسائل مختلف فيها، ص: ۱۶۴، ۱۶۵، ادارة اسلاميات، لاهور)

(۲) "لو أدى زكاة غيره بغير أمره فبلغه فأجاز، لم يجز ...... قال في البحر: ولو تصدق عنه بأمره، جاز، ويرجع بما دفع عند أبي يوسف. وعند (محمد) لايرجع إلا بشرط الرجوع، اهـ". (ردالمحتار، كتاب الزكاة: ۲/۲۶۹، سعيد)

مہتمم سے مال زکوۃ ضائع ہوجانے پر زکوۃ کا حکم

سوال[۴۶۱۲]: زکوۃ کی رقم مہتمم مدرسہ یا اس کے نائب سے کسی ناگہانی حادثے یا کسی اور وجہ سے تلف ہوجائے تو کیا ضمان واجب ہوگا اور زکوۃ ادا ہوگی یا نہیں؟ اگر بالفرض زکوۃ ادا نہ ہوئی اور ضمان واجب ہوا اور ضمان کی ادائیگی مہتمم کے امکان سے باہر ہے تو اس کی تلافی کی کیا صورت ہوسکتی ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر باوجود حفاظت کے و پوری سعی و انتظام کے ایسا ہوجائے تو ضمان لازم نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

مہتمم کے پاس سے زکوۃ چوری ہوگئی

سوال[۴۶۱۳]: زید نے عمر کو پانچ روپیہ زکوۃ کے دے دیئے کہ وہ اپنے مدرسہ کے طلباء کو تقسیم کردے، عمر مہتمم مدرسہ ہے، اتفاق کی بات کہ وہ پانچ روپے عمر کے پاس اسی مدرسہ کے طلبہ نے چرالئے۔ کیا اس طرح مالِ زکوۃ چوری ہونے سے زکوۃ ادا ہوگئی؟ اگر نہیں تو ان پانچ روپیہ مالِ مسروقہ کا دیندار کون ہے زید یا عمر؟ بینوا توجروا۔

---

(۱) چونکہ مہتمم امین ہوتا ہے اور امین سے امانت میں کوتاہی نہ ہونے کی صورت میں ضائع ہونے سے ضمان لازم نہیں آتا:

"فی النوازل: إذا قال المودع: سقطت الودیعة أو "بیفتاد از من" لایضمن. ولو قال: أسقطت أو بالفارسیة: "بیفکندم" .... ولو قال: لاأدری أضاعت أو لم تضع، لایضمن بالإسقاط. ولو قال: لاأدری أضعتها أو لم أضع، یضمن رجلٌ دفع إلی دلال ثوباً لیبیعه، ثم قال الدلال: وقع الثوب من یدی وضاع، ولا أدری کیف ضاع، قال الشیخ الإمام أبوبکر محمد بن الفضل رحمه الله تعالیٰ: لاضمان علیه .... وفی الفتاویٰ: سئل ابن الفضل عمن دفع جواهر إلی رجل لیبیعها، فقال القابض أنا أُریها تاجراً لأعرف قیمتها، فضاعت الجواهر قبل أن یریها، قال: إن ضاعت أو سقطت بحرکته، ضمن، وإن سرقت منه أو سقطت لمزاحمة أصابته من غیره لم یضمن". (الفتاویٰ العالمکیریة، الباب الرابع فیما یکون تضییعاً لودیعة الخ، فیما یضمن المودع و ما لا یضمن: ۳۴۲/۴، رشیدیه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

زکوۃ کے لئے تملیک شرط ہے، اباحت بھی کافی نہیں چہ جائیکہ مصرف کا چوری کر لینا۔ عمر مہتمم مدرسہ اگر صرف معطی زکوۃ کا وکیل ہے تو صورت مسئولہ میں زکوۃ ادا نہیں ہوئی۔ پھر اگر بغیر تعدیٔ مہتمم یعنی باوجودِ حفاظتِ تامہ کے چوری ہوگئی تو عمر پر ضمان لازم نہیں، زید دوبارہ زکوۃ ادا کرے، کیونکہ وکیل امین ہوتا ہے اور امین کا یہی حکم ہے۔ اگر عمر کی طرف سے تعدی ہوئی یعنی حفاظت میں کوتاہی کی تو عمر پر ضمان لازم ہے۔ عمر مہتمم مدرسہ اگر طلباء کا وکیل ہے تو اس کا قبضہ طلباء ہی کا قبضہ ہے، لہٰذا زکوۃ ادا ہوگئی، کسی پر ضمان لازم نہیں:

"(الزکوة: هی تملیك) خرج الإباحة، فلو أطعم یتیماً ناویاً الزکاة، لایجزیه، إلا إذا دفع إلیه المطعوم کما لوکساه بشرط أن یعقل القبض، اهـ". درمختار(۱)۔ "(قوله: خرج الإباحة): أی فلا تکفی فیها .... (قوله: إذا دفع الخ) مقیّدٌ بما إذا لم یکن أبوه غنیاً؛ لأنه یعدّ غنیاً لِغنیٰ أبیه .... ومنه علم أنه لایشترط فی المدفوع إلیه البلوغُ بل ولا العقل؛ لأنّ تملیك الصبی صحیحٌ، لکن إن لم یکن عاقلاً فإنه یقبض عنه وصیّه أو أبوه أو مَن یعوله، قریباً أو أجنبیاً أو الملتقط. وإن کان عاقلاً فقبض مَن ذُکر، وکذا قبضه بنفسه، اهـ". طحطاوی: ۱/۳۸۸(۲)۔

فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۱۱/شعبان۔

مہتمم مدرسہ، طلبہ کا وکیل ہے یا معطی کا؟

سوال[۴۲۱۴]: مہتمم مدرسہ غرباء کا وکیل ہوتا ہے یا اربابِ اموال کا، اربابِ اموال اور غرباء کے

---

(۱) (الدرالمختار مع ردالمحتار، کتاب الزکوة: ۲/۲۵۶، ۲۵۷، سعید)

(وکذا فی التاتارخانیه: ۲/۲۷۵، من توضع الزکاة فیه، إدارة القرآن کراچی)

(وکذا فی مجمع الأنهر: ۱/۲۸۴، کتاب الزکوة، دارالکتب العلمیة، بیروت)

(وکذا فی البحر الرائق: ۲/۲۲۴، باب المصرف، رشیدیه)

(۲) (حاشیة الطحطاوی علی الدرالمختار: ۱/۳۸۸، دارالمعرفة، بیروت)

وکیل کی کیا تعریف ہے اور کیا حد ہے؟ ان دونوں کا وکیل کوئی کس طرح بنتا ہے، دونوں میں امتیازی فرق کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مہتمم مدرسہ کو اربابِ اموال نے صراحۃً وکیل بنایا ہے کہ ہمارا مال حسبِ صوابدید مصارف میں صَرف کر دیں، غرباء کا بھی وکیل ہے اس طرح کہ طلبہ نے جب اس کے اہتمام کو تسلیم کرلیا تو گویا یہ کہہ دیا کہ آپ ہمارے واسطے اربابِ اموال سے زکوۃ وغیرہ وصول کر کے ہماری ضروریات (کھانا، کپڑا وغیرہ) میں صرف کر دیں۔ امداد الفتاویٰ جلد نمبر ۴ (۱) کے اخیر میں حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے متعلق سوال کیا ہے اور حضرت مولانا خلیل احمد سہارن پوری رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا ہے، نہایت مفید علمی سوال ہے اور ایسا ہی جواب ہے، جس سے شبہ مرتفع ہو جاتا ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

مہتمم مدرسہ طلبہ کا وکیل ہے یا معطی کا؟

سوال [۴۶۱۵]: زکوۃ کا روپیہ مدرسہ کے غریب فنڈ میں داخل کر دینے سے زکوۃ ادا ہو جاتی یا نہیں؟ مسئلہ یہ ہے کہ یہ روپیہ طلبہ میں بتدریج تقسیم ہوگا اور مدت تک فنڈ میں جمع رہے گا، معطی زکوۃ کے ذمے سے بعد ادخال فی المدرسہ زکوۃ ساقط ہوگی یا بعد التقسیم بین الطلبہ؟ اگر ثانی صورت ہے تو قبل التقسیم اگر وہ بوجہ آفت یا چوری نقصان ہو جائے تو زکوۃ ادا نہیں ہوئی، تو یہ تاخیر کیونکر ہوگی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر اربابِ مدرسہ کو طلبہ کا وکیل تسلیم کرلیا جائے تو یہ شبہ ہی وارد نہیں ہوتا کیونکہ اس کا قبضہ طلبہ کا قبضہ ہے، اگر اصحابِ اموال کا وکیل مانا جائے تو نفس الأمر میں زکوۃ اس وقت ادا ہوگی جب کہ طلبہ پر تقسیم ہو جائے، لیکن اگر خدانخواستہ قبل تقسیم اضطراراً ضائع ہو گیا تو اربابِ مدرسہ پر ضمان لازم نہیں جیسا کہ ساعی پر لازم نہیں اور

---

(۱) (امداد الفتاویٰ، کتاب الوکالۃ: ۳/۱۶/۳، دار العلوم کراچی)

(۲) (تذکرۃ الرشید، ص ۱۶۴، بعنوان ''شبہات فقہیہ ومسائل مختلف فیہا'')

اصحابِ اموال سے زکوٰۃ ساقط ہوجاوے گی۔امداد الفتاویٰ میں متعدد مقامات پر اس کی بحث ہے(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

ادارے میں زکوٰۃ کی رقم سال بھر سے زیادہ پڑے رہنا

سوال[۴۶۱۶]: ہمارے یہاں ایک قومی ادارہ ہے جو غریب، یتیم، بیواؤں کی امداد کے لئے قائم کیا گیا ہے اور وہ اپنی خدمات ماشاء اللہ انجام بھی دیتا ہے، اس کی نوعیت یہ ہے کہ ہر سال رمضان المبارک میں زکوٰۃ، فطرہ اور عید الاضحیٰ کے موقع پر چرم قربانی جمع کرتا ہے اور سال بھر ماہانہ یتیم، بیواؤں کو ایک مقدارِ مقرر دی جاتی ہے۔فی الوقت ادارے کے پاس جمع شدہ کئی سال کی کچھ رقم موجود ہے۔دریافت یہ کرنا ہے کہ اس طرح رقم زکوٰۃ، فطرہ کی جمع کر کے رکھنا درست ہے یا سال بھر مکمل جتنی رقم جمع ہو صرف کردی جائے؟ حکم شریعت سے آگاہ فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

زکوٰۃ، فطرہ دینے والوں نے ادارے کے ذمہ داروں کو وکیل بنایا ہے کہ ان کی زکوٰۃ، فطرہ کو صحیح جگہ پر صرف کردیں، جب تک وہ صرف نہیں کریں گے زکوٰۃ، فطرہ کی ادائیگی نہیں ہوگی، ذمہ بری نہیں ہوگا، واجب باقی رہے گا(۲)۔ایسی رقوم پر سال بھر گزر جانا اچھا نہیں ہے اور واجب میں اتنی دیر نہ کی جائے، درمیان میں حوادث کا بھی احتمال رہتا ہے، گذشتہ رقم جو کچھ باقی ہو اس کو حسبِ ضرورت غرباء اور مستحق کو دیدے۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۹/۱۷/۹۱ھ۔



(۱) (امداد الفتاویٰ: ۲/۴۵، ۴۶، مکتبہ دار العلوم کراچی)

(وامداد الفتاویٰ: ۳/۵۳۴، مکتبہ دار العلوم)

"بخلاف ما إذا ضاعت في يد الساعي؛ لأن يده كيد الفقراء". (ردالمحتار: ۲/۲۷۰، كتاب الزكوة، سعيد)

(۲) "ولا يخرج عن العهدة بالعزل بل بالأداء للفقراء". (الدر المختار). وقال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "(قوله: ولا يخرج عن العهدة بالعزل) فلو ضاعت لاتسقط عنه الزكاة، ولومات كانت ميراثاً عنه، بخلاف ما إذا ضاعت في يد الساعي؛ لأن يده كيد الفقراء". (ردالمحتار، كتاب الزكوة: ۲/۲۷۰، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الزكوة: ۲/۳۶۹، رشيديه)

باب مصارف الزکاۃ

(زکوۃ کے مصارف کا بیان)

فقیر کی تعریف

سوال[۴۲۱۷]: زید مسلکِ شافعیہ وحنفیہ کے اصول کے مطابق صاحبِ نصاب نہیں، زید پر زکوۃ واجب نہیں ہے، زید کو زکوۃ لینا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو زید کا شمار کس فرقہ میں ہوگا؟ اگر مساکین میں ہے تو مساکین کی تعریف وتشریح کیا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

جو شخص مقدارِ نصاب ساڑھے باون تولہ چاندی کا مالک نہ ہو وہ مستحقِ زکوۃ ہے، ایسے شخص کو شرعاً فقیر کہتے ہیں، بعض نے مسکین کی یہ تعریف کی ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/ ۷/ ۹۵ھ۔

مسکین کسے کہتے ہیں؟

سوال[۴۲۱۸]: مسکین کی کیا تعریف ہے؟ مفصل تحریر کیجئے۔

---

(۱) "مصرف الزکوة والعشر هو فقير، وهو من له أدنى شيء: أى دون نصاب، أو قدر نصاب غير نام مستغرق في الحاجة، ومسكين من لا شئ له على المذهب". (الدرالمختار). "(قوله: على المذهب) من أنه أسوأ حالاً من الفقير، وقيل: على العكس، والأول أصح". (ردالمحتار: ۲/ ۳۳۹، باب المصرف، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق: ۲/ ۴۱۹، باب المصرف، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير: ۲/ ۲۶۱، باب من يجوز دفع الصدقة إليه ومن لايجوز، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۱/ ۳۲۴، باب في بيان أحكام المصرف، دار الكتب العلمية بيروت)

الجواب حامداً و مصلیاً:

جس کے پاس کچھ نہیں، کھانے اور بدن چھپانے کے لئے بھی سوال کی حاجت پیش آئے:

"مسکین من لا شيء لـه، فيحتاج إلى المسألة لقُوته و ما يواري بدنه، الخ".

الدرالمختار و الشامی(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۰/۱۰/۶۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۱ شوال ۶۷ھ۔

مستحقِ زکوٰۃ کون ہے؟

سوال[۴۲۱۹]: خیرات لینا، دینا اور خیرات مانگنے کا کس کو حق ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ہر صاحبِ وسعت اپنی حیثیت کے موافق خیرات کرسکتا ہے، وجوبِ زکوٰۃ کے لئے نصاب ساڑھے باون تولہ چاندی ہے یا ساڑھے سات تولہ سونا شرط ہے اس سے کم پر زکوٰۃ نہیں ہے، جو شخص مالکِ نصاب نہ ہو اس کو خیرات زکوٰۃ وغیرہ دینا درست ہے(۲) اور صدقۂ نافلہ مالکِ نصاب کے لئے بھی جائز ہے(۳)۔ جس

---

(۱) (الدرالمختار مع ردالمحتار، باب المصرف: ۲/۳۴۲، سعید)

(۲) "ولايحل أن يسأل شيئاً من القوت مَن له قوت يومه بالفعل أو بالقوة كالصحيح المكتسب، الخ". (الدرالمختار: ۲/۳۵۴، باب المصرف، سعید)

(وكذا في فتح القدير: ۲/۲۶۱، باب من يجوز دفع الصدقة إليه ومن لايجوز، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۱۸۸، الباب السابع في المصارف، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع: ۲/۴۸۰، فصل: الذي يرجع إلى المؤدى إليه، دارالكتب العلمية، بيروت)

(۳) "الصدقة بمنزلة الهبة في المشاع وغير المشاع وحاجتها إلى القبض، إلا أنه لارجوع في الصدقة إذا تمت ويستوي إن تصدق على غني أو فقير في أنه لارجوع فيها. ومن أصحابنا رحمهم الله تعالىٰ من يقول: الصدقة على الغني والهبة سواء، كذا في المحيط". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الهبة، الباب الثاني عشر في الصدقة: ۴/۴۰۶، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار، كتاب الهبة، فصل في مسائل متفرقة: ۵/۷۰۹، سعید)

کے پاس ایک دن کا کھانا موجود ہو اس کو خیرات مانگنا اور سوال کرنا جائز نہیں، البتہ اگر ایک وقت کا کھانا بھی نہ ہو تو اس کو سوال کرنا درست ہے، بشرطیکہ کمانے پر بھی قادر نہ ہو(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۱/۶/۵۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۱/ جمادی الثانیہ/ ۵۵ھ۔

سب سے بہتر مصرفِ زکوۃ

سوال[۴۶۲۰]: زکوۃ کے روپیہ کا سب سے بہتر مصرف کیا ہے؟ سنا جاتا ہے کہ دینی تعلیم اور اشاعت میں کرنا فی زمانہ بہتر ہے۔ یہ کہاں تک صحیح ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

زکوۃ کا بہترین مصرف اپنے دیندار اقرباء ہیں جبکہ وہ مستحقِ زکوۃ ہوں (۲) اس کے ساتھ ساتھ اگر وہ دین میں مشغول ہوں تو اس میں رشتہ داری اور تعلیمِ دین کی رعایت ہوسکتی ہے، فساق وفجار کو دینے سے تعلیم دین میں مشغول ہونے والوں کو دینا بہر حال افضل ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ تعالیٰ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۱/۷/۵۵ھ۔

جواب صحیح ہے: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف غفرلہ۔

---

(۱) اگر کمانے پر قادر ہو تو اس کو سوال کرنا جائز نہیں:

قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالىٰ: "(ولا) يحل أن (يسأل) شيأ من القوت (من له قوت يومه) بالفعل أو بالقوة كالصحيح المكتسب". (الدرالمختار). وقال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: " (قوله: كالصحيح المكتسب)؛ لأنه قادر بصحته واكتسابه على قوت اليوم". (ردالمحتار، كتاب الزكوة، باب المصرف: ۲/۳۵۴، ۳۵۵، سعيد)

"ويجوز دفعها إلى من يملك أقل من النصاب وإن كان صحيحاً مكتسباً". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۱۸۹، الباب السابع في المصارف، رشيديه)

(وكذافي خلاصة الفتاوىٰ: ۱/۲۴۲ جنس آخر في أداء الزكاة، امجد اكيڈمی لاهور)

(وكذافي فتح القدير: ۲/۲۷۸ باب من يجوز دفع الصدقة إليه الخ، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۲) "قيد بالولاد لجوازه لبقية الأقارب كالإخوة والأعمام والأخوال الفقراء، بل هو أولىٰ؛ لأنه صلة =

مصارف زکوٰۃ

سوال[۴۶۲۱]: زکوٰۃ کن کن لوگوں کو دی جائے گی، اس کے بارے میں بھی واضح فرمادیں تو بہتر ہوگا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

زکوٰۃ ایسے مسلمانوں کو دی جائے جو غریب فقیر ہوں، سید نہ ہوں، اپنے عزیز قریب مقدم ہیں، لاوارث بچے، نادار طالب علم، بیوائیں سب مستحق ہیں (۱)، مگر اپنے والدین، دادا، دادی، نانا نانی، شوہر، بیوی کو نہ دی جائے (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۹/۹۱ھ۔

= وصدقة، وفي الظهيرية: ويبدأفي الصدقات بالأقارب، ثم الموالي، ثم الجيران". (ردالمحتار: ۳۴۶/۲، باب المصرف،سعيد)

(وكذافي الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱۹۰/۱،الباب السابع في المصارف،رشيديه)

(وكذافي البحر الرائق: ۴۲۵/۲،باب المصرف،رشيديه)

(۱) "مصرف الزكاة والعشر هو الفقير، وهو من له أدنى شئ، ومسكين من لاشئ له ......إن طالب العلم يجوز له أخذالزكاة ولو غنياًإذافرغ نفسه لإفادة العلم واستفادته لعجزه عن الكسب والحاجة .... ولايصرف إلى بناء نحو مسجد......ولاإلى مَن بينهما وِلاد أورزوجية، الخ". (الدرالمختار: ۳۳۹/۲، ۳۴۶، باب المصرف،سعيد)

(وكذافي النهر الفائق : ۴۵۸/۱، ۴۶۳،باب المصرف، امداديه)

(وكذافي مجمع الأنهر: ۳۲۴/۱، ۳۲۹،باب في بيان أحكام المصرف،دارالكتب العلمية، بيروت)

(۲)"أنه لايجوز دفع الزكاة إلى أولاده، أو أولاد أولاده من قِبل الذكوروالإناث وإن سفلوا،ولاإلى والديه وأجداده وجداته وإن علوامن قِبل الأباء والأمهات ......ولايجوز الدفع إلى بني هاشم ولاإلى مواليهم......ولايجوز الدفع إلى الغنيّ، الخ". (خلاصة الفتاوىٰ: ۲۴۲/۱،جنس آخر من أداء الزكاة، امجد اكيڈمي لاهور)

(وكذافي الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱۸۹/۱،الباب السابع في المصارف،رشيديه) .... =

مصارفِ بیت المال

سوال[۴۲۲۲]: ۱......ایک کمیٹی کے زیرِنگرانی ایک بیت المال قائم ہے، اس میں زکوٰۃ کی رقم اور کچھ عطیات جمع کر کے بوقتِ ضرورت حاجت مندوں کو قرض دینا اس سے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی یا نہیں؟

۲......اس جمع شدہ رقم میں سے مسجد کی تعمیر یا مرمت میں خرچ کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟

۳......امام ومؤذن کی تنخواہ بھی زکوٰۃ میں دی جا سکتی ہے یا نہیں؟

۴......یتیم طلباء یا غریبوں مسکینوں کے نابالغ بچے ان کا انتظام یا کھانا کپڑا وغیرہ یا کتب بیت المال سے دی جا سکتی ہیں یا نہیں؟

۵......ان تمام بچوں کو مصارف ودھلائی، سلائی وغیرہ دی جا سکتی ہے یا نہیں؟

۶......کتابیں، غلہ، کپڑا کافی مقدار میں خرید کر بطورِ ذخیرہ رکھا جا سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......اس طرح زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی، سب کی زکوٰۃ تباہ وبرباد ہوگی اور وبال ذمہ میں باقی رہے گا۔ زکوٰۃ جس مصرف (حاجتمند) کو دی جائے بطور تملیک دی جائے، نہ کہ بطورِ قرض۔

۲......ان مواقع میں زکوٰۃ صرف کرنا جائز نہیں (۱)، نہ قرض کے طور پر دینا درست ہے۔

۳......زکوٰۃ کی رقم تنخواہ میں دینا جائز نہیں۔

۴......ان کو کھانا، کپڑا، کتاب زکوٰۃ سے دینا درست ہے مگر جو کچھ دیا جائے ان کو اس کا مالک بنا دیا جائے، پھر ان سے واپس نہ لیں۔

۵......رقم زکوٰۃ ان کو دے دیں، پھر وہ دھلائی، سلائی، کرایۂ آمد ورفت میں جہاں ضرورت ہو خرچ کریں (۲)۔

= (وكذافي الهداية: ۱/۲۰۶، باب من يجوز دفع الصدقة إليه ومن لايجوز، شركت علميه ملتان)

(وكذا في النتف في الفتاوىٰ، ص: ۱۲۹، من لا تعطى لهم الزكاة، سعيد)

(۱) (سيأتي تخريجه تحت عنوان: ''رفاہ عام کے کام میں زکوٰۃ صرف کرنا'')

(۲) (سيأتي تخريجه تحت عنوان: ''امام کو زکوٰۃ دینا''.)

۶......درست ہے مگر جو کچھ زکوۃ میں مستحقین کو دیں اس کا مالک بنادیں۔زکوۃ کے علاوہ صدقات اور عطیات سے مذکورہ بالا تمام مصارف میں صرف کرنا درست ہے، اس لئے بیت المال کے دونوں مد جُدا رکھے جائیں، نیز کسی کو مجبور نہ کیا جائے کہ وہ اپنی رقم زکوۃ عطیہ بیت المال کو ہی دیں۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۱/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ۔

بیت المال

سوال[۴۶۲۳]: جب کہ آج کے دور میں مسلمانوں کے اقتصادی حالات بہت نازک ہیں روزانہ حالت خراب ہورہی ہے تو کیا ایسے وقت میں ایک بیت المال قائم کرلیا جائے جس سے غریب مسلمانوں کی حالت بہتر بنایا جاسکے جب کہ اسلام میں بیت المال کی اجازت ہے جیسا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں بیت المال قائم کیا گیا تھا۔شرعی اعتبار سے بیت المال کی کیا تعریف ہے؟ اور کیا اصول ہونے چاہئیں؟ اور کس قسم کا مال جمع ہوسکتا ہے؟ کیا زکوۃ وغیرہ کی اجازت ہے تاکہ غریب مسلمان پر خرچ ہوسکے، چونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ آج بھی لوگ زکوۃ ادا کرتے ہیں مگر جو اس کے مستحق ہیں ان کو نہیں ملتی، بلکہ غیر لوگ حاصل کرلیتے ہیں اور مستحق لوگ محروم رہ جاتے ہیں۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

امیر المؤمنین خلیفۂ راشد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے وقت میں جو بیت المال تھا اس کے شرائط کا اس وقت یہاں وجود نہیں، ہاں مسلمانوں کی موجودہ پریشانیوں کے دفعیہ کے لئے ایک اجتماعی نظم اتفاق واتحاد سے ہوسکتا ہے اور کرنا چاہئے۔اس کی نظیر بھی متعدد مقامات پر قائم ہے قریب تر مقام دیوبند ہے، مسلم فنڈ کے نام سے یہاں بھی یہی نظم ہے۔بہتر یہ ہے کہ وہاں سے ضوابط اور طریق کار کے کاغذات منگالیں یا تکلیف کرکے ایک روز کے لئے تشریف لے آئیں اور پوری تفصیل اس کے ذمہ داروں سے سمجھ لیں۔ پھر اگر شرعی حیثیت سے کسی چیز پر اشکال ہو تو اس کو حل کرلیں (۱)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ۔

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿فاسئلوا أهل الذكر إن كنتم لا تعلمون﴾. (النحل: ۴۳)

زکوۃ اور عشر کا مصرف

سوال[۴۶۲۴]: ا...... زکوۃ وعشر کی رقم سے فسادزدہ مسلمانوں کی مدد کی جاسکتی ہے یانہیں؟

۲...... کسی یتیم بچے کو میں اپنی پرورش میں رکھ لوں اور اس سے اپنی خدمت بھی کراؤں تو ایسے بچے کو زکوۃ اور عشر وغیرہ کی رقم سے کپڑا اور علاج کراسکتا ہوں یانہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

ا...... زکوۃ کی رقم واجب التملیک ہے جو لوگ مستحق زکوۃ ہیں تو ان کو تملیکاً دیدی جائے (۱) پھر وہ جہاں چاہیں صرف کریں، یا ان کو اس رقم کا سامانِ ضرورت خرید کر دیدیا جائے۔ اس طرح صَرف نہ کریں کہ ان کی ملک نہ ہوسکے، مثلاً اگر ان کا مقدمہ ہو تو عدالت کے اخراجات میں ان کی طرف سے از خود خرچ نہ کریں قانون کے موافق ان اطراف میں زمینداروں کی ملک ختم کر کے سب زمین ملکِ حکومت قرار دیدی گئی ہیں اس لئے عشر واجب نہیں رہا، تاہم جو کچھ بھی دیدیں وہ باعثِ خیر و برکت ہے، اس کے خرچ کرنے میں اتنی تنگی نہیں جتنی زکوۃ میں ہے۔

۲...... کپڑے بنا کر زکوۃ کی رقم سے اس کو دینا درست ہے، علاج کے لئے اس کو پیسے دیدیں کہ وہ خود چاہے دوا میں خرچ کرے، چاہے فیس وغیرہ میں دیدے یہ بھی درست ہے (۲)، مگر یہ یاد رہے کہ خدمت کے معاوضہ میں دے دینے سے زکوۃ ادا نہیں ہوگی، اس لئے خدمت کا معاوضہ جداگانہ اس کو دیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۶/۲۶ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۶/۲۶ھ۔

---

(۱) "وهي تمليك جزء مال عيّنه الشارع، و هو ربع عشر نصاب حوليّ من مسلم فقير، غير هاشمي، و لا مولاه مع قطع المنفعة عن المملك من كل وجه لله تعالىٰ". (الدرالمختار: ۲/۲۵۶، ۲۵۸، كتاب الزكاة، سعيد)

(و كذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۱۷۰، كتاب الزكاة، رشيديه)

(و كذا في ملتقى الأبحر على مجمع الأنهر: ۱/۲۸۴، كتاب الزكاة، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) "أما إذا أدى من خلاف جنسه، فالقيمة معتبرة اتفاقاً". (ردالمحتار: ۲/۲۸۶، باب الغنم، سعيد) =

تاجر مقروض کو زکوٰۃ دینا

سوال[۴۶۲۵]: زید بزنس مین پچاس ساٹھ ہزار روپے کا قرض دار ہوگیا اور ساری پونجی ختم ہوگئی، اب بکر مدِ زکوٰۃ سے اس کی مدد کرنا چاہتا ہے اور زید کے گھر میں تقریباً دس ہزار کا زیور بھی ہے، کیا بکر مذکورہ رقم ایسی صورت میں زید کو دے سکتا ہے؟

مشتاق احمد، بلٹ بیکر بمبئی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

زید کے گھر میں جو دس ہزار کا زیور ہے وہ اس کی بیوی کا ہوگا اور قرض خود زید کے ذمہ ہے اس لئے زید مستحق زکوٰۃ ہے اور اگر خود وہ زیور زید کی مِلک ہو تب بھی وہ حاجتِ اصلیہ سے زائد نہیں ہے، قرض اس سے بہت زیادہ ہے۔ تب بھی وہ مستحق زکوٰۃ ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی۔

مقروض کب مستحقِ زکوٰۃ ہے؟

سوال[۴۶۲۶]: زید صاحبِ نصاب ہے لیکن وہ قرض دار ہے، وہ کسی مدرسہ میں پڑھتا ہے اس کے لئے مدرسہ کا کھانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ مقروض ہے اور مقدارِ قرض کے علاوہ صاحبِ نصاب ہے تو زکوٰۃ وغیرہ کا کھانا مدرسہ

= (وكذا في تبيين الحقائق: ۷۴/۲، باب زكاة المال، دار الكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في البحر الرائق: ۳۹۶/۲، باب زكاة المال، رشيديه)

(۱) "مديونٌ لا يملك نصاباً فاضلاً عن دينه، وفي الظهيرية: الدفع للمديون أولى منه للفقير".

(الدر المختار: ۳۴۳/۲، باب المصرف، سعيد)

(وكذا في فتح القدير: ۲/ ۲۶۳، باب من يجوز دفع الصدقة إليه ومن لا يجوز، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في البحر الرائق: ۴۲۲/۲، باب المصرف، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۳۶۶/۱، باب في بيان أحكام المصرف، دار الكتب العلمية بيروت)

سے نہ لے(۱) اگر مقدارِ قرض کے علاوہ صاحبِ نصاب نہیں تو اس کے لئے اجازت ہے (۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند،۲۴/۱۰/۹۰ھ۔

الجواب صحیح :بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

مقروض کو زکوٰۃ دینا

سوال[۴۶۲۷] : ۱......جو کسان قرض میں ڈوبے ہوئے ہیں مثلاً کوئی تین ہزار کو، کوئی پانچ ہزار کا قرضدار ہے، اب ایسے کسانوں کو زکوٰۃ کا مالک بنادیا جائے اور وہ فوراً اسی جگہ قبضہ کر کے سوسائٹی میں قرض کے عوض جمع کرادیں تو ایسا کرنے سے صاحبِ زکوٰۃ کی زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہیں جبکہ کاشتکار قبضہ کر کے اپنے ہی ہاتھ سے جمع کرائے گا؟

۲......ایک قرضدار کو ایک دو تین نصاب کی مقدار مال دیا گیا، مثلاً ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت چھ سو روپے اور چھتیس روپے کے قرضدار کو چاندی کے چھ نصاب کی مقدار مال دیا گیا تو آیا یہ جائز ہے؟

۳......چند حضرات دوکان چلانے کے لئے یا زمین بڑھانے کے لئے یا مکانات بنانے کے لئے رقم صَرف کرتے ہیں اور خود کو قرضدار سمجھتے ہیں تو آیا ان کے لئے زکوٰۃ لینا جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......مدیون کو اتنی زکوٰۃ دینا درست ہے کہ اس کے ذریعہ دین ادا کردے پھر بقدرِ نصاب اس کے پاس باقی نہ رہے اس طرح زکوٰۃ ادا ہو جائے گی (۳)۔مصرفِ زکوٰۃ اس پر مالکانہ قبضہ کر کے اپنا دین ادا کردے

---

(۱)" ومديون للعبد بقدر دينه، فيزكي الزائد إن بلغ نصاباً، الخ". (الدر المختار: ۲/۲۶۳، كتاب الزكاة، سعيد)

(وكذا في الهداية: ۱/۱۸۶، كتاب الزكاة، شركة علمية)

(وكذا في الدر المنتقى شرح الملتقى: ۱/۲۸۷، كتاب الزكاة، دار الكتب العلمية ملتان)

(۲) (تقدم تخريجه تحت عنوان: ''تاجر مقروض کو زکوٰۃ دینا''.)

(۳) "وكره إعطاء فقير نصاباً أو أكثر، إلا إذا كان المدفوع إليه مديوناً أو كان صاحب عيال بحيث لو =

9

اور سبکدوش ہوجائے۔

۲......یہ بھی درست ہے(۱)۔

۳......ان کے حوائجِ اصلیہ دَین وغیرہ سے فاضل اگر مقدارِ نصاب ان کی ملک میں نہیں تو وہ مستحقِ زکوٰۃ ہیں (۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

جس کی ضروریات تنخواہ سے پوری نہ ہوں وہ بھی مستحقِ زکوٰۃ ہے

سوال[۴۶۲۸]: ۱......اسلم ایک دینی مدرسہ یا مسجد کا خادم ہے اس کی ضروریات اس کی تنخواہ سے پوری نہیں ہوتیں، اس صورت میں اسلم زکوٰۃ لے سکتا ہے یا نہیں؟

ایضاً

سوال[۴۶۲۹]: ۲......خالد ایک مسجد کا خادم تھا، اپنی سال بھر کی ضروریات جو تنخواہ سے پوری نہیں ہوسکتی تھیں، مالِ زکوٰۃ سے پوری کرتا تھا، اب ایک دینی مدرسہ میں اس کو خدمت کا موقع ملا، اب آمدنی کچھ بڑھ

= فرّقه عليهم لا يخص كلاً، أو لا يفضل بعد دَينه نصاب، فلايكره". (الدرالمختار: ۲/۳۵۳، باب المصرف، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۱۸۸، الباب السابع في المصارف، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۱/۳۳۳، باب في بيان أحكام المصارف، دارالكتب العلمية، بيروت)

(۱) "ويكره أن يدفع إلى واحد مائتي درهم فصاعداً، وإن دفع جاز". (الهداية: ۱/۲۰۷، باب من يجوز دفع الصدقة إليه ومن لايجوز، شركة علمية ملتان)

(وكذا في خلاصة الفتاوىٰ: ۱/۲۴۳، الفصل الثامن في أداء الزكاة، امجد اكيڈمی لاهور)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۲/۱۳۰، باب المصرف، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) "ويجوز دفعها إلى من يملك أقل من النصاب وإن كان صحيحاً مكتسباً". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۱۸۹، الباب السابع في المصارف، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير: ۲/۲۷۸، باب من يجوز دفع الصدقة إليه ومن لايجوز، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في البحر الرائق: ۲/۴۲۸، باب المصرف، رشيديه)

گئی، معمولی تنگی کے ساتھ اپنی ضروریات پوری کرسکتا ہے مگر صاحبِ نصاب نہیں بنا، اس صورت میں خالد حسبِ معمول زکوٰۃ لے سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... لے سکتا ہے مگر معاوضۂ خدمت میں نہ ہو(۱)۔

۲...... جب تک ساڑھے باون تولہ چاندی یا اس کی قیمت حاجتِ اصلیہ سے زائد اس کے پاس نہ ہو وہ مستحقِ زکوٰۃ ہے(۲)، مگر جب اللہ تعالیٰ نے آمدنی میں اضافہ فرمادیا ہے تو زکوٰۃ لینے سے بچنا بہتر ہے کہ اضافۂ آمدنی کا شکریہ ہے، اس سے مزید ترقی کی توقع ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۷/۹۵ھ۔

پس انداز کرنے والی بیوہ کا زکوۃ لینا

سوال[۴۲۳۰]: مسماۃ زاہدہ خاتون کے شوہر کا عرصہ چار سال قبل انتقال ہوا، مرحوم نے کوئی جائیداد از قسم مکان اور نقدی زیور کچھ نہیں چھوڑا، البتہ تین بچے دو بچیاں ان کی یادگار ہیں جو ابھی نابالغ ہیں۔ بیوہ اور بچوں کا خرچ مرحوم کے بڑے بھائی دوسو روپیہ ماہوار مرحوم کے بعد سے اب تک دے رہے ہیں، بیوہ اسی خرچہ سے تھوڑا تھوڑا کفایت کر کے اب تک اس غرض سے بچا رہی ہے کہ چھوٹے چھوٹے بچے بچیاں ہیں، رہنے کا کوئی مکان نہیں، یا ان کی تعلیم، بیاہ شادی وغیرہ کرنا ہے، لہذا اب تک دو ہزار روپیہ یا اس سے کچھ زیادہ پس انداز کر چکی ہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ بیوہ کو اس حالت میں زکوۃ لینا چاہئے یا نہیں؟ بحوالۂ کتب جوابات عنایت فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اب بیوہ کو زکوۃ لینا جائز نہیں، بیوہ پر خود زکوۃ واجب ہوگئی(۳) اگر نابالغ بچوں اور بچیوں کو وہ روپیہ

(۱، ۲) (تقدم تخريجه تحت عنوان: "مقروض کو زکوۃ دینا"۔)

(۳) "و يشترط أن يكون الصرف تمليكاً لا إباحةً، لا يُصرف .... و لا إلى غني يملك قدر نصاب فارغ عن حاجته الأصلية من أيّ مال كان، الخ". (الدر المختار: ۲/۳۴۷، باب المصرف، سعيد)

(و كذا في التاتارخانية: ۲/۲۷۷، باب من توضع الزكاة فيه، إدارة القرآن كراچی) .... =

دے کراپنی ملک ختم کردے اور خود بطورِ محافظ وامین اپنے قبضہ میں رکھے تو بیوہ پر زکوۃ نہیں ہوگی اور وہ مستحقِ زکوۃ رہے گی اور بالغ ہونے سے پہلے ان بچوں بچیوں پر زکوۃ واجب نہیں ہوگی (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۵/۹۰ھ۔

جس کا گذر تنگی سے ہوتا ہے کیا وہ مستحقِ زکوۃ ہے؟

سوال [۴۶۳۱]: بکر کی آمدنی کم ہے، تنگی سے گذر اوقات ہوتے ہیں۔ اس صورت میں بکر زکوۃ لے سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

لے سکتا ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۷/۹۵ھ۔

گداگروں کو زکوۃ

سوال [۴۶۳۲]: دیہاتوں میں جو فقیر بھیک مانگتے پھرتے ہیں، نہ نماز پڑھتے ہیں، نہ روزہ رکھتے

= (وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/۱۸۹، باب المصارف، رشيديه)

(۱) ("و شرط افتراضها عقل و بلوغ) فلا تجب على مجنون و صبي؛ لأنها عبادة محضة و ليسا مخاطبين بها". (ردالمحتار: ۲/۲۵۸، كتاب الزكاة، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۲/۱۹، كتاب الزكاة، دار الكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في النهر الفائق: ۱/۴۱۲، كتاب الزكاة، إمداديه)

(۲) "ويجوز دفعها إلى مَن يملك أقل من النصاب وإن كان صحيحاً مكتسباً، كذا في الزاهدي".

(الفتاوى العالمكيرية، الباب السابع في المصارف: ۱/۱۸۹، رشيدية)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الزكوة، باب المصرف: ۲/۴۱۹، رشيديه)

"(مصرف الزكوة والعشر .... هو فقير، وهو مَن له أدنىٰ شيئى) :أى دون نصاب، قدر نصاب غيرنام مستغرق في الحاجة (ومسكين) مَن لا شئ له، الخ". (الدرالمختار، كتاب الزكوة، باب المصرف: ۲/۳۳۹، سعيد)

(وكذا في مراقي الفلاح، ص: ۷۱۹، كتاب الزكوة، باب المصرف، قديمي)

ہیں۔ایسے لوگوں کو زکوۃ وغیرہ دے سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ صاحبِ نصاب ہیں تو ان کو دینا جائز نہیں (۱)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۸/۱۰/۱۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۸/۱۰/۲۰ھ۔

زکوۃ لےکر اپنے باپ کو دینا

سوال[۴۶۳۳]: بالغ اولاد زکوۃ لےکر زید (باپ) کو دے اور زید اپنی اولاد کے مصرف میں لائے، یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر بالغ اولاد مصرفِ زکوۃ ہے تو اس کو لےکر خود استعمال کرنا اور والد کو یا کسی دوسرے غیر مستحق زکوۃ کو دینا درست ہے (۲) اور پھر اُن کو لےکر خود استعمال کرنا اور اولاد وغیرہ کے صرف میں لانا بھی درست ہے۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، مظاہر علوم سہارنپور، ۶۰/۸/۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف۔

لڑکی کی شادی کے لئے چندہ مانگنے والے کو زکوۃ دینا

سوال[۴۶۳۴]: موجودہ رسم ورواج کے پیشِ نظر آج کل لڑکی کی شادی پر ہزاروں روپیہ خرچ ہوجاتے ہیں، اب ایک شخص جو کہ صاحبِ نصاب نہیں ہے شادی کے لئے چندہ فراہم کرکے صاحبِ نصاب

---

(۱) "ولا يجوز دفع الزكاة إلى من يملك نصاباً: أيّ مال كان: دنانير أو دراهم .... فاضلاً عن حاجته في جميع السَّنة". (الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب السابع في المصارف: ۱/۱۸۹، رشيديه)

(۲) "قال الطيبي: إذا تصدق على المحتاج بشئي ملكه، فله أن يهدى به إلى غيره الخ، وهو معنى قول ابن ملك: فيحل التصدق على من حرم عليه بطريق الهدية". (المرقاة: ۳/۳۳۸، رقم الحديث: ۱۸۲۷، باب من لاتحل له الصدقة، رشيديه)

ہوجاتا ہے یا قبل ہی سے صاحبِ نصاب ہے مگر اس کے باوجود اسبابِ شادی کی تکمیل کے لئے چندہ مانگ رہا ہے تو کیا اس کو زکوۃ کی رقم دینا درست ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اس کو چندہ مانگنا اور دوسروں کا اس کو اس حالت میں زکوۃ دینا درست نہیں، لأنہ لیس بمصرف للزکوۃ کما فی کتب الفقہ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

عالم کی اولاد کے لئے زکوۃ

سوال[۴۶۳۵]: زید ایک عالم ہے، اس کی بالغ اولاد کو زکوۃ لینا جائز ہے، اور اولاد خود اپنے خرچہ میں لائے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر اولاد مصرفِ زکوۃ ہے تو اس کو لینا درست ہے (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، مظاہر علوم سہارنپور، ۷/۸/۶۰ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف۔

امام اور عالم کو صدقاتِ واجبہ دینا

سوال[۴۶۳۶]: ایک شخص بستی والوں کی طرف سے امامِ مسجد مقرر ہوا ہے، درس دیتا ہے، بستی والے اس کو مقرر کر دیتے ہیں کہ تمام صدقات، خیرات، مثلاً صدقۂ فطر شرعاً لے سکتا ہے یا نہیں؟ جبکہ وہ خود صاحبِ نصاب ہے، زکوۃ اس پر فرض ہے، لے لے تو دینے والوں کی زکوٰۃ ہو جائے گی یا نہیں؟ کتاب

---

(۱) "لا یحل أن یسأل شیئاً من القوت مَن له قوت یومه بالفعل أو بالقوة کالصحیح المکتسب، و یأثم معطیه إن علم بحاله لإعانته علی المحرم". (الدرالمختار: ۲/۳۵۴، باب المصرف، سعید)

(وکذا فی النهر الفائق: ۱/۴۶۹، باب المصرف، امدادیه)

(وکذا فی البحر الرائق: ۲/ ۴۳۶، ۴۳۷، باب المصرف، رشیدیه)

(۲) (سیأتی تخریجه تحت المسئلة الآتیة)

"سلطان الفقه" صفحہ:۱، جلداول میں لکھا ہے: إذا عیّنوا لإمامهم شیئاً من الأوقاف والصدقات والهدایا وغیرها، لزمهم أداء ها"، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صدقۂ فطر، چرمِ قربانی امام معین لے سکتا ہے۔

گذشتہ زمانوں میں علماء اور قاضیوں کو بیت المال سے وظائف ملتے تھے اور وہ بیت المال زکوٰۃ وغیرہ کے روپے اور اجناس کا فراہم شدہ مال ہوتا تھا، اس میں سے قاضی اور عالم جو خود بھی صاحبِ نصاب ہوتے تھے لیتے تھے، جب وہ بیت المال کے جمع شدہ روپے سے وظائف لیتے تھے تو اب بھی زکوٰۃ یا صدقاتِ واجبہ کا روپیہ کسی امام معین کو دیدیا جائے تو منع کیوں ہے؟

"فتویٰ جوهر" ص:۲۴۶، جلداول میں لکھا ہے: "من اشتغل بتعلم العلم، علی المسلمین کفافُه، وإذا کان العالم والمتعلم في بلدٍ لیس له من بیت المال وظیفة، یجب علی أغنیاء تلك البلدة نفقته وکسوته". یعنی عالم اور متعلم کو کفاف دینا اہلِ قریہ پر واجب ہے۔

ان دونوں عبارتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ صاحبِ نصاب ہو یا نہ ہو امامِ معین صدقہ وغیرہ لے سکتا ہے۔

اور اگر امامِ معین اراضی اور مالِ نامی رکھتا ہے لیکن اس اراضی کی پیداوار اور مال کی آمدنی اس کو کفایت نہیں کرتی، عوام کو بھی اس کے مستحق ہونے کا علم نہیں اور وہ خود اپنے اس حال قرض وغیرہ تنگی معاش کو لوگوں سے چھپاتا ہے۔

المستفتی نور احمد بھاولپور۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ان دونوں شخصوں کو زکوٰۃ، صدقاتِ واجبہ: زکوٰۃ وغیرہ کا لینا درست نہیں، اگر کسی نے ان کو زکوٰۃ وغیرہ دی تو اس کی زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی۔ اول شخص میں عدمِ جواز کی دو وجہ ہیں: ایک یہ کہ وہ غنی صاحبِ نصاب ہے اور هدایه، درمختار، زیلعی، مجمع الأنهر، عالمگیری، قاضی خان وغیرہ جملہ کتبِ فقہ میں تصریح ہے کہ "لا تدفع إلی غني، اهـ "(۱)۔

(۱) (الدر المختار، کتاب الزکاة، باب المصرف: ۳/۳۴۶، رشیدیه)

(الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الزکاة، الباب السابع في المصرف: ۱/۱۸۹، رشیدیه)

(مجمع الأنهر، باب في بیان أحکام المصرف: ۱/۲۲۳، دارإحیاء التراث العربي، بیروت)

(فتاویٰ قاضي خان، فصل فیمن توضع فیه الزکاة: ۳/۲۶۶، رشیدیه) .... =

دوم وجہ یہ ہے کہ اس کو امامت وتدریس کے عوض اجرت میں زکوۃ دی جارہی ہے اور زکوۃ کے لئے ضروری ہے کہ بشرط: "قطع المنفعة عن المملّك من كل وجه لله تعالىٰ" ہو(۱)۔

دوسرے شخص میں اول وجہ موجود نہیں البتہ دوسری وجہ موجود ہے "أحصروا في سبيل الله" کے مصداق کو بھی اجرت میں دینا درست نہیں۔

سلطان الفقہ میرے پاس موجود نہیں، اگر یہ کوئی معتبر کتاب ہے اور اس کے مسائل قابلِ اعتماد ہیں تب بھی عبارتِ مذکورہ استدلال کے لئے کافی نہیں کیوں کہ اس میں صرف "الصدقات" ہے، "واجبہ" کی قید نہیں اور چونکہ دیگر کتبِ معتبرہ میں صدقاتِ واجبہ کے عدم جواز کی تصریح ہے، لہٰذا یہاں صدقاتِ غیر واجبہ مراد ہوں گے۔

بیت المال سے جو وظائف علماء اور قضاۃ کو ملتے تھے وہ زکوۃ سے نہیں بلکہ خراج اور جزیہ وغیرہ سے ملتے تھے:

"والنوع الثالث: الخراج والجزية، ومايؤخذ من صدقات بني تغلب، وما يأخذ العاشر من أهل الذمة، ومن أهل الحرب إذا مرّوا عليه، فهذا نوع مصروف إلى نوائب المسلمين. ومنها: إعطاء المقاتلة كفايتهم، وكفاية عيالهم؛ لأنهم فرغوا أنفسهم للجهاد، ولدفع شرّ المشركين عن المسلمين، فيعطون الكفاية من أموالهم، ومن هذا النوع إيجاد الكراع والأسلحة، وسد الثغور، وإصلاح القناطر والجسور، وسد البثق، وكرى الأنهار العظام. ومنه رزاق القضاة والمفتين والمحتسبين والمعلمين، وكل مَن فرغ نفسه لعمل من أعمال المسلمين على وجه الحسبة، فكفاته في هذا النوع من المال، اھ". مبسوط: ۱۸/۳(۲)۔

= (الهداية، كتاب الزكاة، باب من يجوز دفع الصدقة إليه ومن لايجوز: ۲۰۷/۱، شركة علمية ملتان)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الزكاة: ۴۷۲/۲، دارالكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في المبسوط، كتاب الزكاة: ۱۷/۳، غفاريه، كوئٹه)

(۱) (سيأتي تخريجه تحت عنوان: "تبلیغی جماعت کو زکوۃ دینا".)

(۲) (المبسوط للسرخسي، باب مايوضع فيه الخمس: ۲۲/۲، الجزء الثالث، غفاريه، كوئٹه)

(وكذا في الدرالمختار مع ردالمحتار: ۳۲۹/۳، مطلب في مصارف بيت المال، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكرية: ۱۹۰/۱، ۱۹۱، فصل: مايوضع في بيت المال أربعة أنواع، رشيديه)

فتاویٰ جواہر کی عبارت میں تو صدقاتِ واجبہ دینے کا اشارہ تک بھی نہیں۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، ۱۰/ ذیقعدہ/ ۶۰ھ۔

صحیح: عبداللطیف، ۱۱/ ذیقعدہ/ ۱۳۶۰ھ۔

امام کو زکوٰۃ دینا

سوال[۴۶۳۷]: محلّہ کے بلاتنخواہ کے اماموں کو اہلِ محلّہ مل کر زکوٰۃ اور صدقۂ فطر اس نیت سے دیں کہ نماز پڑھاویں، کیا ایسی صورت میں زکوٰۃ اور فطرہ ادا ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ معاوضۂ امامت ہے اس سے نہ زکوٰۃ ادا ہوگی نہ صدقۂ فطر(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

شریکِ مکان کو زکوٰۃ دینا

سوال[۴۶۳۸]: ۱......زید اور بکر ماموں بھانجے ہیں ایک ہی مکان میں جو بکر کی ملک ہے دونوں رہتے ہیں، بکر نادار اور غریب ہے، کیا اسی مکان کی مرمت میں- جبکہ مرمت میں دونوں کا فائدہ ہے- زید بکر کو زکوٰۃ کی رقم دے سکتا ہے اور بکر اس رقم کو مرمت وغیرہ میں لگا سکتا ہے؟

۲......زید اور بکر دونوں کا کھانا مشترک تیار ہوتا ہے، کیا زید بکر کو زکوٰۃ کی رقم سے خورد ونوش کا سامان منگوا سکتا ہے اور دے سکتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... بھانجا اگر ماموں کو زکوٰۃ دے تو شرعاً درست ہے بشرطیکہ کسی دباؤ سے نہ ہو، پھر ماموں کو اختیار

(۱) "هي تمليك جزء مال عيّنه الشارع من مسلم فقير غير هاشمي ولا مولاه مع قطع المنفعة عن المملّك من كل وجه لله تعالى". (الدر المختار: ۲/ ۲۵۸، كتاب الزكاة، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۲/ ۱۷، كتاب الزكاة، دار الكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في البحر الرائق: ۲/ ۳۵۲، كتاب الزكاة، رشيديه)

ہے کہ مکان کی تعمیر وغیرہ میں جہاں چاہے صَرف کرے(۱)۔

۲......اگر زکوٰۃ کا پیسہ بکر کو دے دیا پھر اس نے سامان خریدا اور زید کے ساتھ مشترکہ طور پر وہ کھانا پکایا گیا تو شرعاً درست ہے(۲)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

نابالغ کو زکوٰۃ

سوال[۴۶۳۹]: زکوٰۃ کا پیسہ اگر نابالغ یتیم بچے کو دے دیا جائے تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ یتیم قبضہ کرنے کی اہلیت رکھتا ہے تو اس کو دینے سے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی بشرطیکہ وہ مصرف زکوٰۃ ہو یعنی وہ غنی ہاشمی وغیرہ نہ ہو(۳)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

محمود گنگوہی، ۲۵/۲/۵۳ھ۔

صحیح:سعید احمد غفرلہ، صحیح:عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۶/صفر/۵۳ھ۔

---

(۱) (سيأتي تخريجه تحت عنوان: ''رشتہ داروں میں سے سب سے مقدم مستحق زکوٰۃ''۔)

(۲)" إذادفع الزكاة إلى الفقير، لا يتم الدفع مالم يقبضها، الخ". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۱۹۰، الباب السابع في المصارف، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية: ۲/۲۷۴، من توضع الزكاة فيه، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في المحيط البرهاني: ۲/۳۳۴، من توضع الزكاة فيه، غفاريه)

(۳) قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالىٰ: "ولا إلىٰ من بينهما ولادأوزوجية" (الدرالمختار مع تنوير الأبصار). وقال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "وقيد بالولاد لجوازه لبقية الأقارب كالإخوة والأعمام والأخوال الفقراء". (ردالمحتار: ۲/۳۴۶، باب المصرف، سعيد)

(وكذا في خلاصة الفتاوىٰ: ۱/۲۴۲، الفصل الثامن في أداء الزكاة، امجد اكيڈمی لاهور)

(وكذا في التاتارخانية: ۲/۲۷۱، من توضع الزكاة فيه، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في فتح القدير: ۲/۲۷۰، باب من يجوز دفع الصدقة إليه ومن لايجوز، مصطفى البابي الحلبي مصر)=

نابالغ کو زکوٰۃ دینے کی صورتیں

سوال[۴۶۴۰]: ایک شخص مسمیٰ عیدٗو قوم جولاہا فوت ہوگیا اور ایک بیوی ایک لڑکا اور ایک لڑکی چھوڑ گیا، عیدٗو کے تین چچازاد بھائی ہیں مگر حقیقی کوئی نہیں ہے۔ عیدو مذکور کی وفات کے بعد اس کی بیوہ نے گھر کا تمام اثاثہ جو صرف زیور ہی تھا برباد کر دیا، لڑکی کا متوفی کے چچازاد بھائیوں نے نکاح کر دیا یعنی اس کی شادی کر دی اور بیوہ نے ایک دوسری جگہ خاوند کر لیا۔ متوفی کا لڑکا تا حال اپنی ماں کے پاس رہتا ہے۔ متوفی کے پاس سوائے زیور کے اَور تو کوئی جائیداد نہ تھی زیور عورت نے برباد کر دیا، اب متوفی کا لڑکا بالکل حالتِ ناداری میں ہے لیکن اپنی ماں اور سوتیلے باپ کے ہاں رہتا ہے، لیکن اس غریب کے ساتھ وہی سلوک ہوتا ہے جو ایسی حالت میں عموماً ہوا کرتا ہے یعنی بدسلوکی۔

۱......اب سوال یہ ہے کہ یتیم مذکور کے ہر سہ چچا کم وبیش زکوٰۃ دینے والے ہیں وہ چاہتے ہیں کہ ہم زکوٰۃ کے روپے اس یتیم کو کیوں نہ دے دیں جبکہ قرآن کریم کا یہ حکم ہے کہ: ﴿ذوی القربیٰ والیتامیٰ والمساکین وابن السبیل﴾ یعنی پہلا حق رشتہ داروں کا ہے، آپ تحریر فرمادیں کہ زکوٰۃ کا روپیہ اس کو دے سکتے ہیں یا نہیں جبکہ وہ قریبی بھی ہے اور یتیم بھی؟

۲......اس (یتیم) کو روپیہ دینے کی صورت کیا ہوسکتی ہے، اگر اب اس کو دیا جاوے تو وہ نابالغ ہے، اگر اس کی ماں کو دیا جاوے تو وہ وہی سلوک کرتی ہے جو اپنے خاوند کے زیور پر کیا تھا، اگر سوتیلے باپ کو بطورِ امانت دیا جائے تو کسی کا آج کل کیا اعتبار ہے۔ اب اگر اس کو دیا جائے تو کس طرح؟ کیا یہ ممکن ہوسکتا ہے کہ زکوٰۃ دینے والے اس یتیم کے حصہ کا روپیہ علیحدہ ایک جگہ جمع کر کے ایک شخص اپنے پاس جمع بطورِ امانت جمع کر لے یعنی دینے والا خود اپنے پاس ہی علیحدہ بطور امانت رکھ لیوے، جس کو خرچ خود بالکل نہ کرے، کیا یہ جائز ہوگا یا نہیں؟

۳......یا اس کے حصہ کے روپے کو سیونگ بینک، ڈاکخانہ میں اس کے ہی نام سے جمع کرادیا جائے، لہٰذا اس کا وہ شخص جس نے زکوٰۃ دی ہے سرپرست مقرر کر دیا جائے، جب بالغ ہوجائے گا، اپنے روپیہ کا حقدار ہوجائے گا وصول کر لیوے۔ کیا یہ بھی جائز ہے یا نہیں؟

۴......اگر یتیم کے واسطے زرِ زکوٰۃ نمبر:۳ یا نمبر:۲ کسی طرح جمع کیا جائے تو کیا زکوٰۃ دینے والے کے

= (وکذا فی خلاصة الفتاویٰ: ۱/۲۴۲، الفصل الثامن فی اداء الزکاة، امجد اکیڈمی، لاهور)

زکوۃ دینے میں تو کسی قسم کا شبہ نہ رہے گا اگر چہ زکوۃ دینے والے کے پاس ہی امانت ہوگی مگر وہ اس کا حقدار نہ ہوگا۔ کیا یہ صورت جائز ہوگی؟

۵......اگر وہی نمبر: ا کا یتیم لڑکا اپنے ایک چچا کے پاس بودوباش کرنے لگ جاوے اور وہ ہی زکوۃ دیتا ہو، اب وہ بالکل اپنے پاس جمع کر سکتا ہے یا نہیں، جو بصورتِ بالغ ہونے کے اس کو ادا کر دیا جائے؟

۶......اگر یتیم بچہ ایک چچا کے پاس رہتا ہے اور زکوۃ دینے والے کے پاس نہیں ہے، کیا زکوۃ دینے والا اپنے پاس رکھ سکتا ہے جو ایک ہزار دوسو بصورت بالغی اس کو ادا کر دے؟

۷......ایک شخص کے پاس صرف بارہ بیگھہ جائیداد ہے اور وہ بارہ سو روپے کا مقروض بھی ہے اور نہایت خستہ حال اور غریب ہے، کیا وہ زکوۃ لے سکتا ہے اور قوم سے راجپوت ہے، دستِ سوال دراز نہیں کر سکتا ہے۔ جواب باصواب سے جلد از جلد مطلع فرمادیں۔

امام الدین، ہیڈ ماسٹر سکول تلاکور، ڈاکخانہ مصطفیٰ آباد، ضلع انبالہ، مؤرخہ ۳/۱۲/۳۴ھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......صورتِ مسئولہ میں زکوۃ اس لڑکے کو دینا درست ہے بلکہ اگر اس سے زیادہ قریبی رشتہ دار مستحقِ زکوۃ موجود نہ ہو تو اس لڑکے کو زکوۃ دینا افضل ہے:

"والأفضل في الزكوة والفطر والنذور الصرف أولاً إلى الإخوة والأخوات، ثم إلى أولادهم، ثم إلى الأعمام والعمات، ثم إلى أولادهم، ثم إلى الأخوال والخالات، ثم إلى أولادهم، الخ". عالمگیری: ۱/۱۸۷(۱)۔

۲......اگر وہ لڑکا سمجھدار ہے روپیہ پر قبضہ کر سکتا ہے تو خود اس کو دینا جائز ہے، پھر اگر ضائع ہونے کا اندیشہ ہو تو اس سے بطور امانت لیکر رکھ سکتا ہے اور اگر وہ ناسمجھ ہے کہ روپیہ کو کہیں پھینک دے گا یا کسی اَور طرح ضائع کردیگا تو پھر اس کو دینا درست نہیں بلکہ وہ جس کی پرورش میں ہے اس کو لڑکے کے لئے دے دیا جائے، اگر وہ قابل

(۱) (الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۱۹۰، الباب السابع في المصارف، رشیدیه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۲/۱۲۲، باب المصرف، دارالكتب العلمية، بيروت)

(وكذافي ردالمحتار: ۲/۳۴۶، باب المصرف، سعيد)

اعتماد نہ ہو تو پھر کوئی سا چچا اس روپیہ پر لڑکے کے پرورش کرنیوالے کا قبضہ کرا کے بطورِ امانت رکھ سکتا ہے(۱)۔

۳.....لڑکے کو خرچ کی ضرورت اس وقت ہے جیسا کہ سوال سے معلوم ہوتا ہے، بنک میں جمع کرنے سے وہ وقتی ضرورت کیسے پوری ہوگی لیکن اگر زائد ہو تو بعض علماء کے نزدیک لڑکا سمجھدار ہو اور پرورش کرنے والا اگر ناسمجھ ہو قبضہ کرا کے بنک میں جمع کرنا درست ہے۔

۴.....اگر ولی نے لڑکے کی طرف سے زکوٰۃ کا روپیہ اپنے قبضہ میں رکھا ہے تو اس میں کوئی نقصان نہیں لیکن جو روپیہ خود ولی نے زکوٰۃ کا نکالا ہے وہ جب تک بطورِ تملیک لڑکے کی ضرورت میں صرف نہ کرے گا زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔

۵.....اگر وہ لڑکا سمجھ دار ہے تو اس کو فی الحال ہی زکوٰۃ دینا جائز ہے، اگر ناسمجھ ہے تو چچا اس کی ضروریات میں صرف کر سکتا ہے بطورِ تملیک بلوغ کے انتظار کی ضرورت نہیں ہے(۲)۔

---

(۱) "وإذادفع الزكاة إلى الفقير، لا يتم الدفع ما لم يقبضها، أو يقبضها للفقير مَن له ولاية عليه نحو الأب، والوصي يقبضان للصبي ....ولو قبض الصغير، وهو مراهق، جاز، وكذا لو كان يعقل القبضَ بأن كان لا يرمي ولا يخدع عنه، الخ". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ١/١٩٠، الباب السابع في المصارف، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية: ٢/٢٧٤، من توضع الزكاة فيه، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في ردالمحتار: ٢/٢٥٧، كتاب الزكاة، سعيد)

(٢) "فلو أطعم يتيماً ناوياً الزكوة، لايجزيه، إلا إذا دفع إليه المطعوم، كما لو كساه بشرط أن يعقل القبض، إلا إذا حكم عليه بنفقتهم". (الدرالمختار).

وقال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "(قوله: بشرط أن يعقل القبض) قيد في الدفع والكسوة كليهما. وفسره في الفتح وغيره بالذي لايرمي به ولايخدع عنه، فإن لم يكن عاقلاً فقبض عنه أبوه أو وصيه أو من يعوله قريباً أو أجنبياً أو ملتقطه، صح، كما في البحر والنهر. وعبر بالقبض؛ لأن التمليك في التبرعات لايحصل إلا به، فهو جزء من مفهومه، فلذا لم يقيّد به أولاً، كما أشار إليه في البحر". (ردالمحتار، كتاب الزكوة: ٢/٢٥٧، سعيد)

"لأن تمليك الصبي صحيح، لكن إن لم يكن عاقلاً، فإنه يقبض عنه وصيه أو أبوه أو من يعوله قريباً أو أجنبياً أو المتقط، كما في الولوالجية. وإن كان عاقلاً فقبض من ذكر أو قبضه بنفسه". (البحر =

۶......جس چچا کے پاس لڑکا رہتا ہے اس کو دینا بھی درست اور خود بھی لڑکے کی ضروریات میں خرچ کرنا جائز ہے اور کچھ روپیہ بچ گیا تو اس کو امانت رکھنا بھی درست ہے۔

۷......اگر آمدنی جائیداد کی اتنی نہیں ہے کہ قرض ادا کر کے ایک نصاب موافق بچ جائے تو اس کو زکوٰۃ دینا درست ہے(۱)۔فقط واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح:سعید احمد غفرلہ،۶/ رمضان/۵۳ھ، صحیح:عبد اللطیف عفا اللہ عنہ،۱۱/ رمضان/۵۳ھ۔

بچوں کو زکوٰۃ دینا

سوال[۴۶۴۱]: زکوٰۃ کا روپیہ زکوٰۃ کے مستحق بچوں کو دیکر اسے مالک بنا دینے سے زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر وہ قبضہ مالکانہ کرنے کے اہل ہوں اور سمجھدار ہوں تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی (۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند،۱۰/۱۰/۹۰ھ۔

= الرائق، کتاب الزکوۃ: ۲/۳۵۳، رشیدیہ)

(۱)"ومديونٌ لا يملك نصاباً فاضلاً عن دينه ....الدفع للمديون أولىٰ منه للفقير". (الدرالمختار: ۲/۳۴۳، باب المصرف، سعید)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۱/۳۲۵، باب في بيان أحكام المصارف، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في البحر الرائق: ۲/۴۲۲، باب المصرف، رشيديه)

(۲) "في التمليك إشارة إلى أنه لا يصرف إلى مجنون وصبي غير مراهق .... ويصرف إلى مراهق يعقل الأخذ". (ردالمحتار: ۲/۳۴۴، باب المصرف، سعيد)

(وكذافي الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۱۹۰ الباب السابع في المصارف، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية: ۲/۲۷۳، باب من توضع الزكاة فيه، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في فتح القدير: ۲/۲۷۰، باب من يجوز دفع الصدقة إليه ومن لايجوز، مصطفى البابي الحلبي مصر)

اقرباء کو زکوٰۃ دینا

سوال[۴۶۴۲]: اگر کسی کا حقیقی بھائی اس قدر غریب ہو کہ جس قدر غریب ہونے پر دینا جائز ہوتا ہے تو کیا بھائی کو بھی زکوٰۃ دی جاسکتی ہے یا نہیں اور اگر جائز نہیں تو اپنے کنبہ میں سے کس کس کو دینا جائز ہے؟ برائے مہربانی تحریر فرمائیں۔ المستفتی محمد یونس ۲۱/ رمضان مبارک۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

بھائی کو زکوٰۃ دینا جائز ہے جب کہ وہ مستحق ہو اور اصول وفروع وزوجین کے علاوہ سب رشتہ داروں کو زکوٰۃ دینا درست ہے جبکہ وہ مصرف زکوٰۃ ہوں: "ولا إلىٰ من بينهما ولادأوزوجية". تنویر۔ وقال ابن عابدین الشامی: "وقيد بالولاد لجوازه لبقية الأقارب كالإخوة والأعمام والأخوال الفقراء". ص: ۶۳(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، ۲۱/ رمضان مبارک/ ۵۳ھ

صحیح: عبد اللطیف، عفا اللہ عنہ مدرسہ مظاہر علوم، ۲۱/ رمضان مبارک/ ۵۳ھ۔

رشتہ داروں میں سب سے مقدم مستحقِ زکوٰۃ

سوال[۴۶۴۳]: زید زکوٰۃ کا مبلغ بجائے انفرادی شکل میں پانچ دس روپیہ تقسیم کرنے کے کسی ایک رشتہ کے مستحق لڑکے کو چن کر مستقل طور سے اس کی پڑھائی کی ذمہ داریاں پوری کرنا چاہتا ہے۔ ایسی صورت میں رشتہ داروں میں کس کا بیٹا یا بیٹی پہلے مستحق قرار پائے گی؟ از روئے شریعت بھائی کا یا بہن کا، خالو کا یا ماموں کا؟ تفصیل سے لکھیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر حاجت میں اور نوعیتِ تعلیم میں سب مساوی ہوں تو بھائی کا لڑکا مقدم ہے، پھر بہن کا، پھر خالہ اور

(۱) (ردالمحتار علی الدرالمختار: ۲/۳۴۶، باب المصرف، سعید)

(وکذا في خلاصة الفتاویٰ: ۱/۲۴۲، الفصل الثامن في أداء الزكاة، امجد اکیڈمی)

(وکذا في التاتارخانية: ۲/۲۷۱، من توضع الزكاة فيه، إدارة القرآن کراچی)

(وکذا في فتح القدير: ۲/۲۷۰، باب من يجوز دفع الصدقة إليه ومن لايجوز، مصطفى البابي الحلبي مصر)

ماموں کا(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۷/۷/۹۱ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ۔

داماد کو زکوٰۃ دینا

سوال[۴۶۴۴]: زید اپنے داماد بکر کو انگریزی تعلیم دلوانا چاہتا ہے اوران کے اخراجات کو مدِ زکوٰۃ سے پورا کرنا چاہتا ہے کہ مثلاً ہر ماہ ایک سو روپیہ دینا چاہتا ہے تو آیا اس طرح زید اپنے داماد کے اخراجات کو مدِ زکوٰۃ سے دے سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

داماد اگر غریب ہے یعنی صاحبِ نصاب (ساڑھے باون تولہ چاندی یا اتنی قیمت نقد کا مالک) نہیں ہے نیز سیّد نہیں ہے تو اس کو زکوٰۃ دینا درست ہے، اس سے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی (۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/۴/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، ۵/۴/۹۰ھ۔

---

(۱) "الأفضل صرف الزكوتين: يعني صدقة الفطر وزكاة المال إلىٰ أحد هؤلاء السبعة الأول: إخوته الفقراء وأخواته، ثم إلى أولادهم ثم إلىٰ أعمامه الفقراء، ثم إلىٰ أخواله وخالاته، ثم ذوى الأرحام الفقراء، الخ" (التاتار خانية: ۲/۲۷۱، باب من توضع الزكاة فيه، إدارة القرآن كراچى)

(وكذا في ردالمحتار: ۲/۳۴۶، باب المصرف، سعيد)

(وكذا في خلاصة الفتاوىٰ: ۱/۲۴۲، الفصل الثامن في أداء الزكاة، امجد اكيڈمى لاهور)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۱۹۰، الباب السابع في المصارف، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق: ۲/۴۲۵، باب المصرف، رشيديه)

(۲) "ويجوز دفعها لزوجة أبيه وابنه، وزوج ابنته، الخ". (ردالمحتار: ۲/۳۴۶، باب المصرف، سعيد)

(وكذافي التاتارخانية: ۲/۲۷۳، باب من توضع الزكاة فيه، إدارة القرآن كراچى)

(وكذا في الفقه الإسلامي وأدلته: ۳/۱۹۷۰، مصارف الزكاة، رشيديه)

کیا نانا، ماموں، چچا مصرفِ زکوٰۃ ہیں؟

سوال[۴۶۴۵]: زید صاحبِ نصاب ہے اور اس کے نانا غریب ہیں، تو نانا کو یا ماموں، چچا کو زید زکوٰۃ دے سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نانا غریب ہونے کے باوجود مصرفِ زکوٰۃ نہیں (۱)، ماموں، چچا اور ان کی اولاد اگر غریب ہوں تو ان کو دے سکتا ہے (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳۰/۶/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ۔

لڑکے کی بیوی کو زکوٰۃ، فطرہ دینا

سوال[۴۶۴۶]: زید اپنے لڑکے کی بیوی کو زکوٰۃ یا صدقۃ الفطر دے سکتے ہیں یا نہیں، جبکہ لڑکا مفرور ہے، چار بچے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

لڑکے کی بیوی کو اگر زکوٰۃ، فطرہ دے تو درست ہے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۱/۸۹ھ۔

غریب بھائی کو زکوٰۃ دینا

سوال[۴۶۴۷]: کیا اپنے حقیقی غریب بھائی کو خوشحال بھائی زکوٰۃ کی رقم دے سکتا ہے؟

---

(۱) (سیأتی تخریجه تحت عنوان: "حاجت مند ماں باپ کو زکوٰۃ دینا"۔)

(۲) (سیأتی تخریجه تحت عنوان: "رشتہ داروں میں سب سے مقدم مستحقِ زکوٰۃ"۔)

(۳) "ویجوز دفعها لزوجة أبیه وابنه وزوج ابنته الخ". (ردالمحتار: ۳۴۶/۲، باب المصرف، سعید)

(وأیضاً تقدم تخریجه تحت عنوان: "داماد کو زکوٰۃ دینا"۔)

الجواب حامداً ومصلیاً:

غریب بھائی کو زکوٰۃ دینا درست ہے بلکہ وہ غیروں سے مقدم ہے(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۱۰/۸۹ھ

زکوٰۃ بھائی اور اس کی اولاد کو

سوال[۴۶۴۸]: ہم دو بھائی چچا تایا کے ہیں اور ایک دادا کی اولاد ہیں، ہمارے دونوں بھائیوں کے علیحدہ علیحدہ بچے ہیں اور ہماری تیسری نسل ہے، ہم میں ایک کی اولاد تنگدست ہے اور ایک کی اولاد زکوٰۃ نکالتی ہے تو وہ زکوٰۃ کے روپے جو کہ تنگدست ہیں ان کو دے سکتے ہیں یا نہیں؟ شریعت کے مطابق آپ مطلع فرمادیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

زکوٰۃ کے پیسے بھائی کو اور بھائی کی اولاد کو دینا درست ہے جبکہ وہ مستحق ہوں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ۔

زکوٰۃ کی رقم ماموں، سالے اور ان کی اولاد کو دینا

سوال[۴۶۴۹]: زکوٰۃ اور قربانی کے چمڑے کی قیمت نانی، ماموں، سالے یا ان تینوں کی اولاد کو بھی دی جاسکتی ہے؟ اگر ان کا گزرِ اوقات بمشکل ہوتا ہے، احکامِ شرعیہ مع دلائل سلیس اردو میں تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

نانی کو تو جائز نہیں، ماموں اور سالے کو جائز ہے، ان دونوں کی اولاد کو بھی جائز ہے نانی کی اولاد میں سے والدہ کو جائز نہیں، خالہ، ماموں اور ان کی اولاد کو جائز ہے:

"(وقوله: أصله) بالجر: أی لا یجوز الدفع إلیٰ أبیه وجده وإن علا، وفیه إشارة إلیٰ أن

---

(۱) (تقدم تخریجه تحت عنوان: ''رشتہ داروں میں سب سے مقدم مستحقِ زکوٰۃ''۔)

(۲) (تقدم تخریجه تحت عنوان: ''رشتہ داروں میں سب سے مقدم مستحقِ زکوٰۃ''۔)

هٰذا الحكم لا يخص الزكوٰة، بل كل صدقة واجبة، لا يجوز دفعها لهم كأحدا لزوجين كالكفارات وصدقة الفطر والنذور، وفيه: بأصله وفرعه؛ لأن مَن سواهم من القرابة يجوز الدفع لهم، وهو أولىٰ لما فيه من الصلة مع الصدقة كالإخوة والأخوات والأعمام والعمات والأخوال والخالات الفقراء، ولهٰذا قال في الفتاویٰ الظهيرية: ويبدأ في الصدقات بالأقارب، ١هـ". بحر: ٢٤٣/٤ (١)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، ۴/۴/۶۰ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف۔

پھوپھی زاد بہن کو زکوٰۃ دینا

سوال[۴۲۵۰]: ۱......اگر زید نے اپنے پھوپھا اور پھوپھی کے انتقال ہو جانے کے بعد اپنی پھوپھی زاد بہن کو بطور پرورش اپنے مکان پر رکھ لیا ہو اور زید اپنی نابالغ بہن کو زکوٰۃ کا روپیہ دینا چاہے تو بدیں صورت صحیح معنیٰ میں ادائیگی ہو جائے گی یا نہیں؟

۲......سوتیلی ماں کی طرف سے لڑکی کے حصہ کا روپیہ مل جانے کے بعد نابالغی یا بالغی ہر دو صورت میں لڑکی مذکور زکوٰۃ کی مستحق ہو سکتی ہے یا نہیں؟ فقط والسلام۔

مرسلہ: حاجی عنایت اللہ، از کھیڑہ افغان، ۱۹/ جنوری/ ۴۸ء۔

الجواب حامداً ومصلياً:

۱،۲......اگر وہ مصرفِ زکوٰۃ ہے یعنی اس کی ملک بقدرِ نصاب نہیں تو اس کو زکوٰۃ دینا درست ہے(۲)۔

---

(١) (البحر الرائق: ٤٢٥/٢، باب المصرف، رشيديه)

وراجع للتفصيل عنوان: "اقرباء کو زکوٰۃ دینا"۔)

(٢) "ويجوز دفعها إلى من يملك أقل من النصاب وإن كان صحيحاً مكتسباً". (الفتاویٰ العالمكيرية: ١٨٩/١، الباب السابع في المصارف، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير: ٢٧٨/٢، باب من يجوز دفع الصدقة إليه ومن لا يجوز، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في البحر الرائق: ٤٢٨/٢، باب المصرف، رشيديه)

اور اس کو دینے سے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی اور اگر وہ مصرفِ زکوٰۃ نہیں یعنی اس کی ملک بقدرِ نصاب ہے جو کہ حاجتِ اصلیہ سے زائد ہے تو زکوٰۃ دینا درست نہیں (۱)، اس مسئلہ میں بالغ اور نابالغ سب کا ایک حکم ہے، نابالغ کا باپ اگر زندہ ہو اور وہ صاحبِ نصاب ہو تو ایسے نابالغ کو بھی زکوٰۃ دینا درست نہیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/ ربیع الثانی/ ۶۷ھ۔

اگر وہ لڑکی نابالغ ویتیم ہے تو زکوٰۃ دینا اس کو جائز ہے لیکن اس پر اول مال پر قبضہ کرانا ضروری ہے، محض اپنے گھر کھانا کھلانا کافی نہیں ہے، اِلّا یہ کہ کھانا دینے کے وقت زکوٰۃ کی نیت کی جائے (۳)۔

نمبر:۲ میں جو ذکر کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے حصہ میں کچھ روپیہ موجود ہے، اگر وہ بقدر نصاب اور جلد وصول ہو سکنے کی امید ہے تو اس کو زکوٰۃ دینا جائز نہ ہوگا (۴)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، ۱۱/ ربیع الاول/ ۶۷ھ۔

---

(۱) "الزكوة هي تمليك مال مخصوص اهـ. أخرج بالتمليك الإباحة، فلاتكفي فيها، فلو أطعم يتيماً ناوياً به الزكوة، لاتجزيه، إلا إذا رفع إليه المطعوم، اهـ". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الزكوة، ص: ۷۱۴، قديمي)

(وكذا في ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الزكوة: ۲/۲۵۷، سعيد)

(وكذا في الدرالمنتقى على هامش مجمع الأنهر، كتاب الزكوة: ۲/۲۸۴، بيروت)

(۲) "(ولا إلى طفله): أي الغني، فيصرف إلى البالغ ولو ذكراً صحيحاً، قهستاني، فأفاد أن المراد بالطفل غير البالغ ذكراً كان أو أنثىٰ، في عيال أبيه أو لا، على الأصح، لما أنه يُعدّ غنياً بغناه".

(ردالمحتار: ۲/۳۴۹، باب المصرف، سعيد)

(وكذا في النهرالفائق: ۱/۴۶۵، باب المصرف، امداديه)

(وكذا في المحيط البرهاني: ۲/۴۳۳، باب المصرف، غفاريه)

(۳) "تمليك، خرج الإباحة، فلو أطعم يتيماً ناوياًالزكاة لا يجزيه، إلا إذا دفع إليه المطعوم، كما لو كان بشرط أن يعقل إلا إذا حكم عليه بنفقتهم". (الدرالمختار: ۲/۲۵۷، كتاب الزكاة، سعيد)

(وكذا في التاتارخانية: ۲/۲۷۵، من توضع الزكاة فيه، إدارة القرآن)

(وكذافي النهر الفائق: ۱/۴۱۲، كتاب الزكاة، امداديه)

(۴) "وفي الفتح: دفع إلى فقيرة لها مهر دين على زوجها يبلغ نصاباً وهو موسر بحيث لوطلبت أعطاها =

دوا کے ذریعہ زکوۃ ادا کرنا

سوال[۴۶۵۱]: زید گھر پر دوا فروخت کرتا ہے، عمر اور دوسرے لوگ دوا کے لئے آتے ہیں جو مستحق زکوۃ ہیں، تو کیا زید اُن کو دوا بہ نیتِ ادائیگی زکوۃ دے سکتا ہے یا نہیں؟ یعنی قیمت بالکل نہ لے۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

دے سکتا ہے، مگر ان پر ظاہر کردے تو اچھا ہے کہ یہ زکوۃ کی مد سے ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

زکوۃ سے طبی امداد

سوال[۴۶۵۲]: دریافت طلب امر یہ ہے کہ زکوۃ کا مصرف اس طبی امدادی فنڈ میں لگایا جاسکتا ہے

= لایجوز، وإن کان لایعطی لوطلبت، جاز". (ردالمحتار: ۳۴۴/۲، کتاب الزکوة، باب المصرف،سعید)

"ولوکان الدین علی مقرّ ملئ أو معسر تجب الزکوة لإمکان الوصول إلیه ابتداء أو بواسطة التحصیل". (الهدایة: ۱۸۷/۱، کتاب الزکوة، شرکت علمیه)

(۱) "ویجزیه أن یعطی من الواجب جنساً آخر من المکیل والموزون أو العروض أوغیر ذلک بقیمته. وهذا عندنا وقد بیّنّاه". (کتاب المبسوط للسرخسی، کتاب الزکوة، باب العشر: ۲۷۰/۱، الجزء الثانی،غفاریه کوئٹه)

(وکذا فی ردالمحتار، کتاب الزکوة، باب زکوة البقر: ۲۸۶/۲، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الزکوة، باب زکوة المال: ۳۹۶/۲، رشیدیه)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الزکوة، الفصل الثانی فی العروض: ۱۷۹/۱، رشیدیه)

(وکذا فی النهر الفائق، کتاب الزکوة، باب زکوة المال: ۴۳۸/۱)

(**سوال**): زکوۃ کے روپے میں سے مستحق زکوۃ کو اگر کپڑے بنا کر دیئے جائیں تو جائز ہے یا نقد دینا ضروری ہے؟

(**الجواب**): زکوۃ کے روپے سے کسی مستحق کو کپڑے بنا کر دیدیئے جاویں، تو یہ بھی درست ہے۔

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، کتاب الزکوة، مسائل مصارف الزکوة، (سوال نمبر: ۳۱۵): ۱۹۶/۶، مکتبه امدادیه ملتان)

یا نہیں؟ اس کا اشتہار یہ ہے:

طبی امدادی فنڈ: ہمارے شہر بھٹکل کی آبادی روز بروز بڑھتی جا رہی ہے اور بیماریوں کی بھی کثرت ہو رہی ہے، ڈاکٹروں کی تعداد بھی بہت بڑھ گئی ہے اور میونسپلٹی کی طرف سے کوئی انتظام نہیں ہے، بعض مسلمان ڈاکٹر غریب اور مزدوروں پر رحم کھا کر یا تو ادھار دوا دے دیتے ہیں یا ان پر مہربانی کرتے ہیں، مگر ہمارے شہر میں کوئی ایسا انتظام نہیں ہے جہاں پر غریب عوام بیماری میں دوا دارو کے لئے کچھ اعانت طلب کر سکیں۔ بعض ایسے مریضوں کو بھی دیکھا گیا ہے جن کو ڈاکٹری مشورے کے مطابق بھٹکل سے باہر جا کر علاج کرنا چاہیے مگر بغیر خرچ اور دوسرے انتظامات نہ ہونے کی وجہ سے گھٹتے رہتے ہیں۔

مجلسِ اصلاح وتنظیم نے اس سلسلے میں بہت غور کیا اور ایک مرتبہ ڈاکٹروں کو بلا کر مشورے بھی کئے، آخر ہم نے یہ طے کر لیا ہے کہ مجلس کے زیر اہتمام ایک طبی امدادی فنڈ قائم کیا جائے تاکہ قوم کے امیر لوگ تعاون کر کے مجبور اور غریب مریضوں کو کچھ سہارا دے سکیں، ابھی ہم لوگوں کو اور بھی ضرورت ہے تاکہ اپنی عورتوں کی پریشانیوں کا کچھ مداوا کر سکیں۔

۱- اس فنڈ سے غریب مریضوں کو ان کی دوا دارو کے لئے ان کی مدد کی جائے گی۔

۲- مریضوں کے لئے ضروری چیزیں خرید کر رکھی جائیں گی اور ضرورت پر ان کو استعمال کے لئے دی جائیں گی۔

۳- غریب مریض کے لئے ڈاکٹروں کے دیئے ہوئے مشورے پر عمل کرانے کی کوشش کی جائے گی۔

۴- امکان میں ہوا تو مسلمان ڈاکٹروں کی خدمات حاصل کر کے غریبوں کے لئے خیراتی دواخانہ کی صورت پیدا کی جائے گی۔ یہ سب کچھ جب ہی ممکن ہے جب ہمارے طبی امدادی فنڈ میں دل کھول کر اپنا عطیہ عطا کریں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر دوائیں بنا کر جن کی قیمت مقدار واجب (زکوٰۃ) ہو، غرباء ومستحقین کو تملیکاً دیدی جائیں تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی، یہی حکم صدقۃ الفطر اور قیمتِ چرمِ قربانی کا ہے(۱)۔ ہسپتال میں مستحق اور غیر مستحق دونوں قسم کے

(۱) "ویشترط أن یکون الصرف تملیکاً لا إباحةً کما مر، لایصرف إلی بناء نحو مسجد ....إن =

آدمی آتے ہیں، دوا بھی اکثر اوقات تملیکاً نہیں دی جاتی، ان دونوں باتوں کی رعایت اگر کی جائے تو زکوٰۃ ادا ہونے میں تردد نہیں رہے گا۔ اگر ہسپتال میں زکوٰۃ کا روپیہ دیا گیا اور اس سے ذمہ داروں نے دوا منگانے، بنوانے کی مزدوری دی تو اتنی مقدار زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی، غرض ادائے واجب کے لئے معاملہ کی پوری تفتیش لازم ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۹/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۹/۸۸ھ۔

تبلیغی جماعت کو زکوٰۃ دینا

سوال [۴۲۵۳]: زکوٰۃ کی رقم تبلیغی جماعت کے افراد پر خرچ کر سکتے ہیں یا نہیں اور یہ کہنا کہ زکوٰۃ کا صحیح مصرف تبلیغی جماعت ہے، کیا یہ صحیح ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ مصرفِ زکوٰۃ ہیں تو ان پر صرف کرنا درست ہے (۱)، لیکن مصرفِ صحیح کو ان میں منحصر کرنا صحیح نہیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

= الحيلة أن يتصدق على الفقير، ثم يأمر بفعل هذه الأشياء، الخ (الدرالمختار). "(قوله: نحو مسجد) كبناء القناطر، والسقايات، وإصلاح الطرقات، و كرى الأنهار، والحج، والجهاد، وكل مالا تمليك فيه". (ردالمحتار: ۲/۳۴۴، باب المصرف، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۱۸۸، الباب السابع في المصارف، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۲/۱۲۰ باب المصرف، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في المحيط البرهاني: ۲/۴۳۳، الفصل الثامن من توضع الزكاة فيه، غفاريه)

(۱) "هي تمليك جزء مال عيّنه الشارع من مسلم فقير، غير هاشمي، ولا مولاه مع قطع المنفعة عن المملّك من كل وجهٍ لله تعالىٰ". (الدرالمختار: ۲/ ۲۵۶، ۲۵۸، كتاب الزكوٰة، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۲/۱۷، كتاب الزكوٰة، دار الكتب العلمية، بيروت)

(وكذافي البحر الرائق: ۲/۳۵۲، كتاب الزكوٰة، رشيديه)

(۲) "أما قوله تعالىٰ: ﴿و في سبيل الله﴾ [التوبة: ۶۰] عبارة عن جميع القرب، فيدخل فيه كل من سعىٰ =

نادار طلبہ کو زکوۃ دینا

سوال[۴۶۵۴]: یہاں ایک مدرسہ اسلامیہ ہے جس کا خرچ آمد سے زیادہ ہے اس لئے چندہ کیا جاتا ہے، کچھ لوگ زکوۃ دیتے ہیں، ویسے ہم خود زکوۃ کا روپیہ لینے سے احتیاط برتتے ہیں، تملیک کو ہم بہتر نہیں سمجھتے اس لئے زکوۃ کم ہی آتی ہے۔ آپ ہمیں بتائیں کہ اگر اتفاق سے زکوۃ آجائے تو ہم اس کو کسی ایسے آدمی کے بچوں پر خرچ کر سکتے ہیں جو بظاہر صاحبِ نصاب نہیں ہے اور خود دار بھی ہے؟ اگر اس سے کہا جائے کہ تمہارے بچوں کے سلسلہ میں کتابوں کا روپیہ اتنا ہوگیا ہے وہ ادا کردو اور وہ مجبوری ظاہر کرے اس پر ہم اس سے کہیں کہ ہم ان کتابوں کا روپیہ زکوۃ کی مد سے ادا کردیں تو وہ اپنی خودداری کی وجہ سے اس پر آمادہ بھی نہ ہو تو ہم بغیر اس پر ظاہر کئے اس کے بچوں کو ماہانہ وظیفہ مدرسہ سے دے سکتے ہیں یا مدرسہ کے نام پر آئی ہوئی زکوۃ کو بیواؤں، لاچاروں وتنگ دست کو دے سکتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

زکوۃ لینے سے جب آپ احتیاط کرتے ہیں تو بہتر یہی ہے کہ جو شخص دے اس کو بھی انکار کردیں، تاہم نادار طالب علم کو زکوۃ کا پیسہ یا مدِ زکوۃ سے قاعدہ، پارہ تملیکاً دینے سے زکوۃ ادا ہو جائے گی جب کہ وہ طالب علم سمجھدار ہو، اور مالکانہ قبضہ کی اہلیت رکھتا ہو بالکل چھوٹا ناسمجھ نہ ہو(۱)۔

مدرسہ میں خرچ کرنے کے لئے جو زکوۃ آئے اس کو بیواؤں اور مدرسہ سے غیر متعلق لاچاروں پر صرف کرنے کا حق نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۴/۲۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ۔

= في طاعة الله وسبيل الخيرات إذا كان محتاجاً". (بدائع الصنائع: ۲/۲۷۱، فصل في الذی يرجع إلى المؤدی، دار الكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في البحر الرائق: ۲/۴۲۲، باب المصرف، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق: ۱/۴۶۱، باب المصرف، امداديه)

(۱) "في التمليك إشارة إلى أنه لا يصرف إلى مجنون وصبي غير مراهق ......ويصرف إلى مراهق يعقل =

نادار طلبہ کو زکوۃ دینا

سوال[۴۶۵۵]: یہاں ایک مدرسہ اسلامیہ ہے جس کا خرچ آمد سے زیادہ ہے، اس لئے چندہ کیا جاتا ہے، کچھ لوگ زکوۃ دیتے ہیں، ویسے ہم خود زکوۃ کا روپیہ لینے سے احتیاط برتتے ہیں، تملیک کو ہم بہتر نہیں سمجھتے، اس لئے زکوۃ کم ہی آتی ہے۔ آپ ہمیں بتائیں کہ اگر اتفاق سے زکوۃ آجائے تو ہم اس کو کسی ایسے آدمی کے بچوں پر خرچ کرسکتے ہیں جو بظاہر صاحبِ نصاب نہیں ہے اور خوددار بھی ہے؟ اگر اس سے کہا جائے کہ تمہارے بچوں کے سلسلہ میں کتابوں کا روپیہ اتنا ہوگیا ہے وہ ادا کردو اور وہ مجبوری ظاہر کرے، اس پر اگر ہم اس سے کہیں کہ ہم ان کتابوں کا روپیہ زکوۃ کی مد سے ادا کردیں تو وہ اپنی خودداری کی وجہ سے اس پر آمادہ بھی نہ ہو، تو ہم بغیر اس پر ظاہر کئے اس کے بچوں کو ماہانہ وظیفہ مدرسہ سے دے سکتے ہیں، یا مدرسہ کے نام پر آئی ہوئی زکوۃ کو بیواؤں لاچاروں وتنگ دست کو دے سکتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

زکوۃ لینے سے جب آپ احتیاط کرتے ہیں تو بہتر یہی ہے کہ جو شخص دے اس کو بھی انکار کردیں۔ تاہم نادار طالبِ علم کو زکوۃ کا پیسہ یا مدِّ زکوۃ سے قاعدہ پارہ تملیکاً دینے سے زکوۃ ادا ہوجائے گی جب کہ وہ طالب علم سمجھدار ہو، اور مالکانہ قبضہ کی اہلیت رکھتا ہو، بالکل چھوٹا ناسمجھ نہ ہو(۱)۔ مدرسہ میں خرچ کرنے کے لئے جو زکوۃ

= الأخذ". (ردالمحتار: ۲/۳۴۴، باب المصرف، سعید)

(وكذافي الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۱۹۰ الباب السابع في المصارف، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية: ۲/۲۷۳، باب من توضع الزكاة فيه، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في فتح القدير: ۲/۲۷۰، باب من يجوز دفع الصدقة إليه ومن لايجوز، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۱) "(الزكوة: هي تمليك) خرج الإباحة، فلو أطعم يتيماً ناوياً الزكاة، لايجزيه، إلا إذا دفع إليه المطعوم كما لوكساه بشرط أن يعقل القبض، اهـ". (الدرمختار). "(قوله: خرج الإباحة): أي فلا تكفي فيها .... (قوله: إذا دفع الخ) مقيّدٌ بما إذا لم يكن أبوه غنياً؛ لأنه يعدّ غنياً لِغنىٰ أبيه .... ومنه علم أنه لايشترط في المدفوع إليه البلوغُ بل ولا العقل؛ لأنَّ تمليك الصبي صحيحٌ، لكن إن لم يكن عاقلاً فإنه يقبض عنه وصيّه أو أبوه أو مَن يعوله، قريباً أو أجنبياً أو الملتقط. وإن كان عاقلاً فقبض مَن ذُكر، وكذا قبضه بنفسه، اهـ". .... =

آئے اس کو بیواؤں اور مدرسہ سے غیر متعلق لاچاروں پر صَرف کرنے کا حق نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۴/۲۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۴/۲۷ھ۔

حاجت مند ماں باپ کو زکوٰۃ دینا

سوال[۴۶۵۶]: کسی شخص کی ایک لڑکی ہے جس کی شادی ہوگئی ہے تو اب اس لڑکی پر اپنے ماں باپ کا نفقہ تو واجب ہے نہیں تو لڑکی اپنے باپ یا ماں کو زکوٰۃ کی رقم دے سکتی ہے جبکہ اس کے ماں باپ محتاج ہوں؟ اگر زکوٰۃ نہیں دے سکتی تو کیا اس لڑکی کے ذمہ امداد واجب ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ان کو زکوٰۃ دینا درست نہیں ہے (۱) اگر وہ حاجت مند ہوں تو ان کا نفقہ بھی واجب ہے، صلہ رحمی کے طور پر بھی امداد کی جائے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

= (وكذا في الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الزكوة: ۲/۲۵۶، ۲۵۷، سعيد)

(وكذا في التاتارخانية: ۲/۲۷۵، من توضع الزكاة فيه، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۱/۲۸۴، كتاب الزكوة، دارالكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في البحر الرائق: ۲/۲۴۴، باب المصرف، رشيديه)

(وكذا في حاشية الطحطاوی على الدرالمختار: ۱/۳۸۸، دارالمعرفة، بيروت)

(۱) "ولا يدفع المزكي زكاة ماله إلىٰ أبيه وجده وإن علا". (الهداية: ۱/۲۰۶، باب من يجوز دفع الصدقة إليه ومن لايجوز، شركة علمية ملتان)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۱۸۸، الباب السابع في المصارف، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۲/۱۲۲، باب المصرف، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) "فلا تدفع الزكاة إلى الوالدين وإن علوا .... لأن نفقتهم واجبة على المزكي، الخ". (الفقه الإسلامي وأدلته: ۳/۱۹۶۸، مصارف الزكاة، رشيديه)

البتہ صدقاتِ نافلہ والدین کو دینا جائز ہے: .... =

والد اور سوتیلی والدہ کو زکوٰۃ دینا

سوال[۴۶۵۷]: ایک صاحب نصاب ہے وہ اپنے والدین سے علیحدہ رہتا ہے، والد اس کے ضعیف ہیں اور روزگار کچھ نہیں ہے، والد صاحب کے دوسری بیوی سے ۶، ۷/ بچے ہیں جن میں سے صرف ایک بالغ ہے وہ بھی جاہل اور بے روزگار ہے، ذریعۂ آمدنی کچھ نہیں۔ کیا ایسی صورت میں بیٹا والدین کو یعنی والد اور سوتیلی ماں کو جو کہ سادات سے نہیں اگر چہ والد سید ہیں زکوٰۃ دے سکتا ہے؟ زکوٰۃ کے علاوہ جو پیسہ بمدِ خیرات اپنی کمائی میں سے نکالتا ہے وہ بھی دے سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

باپ کو زکوٰۃ دینا تو کسی حال میں درست نہیں (۱)، سوتیلی ماں کو زکوٰۃ دینا جب کہ وہ مصرفِ زکوٰۃ ہو یعنی صاحب نصاب اور سید نہ ہو درست ہے (۲)۔ خیراتِ غیر واجبہ دونوں (والدین) کو دینا جائز ہے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف۔

= "وأما صدقة التطوع: فيجوز دفعها إلى هولاء والدفع إليهم أولىٰ؛ لأن فيه أجرين: أجر الصدقة و أجر الصلة، الخ". (بدائع الصنائع: ۲/۴۸۴، فصل في الذي يرجع إلى المؤدي إليه، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في المحيط البرهاني: ۲/۴۳۳، باب من توضع الزكاة فيه، غفاريه)

(وكذا في التاتارخانية: ۲/۲۷۳، من توضع الزكاة فيه، إدارة القرآن كراچی)

(۱) (تقدم تخريجه تحت عنوان: "حاجت مند ماں باپ کو زکوٰۃ دینا"۔)

(۲) "ويجوز دفعها لزوجة أبيه وابنه وزوج ابنته، الخ". (ردالمحتار: ۲/۳۴۶، باب المصرف، سعيد)

(وكذافي التاتارخانية: ۲/۲۷۳، باب من توضع الزكاة فيه، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في الفقه الإسلامي وأدلته: ۳/۱۹۷۰، مصارف الزكاة، رشيديه)

(۳)"فلا تدفع الزكاة إلى الوالدين وإن علوا .... لأن نفقتهم واجبة على المزكي، الخ". (الفقه الإسلامي وأدلته: ۳/۱۹۶۸، مصارف الزكاة، رشيديه) .... =

جن اقرباء وغیرہ کو زکوٰۃ نہیں دے سکتے

سوال[۴۶۵۸]: زکوٰۃ جن لوگوں کو نہ دی جائے ان کے نام تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداومصلیاً:

''اصول''ماں: باپ، دادا، دادی، نانا، نانی، وغیرہ۔''فروع'': بیٹا، بیٹی، پوتا، پوتی، نواسہ، نواسی وغیرہ۔''زوجین'': شوہر بیوی، ان رشتہ داروں کو زکوٰۃ نہ دی جائے (۱)، بقیہ رشتہ داروں کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے، سادات کرام کو بھی زکوٰۃ نہ دی جائے، نیز صاحبِ نصاب کو زکوٰۃ نہ دی جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۸/۲۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۸/۲۹ھ۔

سادات کو زکوٰۃ دینا

سوال[۴۶۵۹]: سیدوں کو زکوٰۃ، عشر، صدقاتِ واجبہ مثل فطرہ، نذر ونیاز دینی جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداومصلیاً:

جائز نہیں:

"ولا إلیٰ بني هاشم، وجازت التطوعات من الصدقات، الخ"۔ "قید بها لیخرج بقیة الواجبات کالنذر والعشر والکفارات". درمختار، شامی(۲)۔ فقط اللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

= البتہ صدقاتِ نافلہ والدین کو دینا جائز ہے:

"وأما صدقة التطوع: فیجوز دفعها إلی هؤلاء والدفع إلیهم أولیٰ؛ لأن فیه أجرین: أجر الصدقة و أجر الصلة، الخ". (بدائع الصنائع: ۴۸۴/۲، فصل في الذي یرجع إلی المؤدی إلیه، دار الکتب العلمیة بیروت)

(وکذا في المحیط البرهاني: ۴۳۳/۲، باب من توضع الزکاة فیه، غفاریه)

(وکذا في التاتارخانیة: ۲۷۳/۲، من توضع الزکاة فیه، إدارة القرآن کراچی)

(۱) (تقدم تخریجه تحت عنوان: ''مصارفِ زکوٰۃ''۔)

(۲) (الدرالمختار مع رد المحتار: ۳۵۱/۲، باب المصرف، سعید) .... =

سیّد کو زکوٰۃ دینا

سوال[۴۶۶۰]: سید کو زکوٰۃ دینی ناجائز ہے جبکہ آج کل ہندوستان بھر میں کہیں بھی بیت المال کا سلسلہ نہیں تو ان کی امداد کیسے ہوسکتی ہے؟ وہ بیچارے کہاں جاویں، کیا وہ اس صورت میں زکوٰۃ کے مستحق ہوسکتے ہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداومصلیاً:

اغنیاء کو ان کی خدمت تبرعات سے کرنا چاہئیے، زکوٰۃ تو میل کچیل ہے، سادات کی شان اس سے ارفع ہے کہ ان کو میل کچیل کھلایا جائے:

"ولاتدفع إلی بني هاشم لقوله علیه السلام:" یا بني هاشم! إن الله قد حرم علیکم غسالة الناس وأوساخهم، اھ". هدایه: ۱/۱۸٦(۱)۔

قال في البحر:"أطلق الحکم في بني هاشم، ولم یقید بزمان ولابشخص للإشارة إلی

= "ولایدفع إلی بني هاشم، وهم آل علي، وآل عباس، وآل جعفر، وآل عقیل، وآل الحارث بن عبدالمطلب......... هذافي الواجبات کالزکاة والنذر والعشر والکفارات، فأماالتطوع، فیجوزالصرف إلیهم". (الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۱۸۹، الباب السابع في المصارف،رشیدیه)

(وکذا في إعلاء السنن: ۹/۹۳،باب من یجوز دفع الصدقات إلیه، إدارة القرآن کراچی)

(وکذا في بدائع الصنائع: ۲/۴۸۲، فصل: الذي یرجع إلی المؤدي إلیه، دارالکتب العلمیة، بیروت)

(وکذافي فتح القدیر: ۲/۲۷۲ باب من یجوز دفع الصدقة إلیه ومن لایجوز، مصطفی البابي الحلبي مصر)

(وکذا في البحر الرائق: ۲/۴۲۹،باب المصرف، رشیدیه)

(وکذا في مرقاة المفاتیح: ۴/۲۳۵،باب من لا تحل له الصدقات، رشیدیه)

(وکذا في مجمع الأنهر: ۱/۳۳۰،باب بیان أحکام المصرف،دارالکتب العلمیة، بیروت)

(وکذا في التاتارخانیة: ۲/۲۷۴،باب من توضع الزکاة فیه، إدارة القرآن کراچی)

(وکذا في النهر الفائق: ۱/۴۶۵،باب المصرف،امدادیه)

(۱) (الهدایه: ۱/۲۰٦ باب من یجوز دفع الصدقة إلیه ولایجوز، شرکت علمیه) ....=

الرد علی روایة أبی عصمة عن الإمام أنه یجوز إلی بنی هاشم فی زمانه، وللإشارة إلی الرد علی روایة أنه یجوز للهاشمی أن یدفع زکوته إلی مثله؛ لأن ظاهر الروایة المنع مطلقاً، اهـ"(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: عبداللطیف، الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۱۴/۱۰/۵۶ھ۔

سیّد کو زکوٰۃ دینا

سوال[۴۲۶۱]: ۱......اس زمانہ میں سیّدوں کو زکوٰۃ دینا جائز ہے یا ناجائز؟

۲......کیا حضرت امام ابوجعفر وامام فخر الدین رازی نے اپنے زمانوں میں سیدوں کو زکوٰۃ دینی جائز کردی تھی یا نہیں؟ شرح ترمذی میں کہیں لکھا ہے یا نہیں؟

۳......کیا حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے بھی کوئی روایت شامی وفتح القدیر میں سیدوں کو زکوٰۃ دینے کے جواز میں ہے یا نہیں؟

۴......"من لم یکن عالماًبعرف زمانه فهو جاهل"، یہ کوئی فقہ حنفیہ میں بنیادی یا اصولی مسئلہ ہے، زمانہ حال کے بموجب ضروریات کو مدنظر رکھتے ہوئے مجتہد یا مفتی بعض احکام میں ردوبدل کرسکتے ہیں یا نہیں؟ اس سے قبل مجتہدوں ومفتیوں نے کچھ احکام میں ردوبدل کیا ہے؟

۵......اگر کسی شخص نے بعض مفتی علماء کے کہنے پر سیدوں کو زکوٰۃ دیدی اور کچھ عرصہ کے بعد معلوم ہوا کہ سیدوں کو زکوٰۃ دینی جائز نہیں تو وہ دی ہوئی زکوٰۃ کو دوبارہ دے یا نہ دے اگر نہ دے، تو گناہ ہوگا یا نہیں؟ اور ایسے علماء جیسے مولانا انور شاہ صاحب، حضرت مولانا شفیع الدین صاحب مہاجر مکی خلیفۂ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب ودیگر علماء: مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب دیوبندی ندوۃ المصنفین، مولوی محمد معصوم صاحب، مولوی عبد الغفور صاحب مدنی جیسے حضرات نے سیدوں کو زکوٰۃ دینی جائز فرمائی تو اس کو دی ہوئی زکوٰۃ کو لوٹانا واجب ہے یا

---

(۱) (البحر الرائق: ۲/۴۳۱ باب المصرف، رشیدیه)

(وکذا فی التاتارخانیة: ۲/۲۷۴، باب من توضع الزکاة فیه، إدارة القرآن کراچی)

(وکذا فی ردالمحتار: ۲/۳۵۰ باب المصرف، سعید)

نہیں؟ اگر نہ لوٹائے تو بتایئے گناہ گار رہوگا یا نہیں؟

۶...... بہشتی زیور (۱) میں یہ مسئلہ ہے کہ ''ایک شخص کو مستحق سمجھ کر زکوٰۃ دیدی تھی، پھر معلوم ہوا کہ وہ مالدار ہے یا سید ہے، یا اندھیری رات میں کسی کو دیدی پھر معلوم ہوا کہ وہ تو میری ماں یا میری لڑکی تھی یا اَور کوئی رشتہ دار تھا جس کو زکوٰۃ دیدی جس کو دینا درست نہ تھا، ان سب صورتوں میں زکوٰۃ ادا ہوگئی، دوبارہ ادا کرنا واجب نہیں۔ اگر دینے کے بعد معلوم ہوا کہ جس کو دیا ہے وہ کافر ہے تو زکوٰۃ دوبارہ ادا کرے۔ درمختار: ۱۰۸/۲ (۲)، هدایه: ۱۸۹/۱ (۳)۔

المستفتی: حافظ محمد سعید (دہلی)۔

الجواب حامداً ومصلياً:

۱...... سید کو زکوٰۃ دینا درست نہیں: "أوهاشمي: أي لايجوز دفعها إلى بني هاشم لقوله عليه السلام: "إن هذه الصدقات إنما أوساخ الناس، وإنها لاتحل لمحمد ولالآل محمد". رواه مسلم. وقال عليه الصلوة والسلام: "نحن أهل بيت، لا تحل لنا الصدقة". رواه البخاري. اهـ" زيلعي: ۳۰۳ (٤)۔

۲...... جی ہاں ''عقد الجید'' سے نقل کیا ہے (۵) لیکن ابوجعفرؒ نے ''شرح معانی الآثار'' میں تین ورق

---

(۱) (بہشتی زیور، حصہ دوم، ص: ۲۴۹، کتاب الزکوۃ، جن لوگوں کو زکوۃ دینا جائز ہے ان کا بیان، المکتبة المدينة، لاهور)

(۲) "دفع بتحر لمن يظنه مصرفاً فبان أنه عبده أو مكاتبه أو حربي ولو مستأمناً أعادها". (الدرالمختار: ۳۵۲/۲، كتاب الزكوة، باب المصرف، سعيد)

"والحق المنع فقد قال في غاية البيان مغرياً إلى التحفة: "وأجمعوا أنه إذا اظهر أنه حربي ولو مستأمناً لايجوز". (البحر الرائق: ۴۳۲/۲، كتاب الزكوة، باب المصرف، رشيديه)

(۳) (الهداية: ۲۰۷/۱، كتاب الزكوة، باب من يجوز دفع الصدقات إليه ومن لايجوز، شركة علمية، ملتان)

(۴) (تبيين الحقائق: ۱۲۶/۲، باب المصرف، دارالكتب العلمية، بيروت)

(۵) "باب كراهية الصدقة للنبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وأهل بيته ومواليه المسئلة متفق عليها الخ. وأماالنافلة ففيها اختلاف، قال الزيلعي شارح الكنز: إنها لايجوز للهاشمي، وتبعه ابن الهمام، وأما غيره=

کے قریب بنی ہاشم کے لئے زکوٰۃ کے ناجائز ہونے پر تحریر فرمائے ہیں (۱) اور اسی شرح ترمذی میں ہے، ص:۲۹۲"باب کراهة الصدقة للنبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وأهل بيته ومواليه، المسئلة متفق عليها"(۲) اورامام رازیؒ شافعی المذھب ہیں(۳)۔

۳......فتح القدیر(۴)اورشامی(۵)وغیرہ میں ابوعصمۃ کی روایت امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ سے جواز کی نقل کی ہے جوکہ ظاہرالروایہ کے خلاف ہے(۶)۔

۴......اس کا مطلب یہ ہے کہ جن احکام کا مدار عرف پر ہوتا ہے وہ عرف کے بدلنے سے بدلتے رہتے ہیں، لہٰذا مفتی کو عرف کا پہچاننا ضروری ہے تاکہ اس کے موافق خود عمل کرے اور دوسروں کو بتلائے، اگر عرف کو نہیں پہچانے گا تو غلطی کا احتمال زیادہ ہے، اس کی نظیریں زمانہ گذشتہ اور موجودہ میں بکثرت موجود ہیں(۷)۔

= فيجوّز ها له ......اهـ".

"وفي عقد الجيد: افتى الطحاوى من الحنفية وفخرالدين الرازى من الشافعية بجواز الزكاة للهاشمي في هذه الصورة، وأماالنبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فلاتجوز له النافلة أيضاً". (العرف الشذي على هامش الترمذي، باب كراهية الصدقة للنبي صلى الله عليه وسلم: ۱/۱۴۳، سعيد)

(۱) (شرح معاني الآثار، كتاب الزكوة، باب الصدقة على بني هاشم: ۱/۳۴۷-۳۵۳، سعيد)

(۲) (راجع الحاشية رقمها: ۱)

(۳) (راجع، ص: ۵۵۴، رقم الحاشية: ۵)

(۴) (فتح القدير: ۲/۲۷۲، باب من يجوز دفع الصدقة إليه ومن لايجوز، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذافي التاتارخانية: ۲/۲۷۴، باب من توضع الزكاة فيه، إدارة القرآن كراچي)

(۵) (ردالمحتار: ۲/۳۵۰، باب المصرف، سعيد)

(۶) "ولايدفع إلى بني هاشم". هذا ظاهر الرواية وروى أبو عصمة عن أبي حنيفة أنه يجوز في هذا الزمان". (فتح القدير: ۲/۲۷۲، كتاب الزكوة، باب من يجوز دفع الصدقة إليه ومن لايجوز، مصطفىٰ البابي الحلبي، مصر)

(۷) "واعلم أن اعتبار العادة والعرف رجع إليه في مسائل كثيرة حتى جعلوا ذلك أصلاً، فقالوا في الأصول، في باب ما تترك به الحقيقة: تترك الحقيقة بدلالة الاستعمال والعادة، هكذا ذكر فخرالإسلام". (رسائل ابن عابدين: ۲/۱۱۴، سهيل اكيڈمی) ...... =

۵،۶...... میں نے ان علماء کی کوئی تحریر اس مسئلہ میں ایسی نہیں دیکھی جس سے معلوم ہوتا ہو کہ سید کو زکوٰۃ دینی جائز ہے، بلکہ حضرت مولانا انور شاہ صاحبؒ کی عبارت جواب نمبر:۲ میں منقول ہے، تاہم اگر کسی ناواقف نے ان حضرات سے فتویٰ لے کر سید کو زکوٰۃ دی ہے اور اس کا یہی اعتقاد ہے کہ ان حضرات نے صحیح بتایا ہے تو اس کے ذمہ اس زکوٰۃ کا اعادہ ضروری نہیں۔ رہا ان حضرات کا گناہ گار ہونا نہ ہونا تو یہ سائل کا سوال بے محل ہے، سائل کو اس سے کچھ غرض نہیں، یہ حضرات اپنے علم کے مطابق جو کچھ فتویٰ دیتے ہیں اپنی ذمہ داری پر دیتے ہیں۔

نمبر:۵ کا حکم مستقلاً معلوم ہو گیا، اس مسئلہ کو نمبر:۶ والے مسئلہ پر قیاس کرنا صحیح نہیں، اس لئے کہ نمبر:۶ میں مسئلہ کا علم صحیح طور پر حاصل ہے، غلطی جو کچھ ہوئی وہ عمل میں ہوئی اور وہ تحری کے بعد عملی غلطی شرعاً معاف ہے اور نمبر:۵ میں علم واعتقاد ہی غلط ہے اور عمل جو کچھ کیا ہے اعتقاد کے مطابق کیا ہے اور اعتقادی غلطی، نیز ایسی غلطی جو کہ اعتقادی غلطی پر مرتب ہو شرعاً معاف نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اُتم واُحکم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/۱۰/۶۱ھ۔

الجواب صحیح: عبد اللطیف مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۲/شوال/۶۱ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

سیّد کی زکوٰۃ سیّد کو دینا

سوال[۴۲۶۲]: کیا سید مالدار اپنے غریب مسکین رشتہ داروں کو زکوٰۃ دے سکتا ہے یا نہیں؟ اگر سید طالب علم سفر میں ہو تو کیا زکوٰۃ کے مال سے کچھ کھا پی سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ناجائز ہے یہی صحیح اور صواب ہے: ''ولا إلی بني هاشم، ظاهر المذهب إطلاق المنع، وقول

= (وكذا في الأشباه والنظائر: ۱/۲۶۸، القاعدة السادسة العادة محكمة، إدارة القرآن كراچی)

نوٹ: بعینہ یہی سوال کفایۃ المفتی میں موجود ہے، مزید برآں جواز کے فتویٰ دینے والے علماء کرام کے فتاویٰ بھی موجود ہیں، تفصیل کے لئے دیکھئے: (كفاية المفتی: ۴/۲۷۱، مصارف زکوٰۃ، دار الاشاعت)

العینی: "والهاشمی یجوز دفع زکوته لمثله". صوابه: "لایجوز، نهر" اھ". درمختار: ۲/۱۰۱ (۱)۔فقط واللہ اعلم۔

زکوٰۃ سے سیّد کا قرض ادا کرنا

سوال[۴۲۶۳]: زید جونسباً سید ہے اور عمر کا مقروض ہے، بکر صاحبِ نصاب ہے، وہ اگر زکوٰۃ کے روپیہ سے زید کا قرض ادا کردے اس طرح سے کہ زکوٰۃ کا روپیہ عمر کو دیدے اور زید کو اس کی خبر کردے تو کیا یہ جائز ہے؟ اور بکر کی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس طرح قرض تو ادا ہو جائے گا مگر زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی (۲)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/۶/۹۱ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۶/۹۱ھ۔

---

(۱) (الدر المختار: ۲/۳۵۰، باب المصرف، سعید)

" وإطلاقه يفيد أنه لافرق بين دفع غيرهم لهم ودفعهم بعضهم بعضاً، وجوّز الثاني دفع بعضهم لبعض، وهو رواية عن الإمام، وقول العيني: "والهاشمي يجوز له أن يدفع زكاته إلى هاشمي مثله عند أبي حنيفة خلافاً لأبي يوسف"، صوابه: "لايجوز". (النهر الفائق: ۱/۴۶۶، باب المصرف، امداديه)

(وكذافي مجمع الأنهر: ۱/۳۳۱، باب في بيان أحكام المصرف، دارالكتب العلمية، بيروت)

(وكذافي فتح القدير: ۲/۲۷۲، بـاب من يجوز دفع الصدقة إليه ومن لايجوز، مصطفى البابي الحلبي، مصر)

(۲) "وجازت التطوعات من الصدقات والأوقاف لهم أي لبني هاشم، سواء سماهم الواقف أولا على ماهو الحق كما حققه في الفتح لكن في السراج وغيره إن سماهم جاز، وإلا لا". (الدر المختار مع ردالمحتار: ۲/۳۵۱، سعيد)

"ولايدفع إلى بني هاشم وهم: آل علي وآل عباس، وآل جعفر، وآل عقيل، وآل الحارث بن عبدالمطلب.....هذافي الواجبات كالزكاة والنذر والعشروالكفارات، فأماالتطوع، فيجوز الصرف إليهم". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۱۸۹، الباب السابع في المصارف، رشيديه) .... =

سادات اور انگریزی پڑھنے والے طلبہ کو زکوٰۃ دینا

سوال[۴۲۶۴]: کیا اس زمانہ میں سادات کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے؟ انگریزی تعلیم پر زکوٰۃ کی رقم صرف کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداومصلیاً:

ابوعصمہ کی روایت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے یہ ہے کہ ''بیت المال سے حصہ (خمس الخمس) نہ ملنے کی وجہ سے بنوہاشم کے لئے زکوٰۃ درست ہے کذا فی الدرمختار: ۱/۹۱(۱)۔ امام طحاوی نے بھی اس کو اختیار کیا ہے، کذافی مراقی الفلاح، ص:۲۹۳(۲)، لیکن ظاہر روایت یہ ہے کہ درست نہیں (۳)۔ اگر

= (وكذا في إعلاء السنن: ۹/۹۳،باب من يجوز دفع الصدقات إليه، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في بدائع الصنائع: ۲/۴۸۲فصل الذی يرجع الی المؤدی اليه، دارالكتب العلمية، بيروت)

(وكذافي فتح القدير: ۲/۲۷۲، باب من يجوز دفع الصدقة إليه ومن لايجوز، مصطفى البابى الحلبى مصر)

(وكذا في البحرالرائق: ۲/۴۲۹،باب المصرف، رشيديه)

(وكذا في مرقاة المفاتيح: ۴/۲۳۵،باب لا تحل له الصدقات، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۱/۳۳۰،باب بيان أحكام المصرف،دارالكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في التاتارخانية: ۲/۲۷۴، باب من توضع الزكاة فيه، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في النهر الفائق: ۱/۴۶۵،باب المصرف،امداديه)

(۱) "وروى أبو عصمة عن الإمام أنه يجوز الدفع إلى بني هاشم في زمانه؛ لأن عوضها وهو خمس الخمس لم يصل إليهم". (ردالمحتار: ۲/۳۵۰، باب المصرف، سعيد)

(۲) "واختار الطحاوی دفعهالبنی هاشم، وكذا روى أبو عصمة عن الإمام: يجوز، الخ". (حاشية الطحطاوی على مراقی الفلاح،ص: ۷۲۱، باب المصرف، قديمی)

(۳) "ولا يدع إلى بنی هاشم" هذا ظاهر الرواية". (فتح القدير: ۲/۲۷۲، كتاب الزكوة، باب من يجوز دفع الصدقة إليه ومن لايجوز، مصطفىٰ البابی الحلبی، مصر)

مستحق کو تملیک کردیجائے تو زکوۃ ادا ہو جائے گی اگر چہ وہ انگریزی پڑھتا ہو لیکن دیندار کو دینا افضل ہے(۱)۔

فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

سادات کو بینک کا سود اور زکوۃ دینا

سوال[۴۶۶۵]: پچھلے دنوں شری وردھن سے ایک استفتاء بھیجا گیا تھا، اس سلسلہ میں چند باتیں دریافت طلب ہیں:

سوال یہ تھا کہ بینک جو سود دیتا ہے وہ لیا جائے یا نہیں؟ لینے کی صورت میں کیا کیا جائے؟ ضائع کیا جائے یا غرباء کو دیا جائے، سادات کو دیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ یا اسکول کی تعمیر یا اسکول کے لئے پیشاب خانہ، بیت الخلاء یا عام لوگوں کے لئے پیشاب خانہ، بیت الخلاء بنایا جاسکتا ہے یا نہیں؟

جواب کا ماحصل یہ ہے کہ بینک سے ملنے والا سود لیا جائے، غرباء کو دیا جائے، غرباء میں سادات اور دینی مدارس کے طلبہ کو دینا بالکل درست ہے، لیکن اسکول کی تعمیر، اسکول کے لئے پیشاب خانے، بیت الخلاء، بنانا بالکل درست نہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ بنک جو سود دیتا ہے کیا وہ اس سود کی تعریف میں نہیں آتا جو قرآن میں مذکور ہے یعنی بینک کا سود سود ہے یا نہیں؟ جبکہ اس کی حرمت کے فتوے دیئے جاتے تھے، اگر بینک کا سود حرام ہے بلکہ اشد فی الحرمۃ ہے تو سادات اور علوم دینیہ کے طلباء کے لئے بالکل درست اور اسکول اور اس کی ضرورت کے لئے ناجائز کیوں ہے؟

---

(۱) "وكره نقلها إلا إلى قرابة أو أحوج أو أصلح أو أورع أو أنفع للمسلمين .....أو إلى طالب علم. وفي المعراج: التصدق على العالم الفقير أفضل، الخ". (الدر المختار: ۲/ ۳۳۹، ۳۴۶، باب المصرف، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۲/ ۴۳۶ باب المصرف، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۱/ ۳۳۰، باب بيان أحكام المصرف، دار الكتب العلمية، بيروت)

الجواب حامداً ومصلیاً:

سود کی حرمت منصوص بنصِ قطعی ہے، بینک کواس سے مستثنیٰ نہیں کیا گیااس لئے وہ حرام ہے، بینک سے اگرسود وصول نہ کیا جائے تو وہ خلافِ اسلام مواقع میں استعمال کیا جاتا ہے جس کا ضرر ظاہر ہے، اس ضرر سے تحفظ کے لئے وہاں سے وصول کرلیا جائے پھر خود استعمال نہ کیا جائے کیونکہ حرام ہے، حرام مال واجب التصدق ہوتا ہے، جو شخص ایسے واجب التصدق مال کا مستحق ہواس کو دے دیا جائے، جو غرباء طلباء وغیرہ ایسے ہوں کہ ان کے گزارے کی کوئی صورت نہ ہو وہ اس کے مستحق ہیں (۱)۔

سادات کا اکرام واحترام لازم ہے اس لئے ان کو زکوٰۃ وصدقات واجبہ دینے سے احتراز کا حکم ہے کیونکہ ایسا مال اوساخ الناس کہلاتا ہے، لیکن جو سادات اس قدر حاجت مند ہوں کہ گزارے کے لئے بھیک مانگنے پر مجبور ہو جائیں، ان کے حق میں حنفیہ میں سے امام طحاویؒ اور شافعیہ میں سے امام رازیؒ نے زکوٰۃ کو درست قرار دیا ہے کہ زکوٰۃ لینے میں جس قدر ان کے احترام پر زد پڑتی ہے اس سے زیادہ تر بھیک مانگنے میں ہے، یہ سب کی نگاہوں میں بڑی ذلت ہے اس بڑی ذلت سے بچانے کے لئے اگر ان کو زکوٰۃ دیدی جائے تو یہ اَہون ہے، اگرچہ یہ قول ظاہر الروایت نہیں ہے اور عامۃً اس کو فتوے کے لئے اختیار نہیں کیا جاتا، لیکن سخت مجبوری اور محتاجگی کی حالت میں اس پر عمل کرنے کی دیگر اکابر کے کلام میں گنجائش معلوم ہوتی ہے۔

حضرت مولانا انور شاہ صاحبؒ کے کلام کا خلاصہ ''فیض الباری'' (۲) اور ''العرف الشذی (۳)'' میں

---

(۱) "لو مات الرجل وكسبه من بيع الباذق، أو الظلم، أو أخذ الرشوة، يتورع الورثة، ولا يأخذون منه شيئاً، وهو أولى، ويردونها على أربابها إن عرفوهم، وإلا تصدقوا بها؛ لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه". (رد المحتار: ۳۸۵/٦، كتاب الحظر والإباحة، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳۴۹/۵، الباب الخامس في الكسب من الكراهية، رشيديه)

(وكذا في كفاية المفتي: ۷٦/۸، كتاب الربوٰ، دارالإشاعت كراچی)

(وكذا في أحسن الفتاوى: ۱۸/۷، باب الربوٰ، سعيد)

(۲) "قلت: وأخذ الزكاة عندي أسهل من السوال، فأفتي به أيضاً". (فيض الباري: ۵۲/۳، باب مايذكر في الصدقة للنبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وآله، خضر راه بک ڈپو، ديوبند)

(۳) (العرف الشذي على هامش جامع الترمذي: ۱۴۳/۱، باب كراهية الصدقة للنبي صلى الله تعالىٰ =

منقول ہے۔ تاہم جہاں تک ہوسکے سادات کرام کواس سے بچانا اعلیٰ وافضل ہے اوران کے احترام کا تقاضا ہے۔ اسکول کی تعمیراور پیشاب پاخانے وغیرہ مستحق نہیں ہوتے جوکہ تصدق کا حاصل ہے اس لئے اس سے منع کیا گیا ہے۔ مستحق کو مالک بنا کر دیدیا جائے، پھر وہ جو دل چاہے جہاں چاہے خرچ کرے۔ سابقہ فتوی نمبر: ۵۰۵۴، ۲۵/۱۱/۹۲ھ میں اختصار کی وجہ سے تفصیل نہیں آسکی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیو بند۔

صاحبِ نصاب کا کسی کو پڑھانے کی نیت سے زکوٰۃ سے کھالینا

سوال[۴۶۶۶]: زید صاحبِ نصاب کسی مجبوری کی وجہ سے مدرسہ کا کھانا کھائے یہ نیت کرکے کہ میں بعد میں کسی لڑکے کو پڑھادوں گا اتنے سال جتنے کہ میں پڑھا ہوں۔ یہ صورت جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

غیر مستحق باوجود نیتِ مسئولہ کے کھانا زکوٰۃ وغیرہ نہ کھائے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیو بند، ۲۰/۱۰/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیو بند، ۲۰/۱۰/۹۰ھ۔

زکوٰۃ کی کتابیں صاحب نصاب کو دینا

سوال[۴۶۶۷]: کسی صاحب نصاب نے اپنے زکوٰۃ کے روپیہ سے کتب خرید کر دوسرے عالم

= علیه وسلم وأهل بیته وموالیه، سعید)

(وشرح معانی الآثار للطحاوی، کتاب الزکوة، باب الصدقة علی بنی هاشم: ۱/ ۳۴۷-۳۵۳، سعید)

(۱) "ولا إلی غنی یملک قدر نصاب فارغ عن حاجته الأصلیة من أیّ مال کان، الخ". (الدر المختار: ۲/ ۳۴۷، باب المصرف، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/ ۱۸۹، الباب السابع فی المصارف، رشیدیه)

(وکذا فی المحیط البرهانی: ۳/ ۲۲۳، الفصل الثامن من توضع الزکوٰة فیه، مکتبه غفاریه)

صاحبِ نصاب کو ہبہ کردیں، کیا صاحبِ نصاب عالم کے لئے ایسی کتب لینا درست ہے، نیز ایسی صورت میں مزکی کی زکوۃ ادا ہوجائے گی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

زکوۃ کا مصرف وہ ہے جو صاحبِ نصاب نہ ہو، لہٰذا صورتِ مسئولہ میں زکوۃ ادا نہ ہوئی (۱)۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/۱۱/۵۹ھ۔

زکوۃ جمعیۃ علمائے اسلام کو دینا

سوال[۴۶۶۸]: زکوۃ کی رقم جمعیۃ علمائے اسلام کے فنڈ میں دی جاسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ غرباء ومساکین پر بطورِ تملیک صرف کریں تو اس کو دینا درست ہے ورنہ نہیں، مالک اگر خود کسی غریب کو دے دے اور وہ مالکانہ قبضہ کرنے کے بعد از خود جمعیۃ مذکورہ کو دے دے تو درست ہے (۲)۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۳/۸۹ھ۔

---

(۱) "ولا إلی غني یملک قدر نصاب فارغ عن حاجته الأصلیة من أيّ مال کان، الخ". (الدرالمختار: ۳۴۷/۲، باب المصرف، سعید)

(وکذا في الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/ ۱۸۹، الباب السابع في المصارف، رشیدیه)

(وکذا في المحیط البرهاني: ۴۳۳/۲، الفصل الثامن من توضع الزکوٰة فیه، مکتبه غفاریه)

(۲) "لایجوز أن یبنی بالزکاة المسجد؛ لأن التملیک شرط فیها، ولم یوجد، کذا لا یبنی بها القناطیر والسقایات ......والحیلة في هذه الأشیاء أن یتصدق بها علی الفقیر، ثم یأمره أن یفعل هذه الأشیاء، فیحصل له ثواب الصدقة، ویحصل للفقیر ثواب هذه القرب". (تبیین الحقائق: ۱۲۰/۲، باب المصرف، دارالکتب العلمیة، بیروت)

(وکذا في الهدایة: ۲۰۴/۱، باب من یجوز دفع الصدقات إلیه ومن لایجوز، شرکة علمیه ملتان)

(وکذا في التاتار خانیة: ۲۷۲/۲، باب من توضع الزکاة فیه، إدارة القرآن کراچی)

(وکذا في المحیط البرهاني: ۴۳۳/۲، باب من توضع الزکاة فیه، غفاریه کوئٹه)

دارالحرب میں حربی کو زکوٰۃ وصدقہ

سوال[۴۶۶۹]: ہندوستان اس وقت دارالحرب ہے یا کیا ہے؟ نیز ہندو حربی ہیں یا کیا ہیں؟ اور بہر صورت ہندو کو صدقۂ فطر دینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ہندوستان کے متعلق دیر سے اختلاف چلا آرہا ہے، حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی اور حضرت شاہ محمد اسماعیل صاحب شہید دہلوی نے دارالحرب قرار دیا ہے، یہی رائے حضرت مولانا گنگوہی اور حضرت مولانا نانوتوی کی ہے اور اکثر علماء اسی طرف گئے ہیں اور یہاں کے جملہ کفار کو حربی فرماتے ہیں، کذافی الفتاویٰ الرشیدیة، ج۳(۱)۔

دارالحرب کے متعلق تین قول نقل کرکے فرماتے ہیں:

"وهمیں قولِ ثالث را محققین ترجیح داده اند، وبریں تقدیر معمولهٔ انگریزو اشباهِ ایشان بلا شبه دار الحرب است، اهـ". فتاویٰ عزیزیہ:۱/۱۶(۲)۔

"ودر کافی می نویسد "إن المراد بدار الإسلام بلادٌ یجری فیها حکم إمام المسلمین، وتکون تحت قهره، وبلادُ الحرب بلاد یجری فیها أمر عظیمها، وتکون تحت قهره، انتهیٰ"۔

"دریں شهر (دهلی) حکمِ امام المسلمین اصلاً جاری نیست، وحکم رؤسائے نصاریٰ بے دغدغه جاری است، ومراد از اجرائے احکام کفر ایں است که در مقدمهٔ ملک داری، وبندوبستِ رعایا واخذِ خراج وباج وعشور، اموال تجارت، وسیاستِ قطاع الطریق وسراق، وفصلِ خصومات، وسزاء جنایات کفار بطورِ خود حاکم باشند آرے، اگر بعضے احکامِ اسلام را مثلِ جمعه وعیدین واذان وذبحِ بقر تعرض نکنندنکرده

(۱)(تالیفات رشیدیہ:ص:۶۵۴ "فیصلة الاعلام فی دار الحرب والإسلام"، ادارہ اسلامیات، لاھور)

(۲)(فتاویٰ عزیزی (فارسی): ۱/۱۱۱، سودگرفتن از انگریزاں، مکتبہ رحیمیہ، دیوبند یوپی)

باشند، لیکن اصل الاصول ایں چیزها نزدِ ایشاں هدر اَست، زیراکه مساجد را بے تکلف هدم می نمایند،و هیچ مسلمان یا ذمی بغیر استیمانِ ایشان دریں شهر ودرنواحِ آں نمی تواند آمد، برائے منفعتِ خود ازواردین مسافرین وتجار مخالفت نمی نمایند، اعیان دیگر مثل شجاع الملک وولایتی بیگم بغیر حکمِ ایشان دریں بلاد داخل نمی توانند شد، وازیں شهر کلکته عملِ نصاریٰ ممتداست آرے در چَپ ورَاست مثلِ حیدرآباد، لکھنؤ ورام پور احکامِ خود جاری نکرده اندبسببِ مصالحت واطاعتِ آں ملک، اھـ". فتاویٰ عزیزیه : ۱/۱۷ (۱).

بعض علماء نے دارالاسلام فرمایا ہے جیسے مولانا عبدالحیٔ لکھنوی رحمہ اللہ تعالیٰ اورنواب صدیق حسن خان صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ (۲)۔ یہاں کے ہنود کو حربی ماننے کی صورت میں (جیسا کہ حضرت مولانا گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ کی رائے ہے) صدقۃ الفطر دینے کی گنجائش نہیں اوران کا ذمی نہ ہونا تو بالکل ظاہر ہے، ذمی کے متعلق بھی امام ابو یوسفؒ کا قول یہ ہے کہ اس کو دینا درست نہیں، درمختار نے حاوی قدسی سے اسی پر فتویٰ نقل کیا ہے اور صاحب ہدایہ وغیرہ نے قولِ طرفین کو ترجیح دی ہے:

"ولا تدفع (الزكاة) إلى ذمي، وجاز دفع غيرها وغيرالعشر والخراج إليه: أى الذمى ولو واجباً، كنذرٍ وكفارة وفطرة، خلافاً للثانى، وبقوله يفتىٰ، حاوى القدسى. وأماالحربى فجميع الصدقات لا تجوز له اتفاقاً، بحر عن العناية وغيرها، ١هـ". درمختار۔

"(قوله: وبقوله يفتى) الذى فى حاشيةالبحر عن الحاوى وبقوله نأخذ، قلت: لكن كلام الهداية وغيرها يفيد ترجيح قولهما، وعليه المتون، ١هـ". شامى:۲/۹۲(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) (فتاویٰ عزیزی (فارسی): ۱/۳۰، مسئلۂ دارالحرب شدن دارالاسلام، مکتبہ رحیمیہ، دیوبند یو پی)

(۲) (مجموعۃ الفتاویٰ (اردو): ۱/۲۳۷،سعید)

(۳) (الدرالمختار:۲/۳۵۱،باب المصرف، سعید)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۲/۱۱۹، باب المصرف دارالكتب العلمية، بيروت) .... ="

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، ۱۵/ رمضان/ ٦٦ھ۔

ابھی ہندوستان کے سابقہ حالات میں کوئی خصوصی تغیر نہیں ہوا ہے، نہ ابھی مکمل آزادی حاصل ہوئی ہے، اس لئے سابقہ ہی احکام ہیں، ہاں آئندہ آزادی ملنے پر دستورِ جدید کی رو سے ممکن ہے کوئی تغیر پیدا ہو جائے۔فقط۔

سعید احمد غفرلہ، ۱۵/ رمضان/ ٦٦ھ۔

زکوٰۃ غیر مسلم کو دینا

سوال[۴٦٧٠]: زکوٰۃ کا مال یا غلہ وغیرہ میں سے ۴۰/ واں نکال کر کسی ہندو کو دیدیا جائے، اسی طرح صدقۃ الفطر اگر کسی ہندو کو دیدیا جائے تو جائز ہے یا نہیں؟

= (وکذا في الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۱۸۸، الباب السابع في المصارف، رشیدیه)

ترجمۂ سوال: ''اور اسی تیسرے قول کو محققین نے ترجیح دی ہے اور اسی تقدیر پر بلاشبہ انگریز کا زیر تسلط علاقہ دار الحرب ہے، اھ''۔(فتاویٰ عزیزیہ: ۱/۱٦)

''کافی میں لکھا ہے کہ دار الاسلام سے مراد وہ شہر ہیں جن میں امام المسلمین کا حکم جاری ہو اور اس کے قبضہ وتسلط میں ہوں۔ اور دار الحرب سے مراد وہ شہر ہیں جن میں ان کے بڑے (سردار کفار) کا حکم جاری ہو اور وہ اس کے تسلط میں ہوں انتہی''۔

''اس شہر (دہلی) میں امام المسلمین کا حکم بالکل جاری نہیں اور رؤسائے نصاریٰ کا حکم بے کھٹکے جاری ہے اور احکامِ کفر کے جاری ہونے سے مراد یہ ہے کہ ملک داری اور رعایا کے بندوبست کے مقدمات ٹیکس اور اموالِ تجارت سے عشر وصول کرنے، چور اور ڈاکوؤں کے انتظام، لڑائی جھگڑوں کے فیصلہ کرنے اور جرائم کی سزا دینے میں کفار خود حاکم ہوں اگرچہ بعض احکامِ اسلام مثلاً جمعہ، عیدین، اذان، گائے ذبح کرنے سے تعرض نہ کرتے ہوں، لیکن اصل بات یہ ہے کہ یہ چیزیں ان کے نزدیک ہدر ہیں، اس لئے کہ مساجد کو بے تکلف منہدم کردیتے ہیں اور کوئی مسلمان یا ذمی ان سے امن طلب کئے بغیر اس شہر (دہلی) اور اس کے اطراف میں داخل نہیں ہوسکتا، اپنی منفعت کی خاطر آنے والوں سے، مسافروں سے، تاجروں سے تعرض نہیں کرتے، دوسرے بڑے حضرات مثلاً: شجاع الملک اور ولایتی بیگم ان کے حکم کے بغیر ان شہروں میں داخل نہیں ہوسکتے اور اس شہر سے کلکتہ تک نصاریٰ کا عمل دخل پھیلا ہوا ہے، مگر دائیں بائیں مثلاً: حیدرآباد، لکھنؤ، رام پور میں احکام اس ملک کی اطاعت ومصالحت کی بناء پر جاری نہیں کئے''۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

زکوٰۃ دینا ہندوکو ناجائز ہے، صدقۃ الفطر جائز ہے بشرطیکہ ہندو ذمی ہو: "لا یجوز دفع الزکوٰۃ إلی ذمی، وصح دفع غیر الزکاۃ من الصدقات: أی الذمی کصدقۃ الفطر"۔ زیلعی: ۱/ ۳۰۰(۱)۔

مگر احتیاط یہ ہے کہ صدقۂ فطر بھی مسلم ہی کو دیا جائے گا کہ اس میں امام ابو یوسفؒ کا اختلاف ہے وہ ناجائز فرماتے ہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، ۱۸/ ۱۱/ ۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ،　　صحیح: عبداللطیف مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۹/ ۱۱/ ۵۸ھ۔

حج کے لئے زکوٰۃ لینا

سوال [۴۲۷۱]: اگر کوئی حج کو جارہا ہے اور اس کے پاس پیسہ کم پڑ جائے تو اس کو زکوٰۃ کا پیسہ دینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس کے پاس خرچ کم ہو اس کے لئے زکوٰۃ کا پیسہ لینا جائز نہیں (۳)، لیکن اگر پیسہ پورا تھا اور چلا گیا مگر راستہ میں کوئی حادثہ پیش آ گیا کہ روپیہ ضائع ہو گیا اور مکان سے منگانے کی کوئی صورت نہیں تو اس کو وہاں

---

(۱) (تبیین الحقائق: ۲/ ۱۲۰، باب المصرف، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

"ولا تدفع إلی ذمی لحدیث معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، وجاز دفع غیرھا وغیر العشر والخراج إلیہ أی الذمی ولو واجباً کنذر وکفارۃ وفطرۃ، خلافاً للثانی، وبقولہ یفتی". (الدر المختار: ۲/ ۳۵۱، باب المصرف، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریۃ: ۱/ ۱۸۸، الباب السابع فی المصارف، مکتبہ رشیدیہ)

(وکذا فی النہر الفائق: ۱/ ۴۶۲، باب المصرف، امدادیہ)

(۲) (الدر المختار، المصدر السابق)

(۳) (تقدم تخریجہ تحت عنوان: "صاحب نصاب کا کسی کو پڑھانے کی نیت سے زکوٰۃ سے کھالینا"۔)

زکوٰۃ کا پیسہ بقدرِ ضرورت لے لینا درست ہے(۱)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۸/۸۹ھ۔

زکوٰۃ سے میت کو کفن دینا

سوال[۴۲۷۲]: مسمیٰ رحمت اللہ کا انتقال ہوا جو بالکل مفلس تھا، مسمیٰ احمد حسن نے کفن دیا اور نیت کی کہ زکوٰۃ دے رہا ہوں یہ زکوٰۃ ادا ہوئی یا نہیں؟ یہ پوچھنا ہے کہ زکوٰۃ کا وقت ابھی نہ تھا یعنی رمضان میں زکوٰۃ واجب ہوتی اور حسن نے نیت کی کہ آئندہ زکوٰۃ میں محسوب ہو جائے گا۔فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی، نہ گذشتہ نہ آئندہ، ادائے زکوٰۃ کے لئے مصرف کو مالک بنانا ضروری ہے اور میت میں مالک بننے کی اہلیت نہیں (۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی۔

زکوۃ فطرہ سے کفنِ میت

سوال[۴۲۷۳]: بیت المال میں جو زکوۃ فطرہ کی رقم جمع ہوتی ہے اس میں سے کسی غریب میت کے کفن دفن کے لئے خرچ کرنا چاہیے یا نہیں؟

---

(۱) "﴿وفي سبيل الله﴾، وهو منقطع الغزاة، وقيل: الحاج". (الدرالمختار). "أي منقطع الحاج، قال في المغرب: الحاج كالسامر بمعنى السمار في قوله تعالىٰ: ﴿سامراً تهجرون﴾. وهذا قول محمد، الخ". (ردالمحتار، كتاب الزكوة: ۲/۳۴۳، باب المصرف، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۲/۱۱۶، باب المصرف، دارالكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في المحيط البرهاني: ۲/۴۳۱، باب المصرف، غفاريه)

(۲) "(ولا إلى كفن ميت وقضاء دينه) لعدم صحة التمليك منه، الخ". (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۲/۳۴۴، باب المصرف، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۱۸۸، الباب السابع في المصارف، سعيد)

(وكذا في فتح القدير: ۲/۲۶۷، باب من يجوز دفع الصدقة إليه ومن لايجوز، مصطفى البابي الحلبي مصر) .... =

الجواب حامداً ومصلیاً:

رقمِ فطرہ وزکوۃ براہِ راست میت کے کفن دفن میں خرچ کرنا جائز نہیں، کیونکہ اس میں تملیک نہیں (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳۰/۱۱/۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۳۰/۱۱/۸۵ھ۔

الجواب صحیح: محمد جمیل الرحمٰن، نائب مفتی دارالعلوم دیوبند، ۳۰/۱۱/۸۵ھ۔

رفاہِ عام کے کام میں زکوٰۃ صرف کرنا

سوال [۴۷٦۴]: زکوٰۃ کی رقم رفاہ عام کے کاموں میں خرچ کی جاسکتی ہے یا نہیں؟ جیسے کنواں بنا دینا، کاروان سرائے، طلباء کے رہنے کے لئے کمرہ وغیرہ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

زکوٰۃ کی رقم مواقعِ مذکورہ میں صرف کرنا درست نہیں، اگر کسی مستحق کو زکوٰۃ دے دی جائے اور پھر وہ مواقعِ مذکورہ میں اپنی خوشی سے بعد قبضہ کے دیدے تو صرف کرنا درست ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۱٦/٦/٦۰ھ۔

= (وكذا في التاتار خانية: ۲/۲۷۲، باب من توضع الزكاة فيه، إدارة القرآن كراچی)

(۱) "(ولا إلى كفن ميت وقضاء دينه) لعدم صحة التمليك منه، الخ". (الدرالمختار، باب المصرف: ۲/۳۴۴، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب السابع في المصارف: ۱/۱۸۸، سعيد)

(وكذا في فتح القدير، باب من يجوز دفع الصدقات إليه، مصطفىٰ البابي الحلبي، مصر)

(وكذا في التاتارخانية، باب من توضع الزكاة فيه: ۲/۲۷۲، إدارة القرآن كراچی)

(۲) "ويشترط أن يكون الصرف تمليكاً لا إباحةً كما مر، لايصرف إلى بناء نحو مسجد .... إن الحيلة أن يتصدق على الفقير، ثم يأمر بفعل هذه الأشياء، الخ". (الدرالمختار) .... =

قبرستان کے مقدمہ میں زکوٰۃ لگانا

سوال[۴٦۷۵]: حضرت مفتی صاحب! ضروری گذارش ہے کہ قبرستان پر غیر مسلموں نے قبضہ کر لیا ہے جس پر مقدمہ چل رہا ہے، چندہ ہو رہا ہے، مگر بعض حضرات زکوٰۃ کی رقم دیتے ہیں تو مقدمہ کے اخراجات میں زکوٰۃ کی رقم دے سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

قبرستان کے مقدمہ میں خرچ کرنے کے لئے بھی زکوٰۃ کی رقم دینا درست نہیں، کسی مستحق کو دیدی جائے وہ مالکانہ قبضہ کے بعد اگر دیدے تو یہاں بھی خرچ کرنا درست ہوگا(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۴/۹/۱۳۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ۔

قتل کے مقدمہ میں زکوٰۃ دینا

سوال[۴٦۷٦]: ایک مسلمان نے کسی کو عمداً قتل کر دیا اور اس کو پھانسی کا حکم ہو گیا اس کے بھائی چاہتے ہیں کہ زکوٰۃ سے اس کی اپیل کریں اور پھانسی سے بچالیں تو قاتل کو زکوٰۃ دی جا سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر وہ مستحق زکوٰۃ ہے اور اس کو زکوٰۃ کا روپیہ دیدیا جائے اور وہ اس روپیہ پر قبضہ کر کے اپنے مقدمہ میں خرچ کرے تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی(۲) اگر زکوٰۃ کا روپیہ اس کو نہ دیا جائے بلکہ برادری جمع کر کے اس کے

= "(قوله: نحو مسجد) كبناء القناطر، والسقايات، وإصلاح الطرقات، و كرى الأنهار، والحج، والجهاد، و كل مالا تمليك فيه". (ردالمحتار: ۲/۳۴۴، باب المصرف، سعيد)

(و كذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۱۸۸، الباب السابع في المصارف، رشيديه)

(و كذا في تبيين الحقائق: ۲/۱۲۰ باب المصرف، دار الكتب العلمية بيروت)

(و كذا في المحيط البرهاني: ۲/۴۳۳، الفصل الثامن من توضع فيه الزكاة، غفاريه)

(۱) (تقدم تخريجه تحت عنوان: "رفاہ عام کے کام میں زکوٰۃ صرف کرنا"۔)

(۲) "إذا دفع الزكاة إلى الفقير لايتم الدفع مالم يقبضها، اهـ". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۱۹۰، رشيديه) =

مقدمہ میں خرچ کرے تو اس سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی (۱)۔

قاتل جو ناحق قتل کرے وہ سخت گناہ گار ہے جیسا اور کبیرہ گناہ کرنے والے زانی وغیرہ کا حال ہے ویسا ہی اس کا حال ہے، دیندار کو اگر زکوٰۃ دی جائے تو اعلیٰ درجہ ہے اگرچہ گناہ گار کو دینے سے بھی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی اور گناہ میں خرچ کرنیوالے کی اعانت گناہ ہے (۲)۔

زکوٰۃ فطرہ تعمیر مسجد وغیرہ میں صرف کرنا

سوال [۴۶۷۷]: ایک موضع میں قریب بارہ برس سے ایک مسجد تیار ہے مگر اس کی چہار دیواری اور دروازہ وغیرہ تیار نہ ہوسکا، علاوہ اس کے اب مسجد ہی منہدم ہوچکی ہے اور وہاں کے مسلمانوں کی مالی حالت نازک ہے جس کی وجہ سے وہ مسجد اب تک اسی حالت میں ہے، مالی حالت خراب ہونے کی وجہ سے ان لوگوں کی ہمت پست ہوگئی ہے، اب رہا یہ کہ ان لوگوں کا مصمم ارادہ ہے کہ جو رقم مثلاً فطرہ وقربانی وزکوٰۃ وغیرہ کی ہو اس کو وہ مسجد میں لگانا چاہتے ہیں اور اس رقم سے مسجد کی مرمت، چہار دیواری اور دروازہ وغیرہ تیار کروانا چاہتے ہیں۔ اب مفصل کیفیت سے مطلع فرمائیں کہ یہ رقم مسجد میں صَرف ہوسکتی ہے یا نہیں؟ اور عیدگاہ وغیرہ میں مرمت ہوسکتی ہے یا نہیں؟ اور برادری کے مصرف کی چیزیں مثلاً فرش وسیع بنواسکتے ہیں یا نہیں؟ اور دیگر سامان بنواسکتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

رقومِ مذکورہ کا تصدق واجب ہے یعنی کسی غریب کو جو کہ سیّد نہ ہو مالک بنا دینا ضروری ہے، بغیر مالک بنائے مسجد یا عیدگاہ یا برادری کے لئے فرش وغیرہ میں صرف کرنا ناجائز ہے، اگر کسی غریب کو بطور تملیک دیدی جائے اور اپنے قبضہ کے بعد خود مواقع مذکورہ کے لئے دیدے تو پھر مواقعِ مذکورہ میں صرف کرنا درست ہے:

"وكذا من عليه الزكوة لو أراد صرفها إلى بناء المسجد أو القنطرة، لا يجوز، فإن أراد الحيلة، فالحيلة أن يتصدق به المتولي على الفقراء، ثم الفقراء يدفعونه إلى المتولي، ثم

= (وكذا في التاتار خانية، من توضع فيه الزكاة: ۲/۲۷۴، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في المحيط البرهاني، من توضع فيه الزكاة: ۲/۴۳۴، غفاریه کوئٹه)

(۱) (تقدم تخريجه تحت عنوان: "رفاہ عام کے کام میں زکوٰۃ صرف کرنا" حاشیہ رقم: ۱)

(۲) قال الله تعالیٰ: ﴿ولا تعاونوا على الإثم والعدوان﴾ الآية. [المائدة: ۲]

المتولی یصرف إلی ذلك كذا فی الذخیرة، ا ھ". عالمگیری: ۲/۴۷۳(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، ۲۶/۱۲/۵۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم، ۲۷/۱۲/۵۹ھ۔

مالکِ اراضی کے لئے زکوٰۃ لینا

سوال [۴۶۷۸]: ایک شخص جو نصابِ زکوٰۃ کا مالک نہیں، مقروض ہے، لیکن اراضی اور مالِ نامی از قسمِ جانوراں رکھتا ہے، لیکن وہ جانور نصاب کے برابر نہیں، البتہ ان کی قیمت نصابِ چاندی کے برابر ہے، اسی طرح اراضیٔ زرعی کی پیداوار فصلی بھی اس کو مکتفی نہیں، لیکن اس اراضی کی اگر قیمت کی جائے تو نصاب چاندی سے کئی گنا زیادہ ہے۔ کیا وہ شخص زکوٰۃ یا صدقۂ فطر یا چرمِ قربانی لے سکتا ہے یا نہیں جبکہ وہ غریب بالکل تنگدست اور مفلس ہے، قرضہ کا بوجھ رکھتا ہے؟

دوسری صورت وہ شخص جو اراضی اور مالِ نامی کا مالک ہے لیکن مقروض اور تنگدست ہے اس کو سرکاری نوکری سے تین چار سو روپے یا اس سے کچھ زیادہ ماہوار تنخواہ پاتا ہے، لیکن حالت نہایت تنگی کی ہے، کثیر العیال کی وجہ سے روزی اس کی پوری نہیں ہوتی، قرض دار رہتا ہے، نصاب سونا چاندی کی بھی کوئی چیز نہیں رکھتا۔ کیا وہ شرعاً زکوٰۃ یا صدقۂ فطر لے سکتا ہے یا نہیں؟

خلاصہ یہ کہ مفلس غریب آدمی کے لئے اس کی اراضی ملکیت اور تنخواہ معین اس کو استحقاق زکوٰۃ میں مانع ہے یا نہیں جبکہ وہ صاحبِ تنخواہ بالکل غریب اور تنگدست مقروض ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ان دونوں شخصوں کو صدقہ، فطرہ، چرمِ قربانی کی قیمت لینا درست ہے(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

---

(۱) (الفتاویٰ العالمكیریة، كتاب الوقف، الباب الثانی عشر فی الرباطات والمقابر الخ: ۲/۴۷۳، رشیدیه)

(وراجع للتفصیل عنوان: ''جمعیت علماء اسلام کو زکوٰۃ دینا''۔)

(۲) "وكره إعطاء فقیر نصاباً أو أكثر، إلا إذا كان المدفوع إلیه مدیوناً أو كان صاحب عیال بحیث لو فرّقه علیهم لا یخص كلاً، أو لا یفضل بعد دَینه نصاب، فلایكره". (الدر المختار: ۲/۳۵۳، باب المصرف، سعید) =

کیا زمیندار مستحق زکوٰۃ ہے؟

سوال[۴۶۷۹]: زید صاحبِ نصاب ہے لیکن قرضدار نہیں ہے، اگر وہ مدرسہ میں پڑھنا چاہے اپنے خرچ سے تو اس کو زمین بیچنی پڑے گی اور جو مال ہے اس میں اس کا تکفل نہیں ہوگا۔ اب زید کے لئے مدرسہ کا کھانا جائز ہوگا یا وہ زمین بیچ کر پڑھے گا، اس کے لئے کون سی صورت جائز ہوگی؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر اس زمین کی پیداوار پر اس کا گذارہ ہے اس کے علاوہ کوئی آمدنی نہیں اور سال بھر کے خرچ کے بعد پیداوار اور مقدارِ نصاب نہیں بچتی لیکن اَور نصاب جداگانہ اس کے پاس رہتا ہے تو بھی زکوٰۃ کا کھانا مدرسہ سے لینا درست نہیں (۱)۔ فقط اللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۱۰/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ۔

جس کے پاس زمین ہو کیا وہ مستحقِ زکوٰۃ ہے؟

سوال[۴۶۸۰]: ایک شخص کی بہت سی زمین ہے مگر وہ آباد نہیں، تو اس شخص کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جبکہ ان زمینوں سے اس کی حوائج پوری نہیں ہوتیں اور وہ مالِ نامی بھی نہیں تو اس کو زکوٰۃ دینا درست ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۳/۸۹ھ۔

= (وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ١٨٨/١، الباب السابع في المصارف، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر: ٣٣٣/١، باب في بيان أحكام المصارف، دارالكتب العلمية، بيروت)

(١) "ولا إلى غني يملك قدر نصاب فارغ عن حاجته الأصلية من أيّ مال كان، الخ". (الدر المختار: ٣٤٧/٢، باب المصرف، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ١٨٩/١، الباب السابع في المصارف، رشيديه)

(وكذا في المحيط البرهاني: ٤٣٣/٢، الفصل الثامن من توضع الزكوٰة فيه، مكتبه غفاريه)

(٢) "ولو كان له ضيعة قيمتها آلاف، ولا يحصل منه ما يكفي له ولعياله، اختلف فيه، قال ابن مقاتل:=

جو شخص صاحب نصاب نہ ہو لیکن مالکِ مکان ہو اس کے لئے زکوٰۃ لینے کا حکم

سوال[۴۶۸۱]: ایک شخص صاحبِ نصاب تو نہیں لیکن آسودہ اور فارغ البال ضرور ہے، ذاتی مکان بھی ہے اور کھانے وکپڑے وغیرہ کی کل ضروریات باآسانی پوری ہو جاتی ہیں۔ کیا ایسے شخص کو زکوٰۃ وصدقات دینا درست ہے؟ اگر ہے تو کیوں؟ جو شخص ایسے کو زکوٰۃ دے اس کی طرف سے ادا ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

کسی ایسے شخص کو تو سوال کرنا حرام ہے مگر مالکِ نصاب نہ ہونے کی وجہ سے زکوٰۃ لینا درست ہے اور خود اس کے ذمہ زکوٰۃ فرض نہیں، آسودہ ہونے کی وجہ سے سوال کرنا حرام ہے اور صاحب نصاب نہ ہونے کی وجہ سے زکوٰۃ کا لینا درست ہے اور خود اس پر زکوٰۃ فرض نہیں:

"والأولیٰ أن یفسّر الفقیر بمن له ما دون النصاب، کما فی النقایة أخذاً من قولهم: یجوز دفع الزکوٰة إلیٰ من یملك ما دون النصاب، أو قدر نصاب غیر نام، وهو مستغرق فی الحاجة. اھ". بحر: ۲/۲۵۸(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۴/۴/۶۰ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف۔

= یجوز صرف الزکاة إلیه". (البزازیة علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة: ۴/۸۵، الثانی فی المصرف، رشیدیه)

(وکذا فی خلاصة الفتاویٰ: ۱/۲۴۲، الفصل الثامن فی أداء الزکاة، امجد اکیڈمی)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۱۸۹، الباب الثالث فی زکوٰة الذهب والفضة والعروض، رشیدیه)

(۱) (البحر الرائق: ۲/۴۱۹، باب المصرف، رشیدیه)

"ویجوز دفعها إلی من یملک أقل من النصاب وإن کان صحیحاً مکتسباً". (الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۱۸۹، الباب السابع فی المصارف، رشیدیه)

(وکذا فی فتح القدیر: ۲/۲۷۸، باب من یجوز دفع الصدقة إلیه ومن لایجوز، مصطفی البابی الحلبی مصر)

(وکذا فی البحر الرائق: ۲/۴۲۸، باب المصرف، رشیدیه)

جس کی ضروریات پوری ہوجاتی ہیں کیا وہ مستحق زکوٰۃ ہے؟

سوال[۴۶۸۲]: خالد جو مستحق زکوٰۃ تھا زکوٰۃ لیتا تھا، اب اس کی آمدنی مسجد اور مدرسہ کی خدمت میں جو ہوتی ہے کس طرح پوری ہوسکتی ہے، اب اگر وہ مالِ زکوٰۃ لے کر اپنے استعمال میں نہیں لاسکتا ہے تو جو لوگ اس کو دیتے ہیں وہ بلا مانگے دیتے ہیں اب وہ لے کر دوسرے مستحقینِ زکوٰۃ کو پہونچا سکتا ہے یا نہیں (یعنی جو لوگ پہلے سے دیتے آئے ہیں وہ دیتے ہیں خالد لے کر اپنے استعمال میں نہیں لایا، دوسرے جو مستحق ہیں ان کو پہونچا دیا) ایسا کرنا خالد کے لئے جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب بغیر زکوٰۃ لئے اس کی ضروریات پوری ہوجاتی ہیں تو اچھا ہے کہ زکوٰۃ دینے والوں سے کہہ دے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے میری ضروریات اب پوری ہوجاتی ہیں آپ کسی ضرورت مند کو دے دیں (۱)۔ فقط. واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/ ۷/ ۹۵ھ۔

تعمیرِ اسکول میں زکوٰۃ

سوال[۴۶۸۳]: ایک پرائمری اسکول ہے جہاں اکثر یتیم وغریب بچے پڑھتے ہیں، سرکاری نصاب کے ساتھ دینی تعلیم بھی ہوتی ہے، حکومت کی طرف سے اس کی تعمیر کے لئے کوئی امداد نہیں ملتی۔ ایسے اسکول کی تعمیر کے لئے عشر وصدقات وغیرہ دینا اور خرچ کرنا جائز ہے یا نہیں؟

---

(۱) "وكره إعطاء فقير نصاباً أو أكثر، إلا إذا كان المدفوع إليه مديوناً أو كان صاحب عيال، بحيث لو فرّقه عليهم لا يخص كلاً، أو لا يفضل بعد دَينه نصاب، فلايكره". (الدرالمختار: ۲/ ۳۵۳، باب المصرف، سعيد)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/ ۱۸۸، الباب السابع في المصارف، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۱/ ۳۳۳، باب في بيان أحكام المصارف، دارالكتب العلمية، بيروت)

الجواب حامداً ومصلیاً:

صدقاتِ واجبہ کو براہِ راست تعمیر میں خرچ کرنا جائز نہیں (۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی۔

صدقۂ جاریہ میں زکوۃ کا مصرف

سوال[۴۶۸۴]: مالِ زکوۃ اصل میں تو غریبوں اور حاجت مندوں کی اعانت کرنے کے لئے شریعت نے مالداروں کو مالکِ نصاب کو مجبور کیا ہے کہ بحسابِ شریعت زکوۃ دے کران کی حاجت روائی کریں۔ اب صدقۂ جاری ہیں، مال زکوۃ خرچ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ کیوں کہ اس میں اکثر غریبوں کے لڑکے پڑھتے ہیں اور راستہ اور سراؤں میں مسافر وغیرہ کے اندر صَرف ہوتے ہیں جیسے مکتب اور اسکول تیار کرتے ہی خرچ کرنا، یا مکتب اور اسکول میں خرچ کرنا، راستہ بنانا، پانی کے لئے کنواں کھدوانا وغیرہ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ادائے زکوۃ کے لئے مستحق کو مالک بنادینا ضروری ہے، بغیر مالک بنائے زکوۃ ادا نہ ہوگی (۲)۔کنواں، راستہ، اسکول، مکتب میں مالک بننے کی صلاحیت نہیں، لہٰذا تعمیر کے لئے ان مواقع میں زکوۃ ادا نہیں ہوئی ہے، البتہ اگر غریب مستحق طلباء کو مالک بنادیا جائے خواہ روپیہ دے کر خواہ کتاب دے کر، خواہ کپڑوں وغیرہ دے کر تو ادا ہوجائے گی۔اگر غریب مستحق کو بطورِ ملک زکوۃ دے دی جائے اور پھر وہ اپنی طرف سے مواقعِ مذکورہ میں

---

(۱) "لایجوز أن یبني بالزکوة؛ لأن التملیک شرطٌ فیها، ولم یوجد، وکذا لایبنی بها القناطیر والسقایات .... اهـ". (تبیین الحقائق: ۲/۱۲۰، باب المصرف، دارالکتب العلمیه بیروت)

(وکذا فی التاتارخانیه، باب من توضع الزکوة فیه: ۲/۲۷۴، إدارة القرآن کراچی)

(وکذا فی المحیط البرهانی: ۲/۴۳۴، باب من توضع الزکوة فیه، غفاریه کوئٹه)

(۲) "ویشترط أن یکون الصرف تملیکاً لا إباحةً، کمامر". (الدرالمختار، کتاب الزکوة، باب المصرف: ۲/۳۴۴، سعید)

(وکذا فی النهر الفائق: ۱/۴۶۲، باب المصرف، إمدادیه)

(وکذا فی تبیین الحقائق: ۲/۱۲۱، باب المصرف، دارالکتب العلمیة بیروت)

صرف کردے تو درست ہے براہِ راست کی گئی تنخواہ اور معاوضہ میں دینا صحیح نہیں:

"زكوة هي تمليك مال مخصوص لشخص مخصوص، الخ". مراقي الفلاح، ص: ٤١٤(١)۔ "ولا يجوز أن يُبنى بالزكوة المسجد، وكذا القناطر والسقايات وإصلاح الطرقات وكرى الأنهار والحج والجهاد وكل مالا تمليك منه، الخ". فتاوىٰ عالمگيرى: ١٨٨/١(٢)۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۹/۷/۵۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۹/۷/۵۹ھ۔



---

(۱) (حاشية الطحطاوى، كتاب الزكوة، ص: ۷۱۳، قديمى)

(وكذا فى الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الأول فى تفسيرها .... ۱/۱۷۰، رشيديه)

(۲) (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الزكوة، الباب السابع فى المصارف: ۱/۱۸۸، رشيديه)

(وكذا فى النهر الفائق: ۱/۴۶۲، باب المصرف، إمداديه)

(وكذا فى تبيين الحقائق: ۲/۱۲۱، دار الكتب العلمية، بيروت)

"أن الحيلة أن يتصدق على فقير، ثم يأمر بفعل هذه الأشياء". (الدر المختار، كتاب الزكوة، باب المصرف: ۲/۳۴۵، سعيد)

فصل فی صرف الزکوٰۃ فی المدارس

(مدارس میں زکوٰۃ دینے کا بیان)

مدارس میں زکوٰۃ دینا

سوال[۴۶۸۵]: ۱......اہلِ مدارس، مدارس کے جملہ اخراجات کے لئے مدرسہ کے نام و پتہ کی چھپی ہوئی رسیدوں پر زکوٰۃ وصدقاتِ واجبہ وصول کرتے ہیں یہ ان کا خودساختہ نواں مصرف ہے۔

۲......رسید بک، پوسٹر، کتابچہ، چارٹ، کلینڈر، روداد، کارڈ کے سہارے زکوٰۃ وصدقاتِ واجبہ کی وصولی کا مروجہ طریقہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وصحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ثابت نہیں ہے۔

۳......اس جدید اختراعی طریقۂ وصولی کو بروئے کار لانے کے لئے علماء وفقہائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کا کہیں اجماع نہیں ہوا، اس پر عمل کرنے والے جو یہ نہیں جانتے کہ کس کی سنت ہے؟

۴......زکوٰۃ وصدقاتِ واجبہ کا تعلیمی مشغلہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

۵......زکوٰۃ وصدقاتِ واجبہ کے لئے طلبائے علمِ دین کی حیثیت بالکل غیر منصوص ہے۔

۶......مدارس ومکاتیب نہ بیت المال ہیں نہ مثلِ بیت المال اور نہ ان کے محصلین "عاملین علیہا" ہیں۔

۷......مدارس کے محصلین زکوٰۃ دہندگان پر مسلط کئے گئے وکیل ہوتے ہیں۔

۸......معطیانِ زکوٰۃ پر وکیل مسلط کرنا غیر شرعی ہے، یہ تجارتی نقطۂ نظر ہے۔

۹......رسید بک، پوسٹر، کتابچہ، چارٹ، کلینڈر، کارڈ، وغیرہ کی طباعت بھی تجارتی نقطۂ نظر سے کی جاتی ہے اور ان کی طباعت میں قوم کا ہزاروں روپیہ فضول خرچ کیا جاتا ہے۔

۱۰......زکوٰۃ وصدقاتِ واجبہ کی آدھی رقم مدارس کے مقررہ غیر شرعی وکیل اپنے خرچ میں لاتے ہیں۔

۱۱......یہی رقم مدرسین کی تنخواہوں میں، دارالاقامہ ومدارس کی تعمیر ومرمت میں کلینڈر، چارٹ، رسیدوں

وغیرہ کی طباعت میں مقدمات اور مہمان نوازی وغیرہ میں صَرف کی جاتی ہے، جب کہ شرعاً ممنوع ہے۔

۱۲......زکوٰۃ وصدقاتِ واجبہ کی رقوم کا بہ مشکل دسواں حصہ ہی غریب طلباء پر خرچ ہوتا ہے۔

۱۳......اہلِ مدارس اپنی مرضی کے مطابق خرچ کرتے ہیں، مستحق طلباء کو مالک نہیں بناتے اور زکوٰۃ جب تک مستحق کی ملکیت میں نہیں دی جاتی، ادا نہیں ہوتی۔

۱۴......نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سونے سے پہلے تمام صدقات تقسیم فرمادیا کرتے تھے(۱) اہل مدارس زکوٰۃ وصدقاتِ واجبہ کی رقوم سالہا سال تحویل میں رکھتے ہیں، نہ جانے یہ کس کا طریقہ ہے؟

۱۵......کسی مستحق کو زکوٰۃ کی رقم اتنی دی جائے کہ وہ صاحبِ نصاب نہ بن جائے، اہلِ مدارس اتنی رقوم جمع کر لیتے ہیں کہ اگر وہ مستحق طلباء میں تقسیم کی جائے تو وہ سب ہی صاحب نصاب بن جائیں اور کثیر رقم بچ جائے۔

۱۶......ایک شہر کی زکوٰۃ دوسرے شہر کو بھیجنا مکروہ ہے، اہلِ مدارس دور دراز شہروں سے زکوٰۃ وصول کراتے ہیں۔

۱۷......اللہ تعالیٰ بڑے بڑے گناہ گار اور مشرک وکافر کا بھی ایک دن کے لئے کھانا بند نہیں کرتے، لیکن اہلِ مدارس اِنہیں مہمانانِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کھانا مہینوں بند رکھتے ہیں جب کہ وہ امتحان میں کم نمبر پاتے ہیں، جب کہ اُنہیں کا نام لے کر زکوٰۃ وصدقات وصول کرتے ہیں۔

۱۸......ان مدارس میں بعض ایسے محصّل بھی ہوتے ہیں جو وصول کم اور خرچ زیادہ کرتے ہیں، اپنے خرچ کی بقیہ رقم مدرسہ کی تحویل سے لیتے ہیں۔

۱۹......کلامِ الٰہی اتنا مطہر ہے کہ مومن پاک ہونے پر بھی بلا وضو چھو نہیں سکتا، اس علمِ نبوت کے حاصل کرنے اور کرانے والے کے لئے میل کچیل کا استعمال علمِ مطہر کی توہین ہے۔

---

(۱) "عن ابن أبي ملكية أن عقبة بن الحارث حدثه قال: صلى النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم العصر فأسرع، ثم دخل البيت، فلم يلبث أن خرج، فقلت أو قيل له؟ فقال: "كنت خلّفت في البيت تبراً من الصدقة فكرهت أن أبيته فقسمته". (صحيح البخاري: ۱/۱۹۲، كتاب الزكوة، باب من أحب تعجيل الصدقة من يومها، قديمي)

۲۰.....زکوۃ وصدقاتِ واجبہ کے مطلق آٹھ مصارف ہیں (سورۂ توبہ رکوع:۱۴)

۱-فقراء جن کے پاس کچھ نہ ہو۔۲-مساکین جن کو بقدرِ ضرورت میسر نہ ہو۔۳-عاملین علیھا جو اسلامی حکومت کی طرف سے تحصیل صدقات پر مامور ہوں۔

۴-مؤلفۂ قلوب جن کے اسلام لانے کی امید ہو یا اسلام میں کمزور ہوں، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وفات کے بعد یہ مصرف باقی نہیں رہا۔۵-رقاب یعنی غلاموں کو آزاد کرانے میں۔۶-غارمین یعنی وہ لوگ جن پر کوئی حادثہ آپڑا اور وہ مقروض ہوگئے۔۷-فی سبیل اللہ جہاد وغیرہ جانے والے کو۔۸-ابن السبیل وہ مسافر جو بحالتِ سفر مالکِ نصاب نہ ہو گو مکان پر دولت رکھتا ہو۔

محی الدین سنگاہی کھیری۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

زکوٰۃ کی فرضیت قرآن کریم سے ثابت ہے، تقریباً بتیس آیات میں اقامتِ صلوٰۃ کے ساتھ ایتاء زکوٰۃ کا بھی حکم ہے(۱) نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حکم ہے: ﴿خذ من أموالهم صدقةً﴾ (الآية)(۲)۔

زکوٰۃ کے مصارف بھی بتائے گئے ہیں: ﴿إنما الصدقات للفقراء﴾ (الآية)(۳)۔

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے اپنی طرف سے آدمی مقرر کر کے بھیجے ہیں(۴)، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ خلافت میں جب لوگوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کیا تو

---

(۱) "قرنها بالصلوة من اثنين وثمانين موضعاً في التنزيل دليل على كمال الاتصال". (الدر المختار).

"(قوله: في اثنين وثمانين موضعاً) كذا عزاه في البحر إلى مناقب البزازية، وتبعه في النهر والمنح. قال ح: وصوابه اثنين وثلاثين كما عده شيخنا السيد رحمه الله تعالى". (ردالمحتار، كتاب الزكوة: ۲/۲۵۶، سعيد)

(۲) (التوبة: ۱۰۳)

(۳) (التوبة: ۷۹)

(۴) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: بعث رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم عمر على الصدقة فقيل: منع ابن جميل وخالد بن الوليد والعباس .... الخ". (مشكوة المصابيح: ۱/۱۵۶، كتاب الزكوة، الفصل الأول، قديمي)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے قتال کا عزم فرمایا جیسا کہ صحاح کی روایت میں موجود ہے(۱) زکوۃ کے لئے ترغیب دینا، آدمیوں کے ذریعے پیغام بھیجنا نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اور خلفائے راشدین سے صاف صاف منقول ہے(۲)۔

دینی مدارس کے غیر مستطیع طلبہ جو کہ سید نہ ہوں وہ مستحق زکوۃ ہیں اور فقراء ومساکین میں داخل ہیں(۳) اس نوع کو نویں قسم قرار دینا غلط ہے، علم دین کی تحصیل کوئی جرم نہیں کہ جس کی وجہ سے فقر ومسکنت کے با

---

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: لما توفي رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم واستخلف أبو بكر بعده .... فقال أبوبكر: والله لأقاتلنّ من فرق بين الصلوة والزكاة، فإن الزكوة حق المال، والله لو منعوني عقالاً كانوا يؤدونه إلى رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم لقاتلتهم على منعه". (الصحيح لمسلم: ۱/۳۷، كتاب الإيمان، باب الأمر بقتال الناس حتى يقولوا: لا إله إلا الله محمد رسول الله، قديمي)

(۲) "عن أبي حميد الساعدي رضي الله تعالىٰ عنه قال: استعمل رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم رجلاً من الأسد على صدقات بني سليم يُدعى ابن اللتبية، فلماجاء حاسبه". (صحيح البخاري: ۱/۲۰۳، باب قول الله تعالىٰ والعاملين عليها الخ، قديمي)

"أجمع المسلمون في جميع الأعصار على وجوب الزكاة، واتفق الصحابة رضي الله تعالى عنهم على قتال مانعها، فمن أنكر فرضيتها كفر وارتد إن كان مسلماً، الخ". (الفقه الإسلامي وأدلته: ۳/۱۷۹۲، فرضية الزكاة، رشيديه)

(۳) "هي تمليك جزء مال عيّنه الشارع من مسلم فقير غير هاشمي ولا مولاه مع قطع المنفعة عن المملك من كل وجهٍ، الخ". (ردالمحتار على الدرالمختار: ۲/۲۵۸، كتاب الزكاة، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۱/۲۸۴، كتاب الزكاة، دار الكتب العلمية، بيروت)

(وكذافي البحر الرائق: ۲/۳۵۲، كتاب الزكاة، رشيديه)

"ان طالب العلم يجو له أخذ الزكاة ولوغنياً إذا فرغ نفسه لإفادة العلم واستفادته لعجزه عن الكسب والحاجة واعية إلى مالا بدمنه". (الدرالمختار).

"وفي المبسوط لايجوز دفع الزكاة إلى من يملك نصابا إلا إلى طالب العلم والغازي ومنقطع الحج لقوله عليه الصلاة والسلام: "لايجوز دفع الزكاة لطالب العلم وإن كان له نفقة أربعين سنة" ...... =

وجود زکوٰۃ دینا منع ہو۔

معترض صاحب نے جو اپنے ہینڈ بل کے نمبر: ۲۰ میں تلقین کی ہے کہ ''کسی طالب علم کو دینے کا طریقہ یہ ہے کہ براہ راست دیجئے''۔ تو انہوں نے یہ نیا مصرف کہاں سے نکالا؟ نیز اسی ہینڈ بل میں نمبر: ۲۰ میں یہ بھی گلہ کیا ہے کہ ''طلباء پر رقم زکوٰۃ کی کم خرچ کی جاتی ہے اور ان کو مالک نہیں بنایا جاتا''، اگر یہ مصرف نیا اور نواں ہے جو کہ قرآن وحدیث سے ثابت نہیں ہے پھر گلہ کیوں ہے؟ معترض صاحب کے ہینڈ بل کے نمبر: ۱۴ میں یہ لکھنا کہ ''نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سونے سے پہلے تمام صدقات تقسیم کر دیا کرتے تھے''(۱) اور اس کو کلیہ سمجھنا حدیث پاک اور سیرتِ مبارکہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عدمِ واقفیت پر مبنی ہے، بخاری شریف میں مذکور ہے کہ ''صدقہ کی حفاظت کے لئے ایک صحابی کو مقرر فرمایا، انہوں نے وہاں نماز کی نیت باندھ لی، رات کا وقت تھا، ایک چور آیا اس نے اس میں سے کچھ لیا، انہوں نے نیت توڑ کر اس کو پکڑ لیا کہ چل حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس اس نے معذرت کی کہ آمدنی کم ہے اور عیال زیادہ اس لئے میں نے ایسا کیا آئندہ نہیں کروں گا، انہوں نے اس کو چھوڑ دیا، صبح کو جب حاضر خدمت ہوئے تو یہ واقعہ پیش ہوا تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ''وہ جھوٹا ہے پھر آئے گا''۔ چنانچہ دوسری اور تیسری رات جب انہوں نے خدمت اقدس میں لے جانے پر زور دیا تب اس نے کہا کہ میں آپ کو ایسی چیز بتاتا ہوں کہ جہاں اس کو پڑھ دیں گے وہاں نہ آؤں گا اور اس نے آیت الکرسی بتلائی، پھر صبح کو خدمت اقدس میں حاضری ہوئی قصہ بتایا تو آپ نے ارشاد فرمایا: ''وہ جھوٹا مگر

= والمعنى أن الإنسان يحتاج إلى أشياء لاغنى له عنها، فحينئذٍ إذا لم يجزله قبول الزكاة مع عدم اكتسابه أنفق ماعنده ومكث محتاجاً، فينقطع عن الإفادة والاستفادة، فيضعف الدين لعدم من يتحمله .... قلت: وهو كذلك والأوجه تقييده بالفقير، ويكون طلب العلم مرخصاً لجواز سؤاله من الزكوة وغيرها وإن كان قادراً على الكسب إذ بدونه لايحل له السؤال". (ردالمحتار: ۲/۳۴۰، كتاب الزكوة، باب المصرف، سعيد)

(۱) "عن ابن أبي مليكة أن عقبة بن الحارث حدثه قال: صلى النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم العصر، فأسرع، ثم دخل البيت، فلم يلبث أن خرج، فقلت أو قيل له؟ فقال: "كنت خلّفت في البيت تبراً من الصدقة فكرهت أن أبيته فقسمته". (الصحيح البخاري: ۱/۱۹۲، كتاب الزكوة، باب من أحب تعجيل الصدقة من يومها، قديمي)

بات سچی بتا گیا، وہ شیطان تھا''(۱)۔

اگر تمام صدقات سونے سے پہلے تقسیم فرما دینے کا حتمی معمول تھا تو آخر اس کی نوبت کیوں آئی، نیز اہل عرینہ کا واقعہ بھی بخاری شریف اور دیگر صحاح میں مذکور ہے کہ ''ان کو مدینہ کا پانی موافق نہیں آیا مریض ہو گئے تو ان کو ایک جگہ بھیج دیا کہ ''وہاں صدقہ کے اونٹ چرتے ہیں، وہاں جاکے رہو سہو'' چنانچہ وہ گئے اور کچھ روز تک رہے تندرست ہو گئے، راعی کو قتل کیا، مثلہ کیا، اونٹوں کو بھگا لے گئے، جس وقت خبر پہنچی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کو پکڑنے کے لئے آدمی بھیجے، وہ پکڑے ہوئے آئے''(۲) اگر سونے سے پہلے تمام صدقات تقسیم فرما دیتے تھے تو اتنے روز تک یہ صدقے کے اونٹ کیسے باقی رہے؟

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صدقات واجب التملیک کی حفاظت کا مستقل انتظام فرما رکھا تھا، وقتاً فوقتاً حسب ضرورت ومصلحت مستحقین کو دیتے تھے (۳)۔ صحابہ کرام تمام امت سے افضل

---

(۱)"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: وكّلني رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بحفظ الزكاة رمضان، فأتاني آتٍ، فجعل يحثو من الطعام فأخذته، فقلت: لأرفعنك إلى رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فقصّ الحديث فقال إذا أويت إلى فراشك فاقرأ آية الكرسي لن يزال من الله حافظا ولا يقربك شيطان حتى تصبح وقال النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم صدقك وهو كذوبٌ ذاك الشيطان".
(صحيح البخاري: ۲/۷۴۹، فصل البقرة، قديمي)
(وجامع الترمذي: ۲/۱۱۵، باب ماجاء في سورة البقرة، وآية الكرسي، سعيد)

(۲)"عن قتادة أن أنساً رضي الله تعالىٰ عنه حدثهم أن ناساًمن عكل وعرينه قدموا المدينة على النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، وتكلموا بالإسلام، فقالوا: يا نبي الله! إنا كنا أهل ضرع ولم نكن أهل ريف، واستوخموا المدينة، فأمرهم رسول الله بذود راعي، وأمرهم أن يخرجوا فيه فيشربوا من ألبانها وأبوالها فانطلقوا ناحية الحرة كفروا بعد إسلامهم وقتلوا راعي النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم واستاقوا الذود فبلغ النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فبعث الطلب في آثارهم فأمربهم فسمّروا أعينهم وقطعوا أيديهم وتركوا في ناحية الحرة حتى ماتوا على حالهم". (صحيح البخاري: ۲/۶۰۲، باب قصة عكل وعرينة، قديمي)

(۳) "وقد بلغ من عدل عمر أنه كان يحرص كل الحرص على دفع أعطيات المسلمين إليهم في مواعيدها لافرق بين عامة وخاصة .... وكذلك كان أحرص الناس على اموال المسلمين =

تھے(۱)، اصحاب صفہ کا ایک خاص مقام تھا کہ قرآن کریم اور علم دین حاصل کرنے کے لئے اپنے آپ کو وقف کئے ہوئے تھے، اہل وسعت صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم صدقات ان کو دیا کرتے تھے (۲) تو قرآن کریم وعلم دین حاصل کرنے کے لئے آدمی کا طاہر ومطہر ہونا ضروری ہے تو یہ صدقات ایسے لوگوں کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف سے اور آپ کی ہدایت کے مطابق دوسرے صحابہ کی طرف سے کیوں دیئے جاتے تھے؟

= ومصالحهم، فكثيرما كان يرى وهويد هن إبل الصدقة وكان عمر رضى الله تعالىٰ عنه يعطيهم على قدر الحاجة، والفقه والفضل، والأخذبهذا فى زماننا أحسن، الخ". (ردالمحتار: ۲۱۹/۴،مصارف بيت المال، سعيد)

(۱) "عن عبدالله عن النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "خير أمتى قرنى، ثم الذين يلونهم، ثم الذين يلونهم".

قال النووى رحمه الله: اتفق العلماء على أن خير القرون قرنه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم والمراد أصحابه، وقد قدمنا أن الصحيح الذى عليه الجمهور أن كل مسلم راى النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ولو ساعةً فهو من أصحابه. ورواية "خير الناس" على عمومها، والمراد منه جملة القرن". (الصحيح للإمام مسلم مع شرحه للإمام النووى: ۳۰۸/۲، ۳۰۹، كتاب الفضائل، باب فضل الصحابة ثم الذين يلونهم .... الخ، قديمى)

"قال القاضى: ويؤيد هذا ما قدمناه فى اول باب فضائل الصحابة عن الجمهور من تفضيل الصحابة كلهم على جميع من بعدهم". (شرح الصحيح لمسلم للنووى: ۳۱۰/۲، كتاب الفضائل، باب تحريم سب الصحابة، قديمى)

"والصحابة كلهم عدول مطلقاً لظواهر الكتاب والسنة وإجماع من يعتدبه".

"فى شرح السنة قال أبو منصور البغدادى: أصحابنا مجمعون على أن أفضلهم الخلفاء الأربعة على الترتيب المذكور، ثم تمام العشرة، ثم أهل بدر، ثم أحد، ثم بيعة الرضوان، ومن له مزية من أهل العقبتين من الأنصار، وكذٰلك السابقون الأولون". (مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح: ۳۵۵/۱، كتاب المناقب والفضائل، باب مناقب الصحابة رضى الله تعالىٰ عنهم اجمعين، حقانيه)

(۲) "قال عليه الصلوة والسلام: "أهل الصفة أضاف الإسلام: لايأوون على أهل ولامال ولا على أحد، إذا أتته صدقة بعث بها إليهم ولم يتناول منها شيئا، وإذا أتتة هدية أرسل إليهم وأصاب منها وأثرلهم فيها". =

ایک شہر سے دوسرے شہر کو زکوٰۃ بھیجنا یا منتقل کرانا اگر ہر صورت میں مکروہ ہے تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عامل بھی حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف سے مختلف بستیوں میں جاتے تھے (۱) اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی اس کا انتظام فرمایا تھا کہ دوسرے شہروں میں سے زکوٰۃ منگوائی جاتی تھی (۲)، اگر اپنے عزیز رشتہ دار دوسرے شہر میں ہوں تو وہاں بھیجنا بھی مکروہ نہیں، اسی طرح زیادہ دیندار دوسری جگہ ہوں تو بھیجنا مکروہ

= قال الحافظ: "وتقدم في "باب علامات النبوة" وغيره حديث عبد الرحمن بن أبي بكر أن أصحاب الصفة وكانوا ناساً فقراء وأن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "من كان عنده طعام اثنين فليذهب بثالث". (فتح الباري: ۱۱/ ۲۸۱ –۲۸۶، كتاب الرقاق، باب كيف كان عيش النبي وأصحابه، دارإحياء التراث العربي، بيروت)

(۱) "الحادي عشر: في قوله "تؤخذ من أغنيائهم" دليل على أن الإمام يرسل السُّعاة إلى أصحاب الأموال لقبض صدقاتهم، وقال ابن المنذر: أجمع أهل العلم على أن الزكوة كانت ترفع إلى رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وإلى رسله وعُمّاله وإلى من أمر بدفعها إليه". (عمدة القاري شرح صحيح البخاري: ۸/ ۳۴۳، كتاب الزكاة، باب وجوب الزكاة، رشيديه)

"وقال غيرهم: إنه يجوز مع كراهة لماعلم بالضرورة أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم كان يستدعي الصدقات من الأعراب إلى المدينة، ويصرفها في فقراء المهاجرين والأنصار، كما أخرج النسائي من حديث عبدالله بن هلال الثقفي قال: جاء رجل إلى رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وآله وسلم فقال: كدت أقتل بعدك في عناق أو شاة من الصدقة، فقال صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لولا أنها تعطى فقراء المهاجرين ما أخذتها. ولِمَا أخرج البيهقي وعلّقه البخاري عن معاذ أنه قال لأهل اليمن: ائتوني بكل خميس وليس آخذه منكم مكان الصدقة، فإنه أرفق بكم وأنفع للمهاجرين والأنصار بالمدينة".

(نيل الأوطار: ۴/ ۲۱۵ –۲۱۶، كتاب الزكوة، أبواب تفرقة الزكاة في بلدها، دارالباز مكه مكرمه)

"ومن الثاني حديث محمد بن مسلمة أنه يعمل لصدقة في عهد رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فكان يأمر الرجل إذا جاء بالفريضة أن يأتي بعقالها وقرانها". (حاشية سنن أبي داؤد: ۱/ ۲۲۷، كتاب الزكوة، رحمانيه)

(۲) "وقال ابن الأثير: قد جاء في الحديث مايدل على القولين ، فمن الأول حديث عمر أنه أخّر الصدقة عام الرمادة، فلما أحيا الناس بعث عامله، فقال: اعقل منهم عقالين، فاقسم فيهم عقالاً وائتني بالآخر يريد به =

نہیں، کتب فقہ، البحر الرائق (۱)، شامی (۲)، عالمگیری (۳)، مجمع الانہر (۴) میں یہ مسائل مذکور ہیں، تو اگر دور دراز سے لوگ دینی مدارس میں زکوۃ بھیجیں جن کے رشتہ دار پڑھتے ہیں اور جہاں زیادہ حاجت مند ہیں اور جہاں زیادہ اہل دین ہیں تو کوئی کراہت نہیں (۵)۔

= صدقة عاملين". (حاشية سنن أبي داؤد: ۱/۲۲۷، كتاب الزكوة، رحمانيه)

"عن سالم عن أبيه قال: كتب رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم كتاب الصدقة، فلم يخرجه إلى عماله حتى قُبض، فقرنه بسيفه، فعمل به أبوبكر حتى قبض، ثم عمل به عمر حتى قبض". (سنن أبي داؤد: ۱/۲۳۰، كتاب الزكوة، باب زكاة السائمة، رحمانيه)

"عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده قال: جاء هلال أحدُ بني مُتعانَ إلى رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بعشور نحل له وكان سأله أن يحمي وادياً يقال له: سلبة، فحمى له رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ذلك الوادي. فلما وُلّي عمر بن الخطاب رضي الله تعالىٰ عنه، كتب سفيانُ بن وهب إلى عمر بن الخطاب يسأله عن ذلك، فكتب عمر: إن أدّى إليك ما كان يؤدي إلى رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم من عشور نحله فأحمِ له سلبة، وإلا فإنما هو ذباب غيث يأكله من يشاء". (سنن أبي داؤد: ۱/۲۳۳، كتاب الزكوة، باب زكاة العسل، امداديه ملتان)

(۱) "وعدم الكراهة في نقلها للقريب للجمع بين أجرى الصدقة والصلة وللأحوج؛ لأن المقصود منها سدّ خلة المحتاج، فمن كان أحوج كان أولى، وليس عدم الكراهة منحصراً في هاتين؛ لأنه لونقلها إلى فقير في بلد آخر أورع وأصلح كما فعل معاذ رضي الله عنه، لايكره، ولهذا قيل: التصدق على العالم الفقير أفضل، كذا في المعراج". (البحر الرائق، باب المصرف: ۲/۴۳۶، رشيديه)

(۲) (ردالمحتار، باب المصرف: ۲/۳۵۳، ۳۵۴، سعيد)

(۳) (الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب السابع في المصارف: ۱/۱۹۰، رشيديه)

(۴) (مجمع الأنهر، باب في بيان أحكام المصرف: ۱/۲۲۶، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(۵) "وكره نقلها، إلا إلى قرابة أو أحوج أو أورع أو أنفع للمسلمين، أومن دارالحرب إلى دارالإسلام، أو إلى طالب علم أوإلى الزهاد، الخ". (تنوير الأبصار مع الدرالمختار: ۲/۳۵۴،باب المصرف، سعيد)

(وكذافي مجمع الأنهر: ۱/۳۳۳،باب بيان أحكام المصارف، دارالكتب العلمية، بيروت)

(وكذافي البحر الرائق: ۲/۴۳۵،باب المصرف، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۱/۳۳۳، باب بيان أحكام المصارف، دارالكتب العلمية، بيروت)

البتہ زکوٰۃ کا مستحق کو مالک بنا کر دینا ضروری ہے خواہ اس کو نقد دیا جائے یا اس کی ضرورت کے مطابق گرمی سردی کے کپڑے دیئے جائیں یا کتابیں دی جائیں یا ان کو کھانا دیا جائے، زکوٰۃ کا پیسہ تنخواہوں میں، تعمیر میں، کلینڈر، رسید وغیرہ طبع کرانے میں خرچ کرنا درست نہیں ہے(۱) جو ارباب مدارس ایسا کرتے ہیں ان کو اس کا لحاظ رکھنا واجب ہے۔

اللہ پاک نے براہ راست ﴿آتو الزکوۃ﴾(۲) کا خطاب فرمایا ہے پھر اپنے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے حکم دیا یعنی مسلط فرمایا: ﴿خذ من أموالهم صدقةً﴾(۳) پھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو مسلط فرمایا، یمن کے دو ڈویژن تھے ایک پر حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اور دوسرے پر حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مسلط فرمایا وغیرہ وغیرہ(۴) پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے عاملین کو مقرر فرما دیا اور جنہوں نے ادائے زکوٰۃ سے انکار کیا، ان سے قتال کے لئے آمادہ ہو گئے پھر ان کے بعد دیگر خلفاء نے اس سلسلہ کو باقی رکھا(۵)۔

---

(۱) "ويشترط أن يكون الصرف تمليكاً لا إباحةً كما مرّ، لايصرف إلى بناء نحو مسجد ولا إلى كفن ميت وقضاء دينه، الخ". (ردالمحتار: ۲/۳۴۴،باب المصرف، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۲/۱۲۰، باب المصرف، دارالكتب العلمية، بيروت)

(وكذافي الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۱۸۸،الباب السابع في المصارف، رشيديه)

(۲) (سوره البقرة: ۴۳)

(۳) (سورة التوبة: ۱۰۳)

(۴)" عن أبي بردة قال: بعث رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم أبا موسى ومعاذ بن جبل رضي الله تعالیٰ عنهما اليمن، قال:بعث كل واحدمنهما على مخلاف، -قال: واليمن مخلافان-، ثم قال:" يسّرا ولاتعسرا"........ فانطلق منهما إلى عمله ". (صحيح البخاري: ۲/۶۲۲،باب بعث أبي موسى ومعاذبن جبل إلى اليمن، قديمي)

(والسنن لأبي داؤد: ۱/۲۲۲،باب زكاة السائمة، سعيد)

(وكذافي المحيط البرهاني: ۲/۴۴۱،الفصل الثامن من توضع الزكاة فيه،غفّاريه)

(۵) "عن سالم عن أبيه قال: كتب رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم كتاب الصدقة، فلم يخرجه إلى عماله حتى قُبض، فقرنه بسيفه فعمل به أبوبكر حتى قبض ثم عمل به حتى قبض". (سنن أبي داؤد: ۱/۲۳۰، =

آج تسلیط کی قوت نہیں، ترغیب وترہیب کا وقت ہے یہ سلسلہ جاری ہے، جس طرح کسی آدمی کے ذریعہ زبانی پیغام دے کر زکوٰۃ وصول کی جاتی ہے اسی طرح خط، اشتہار وغیرہ کے ذریعہ ترغیب دی جاتی ہے، اس پر اعتراض کرنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی کہے کہ ریل اور جہاز میں سوار ہو کر حج کرنا کہاں سے ثابت ہے، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تو اونٹ پر سوار ہو کر مسافت طے فرمائی ہے، ریل اور جہاز سے سفر نہیں فرمایا؟ ظاہر ہے کہ یہ اعتراض بالکل ناسمجھی کا ہے۔

اگر تربیت وتہذیب کے لئے کوئی سزا مناسب تجویز کی جائے جو حدودِ شرع کے اندر ہو تو اس میں کیا مضائقہ ہے، یہ بات کہ اللہ تعالیٰ کافر ومشرک کا کھانا بند نہیں کرتے تو مہمانانِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کھانا کیوں بند کیا جاتا ہے؟ یہ بھی ناسمجھی پر مبنی ہے، کسی شخص سے زنا کا صدور ہو جائے اس کو سنگسار کیا جاتا ہے یا کوڑے مارے جاتے ہیں، اگر کوئی سوال کرنے لگے کہ کافر ومشرک کفر وشرک میں مبتلاء ہیں، ان کو اللہ تعالیٰ نہ سنگسار کرتے ہیں نہ کوڑے مارتے ہیں تو مسلمان کو یہ سزا کیوں دی جاتی ہے۔ کوئی شخص تہذیب سکھانے کے لئے اپنے بچے کی کمر پر چپت مار دیتا ہے جس سے اس کی غلطی پر تنبیہ ہو اگر وہ بچہ مطالبہ کرے کہ جو غلطی میں نے کی اس سے بڑی غلطی کافر کرتا ہے اللہ تعالیٰ تو انہیں چپت نہیں مارتا، آپ نے مجھے چپت کیوں ماری؟ ظاہر ہے کہ اس کا قول ناسمجھی پر محمول کیا جائے گا، کیونکہ اس میں بات سمجھنے کی اہلیت وصلاحیت ہی نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

= كتاب الزكوة، باب في زكاة السائمة، رحمانيه)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: "لما توفي رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم واستخلف أبوبكر بعده، وكفر من كفر من العرب .... فقال أبوبكر: والله! لأقاتلن من فرق بين الصلوة والزكاة، فإن الزكاة حق المال، والله! لومنعوني عقالاً كانوا يؤدونه إلى رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم لقاتلتهم على منعه". (سنن أبي داؤد: ۱/۲۲۴، كتاب الزكوة، امداديه)

(والصحيح لمسلم: ۱/۳۷، كتاب الإيمان، باب الأمر بقتال الناس الخ، قديمي)

"فمن الأول حديث عمر أنه أخر الصدقة عام الرمادة، فلما أحيا الناس بعث عامله، فقال: اعقل منهم عقالين، فاقسم فيهم عقالاً وأتني بالآخر" يريد به صدقة عامين. وحديث معاوية: أنه بعث ابن رضية عمرو بن عتبة بن أبي سفيان على صدقات كلب". (حاشية سنن أبي داؤد: ۱/۲۲۷، كتاب الزكوة، رحمانيه)

زکوٰۃ وغیرہ مدارس میں دینا

سوال[۴۶۸۶]: کیا صدقۂ فطر، قربانی کی کھال اورزکوٰۃ وغیرہ دینی مدارس میں دے سکتے ہیں، اسی طرح کیا انہیں مساجد کی تعمیر وغیرہ میں خرچ کر سکتے ہیں؟

الجواب حامداومصلیاً:

یہ چیزیں براہ راست مدرسہ یا مسجد وغیرہ کے کسی ملازم کی تنخواہ یا تعمیر وغیرہ میں خرچ کرنا درست نہیں، البتہ دینی مدارس کے مستحق طلباء پر صرف کرنا درست ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

زکوٰۃ وغیرہ مدرسہ میں دینا

سوال[۴۶۸۷]: ایک بہت بڑا موضع مسلمانوں نے آباد کیا ہے مگر وہاں کے لوگ بہت جاہل اور لاعلم ہیں، عام طور سے غیر مستطیع ۸۵/ فیصد ہیں، شرعی و مذہبی رسم ورواج سے بالکل بے بہرہ ہیں۔ یہاں پر ایک مکتب جاری کیا گیا، بے حد کوشش کی گئی کہ مکتب میں کوئی رقم ماہانہ دی جائے لیکن لوگوں نے نہیں دیا، مکتب بار بار مع عمارت کے ختم ہوتا گیا لیکن لوگوں نے توجہ نہیں کی۔ یہاں کے لوگ وعظ و پند کی کوئی اہمیت نہیں رکھتے، مکرر، سہ کرر لوگوں کو اکٹھا کرنے کی کوشش کی گئی لیکن برابر ناکامی رہی، یہ دیکھ کر ایک صاحب نے کوشش کر کے چالیسواں حصہ غلہ، فطرہ، زکوٰۃ، کچھ معمولی رقم بیرونی حضرات سے اعانت لے کر مدرسہ چلانا شروع کیا اور عمارت بھی بنوایا، ابھی بن رہا ہے۔

اب مدرسہ میں مدرسین ہیں، علاوہ دینیات کے ہندی اور جغرافیہ حساب وغیرہ کی بھی تعلیم ہوتی ہے، اب نادار طلبہ کو مدرسہ سے کتابیں دی جاتی ہیں مگر اب تک گاؤں کے لوگوں نے اس پر توجہ نہیں کی اور نہ کچھ مدد کرتے ہیں صرف چالیسواں غلہ سے کچھ مدد کر دیتے ہیں۔ یہاں کے لوگ عموماً جاہل اور بخیل ہیں، مذہبی قانون سے کچھ واسطہ نہیں رکھتے، یہاں مدرسہ اسلامیہ کا ہونا بہت ضروری ہے۔ سوال یہ ہے کہ بحالتِ مجبوری ہر قسم کی

---

(۱) (تقدم تخریجه تحت عنوان: ''مدارس میں زکوٰۃ دینا''۔)

(وکذافی الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۱۸۸، الباب السابع فی المصارف الزکاۃ، رشیدیه)

(وکذا فی الفقه الإسلامی وأدلته: ۱۹۵۸/۳، مصارف الزکاۃ، رشیدیه)

9

رقوم سے مدرسین کی تنخواہ دے جاسکتی ہے یا نہیں؟ زکوٰۃ دہندگان کی زکوٰۃ ادا ہوجاتی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداومصلیاً:

جن رقوم (زکوٰۃ، صدقۃ الفطر، قیمتِ چرم قربانی، نذر، کفارۂ یمین وصوم وغیرہ) میں تملیک ضروری ہے، ان کو تعمیر یا تنخواہ میں براہ راست صرف کرنا جائز نہیں (۱)، ایسا کرنے سے واجب ادا نہ ہوگا۔ غریب طلباء پر بصورتِ لباس، طعام وغیرہ تملیکاً صَرف کرنا ضروری ہے (۲)، البتہ نفلی خیرات وصدقات کو تعمیر وتنخواہ میں بھی صرف کیا جاسکتا ہے (۳)۔

جو حضرات اہلِ دین مدارس چلاتے ہیں اور طریق سے واقف ہیں، نیز اللہ پاک نے ان کو خشیت اور تقویٰ بھی عطا فرمایا ہے ان کے وعظ کرائیں اور ان سے مشورہ لیں، اپنی بستی کی حالت ان کو دکھائیں، وقتاً فوقتاً بستی کے لوگوں کو دیگر مقامات پر دینی مدارس کا معائنہ کرائیں، کہ کس طرح وہ مدارس چلاتے ہیں اور ان کی کیسی کیسی علمی وعملی واخلاقی ترقیات ہوتی ہیں اور ان سے مخلوق کو کس قدر ہدایت ہوئی ہے اور فیض پہونچتا ہے، اس سے ان کے دلوں میں بھی شوق اور علمِ دین کا جذبہ پیدا ہوگا انشاء اللہ تعالیٰ۔ واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۳/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۳/۸۸ھ۔

---

(۱) (تقدم تخریجه تحت عنوان: ''زکوٰۃ وغیرہ مدارس میں دینا۔'')

(۲) "ویشترط أن یکون الصرف تملیکاً، الخ". (الدر المختار: ۲/۳۴۴، باب المصرف، سعید)

(وکذا في التاتارخانیة: ۲/۲۷۵، باب من توضع الزکاة، ادارة القرآن)

(وکذا في مجمع الأنهر: ۱/۲۸۴، کتاب الزکاة، دار الکتب العلمیة، بیروت)

(وکذا في البحر الرائق: ۲/۴۱۹، باب المصرف، رشیدیه)

(وکذا في فتاوی دارالعلوم دیوبند: ۶/۲۳۳، باب المصرف، امدادیه)

(۳) "(فأما الصدقة علی وجه الصلة والتطوع فلا بأس به. وفي الفتاویٰ العتابیة: وکذلک یجوز النفل للغني الخ". (التاتارخانیة: ۲/۲۷۵، باب من توضع الزکاة فیه، إدارة القرآن کراچی)

(وکذا في الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۱۸۹، الباب السابع في المصارف، رشیدیه)

(وکذا في النهر الفائق: ۱/۴۶۴، باب المصرف، امدادیه)

بچیوں کے مدرسہ میں زکوٰۃ دینا

سوال[۴۶۸۸] : ایک بچیوں کا مدرسہ قائم ہوا جس میں دینی تعلیم ہورہی ہے لیکن اس کی مالی حالت کمزور ہے اس لئے دریافت طلب امر یہ کہ:

(الف)......کیا اس مدرسہ میں زکوٰۃ کی رقم دی جاسکتی ہے؟ اور اگر دی جاسکتی ہے تو دینے والا کس کو دینے کی نیت کرے؟ کیونکہ معلوم ہوا ہے کہ زکوٰۃ میں تملیک شرط ہے تو کیا غریب اور نابالغ بچیوں کی نیت سے زکوٰۃ دی جاسکتی ہے؟

(ب)......زکوٰۃ کی رقم مدرسہ کے ذمہ دار کو دی جائے گی اور وہ ذمہ دار بچیوں کو دے کر حیلۂ تملیک کرے گا تو کیا بچیاں اس سے مدرسین کی تنخواہیں ادا کرسکتی ہیں؟

(ج)......کیا بچیوں کو دے کر پھر اس رقم کو ان سے بطور فیس واپس لے کر مدرسہ کے حساب میں جمع کیا جاسکتا ہے اور پھر اس سے تنخواہیں دی جاسکتی ہیں؟

(د)......نیز اس طرح صدقات، خیرات، فطرہ، عید قربانی پر کھال کی قیمت، عقیقہ پر بکرے کی کھال کی قیمت، فدیہ وغیرہ بھی ان بچیوں کی نیت سے دیگر ذمہ دار مدرسہ بحیلۂ شرعی اس کو ان سے لے کر عطیہ میں جمع کر سکتے ہیں اور ان سے تنخواہیں وغیرہ ادا کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر اس دینی مدرسہ کے اخراجات پورے کرنے کے لئے نہ کوئی وقف کی آمدنی ہے، نہ چندہ ہوتا ہے، نہ فیس وصول ہوتی ہے تو بدرجۂ مجبوری رقم واجب التملیک کو اس طرح صرف کرنا درست ہے کہ مستحق زکوٰۃ لڑکیوں کو تملیکاً دیدیں اور وہ مالک وقابض ہونے کے بعد مقررہ فیس میں ذمہ دار کو دیدیں، پھر ذمہ دار اس رقم کو تنخواہ یا دیگر ضروریات میں صرف کردے۔

لڑکیاں اگر چھوٹی ہوں اور ان کے اولیاء مستحق زکوٰۃ ہوں تو زکوٰۃ ان کے اولیاء کو بھی اس مقصد کے لئے دی جاسکتی ہے اور ذمہ دارِ مدرسہ، معلّمہ وغیرہ کو بھی دی جاسکتی ہے اس تشریح کے ساتھ کہ یہ زکوٰۃ ہے،

زکوٰۃ، فطرہ، قیمت چرمِ قربانی، نذر وغیرہ سب کا حکم یہی ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۹/۱۳۸۸ھ۔

نیم سرکاری مدرسہ میں زکوٰۃ دینا

سوال[۴۶۸۹]: گنگوہ میں ایک مدرسہ اسلامی محض قرآن کی تعلیم نیز ضروری حساب و اردو کی تعلیم کے لئے کھولا گیا تھا جس کے اخراجات کی یہ صورت تھی کہ مسلمانوں سے کسی قدر بطور چندہ لیا جاتا تھا، جب اس چندے سے مدرسہ کا خرچ نہ چلا تو زکوٰۃ کی مد سے نیز چرمِ قربانی کا روپیہ لوگوں سے حاصل کر کے بحیلہ جواز مدرسہ میں صَرف کرنے لگے، چندروز اسی طرح کاروائی کی گئی بعد میں سرکاری امداد بھی اس قدر امداد کا مطالبہ کیا، چنانچہ اس وقت تک سرکاری امداد بھی اس قدر مل رہی ہے جو اخراجاتِ مدرسہ کو کافی ہے یعنی مدرسہ ھٰذا میں چار مدرس ہیں ان کی تنخواہوں کو کافی ہے۔ رہا مدرسہ کا کرایہ یا سامان وغیرہ کا خرچ وہ بھی چندہ وغیرہ طلبہ سے وصول کر کے پورا کیا جاتا ہے کیوں کہ یہ مدرسہ مجبوری کی وجہ سے سرکاری ضابطہ کے ماتحت کاروائی کرنے پر مجبور ہو گیا جس میں جبریہ تعلیم کی زد سے بچوں کی تعلیم میں رخنہ اندازی بھی ہو رہی ہے۔

اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ یہ مدرسہ خالص اسلامی تو رہا نہیں سرکاری سرپرستی میں آ گیا پس اس مدرسہ میں بصورتِ متذکرہ بالا زکوٰۃ اور چرمِ قربانی کا روپیہ بحیلۂ جواز لگانا درست ہے یا نہیں جب کہ اس مدرسہ کا خرچ معلموں کی تنخواہ میں صرف ہوتا ہے؟ نیز مدرسہ کے روپیہ کو مہتمم اپنے ذاتی کام میں بطورِ قرض تصرف میں لاسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

زکوٰۃ جب مستحق کے پاس پہنچ گئی تو وہ ادا ہوگئی، اب اس نے جس کام کے لئے وہ روپیہ مدرسہ میں دیا

---

(۱) "یشترط أن یکون الصرف تملیکاً لا إباحةً، کمامرّ". (الدرالمختار). "وفی التملیک إشارة إلی أنه لایصرف إلی مجنون وصبی غیرمراهق إلا إذاقبض لهم من یجوز له قبضه کالأب والوصی وغیرهما".

(ردالمحتار: ۲/۳۴۴، باب المصرف، سعید)

(وکذافی الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۱۹۰، الباب السابع فی مصارف الزکاة، رشیدیه)

(وکذافی المحیط البرهانی: ۲/۴۳۴، الفصل الثامن من توضع الزکاة فیه، إدارة القرآن کراچی)

(وکذا فی خلاصة الفتاوی: ۱/۲۴۲، الفصل الثامن فی أداء الزکاة، امجد اکیڈمی لاهور)

ہے اس کی ھدایت کے موافق خرچ کرنا درست ہے اور یہی حال قیمتِ قربانی کا ہے(۱)۔ مدرسہ کا روپیہ مہتمم کے پاس امانت ہے اپنے ذاتی کام میں صَرف کرنا درست نہیں، اگر صرف کرے گا تو وہ قرض ہو جائے گا امانت نہ رہے گا یعنی اس کا تاوان واجب ہوگا (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، ۸/۵/۵۶ھ۔

جب مدرسہ کے مصارف دوسرے ذرائع سے پورے ہو جاتے ہیں تو زکوٰۃ کی رقم حیلہ کر کے خرچ نہ کرنی چاہیے اور اب چونکہ وہ نیم سرکاری مدرسہ ہو گیا ہے اس لئے غرباء اور طلبائے مدارسِ اسلامیہ اس کے مقابلہ میں زکوٰۃ کے زیادہ مستحق ہیں (۳)۔ فقط۔

سعید احمد غفرلہ۔

صحیح: عبداللطیف، ۸/ جمادی الاولیٰ/ ۵۶ھ۔

مدرسہ میں زکوٰۃ کا روپیہ دینا

سوال[۴۲۹۰]: دینی مدارس میں زکوٰۃ دینے والے مہتمم مدرسہ کو اس طرح دیتے ہیں کہ وہ صحیح

---

(۱) "لا یجوز الزکاۃ، إلا إذا قبضها الفقیر أو قبضها من یجوز قبضه له، لولایته علیه کالأب والوصي، الخ". (التاتار خانیة: ۲/۲۷۴، باب من توضع الزکاۃ فیه، إدارۃ القرآن کراچی)

(وکذا في المحیط البرهاني: ۲/۳۳۴، باب من توضع الزکاۃ فیه، غفاریه)

(وکذا في الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۱۹۰، الباب السابع في المصارف، رشیدیه)

(۲) "الودیعة لاتودع ولاتعار ولاتوجر ولا ترهن، فإن فعل شیئاً منها ضمن". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الودیعة: ۴/۳۳۸، رشیدیه)

(۳) "التصدق علی الفقیر العالم أفضل من التصدق علی الجاهل". (الفتاویٰ العالمکیریة، الباب السابع في المصارف، کتاب الزکاۃ: ۱/۱۸۷، رشیدیه)

"وبهذا التعلیل یقوی مانسب للواقعات من أن طالب العلم یجوزله أخذ الزکاۃ ولو غنیاً إذا فرغ نفسه لإفادۃ العلم واستفادته لعجزہ عن الکسب، والحاجة داعیة إلیٰ مالا بدمنه". (الدرالمختار، کتاب الزکاۃ: ۳/۳۳۵، رشیدیه)

مصرف میں خرچ کرے، گویا مہتمم صاحب وکیل ہوتے ہیں۔ جواب طلب امر یہ ہے کہ طلباء کی خوراک پوشاک میں بایں طور دینا جائز ہے کہ نہیں کہ زکوٰۃ کے روپے کا گندم وسالن وغیرہ خرید کر عام مطبخوں کی طرح تیار کرا کے تقسیم کر دیا جائے، یا روپیہ ہی کا طلباء کو مالک بنا دیا جائے؟

عبد اللطیف، مہتمم مدرسہ قاسم العلوم تیوڑہ، ضلع مظفر نگر، یوپی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

زکوٰۃ کے روپے سے غلہ خرید کر مطبخ میں کھانا پکا کر مستحقین طلباء کو کھانے کا مالک بنا کر دینے سے بھی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی اور نقد روپیہ دینے سے بھی ادا ہو جائے گی (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۸/ ۷/ ۹۳ھ۔

فی الحال زکوٰۃ کی ضرورت نہ ہونے پر بھی زکوٰۃ وصول کرنا

سوال [۴۲۹۱]: زکوٰۃ کے پیسوں کی فی الحال ضرورت نہیں ہے مگر مدرسہ کے اِبقاء اور ارتقاء اور استحکام کے پیشِ نظر بطورِ پیش بینی زکوٰۃ کی رقم لی جاتی ہے۔ تو کیا ایسا کرنا جائز ہے، مستحقین زکوٰۃ کی حق تلفی تو نہیں؟ اگر مہتمم مدرسہ زکوٰۃ وصول کر کے حیلۂ تملیک کرے اور پھر حسبِ مصالح صَرف کرتا ہے تو حیلۂ تملیک سے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی؟ اگر مہتمم مدرسہ زکوٰۃ لینے سے انکار کر دے تو وقتِ ضرورتِ زکوٰۃ ملنا دشوار ہے، ایسی صورت میں کیا کیا جائے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مدرسہ کے بقاء وارتقاء اور استحکام کے لئے صورتِ مسئولہ اختیار کرنا درست ہے، تملیک سے زکوٰۃ فوراً

---

(۱) "هي تمليك، خرج الإباحة، فلو أطعم يتيماً ناوياً الزكاة لا يجزيه، إلا إذا دفع إليه المطعوم، كما لو كساه بشرط أن يعقل القبض إلا إذا حكم عليه بنفقتهم". (الدر المختار: ۲/ ۲۵۶، ۲۵۷، كتاب الزكاة، سعيد)

(وكذا في التاتارخانية: ۲/ ۲۷۵، من توضع الزكاة فيه، إدارة القرآن كراچی)

(وكذافي النهر الفائق: ۱/ ۴۱۲، كتاب الزكاة، امداديه)

اداہوجائے گی (۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ

جس مدرسہ میں مصرفِ زکوٰۃ نہ ہو اور آئندہ امید ہو وہاں زکوٰۃ دینا

سوال[۴۶۹۲]: مدرسہ میں صرف ایک مدرّس ہیں، وہی مہتمم ہیں، بوجہِ فقر مصرفِ زکوٰۃ ہیں، مدرسہ بہت خستہ حالت میں ہے، کوئی مستقل آمدنی نہیں ہے، مدرسہ میں مقامی طلباء ہیں مگر گردونواح کے لڑکے بھی پڑھتے ہیں، بعض مصرف زکوٰۃ ہیں بعض نہیں ہیں لیکن مدرسہ سے امداد نہیں چاہتے۔تو اس صورت میں یہ مہتمم بحیثیتِ مہتمم ہونے کے بلا نیت اپنی تملیک کے محض مدرسہ کے واسطے زکوٰۃ کا روپیہ بقدرِ نصاب یا نصاب سے زیادہ بیک وقت کرسکتا ہے یا کہ نہیں؟ اس خیال سے کہ آئندہ کوئی مصرف زکوٰۃ طالب علم آجائے اور خود کو بھی ضرورت ہوگی، امدادی روپیہ بہت ہی کم آتا ہے۔ برائے مہربانی جواب دیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جبکہ وہاں زکوٰۃ کا مصرف موجود نہیں، اگر ہے بھی تو زکوٰۃ لینے کے لئے آمادہ نہیں، تو محض اس خیال سے کہ شاید آئندہ کبھی کوئی مصرف زکوٰۃ آجائے اور وہ زکوٰۃ کے لئے آمادہ بھی ہوجائے، زکوٰۃ وصول کرنا اور اس کو محفوظ رکھنا بہت بڑی ذمہ داری کو سر رکھنا اور اہل (مستحقین) کو محروم کرنا ہے، اس لئے انہیں ایسا نہیں کرنا چاہیے۔ مہتمم اگر حق الخدمت تصور کرتے ہوئے زکوٰۃ لیتا ہے تو یہ ناجائز ہے (۲)، اگر مصرفِ زکوٰۃ ہونے کی وجہ

---

(۱) (تقدم تخریجه تحت عنوان: ''بچیوں کے مدرسہ میں زکوٰۃ دینا''۔)

(۲) ''لایجوز أن یبنی بالزکاة المسجد؛ لأن التملیک شرط فیها، ولم یوجد، کذا لا یبنی بها القناطیر والسقایات ......والحیلة فی هذه الأشیاء أن یتصدق بها علی الفقیر، ثم یأمره أن یفعل هذه الأشیاء، فیحصل له ثواب الصدقة، ویحصل للفقیر ثواب هذه القرب''. (تبیین الحقائق: ۲/۱۲۰، باب المصرف، دارالکتب العلمیة، بیروت)

(وکذا فی الهدایة: ۱/۲۰۴، باب من یجوز دفع الصدقات إلیه ومن لایجوز، شرکة علمیه ملتان)

(وکذا فی التاتار خانیة: ۲/۲۷۲، باب من توضع الزکاة فیه، إدارة القرآن کراچی)

(وکذا فی المحیط البرهانی: ۲/۴۳۳، باب من توضع الزکاة فیه، غفاریه کوئٹه)

سے لیتا ہے اور خدمت مدرسہ کے عوض تنخواہ لیتا ہے یا حسبۃً للہ خدمت کرتا ہے تو اس کے لئے درست ہے لیکن بقدر نصاب مالک ہونے کے بعد زکوٰۃ لینا درست نہیں اگر چہ آئندہ ضرورت پیش آنے کا گمان غالب ہو(۱)۔ یہ بات کہ وہ حق الخدمت تصور کرتے ہوئے زکوٰۃ لیتا ہے یا نہیں، اس طرح معلوم ہو سکتی ہے کہ اس کو زکوٰۃ بالکل نہ دی جائے پھر دیکھا جائے کہ وہ مدرسہ کی خدمت حسب سابق کرتا ہے یا نہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ دار العلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند۔

مکتب میں زکوٰۃ اور قیمتِ چرمِ قربانی

سوال[۴۲۹۳]: ہمارے یہاں ایک مکتب اسلامیہ درجہ چہارم تک قائم ہے جس میں دو مدرسین کام کرتے ہیں، سڑک بورڈ ضلع میرٹھ سے مبلغ پندرہ روپیہ ماہوار بطور امداد مقرر ہے، تعداد طلبہ ۷۲/ ہے، مکتب مذکور ضلع کے خاص مکتبوں میں شمار کیا جاتا ہے، یہاں کے مسلمانوں کی حالت نہایت کمزور ہے، مکتب والے مالی امداد سے مجبور ہیں، طلباء سے فیس وغیرہ قطعاً نہیں لی جاتی اور غریب طلباء کے لئے کتابوں کا انتظام بمشکل چندہ سے کیا جاتا ہے۔ مکتب میں درجہ تین وچار میں فارسی بھی پڑھائی جاتی ہے، دینیات میں رسالہ ہائے تعلیم الاسلام مصنفہ مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب پڑھائے جاتے ہیں، ایک حافظ قرآن کا اضافہ کر کے حفظ کلام جاری کرنے کا ارادہ ہے۔ ایسی صورت میں چرم قربانی، نیز زکوٰۃ کا روپیہ اس مکتب کی امداد میں صرف کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداو مصلیاً:

زکوٰۃ اور چرم قربانی کو تعمیر یا تنخواہ میں یا وقفی کتب وقرآن شریف خرید نے میں صرف کرنا جائز نہیں،

---

(۱)" وكره إعطاء فقير نصاباً أو أكثر، إلا إذا كان المدفوع إليه مديوناً، أو كان صاحب عيال، بحيث لو فرّقه عليهم لا يخص كلاً، أو لا يفضل بعد دينه نصاب، فلايكره". (الدر المختار: ۲/۳۵۳، باب المصرف، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۲/۴۳۵، باب المصرف، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۲/۱۳۰، باب المصرف، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في المحيط البرهاني: ۲/۴۳۹، الفصل الثامن من توضع زكوٰة فيه، غفاريه)

البتہ مستحق طلبہ کے وظائف میں صرف کرنا درست ہے کہ ان طلباء کے کپڑے وغیرہ بنا دیئے جائیں۔ اگر مکتب متولی یا مہتمم غریب اور مستحق ہو اور مالکان زکوٰۃ یا قیمت چرم قربانی ان کو دیدیں اور مالک بنادیں تو اس کو از خود تنخواہ یا تعمیر وغیرہ میں صَرف کرنا درست ہوگا (۱)۔ اسی طرح اگر کسی غریب مستحق کو دیکر قبضہ کرادیں اور وہ اپنی طرف سے مکتب کے لئے دیدے، تب بھی مکتب کی جمیع ضروریات میں صرف کرنا درست ہے، یہ حکم ہے زکوٰۃ اور قیمت چرم قربانی کا (۲)۔ اگر مالکان قیمت نہیں بلکہ خود چرمِ قربانی کا مہتمم مکتب کو مالک بنادیں تو اس کے لئے مہتمم کا غریب اور مستحقِ زکوٰۃ ہونا ضروری نہیں، بلکہ وہ مالدار ہونے کی حالت میں بھی اس کو حسبِ ضرورت صرف کر

---

(۱) "ويشترط أن يكون الصرف تمليكاً الخ". (الدرالمختار: ۲/۳۴۴، باب المصرف، سعید)

(وكذافي التاتارخانية: ۲/۲۷۵، باب من توضع الزكاة، إدارة القرآن كراچی)

(وكذافي مجمع الأنهر: ۱/۲۸۴، كتاب الزكاة، دارالكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في البحر الرائق: ۲/۴۱۹، باب المصرف، رشيديه)

(وكذا في فتاوى دارالعلوم ديوبند: ۶/۲۳۳، باب المصرف، امداديه)

(۲) "(تمليكاً لا إباحة كما مرّ)، فلايكفي فيها الإطعام إلا بطريق التمليك، ولو أطعمه عنده ناوياً للزكاة لاتكفي الخ". (ردالمحتار: ۲/۳۴۴، باب المصرف، سعيد)

(وكذافي التاتارخانية: ۲/۲۷۵، من توضع الزكاة فيه، إدارة القرآن كراچی)

(وكذافي مجمع الأنهر: ۱/۲۸۴، كتاب الزكاة، دارالكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في البحر الرائق: ۲/۴۲۴، باب المصرف، رشيديه)

اس کے لئے یہ صورت اختیار کی جائے کہ اوّل نقد روپیہ یا اجناس وغیرہ زکوٰۃ کی تملیک کرادی جائے، پھر اس کی طرف سے داخلِ مدرسہ کر کے مذکورہ کاموں کو کیا جائے: "وحيلة التكفين بها التصدق على فقير، ثم هو يكفن، فيكون الثواب لهما وكذافي تعمير المسجد". (الدرالمختار: ۲/۲۷۱، كتاب الزكاة، سعيد)

(وكذافي الفتاوىٰ العالمكيرية: ۶/۳۹۲، الفصل الثالث في مسائل الزكاة، رشيديه)

(وكذا في البحرالرائق: ۲/۴۲۴، باب المصرف، رشيديه)

(وكذافي النهر الفائق: ۱/۴۶۲، باب المصرف، إمداديه)

(وكذافي كفاية المفتي: ۴/۲۹۳، كتاب الزكاة، دارالاشاعت)

(وكذافي فتاوىٰ دارالعلوم ديوبند: ۶/۲۰۸، كتاب الزكاة)

سکتا ہے(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور،۱۲/۵/۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مظاہر علوم، صحیح: عبد اللطیف،۱۲/۵/۵۷ھ۔

مدارس میں زکوٰۃ کا مصرف

سوال[۴۲۹۴]: ۱......زکوٰۃ کے روپیہ سے غریب ونادار طلبہ کی رہائش کے لئے حجرے بنانا، آلات دستکاری خریدنا، مدرسہ کے کتب خانہ کیلئے کتابیں خرید کر ایک وقت مقررہ کے لئے طلبہ کو مستعار دینا جائز ہے یا ناجائز؟

۲......زکوٰۃ کے روپے سے اگر کوئی مکان اس لئے خریدا جائے کہ اس کی آمدنی سے غریب طلباء کو امدادی وظائف دیئے جائیں گے تو یہ جائز ہے یا نہیں؟

۳......زکوٰۃ کے روپیہ سے مدرسین اور معلمین دستکاری کو تنخواہیں دینا درست ہے یا نہیں؟

براہ کرم جملہ امور کا جواب بحوالۂ کتب مسلک احناف کے مطابق مرحمت فرمایا جاوے۔فقط والسلام۔

المستفتی: قاضی خلیق احمد، کنگ روڈ، ہرنا گڈ، کاٹھیاواڑ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......زکوٰۃ کے روپیہ کے لئے تملیک یعنی مستحق زکوٰۃ کو مالک بنانا شرط ہے، حجرے بنانے، آلات اور دستکاری خریدنے اور کتب خرید کر مستعار دینے میں تملیکِ مستحق نہیں، لہذا زکوٰۃ کا روپیہ ایسے مواقع میں صرف کرنا درست نہیں، البتہ اگر آلات اور کتب وغیرہ خرید کر بطورِ تملیک دیدیں تو درست ہے۔ نیز کسی مستحق کو زکوٰۃ کا روپیہ دیدیا جائے اور وہ حجرے بنوادے یا کتب وغیرہ خرید کر مدرسہ میں وقف کردے تب بھی درست ہے اور زکوٰۃ ادا ہوجائے گی:

---

(۱) "یتصدق بجلدها أو یعمل منه نحو غربال أو جراب وقربة ودلو، أو یبدل بما ینتفع به باقیاً .... فإن بیع اللحم أو الجلدبه أو بدراهم تصدق ثمنه، الخ". (الدرالمختار:۶/۳۲۸،باب الأضحیة، سعید)

(وکذافی الجوهرة النیرة: ۲/۲۷۱،کتاب الأضحیة، قدیمی)

(وکذافی البحر الرائق: ۸/۱۷۸،کتاب الأضحیة، رشیدیه)

"وحيلة التكفين بها التصدق على فقير ثم هو يكفن، فيكون الثواب لهما، وكذافي تعمير المسجد". درمختار، ص ۱۳ (۱)۔

۲......اس صورت میں زکوٰۃ ادا نہ ہوگی کیونکہ تملیکِ مستحق نہیں پائی گئی، بعد تملیک مکان وغیرہ بنوانا درست ہے (۲)۔

۳......مدرسین اور معلمین دستکاری وغیرہ کی تنخواہ زکوٰۃ کے روپیہ سے دینا جائز نہیں البتہ اگر کسی غریب مستحق کو زکوٰۃ دیدی اور وہ مدرسہ میں دیدیں تو اس سے تنخواہ دینا درست ہوگا (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اُتم واحکم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۷/۸/۵۳ھ۔

صحیح: عبداللطیف، ۱۹/شعبان/۵۳ھ۔

ایضاً

سوال [۴۶۹۵]: صدقۂ فطر، چرم قربانی، زکوٰۃ، صدقات اور عشر سے مندرجہ ذیل مصارف جائز ہیں یا ناجائز:

۱......طلباء کے لئے درجات: عالم، فاضل، درس نظامی وغیرہ کی کتابیں خرید کر طلباء کو مستعار دینا۔ ۲......مدرسہ کی ملکیت میں جو کتب ہیں ان کی جلد بندی۔ ۳......عمارتِ مدرسہ کا کرایہ۔ ۴......غیر مستطیع طلباء جو امتحان عالم و فاضل، منشی وکامل میں شرکت کریں ان کی فیس اور کرایہ ریل آمد ورفت۔ ۵......مدرسہ کے لئے ضروری سامان چٹائی میز کرسی وغیرہ۔ ۶......طلباء کو بطورِ انعام ازقسم نقد یا کتب۔ ۷......طلباء عربی کو وظیفہ علاوہ خوراک ولباس وغیرہ۔ ۸......معلم قرآن وتجوید وقرأۃ کی تنخواہ۔ ۹......اگر مدرسہ کی ذاتی عمارت نہ ہوتو مدرسہ کی تعمیر۔ ۱۰......مدرسہ عربیہ کی ملکیت میں کتب مذہبی وادب وغیرہ۔

محمد وسیم الحق چشم رحمت اورنٹیل کالج غازی پور۔

---

(۱) (الدر المختار، باب المصرف: ۲/۲۷۱، سعید)

(۲، ۳) (تقدم تخریجه تحت عنوان: "کتب میں زکوٰۃ اور قیمت چرم قربانی"۔)

الجواب حامداومصلیاً:

۱......ناجائز ہے، البتہ صدقاتِ نافلہ کو جمیع مصارف مذکورہ میں صرف کرنا درست ہے۔۲......ناجائز، ۳......ناجائز۔۴......اگر وہ طلباء سید نہ ہوں تو خود ان کو دیدینا جائز ہے۔ ۵......ناجائز۔۶......جائز ہے بشرطیکہ وہ مستحق ہوں اور سید نہ ہوں۔۷......جائز ہے بشرط مذکور۔۸......ناجائز ہے۔ ۹......ناجائز ہے۔ ۱۰......ناجائز ہے۔

اگر کسی غریب مستحق کو زکوٰۃ، صدقۂ فطر، چرم قربانی کی قیمت دیدی جاوے اور وہ خود اپنی طرف سے مدرسہ میں دیدے تو اس کو جمیع مصارف مذکورہ بالا میں صرف کرنا درست ہے(۱)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، ۱۹/۱۱/۵۳ھ۔

صحیح: عبداللطیف عفا اللہ عنہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۲/ ذی قعدہ/۵۳ھ۔

طلباء کے لئے زکوٰۃ کی ادائیگی کی صورت

سوال[۴۶۹۶]: میں ایک ہندو محلّہ میں متوکلاً امام ہوں عرصہ بارہ سال سے، الحمدللہ میری گذر اوقات اچھی ہورہی ہے۔کوئی ذاتی غرض نہیں ہے، محض مسجد کی آبادی کے لئے کچھ میرا خیال ہے کہ چند طلباء بیرونی رکھ لئے جائیں جو دین سیکھیں گے بصورتِ مدرسہ کے، ان کی سب ضروریات کے انتظام کا مالِ زکوٰۃ سے بعض احباب نے وعدہ کیا ہے، اس واسطے یہ مسائل دریافت کئے گئے ہیں، اگر مسئلہ کا جواب حوالہ جات سے تحریر فرمائیں تو نوازش ہوگی ورنہ ویسے بھی معتبر ہوں گے۔

عبدالعزیز امام مسجد نور، جالندھر شہر۔

---

(۱)"مصرف الزكاة .... هو فقير .... وفي سبيل الله......... قيل: طلبة العلم .... يصرف المزكي إلى كلهم أو إلى بعضهم .... ويشترط أن يكون الصرف تمليكاً لا إباحة ....اهـ". (الدر المختار). "فلايكفي فيها الإطعام إلا بطريق التمليك، الخ". (ردالمحتار: ۳۴۰، ۳۴۴، باب المصرف، سعيد)

(وكذافي البحر الرائق: ۲/۴۱۹، ۴۲۳، باب المصرف، رشيديه)

(وكذافي التاتارخانية: ۲/۲۷۵،من توضع الزكاة فيه، إدارة القرآن، كراچي)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۱/۲۸۴، كتاب الزكاة، دارالكتب العلمية، بيروت) .... =

الجواب حامداومصلیاً:

مستحق طلباء کی ضروریات بصورتِ تملیک پوری کرنے کے لئے زکوٰۃ وغیرہ کا صرف کرنا شرعاً درست ہے اوراس سے زکوٰۃ ادا ہوجاتی ہے،اس میں کسی حیلہ کی ضرورت نہیں (١)،جس جگہ حیلہ کی ضرورت ہواس کوتحریر کرکے دریافت کرلیا جائے۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبدمحمودعفی عنہ

الجواب صحیح:سعیداحمدغفرلہ، صحیح:عبداللطیف،مدرسہ مظاہرعلوم سہانپور،٢٤/ ذیقعدہ/٦٢ھ۔

صاحبِ نصاب طلبہ کے لئے زکوٰۃ لینا

سوال[٤٦٩٧]: طلباء میں سے اکثر ایسے ہوتے ہیں جونصاب شرعی کے مالک ہیں جن پرصدقۃ الفطروقربانی واجب ہوتی ہے اورسوال کرنا حرام ہوتا ہے،مگراس کے باوجودطلبہ اپنا خرچ نہیں اٹھاسکتے اُس وجہ سے دارالعلوم سے امداد لیتے ہیں،بعض دورانِ تعلیم مقروض ہوجاتے ہیں،لوگ صراحۃً زکوٰۃ کی رقم دیتے ہیں وہ لے کراپنا قرض ادا کرتے ہیں،کیا ایسے طلباء امداد لے سکتے ہیں اورزکوٰۃ وصدقاتِ واجبہ لے کراپنی ضروریات لے کراپنی ضرویات قرض وغیرہ میں کام لاسکتے ہیں؟اوردینے والوں کی زکوٰۃ وصدقات ادا ہوجاتے ہیں اوراگر ادانہیں ہوتے توان طلبہ کی تکمیلِ تعلیم کی کیاصورت ہوگی؟

الجواب حامداومصلیاً:

جوطلبہ اپنے وطن میں صاحبِ نصاب ہیں اوریہاں نہیں اوراپنے وطن سے منگابھی نہیں سکتے وہ زکوٰۃ،

= (وكذا في النهر الفائق: ١/١١٤، كتاب الزكاة، إمداديه)

وراجع للتفصيل عنوان: ''طلباءکویکجابٹھاکرکھاناکھلانا''۔)

(١) "مصرف الزكاة .... هو فقير .... وفي سبيل الله .... قيل: طلبة العلم .... يصرف المزكي إلى كلهم أوإلى بعضهم .... ويشترط أن يكون الصرف تمليكاً لا إباحةً .... اهـ". (الدرالمختار).

"فلايكفي فيها الإطعام إلا بطريق التمليك، الخ". (ردالمحتار: ٣٤٠، ٣٤٤،باب المصرف، سعيد)

(وكذافي البحر الرائق: ٢/٤١٩، ٤٢٣،باب المصرف، رشيديه)

(وكذافي التاتارخانية: ٢/٢٧٥،من توضع الزكوة فيه، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في مجمع الأنهر: ١/٢٨٤، كتاب الزكاة، دارالكتب العلمية، بيروت) .... =

قیمتِ چرمِ قربانی، صدقۃ الفطر کے مصرف ہیں ان کو یہ چیزیں اگر دی جائیں اور یقیناً دی جائیں اور یقیناً دی جاتی ہیں تو واجب ادا ہو جاتا ہے (۱)۔ داخلہ کے وقت ان کے ساتھ اگر چہ ایک دن کھانے کی مقدار موجود ہو اور اس دن کے لئے ان کے لئے سوال کرنا ناجائز ہو، لیکن وہ صرف اس دن کے لئے سوال نہیں کرتے نہ ان کا سوال اس دن پورا کر دیا جاتا ہے بلکہ وہ تمام سال قیام کا ارادہ کرتے ہیں اور تمام سال کے مصارف ان کے ساتھ موجود نہیں اور کسی دوسری جگہ سے آمدنی کی توقع بھی نہیں، اس لئے ان کا حکم وہ نہیں جس کا شبہ ہوتا ہے (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/ ۶/ ۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/ ۶/ ۸۷ھ۔

طلبہ کو یکجا بٹھا کر زکوٰۃ سے کھلانا

سوال [۴۶۹۸]: جس مدرسے میں زکوٰۃ کے پیسے دیئے جاتے ہیں تو مستحق زکوٰۃ کو مطبخ سے جو کھانا کھلایا جاتا ہے وہ امیر غریب سب کو ساتھ بٹھا کر کھلانے میں زکوٰۃ کی ادائیگی میں کوئی قباحت تو نہیں آئے گی؟

= (وكذا في النهر الفائق: ۱/ ۴۱۱، كتاب الزكاة، امداديه)

(۱) "وبهذا التعليل يقوى ما نسب للواقعات من أن طالب العلم يجوز له أخذ الزكاة ولو غنياً إذا فرغ نفسه لإفادة العلم واستفادته لعجزه عن الكسب، والحاجة داعية إلى مالا بد منه، الخ". (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۲/ ۳۴۰، باب المصرف، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۱/ ۳۲۶، باب بيان أحكام المصرف، دارالكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في الفقه الإسلامي وأدلته: ۳/ ۱۹۵۹، مصارف الزكاة، رشيديه)

(۲) "ولايحل أن يسأل شيئاً من القوت مَن له قوت يومه بالفعل أو بالقوة كالصحيح المكتسب، ولو سأل للكسوة أو لاشتغاله عن الكسب بالجهاد، أو طلب العلم جاز، أو محتاجاً". (الدرالمختار: ۲/ ۳۵۴، باب المصرف، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۲/ ۴۳۷، باب المصرف، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق: ۱/ ۴۶۹، باب المصرف، امداديه)

(وكذا في الدرالمنتقى: ۱/ ۳۳۳، باب في بيان أحكام المصارف دارالكتب العلمية، بيروت)

الجواب حامداومصلیاً:

زکوٰۃ کا کھانا مستحق کو بطورِ تملیک دینا لازم ہے کہ وہ یہ سمجھتا ہو کہ اتنی مقدار میری ملک ہے خواہ میں کھاؤں یا فروخت کروں یا کسی کو کھلاؤں (۱) اور ایک ساتھ سب کو بٹھا کر کھلانے میں یہ بات نہیں ہوتی۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند۔

مطبخ سے بمدِ زکوٰۃ طلبہ کو کھانا دینا

سوال[۴۲۹۹]: حضرت مفتی صاحب زید مجدکم العالی! السلام علیکم

آپ کا مرسلہ جواب موصول ہو گیا، اشکال یہ پیدا ہوتا ہے کہ خوراکِ طلبہ کے سلسلہ کے دیگر اخراجات کی طرح تنخواہِ باورچی بھی ایک خرچ ہے یعنی تنخواہ باورچی کی نوعیت درج ذیل اخراجات سے مختلف مثلاً طلبہ کے لئے راشن لانے کا صرفہ، گندم کی پسائی، سوختہ کی خریداری اور اس کی چرائی وغیرہ، کیا ان اخراجات کی نوعیت میں کچھ فرق ہے، اگر نہیں ہے تو ان سب کا مدِ زکوٰۃ سے دینا ناجائز ہوگا اور اگر ہے تو کیا اور کیوں؟ مدلل جواب کی ضرورت ہے۔ فقط زید۔

---

(۱)"(تملیکاً لا إباحةً كما مرّ) فلايكفي فيها الإطعام إلا بطريق التمليك، ولو أطعمه عنده ناوياًللزكاة لاتكفي، الخ". (ردالمحتار: ۳۴۴/۲، باب المصرف، سعید)

(وكذافي التاتارخانية: ۲۷۵/۲، من توضع الزكاة فيه، إدارة القرآن كراچی)

(وكذافي مجمع الأنهر: ۲۸۴/۱، كتاب الزكاة، دارالكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في البحر الرائق: ۴۲۴/۲، باب المصرف، رشيديه)

اس کی تدبیر یہ کی جائے کہ اول نقد روپیہ یا اجناس وغیرہ زکوٰۃ کی تملیک کرادی جائے پھر اس کی طرف سے داخل مدرسہ کر کے کھانا طلبہ کو کھلایا جائے: "وحيلة التكفين بها التصدق على فقير، ثم هو يكفن، فيكون الثواب لهما، وكذافي تعمير المسجد". (الدرالمختار ۲۷۱/۲، كتاب الزكاة، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۴۲۴/۲، باب المصرف، رشيديه)

(وكذافي النهرالفائق ۴۶۲/۱، باب المصرف، امداديه)

الجواب حامداً ومصلياً:

"(هي تمليك) خرج الإباحة (جزء مال)خرج المنفعة، فلوأسكن .... فقيراً داره سنةً ناوياً، لايجزيه، اهـ".

"(قوله: فلو أسكن) في البحر إلى الكشف الكبير، وقال قبله: والمال صرح به أهل الأصول، يتمول ويدخر للحاجة وهو خاص بالأعيان فخرج تمليك المنافع، اهـ". در مختار وشامی(۱)۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ ادائے زکوۃ کے لئے تملیکِ مال ضروری ہے محض تملیکِ منافع سے زکوۃ ادانہیں ہوتی، گندم پسائی اور سوختہ کی چرائی وغیرہ میں بھی مدِ زکوۃ سے صَرف کرنا درست نہیں، یہی حال تنخواہ باورچی کا ہے، ان مواقع پرصرف کرنے سے طلبہ کی ملک میں مال نہیں پہنچتا بلکہ ان کو منافع حاصل ہوتے ہیں، اس سے زکوۃ ادانہیں ہوتی۔

اگر جواز کی صورت مطلوب ہے تو اس طرح کیا جائے (کہ) مدرسہ اپنی طرف سے غلہ سوختہ وغیرہ خرید کر کھانا تیار کرائے اور اس میں مدِ زکوۃ سے صرف نہ کرے پھر تیار شدہ کھانے کی قیمت لگا کر یا طلبہ کے ہاتھ فروخت کرے اور طلبہ کو بصورتِ نقد مدِ زکوۃ سے وظیفہ دے کر کھانے کی قیمت ان سے وصول کر لے یا وہ تیار شدہ کھانا مدِ زکوۃ کے جمع شدہ روپیہ سے بدل کر مدرسہ اپنا خرچ شدہ روپیہ (جس میں پسائی، چرائی، تنخواہ باورچی وغیرہ سب داخل ہیں) وصول کر لے اور اس زکوۃ میں یہ کھانا طلبہ کو دیدے، اس صورت میں یہ نہیں ہوگا کہ مد زکوۃ کا روپیہ منافعِ طلبہ میں خرچ ہوا بلکہ تیار شدہ کھانا مدِ زکوۃ سے خرید کر (بدل کر) طلبہ کو دیا گیا ہے اور وہ کھانا دینا یقیناً تملیک المال ہے(۲) تملیک المنفعۃ نہیں، لہٰذا ادائے زکوۃ میں خلجان نہیں ہوگا۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۶/۱۲/۶۶ھ

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۲۷/ ذی الحجہ/ ۶۶ھ۔

(۱) (الدر المختار: ۲/۲۵۷، كتاب الزكاة، سعيد)

(وكذا في الدر المنتقى في شرح الملتقى: ۱/۲۸۳، دار الكتب العلمية، بيروت)

(وكذافي النهر الفائق: ۱/۴۱۲، كتاب الزكاة، امداديه)

(۲) (تقدم تخريجه تحت عنوان: "طلبہ کو یکجا بٹھا کر زکوۃ سے کھانا کھلانا"۔

غریب طلبہ کی کتابوں پر زکوٰۃ کو صرف کرنا

سوال[۴۷۰۰]: یہاں ایک مدرسہ اسلامیہ ہے جس کا خرچ آمد سے زیادہ ہے اس لئے چندہ کیا جاتا ہے، کچھ لوگ زکوٰۃ دیتے ہیں، ویسے ہم خود زکوٰۃ کا روپیہ لینے سے احتیاط برتتے ہیں، تملیک کو ہم بہتر نہیں سمجھتے، اس لئے زکوٰۃ کم ہی آتی ہے۔ آپ ہمیں بتائیں کہ اگر اتفاق سے زکوٰۃ آجائے تو ہم اس کو کسی ایسے آدمی کے بچوں پر خرچ کر سکتے ہیں جو بظاہر صاحبِ نصاب نہیں ہے اور خود دار بھی ہے؟ اگر اس سے کہا جائے کہ تمہارے بچوں کے سلسلہ میں کتابوں کا روپیہ اتنا ہوگیا ہے وہ ادا کردو اور وہ مجبوری ظاہر کرے، اس پر ہم اس سے کہیں کہ ہم ان کتابوں کا روپیہ زکوٰۃ کی مد سے ادا کردیں تو وہ اپنی خودداری کی وجہ سے اس پر آمادہ بھی نہ ہو تو ہم بغیر اس پر ظاہر کئے اس کے بچوں کو ماہانہ وظیفہ مدرسہ سے دے سکتے ہیں یا مدرسہ کے نام پر آئی ہوئی زکوٰۃ کو بیواؤں لاچاروں و تنگ دست کو دے سکتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

زکوٰۃ لینے سے جب آپ احتیاط کرتے ہیں تو بہتر یہی ہے کہ جو شخص دے اس کو بھی انکار کردیں، تاہم نادار طالب علم کو زکوٰۃ کا پیسہ یا مدِ زکوٰۃ سے قاعدہ پارہ تملیکاً دینے سے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی جب کہ وہ طالب علم سمجھدار ہو اور مالکانہ قبضہ کی اہلیت رکھتا ہو بالکل چھوٹا ناسمجھ نہ ہو(۱)۔ مدرسہ میں خرچ کرنے کے لئے جو زکوٰۃ آئے اس کو بیواؤں اور مدرسہ سے غیر متعلق لاچاروں پر صرف کرنے کا حق نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۴/۲۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۴/۲۷ھ۔

زکوٰۃ سے ملازمینِ مدرسہ کو تنخواہ دینا

سوال[۴۷۰۱]: ہمارے یہاں ایک مدرسہ عربیہ عرصہ سے قائم ہے جس میں دینی تعلیم دیجاتی ہے

---

(۱) "في التمليک إشارة إلى أنه لا يصرف إلى مجنون وصبي غير مراهق ......ويصرف إلى مراهق يعقل الأخذ". (ردالمحتار: ۲/۳۴۴، باب المصرف، سعید)

(وکذا في الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۱۹۰ الباب السابع في المصارف، رشیدیه)

(وکذا في التاتار خانية: ۲/۲۷۳، باب من توضع الزکاة فيه، إدارة القرآن کراچی) .... =

اورغریب ونادارطلبہ کے قیام وطعام لباس اوردیگرضروریات سے امدادواعانت کی جاتی ہے۔مدرسہ مذکورہ میں کئی قسم کی آمدنیاں ہیں،قسم اول: منافعِ جائیدادموقوفہ،چندہ عمومی،خصوصی امدادِسرکاری،صدقاتِ نافلہ۔قسم دوم: صدقاتِ مثلِ زکوٰۃ وقیمتِ کھال وغیرہ وغیرہ۔

آمدنی قسم اول تنخواہِ مدرسین وملازمین ودیگرمصارفِ دفتر وغیرہ میں صرف کی جاتی ہے اورقسمِ دوم خوراکِ طلبہ وپوشاک ودیگرضروریات طلبہ میں خرچ کی جاتی ہے کیونکہ آمدنی قسم اول مصارفِ قسم اول کے لئے ناکافی اوراراکینِ مدرسہ میں بعض ایسے خیال کے حضرات بھی ہیں جوحیلۂ شرعی کو پسندنہیں کرتے۔اس لئے دریافت طلب امریہ ہے کہ آیا آمدنی قسم دوم میں سے محصل ومحررومحاسب جواس مدرسہ میں بھی کام کررہے ہیں اوران کی اجرت یاتنخواہ بحصۂ ہنراس میں سے دے دیاجائے توجائزہے یانہیں؟

الجواب حامداومصلیاً:

صدقاتِ واجبہ کی ادائیگی کے لئے ضروری ہے کہ ان کومصارف (فقراء وغیرہ) پربطورِتملیک بلاعوض صَرف کیاجائے لہذاتنخواہ میں دیناجائزنہیں،اگرکارکنانِ مدرسہ بغیرشرعی حیلے کے تنخواہ میں دیں گےتوزکوٰۃ وغیرہ ادانہیں ہوگی (۱) اوراصل معطی کے حق میں یہ لوگ ضامن ہوں گے،ھکذافی کتب الفقہ۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمودگنگوہی عفااللہ عنہ۔

= (وكذا في فتح القدير: ۲/۲۷۰، باب من يجوز دفع الصدقة إليه وما لا يجوز، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۱) "(تمليكاً لا إباحة كما مرّ) فلا يكفي فيها الإطعام إلا بطريق التمليك، ولو أطعمه عنده ناوياً للزكاة لاتكفي، الخ". (ردالمحتار: ۲/۳۴۴، باب المصرف، سعيد)

(وكذافي التاتارخانية: ۲/۲۷۵، من توضع الزكاة فيه، إدارة القرآن كراچى)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۱/۲۸۴، كتاب الزكاة، دارالكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في البحرالرائق: ۲/۴۲۴، باب المصرف، رشيديه)

اس کی صورت یہ اختیارکی جائے کہ اوّل نقدروپیہ یااجناس وغیرہ زکوٰۃ کی تملیک کرادی جائے،پھراس کی طرف سے داخل مدرسہ کرکے کھاناطلبہ کوکھلایاجائے:"وحيلة التكفين بها التصدق على فقير، ثم هو يكفن، فيكون =

زکوۃ سے مدرسین کی تنخواہ دینا

سوال[۴۷۰۲]: ایک مدرسہ ہے جس میں بیرونی طلبہ بہت کم ہیں، غریب مدرسہ ہے، اگر طلباء کو روپیہ دیدیں تو ممکن ہے کہ لے کر بھاگ جائیں، آخر مدرسین کی تنخواہ کس طرح دی جائے؟ مدرسین مال زکوۃ لیں یا نہ لیں؟ فقط۔

الجواب حامداومصلیاً:

صدقہ واجبہ اور زکوۃ کا غرباء پر تملیکاً صرف کرنا بلا معاوضہ ضروری ہے، مدرسین وغیرہ کی تنخواہ میں براہ راست دینا جائز نہیں، اس سے زکوۃ ادا نہیں ہوتی (۱)، لڑکوں پر تعلیمی فیس تجویز کردی جائے اس سے ملازمین کی تنخواہ ادا کی جائے، جو لڑکے غریب ہوں ان کو زکوۃ سے وظیفہ دیا جائے وہ اس سے فیس دیدیا کریں، اس طرح زکوۃ بھی ادا ہوجائے گی اور تنخواہ کا انتظام بھی ہوجائے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

زکوۃ سے تنخواہ دینا

سوال[۴۷۰۳]: قومی فنڈ جہاں عشر وصدقات وغیرہ جمع ہوتے ہیں اس سے بچوں اور طالب علموں کو پڑھانے والے استاد کو تنخواہ یا خرچ دینا درست ہے یا نہیں؟ کیونکہ اس کے سوا اور کوئی صورت نہیں اور آج کل بڑے بڑے مدارس میں جہاں زکوۃ وغیرہ جمع ہوتی ہے، بغیر کسی حیلے کے اساتذہ کو تنخواہیں دیتے ہیں۔

= الثواب لهما، وكذافي تعمير المسجد". (الدرالمختار: ۲/ ۲۷۱، كتاب الزكاة، سعيد)

(وكذافي الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳۹۲/۱، الفصل الثالث في مسائل الزكاة، رشيديه)

(وكذا في البحرالرائق: ۴۲۴/۲، باب المصرف، رشيديه)

(وكذافي النهر الفائق: ۴۶۲/۱، باب المصرف، امداديه)

(وكذا في كفاية المفتي: ۲۹۳/۴، كتاب الزكاة، دارالإشاعت كراچي)

(وكذافي فتاوىٰ دارالعلوم ديوبند: ۱۰۸/۶، كتاب الزكاة، امداديه ملتان)

(۱) (تقدم تخريجه تحت عنوان: "زکوۃ سے ملازمین مدرسہ کو تنخواہ دینا"۔)

الجواب حامداومصلیاً:

جورقوم واجب التملیک ہیں ان کو براہ راست اساتذہ کی تنخواہ میں دینا درست نہیں، پڑھنے والے مستحق طلبہ کی ضروریات طعام، لباس، کتاب وغیرہ کو اِن رقوم سے تملیکاً پورا کرنا درست ہے(۱)، ارباب مدارس کو اس کا اہتمام وانتظام لازم ہے کہ وہ قوم کے امین ہیں اور مسائلِ شرعیہ پر عمل کے بڑے ذمہ دار ہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

زکوۃ وعطیات کی مخلوط رقم سے تنخواہ دینا

سوال[۴۷۰۴]: جس ادارہ میں یہ نظم نہیں ہے کہ زکوۃ اورعطیات کی رقمیں علیحدہ ہوں بلکہ گڈمڈ ہوں اس سے مدرسین وملازمین کی تنخواہ دینا درست ہے یا نہیں؟ اور پھر زکوۃ کی رقموں میں تملیک نہیں ہوتی وہ زکوۃ کی رقمیں معطی کی طرف سے ادا ہوتی ہے یا نہیں؟

---

(۱) "(تملیکاً لا إباحة کما مرّ) فلایکفی فیها الإطعام إلا بطریق التملیک، ولو أطعمه عنده ناویاً للزکاة لاتکفی، الخ". (ردالمحتار: ۳۴۴/۲، باب المصرف، سعید)

(وکذافی التاتارخانیة: ۲۷۵/۲، من توضع الزکاة فیه، إدارة القرآن کراچی)

(وکذافی مجمع الأنهر: ۲۸۴/۱، کتاب الزکاة، دارالکتب العلمیة، بیروت)

(وکذا فی البحرالرائق: ۴۲۴/۲، باب المصرف، رشیدیه)

اس کی صورت یہ اختیار کی جائے کہ اوّل نقد روپیہ یا اجناس وغیرہ زکوۃ کی تملیک کرادی جائے پھر اس کی طرف سے داخل مدرسہ کرکے کھانا طلبہ کو کھلایا جائے: "وحیلة التکفین بها التصدق علی فقیر، ثم هو یکفن فیکون الثواب لهما وکذافی تعمیر المسجد". (الدرالمختار: ۲۷۱/۲، کتاب الزکاة، سعید)

(وکذافی الفتاویٰ العالمکیریة: ۳۹۲/۶، الفصل الثالث فی مسائل الزکاة، رشیدیه)

(وکذا فی البحر الرائق: ۴۲۴/۲، باب المصرف، رشیدیه)

(وکذافی النهر الفائق: ۴۶۲/۱، باب المصرف، امدادیه)

(وکذافی کفایة المفتی: ۲۹۳/۴، کتاب الزکاة، دارالإشاعت کراچی)

(وکذافی فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲۰۸/۶، کتاب الزکاة، امدادیه ملتان)

الجواب حامداً ومصلیاً:

زکوۃ کی رقم کا تنخواہ میں دینا جائز نہیں ہے، مخلوط میں سے جتنی زکوۃ کی تنخواہ میں دی گئی ہے اتنی مقدار زکوۃ ادا نہیں ہوئی ہے(۱)۔ معطی کو اطلاع کردی جائے کہ وہ اتنی زکوۃ خود ادا کرے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۱۱/۹۱ھ۔

مالِ زکوٰۃ سے مدرس کی تنخواہ اور کھانا

سوال[۴۷۰۵]: یہاں اکثر مدارس میں مدرسین کی تنخواہیں خورد ونوش کے علاوہ متعین کی جاتی ہیں گویا کہ مکمل تنخواہ میں سے خورد ونوش کی تنخواہ کاٹ لی جاتی ہے تو اب اگر مدرسہ میں بمدِ زکوٰۃ وصدقات کوئی مال آئے تو اس کا کھانا جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ اساتذہ کھانے کی قیمت ادا کر رہے ہیں؟

---

(۱) "ولو دفعها المعلّم خليفته إن كان بحيث يعمل له لم يُعطِه، صح، وإلا لا". (الدرالمختار). "(قوله: إلا لا): أى لأن المدفوع يكون بمنزلة العوض، الخ". (ردالمحتار، باب المصرف: ۳۵۶/۲، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱۹۰/۱، الباب السابع في المصارف، رشيديه)

"سئل عن معلّمٍ له خليفةٌ في المكتب يعلّم الصبيان ويحفظهم ويكتب ألواحهم ولم يستأجره بشيئٍ معلومٍ وما اشترط شيئاً، والمعلّم يعطيه في الأحايين دراهم بنية الزكاة، هل يجوز عن زكاة؟ قال: نعم، إلا أن يكون بحيث لو لم يُعطِه، لم يعمل له ذالك في مكتبه". (الفتاوىٰ التاتارخانية: ۲۰۹/۲، ۲۱۰، كتاب الزكوة، قديمي)

(۲) "أما إذا ظهر أنه غنيٌّ .... لا يجوز، وعليه أن يعيدها بالإجماع". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱۹۰/۱، الباب السابع في المصارف، رشيديه)

"لو لم يتحرّ ولم يشك فظهر أنه ليس مصرفاً، أعاد إجماعاً، الخ". (النهر الفائق: ۴۶۷/۱، باب المصرف، رشيديه)

"في الحديث المذكور ثلاثة أشياء، فما وجه الترجمة في التصدق على الغني؟ قلت: على الغني لايجوز على كل حال، حتى إذا أعطى زكاته لغنيّ يظنّه فقراً، ثم بان له أنه غنيٌّ، يُعيد زكاته، الخ". (عمدة القاري: ۴۱۱/۸، باب: إذا تصدق على غني وهو لايعلم، دارالكتب العلمية، بيروت)

الجواب حامداومصلیاً:

جتنی مقدار اساتذہ جزوِتنخواہ (حق الخدمت) کے طور پر کھائیں گے اتنی مقدار زکوٰۃ ادانہیں ہوگی، اس کا حساب رکھنا ضروری ہے، اسی طرح دیگر ملازمین وغیر مستحق پر صرف کرنے کا حال ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

ادائے زکوٰۃ بغیرِ تملیک کے، زکوٰۃ کا پیسہ تنخواہ میں دینا

سوال[۴۷۰۶]: اگر مہتمم مدرسہ بغیر تملیک کے مدرسین کو تنخواہ دیتا ہے، جبکہ مہتمم سے کہہ دیا گیا ہو جو کہ بغیر تملیک کے زکوٰۃ کے مال کا صَرف کرنا جائز نہیں تو اس صورت میں مدرسین کے اوپر تو کوئی گناہ لازم نہیں آئے گا؟

الجواب حامداومصلیاً:

اگر مدرسین کو معلوم ہے کہ یہ زکوٰۃ کا روپیہ تنخواہ میں دیا جارہا ہے تو وہ لینے سے انکار کردیں، تاہم اگر لے لیں گے تو زکوٰۃ ادانہیں ہوگی اور مہتمم کے ذمہ ضمان لازم ہوگا (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۴/۱۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۴/۱۱ھ۔

زکوٰۃ کے پیسے سے مدرسہ کا قرض ادا کرنا

سوال[۴۷۰۷]: ایک مدرسہ اسلامیہ مقروض ہے اور چندہ کے پیسہ سے چلتا ہے، اس کی مالی حالت بہت کمزور ہے، کیا زکوٰۃ کے پیسے سے مدرسہ کا قرضہ ادا کیا جاسکتا ہے جبکہ مدرسہ میں کوئی طالب علم یتیم نہیں ہے؟

---

(۱) (تقدم تخریجه تحت عنوان: "زکوٰۃ سے تنخواہ دینا"۔)

(۲) زکوٰۃ کی ادائیگی میں تملیک بلاعوض شرط ہے، جبکہ ملازمینِ مدرسہ ومعلمین کو تنخواہ بطور معاوضہ کے دی جاتی ہے جو تملیک بلاعوض نہیں: "ولو دفعها [أي الزكوة] المعلّم لخليفته إن كان بحيث يعمل له لولم يعطه صح، وإلا لا".

(الدر المختار، كتاب الزكوٰة، باب المصرف: ۳۵۶/۲، سعيد)

(وكذا في كفاية المفتي: ۲۸۷/۴، كتاب الزكاة، دار الإشاعت كراچی)

مدرسہ بہت قرض دار ہے۔

الجواب حامداومصلیاً:

زکوۃ ادا ہونے کے لئے ضروری ہے کہ کسی غریب مستحق کو اس کا مالک بنادیا جائے (۱)، پس جو پیسہ مدرسہ میں زکوۃ کا دیا گیا ہے، اگر براہ راست اس سے مدرسہ کا قرض ادا کر دیا جائے گا تو زکوۃ ادا نہیں ہوگی، اس کا ضمان لازم ہوگا۔

نوٹ: زکوۃ کا پیسہ براہ راست تنخواہ وتعمیر میں خرچ کرنا بھی جائز نہیں (۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "(تمليكاً لا إباحةً كما مرّ) فلايكفي فيها الإ طعام إلا بطريق التمليك، ولو أطعمه عنده ناوياًللزكاة لاتكفي، الخ". (ردالمحتار: ۲/۳۴۴،باب المصرف، سعيد)

(وكذافي التاتارخانية: ۲/۲۷۵،من توضع الزكاة فيه، إدارة القرآن كراچي)

(وكذافي مجمع الأنهر: ۱/۲۸۴،كتاب الزكاة، دارالكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في البحرالرائق: ۲/۴۲۴،باب المصرف،رشيديه)

"وحيلة التكفين بها التصدق على فقير، ثم هو يكفن فيكون الثواب لهما، وكذافي تعمير المسجد". (الدرالمختار: ۲/۲۷۱،كتاب الزكاة، سعيد)

(وكذافي الفتاوىٰ العالمكيرية: ۶/۳۹۲،الفصل الثالث في مسائل الزكاة، رشيديه)

(وكذا في البحرالرائق: ۲/۴۲۴،باب المصرف، رشيديه)

(وكذافي النهر الفائق: ۱/۴۶۲،باب المصرف،امداديه)

(۲) قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالىٰ: "ويشترط أن يكون الصرف (تمليكاً) لا إباحة كما مر (لا) يصرف (إلى بناء) نحو (مسجد) (الدرالمختار). "(قوله: نحو مسجد) كبناء القناطر والسقايات وإصلاح الطرقات وكرى الأنهار والحج والجهاد وكل مالاتمليك فيه". (ردالمحتار، كتاب الزكوة، باب المصرف: ۲/۳۴۴، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الزكوة، الباب السابع في المصارف: ۱/۱۸۸، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الزكوة، باب المصرف: ۲/۱۲۰، دارالكتب العلمية، بيروت)

مدارس کے طلبہ کی انجمنوں کو زکوٰۃ

سوال[۴۷۰۸]: دارالعلوم دیوبند میں جتنی بھی انجمنیں ہیں مثلاً پورنیہ والوں کی الگ ہے، چمپارن کی الگ ہے، ہر ضلع کی الگ الگ ہے۔ ان انجمنوں سے طالب علم مالی وکتابی ہر صورت کا فائدہ اٹھاتے ہیں جس کو آپ بخوبی جانتے ہوں گے، ایسی انجمنوں میں زکوٰۃ کا مال یا صدقۃ الفطر یا چرم قربانی یا صدقہ وغیرہ جتنے بھی ایسے مال ہوں جو صاحبِ نصاب پر واجب ہو رہے ہوں، ان مالوں کو دینا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو اس کی صورت کیا ہے؟ اور اگر نا جائز ہے تو کیوں؟

محمد سلیم الدین پورنوی۔

الجواب حامداومصلیاً:

زکوٰۃ، صدقۃ الفطر، قیمتِ چرم قربانی کا غریبوں پر صدقہ کر دینا واجب ہے، پس جو انجمن صحیح مصرف میں خرچ کرنے کا انتظام کرے اس کو دینا درست ہے، محض قرض دینے یا مستعار کتابیں دینے سے زکوٰۃ وغیرہ ادا نہ ہوگی، ایسے پیسہ سے غریب مستحق طلباء کو کھانا کپڑا دینا درست ہوگا(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۱۱/۹۲ھ۔

اسکول میں زکوٰۃ وصدقۂ فطر

سوال[۴۷۰۹]: ا...... یہاں ایک اردو اسکول مسلمانوں کی طرف سے جاری ہے جس کے اجراء کے وقت دینیات اور کلامِ مجید کی تعلیم کے لئے مسلمانوں کو اطمینان دیدیا گیا مگر عملاً دینیات اور کلام مجید کی تعلیم نفی کے برابر ہے اور اردو وانگریزی کی تعلیم گورنمنٹ نصاب کے مطابق دی جاتی ہے۔ اس اسکول میں غرباء اور یتیم بچوں کے قیام اور نان ونفقہ کا کوئی انتظام نہیں ہے اور مقامی بیوگان اور یتامیٰ ضرورت سے زیادہ حاجت مند

(۱) "ويشترط أن يكون الصرف تمليكاً، الخ". (الدرالمختار: ۲/۳۴۴، باب المصرف، سعيد)

(وكذافي التاتارخانية: ۲/۲۷۵، من توضع الزكاة، إدارة القرآن كراچي)

(وكذافي مجمع الأنهر: ۱/۲۸۴، كتاب الزكاة، دارالكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في البحر الرائق: ۲/۴۱۹، باب المصرف، رشيديه)

(وكذا في فتاوى دارالعلوم ديوبند: ۶/۲۳۳، باب المصرف، امداديه)

ہیں۔ایسی صورت میں فطرہ،صدقہ،زکوۃ،خیرات، چرم قربانی وغیرہ اس اسکول میں دیا جانا جائز ہے یا نہیں جب کہ اس اسکول کے لئے کافی ذرائع دیگر آمدنی کے ہوں؟

۲......موجودہ زمانہ میں ناخواندہ مسلمانوں کو دینیات سے باخبر کرنے کی غرض سے مدرسہ شبینہ جاری کر کے اردو پڑھانے پر خرچ کرنا مسلمانوں کا فرض ہے یا انگریزی تعلیم پر خرچ کرنا فرض ہے؟ چرم قربانی، زکوۃ، فطرہ کا بیت المال میں براہ راست استفادہ مقامی بیواگان و یتامی کرنا ثواب ہے یا انگریزی پر؟ امید ہے کہ مستفسرہ سوالات کے تمام وکمال شرعی احکام سے علماء کرام مطلع فرما کر داخل حسنات ہوں۔

الجواب حامداً وصلیاً:

۱......اگر ان یتیم وغریب مستحق بچوں کو زکوۃ،صدقہ،فطرہ، چرم قربانی کی قیمت دی جائے تو شرعاً درست ہے(۱) لیکن مدرسین کی تنخواہ یا مدرسہ کی تعمیر یا مدرسہ کی کسی اَور ضرورت میں خرچ کرنا جائز نہیں (۲)۔ جبکہ اسکول کا خرچ دوسرے طریقے سے ملتا ہے اور یتیم بچوں کے لئے قیام اور نان ونفقہ کا کوئی انتظام نہیں تو پھر اسکول والے اس زکوۃ وغیرہ کو کس جگہ صرف کرتے ہیں، بظاہر صحیح مصرف میں نہ صرف کرتے ہوں گے اس لئے وہاں اس قسم کے روپیہ وغیرہ نہیں دینا چاہیے اور جبکہ مقامی بیوگان و یتامیٰ زیادہ حاجت مند ہیں تو پھر انہیں کو دینا

---

(۱)"یشترط أن یکون الصرف تملیکاً لا إباحةً کمامرّ". (الدرالمختار). "وفی التملیک إشارة إلی أنه لایصرف إلی مجنون وصبی غیرمراهق إلا إذاقبض لهمامن یجوزله قبضه کالأب والوصی وغیرهما".

(ردالمحتار: ۲/۳۴۴،باب المصرف،سعید)

(وکذافی الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۱۹۰،الباب السابع فی مصارف الزکاة، رشیدیه)

(وکذافی المحیط البرهانی: ۲/۴۳۴،الفصل الثامن من توضع الزکاة فیه، إدارةالقرآن کراچی)

(وکذا فی خلاصة الفتاوی: ۱/۲۴۲،الفصل الثامن فی أداء الزکاة،امجد اکیڈمی لاهور)

(۲)"لایجوز أن یبنی بالزکاة المسجد؛ لأن التملیک شرط فیها، ولم یوجد، کذا لا یبنی بها القناطیر والسقایات ......والحیلة فی هذه الأشیاء أن یتصدق بها علی الفقیر، ثم یأمره أن یفعل هذه الأشیاء، فیحصل له ثواب الصدقة، ویحصل للفقیر ثواب هذه القرب". (تبیین الحقائق: ۲/۱۲۰، باب المصرف، دارالکتب العلمیة، بیروت)

(وکذا فی الهدایة : ۱/۲۰۴، باب من یجوز دفع الصدقات إلیه ومن لایجوز، شرکة علمیه ملتان)

(وکذا فی التاتار خانیة: ۲/۲۷۲، باب من توضع الزکاة فیه، إدارة القرآن کراچی)

(وکذا فی المحیط البرهانی: ۲/۴۳۳، باب من توضع الزکاة فیه، غفاریه کوئٹه)

چاہیے اسکول میں نہیں دینا چاہیے(۱)۔

۲......مسلمان دینی معلومات حاصل کرنے کے لئے جس قدر روپیہ خرچ کریں گے سراسر عبادت اور ثواب ہے، اسی طرح دوسرے مسلمانوں کو دین سے واقف کرانے کے لئے خواہ وہ بڑے ہوں یا چھوٹے جتنا بھی مال صرف کریں اس میں اجر عظیم ہے خواہ یہ معلومات کی تحصیل عربی کے ذریعہ ہو یا فارسی، اردو کے ذریعہ ہو۔

موجودہ زمانہ میں انگریزی تعلیم کے نتائج مذہبی حیثیت سے بہت ہی خراب نکلتے ہیں جیسا کہ شب وروز مشاہدہ ہے اور جو کچھ مذہب سے ناواقفیت ہے وہ بھی ظاہر ہے، اس لئے اہل اسلام کے ذمہ فرض ہے کہ حتی الوسع خود بھی مذہب اسلام سے واقفیت پیدا کریں اور دوسروں کو بھی واقف بنائیں اور جب تک مذہب میں اعتقاداً وعملاً پختگی نہ ہو جائے اس وقت تک ہرگز انگریزی تعلیم کی طرف متوجہ نہ ہوں، جو شخص مذہب کی پوری واقفیت کے ساتھ پختگی رکھتا ہے اس کو کسی ضرورت سے انگریزی تعلیم حاصل کرنے میں مضائقہ نہیں، اس سے پہلے پہلے احتیاط واجتناب لازم ہے۔

جس تعلیم کے نتائج اس قدر خراب ہوں کہ عقائد واعمال سب کچھ بدل جاتے ہوں اور بگڑ جاتے ہوں اس کا حاصل کرنا اور اس پر روپیہ خرچ کرنا ناجائز ہے، چہ جائیکہ زکوٰۃ اور فطرہ کا ایسی جگہ خرچ کرنا، اس لئے مستحقین غرباء ویتامیٰ وبیوگان پر اس روپیہ کو صَرف کرنا واجب ہے۔ چرمِ قربانی مالدار کو بھی دینا درست ہے لیکن اگر اس کو فروخت کر دیا جائے تو قیمت کسی غریب کو دینا واجب ہے نہ تو خود رکھنا جائز ہے نہ مالدار کو دینا جائز ہے، پس اس کا حکم زکوٰۃ کا سا ہو جاتا ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، ۱۵/ ۷/ ۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف غفرلہ، مدرسہ مظاہر علوم۔

---

(۱) "كره نقلها، إلا إلى قرابة .... أو أحوج أو أصلح أو أورع أو أنفع للمسلمين، الخ." (الدر المختار: ۳۵۳/۲، باب المصرف، سعيد)

(وكذا في النهر الفائق: ۴۶۹/۱، باب المصرف، امداديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۱۳۱/۲، باب المصرف، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في التاتارخانية: ۲۸۱/۲، من توضع الزكاة فيه، ادارة القرآن)

(۲) "فإن بيع اللحم أو الجلد به: أي بمستهلك أو بدراهم، تصدق ثمنه". (الدر المختار: ۳۲۸/۶، سعيد)

"وهو مصرف أيضاً لصدقة الفطر والكفارة والنذر وغير ذالك من الصدقات الواجبة". (ردالمحتار، باب المصرف: ۳۳۹/۲، سعيد)

"ويتصدق بجلدها؛ لأنها جزء منها أو يعمل منه آلة تستعمل في البيت كالنطع والجراب والغربال". (الجوهرة النيرة: ۲۷۱/۲، كتاب الأضحية، قديمي)

باب صدقة الفطر ومصارفها

(صدقۂ فطراوراس کےمصارف کابیان)

نصاب صدقة الفطر

سوال[۴۷۱۰]: کیافرماتے ہیں علمائے دین وشرع متین مسئلہ ذیل میں کہ:

بہشتی زیور،ص:۳۶،تیسرا حصہ،حاشیہ اول میں ذکر کیا گیا ہے(۱) جس کا حوالہ مراقی الفلاح علیٰ حاشیۃ الطحطاوی،ص:۳۹۴ کہ:

"صدقة الفطر تجب علىٰ حر مسلم مكلف مالك لنصاب أو قيمته وإن لم يحل عليه الحول، عند طلوع فجر يوم الفطر، ولم يكن للتجارة، فارغ عن الدين، و حاجته الأصلية، وحوائج عياله. والمعتبر فيها الكفاية لاالتقدير، وهى مسكنه وأثا ثه وثيابه وفرسه وسلاحه وعبيده للخدمة "(۲)۔

تومضمون ہذا سے ہماری عقل میں بہت کم لوگوں پرصدقہ فطرواجب ہوگا۔

۱......ذیل میں جتنی اشیاء ذکر کی گئی ہیں وہ سب ہماری حوائج الاصلیہ اورحوائج عیالیہ ہیں:مسکنه ثيابه، اثاثة المنزل، فرسه، ودابة للركوب، سلاحه، كتابه. اس کے سوا آباد کرنے کے لئے بیل یعنی ہل جوتنے کیلئے اور دودھ پینے کیلئے، بوجھ ڈھونے کیلئے، زمین، دھان، گیہوں وغیرہ،لہذا بہشتی زیور نمبر:۲ کے مسئلہ کے اعتبار سے یہ ہرایک اگر چہ ہزاروں روپیہ کی قیمت کا ہوا اور ضرورت سے زیادہ نہ ہوتو صدقۂ فطرہ واجب نہیں۔ یہ صحیح ہے یانہیں؟

۲......ہمارے سامنے شریف الدین اورامیر الدین کے درمیان مخاصمت ہوئی،شریف الدین کہتا ہے

---

(۱)(بہشتی زیور،ص:۲۵۰،تیسرا حصہ،صدقہ فطر کا بیان،المکتبۃ المدنیۃ،لاہور)

(۲) (مراقی الفلاح شرح نور الایضاح، ص: ۷۲۳، کتاب الزکوة، باب صدقة الفطر، قدیمی)

کہ اوپر میں جوذکر کیا گیا ہے حوائجِ اصلیہ اور حوائجِ عیالیہ اگر وہ سب اشیاء عیدالفطر کے روز موجود نہ ہوں جتنا ہی قیمت کا ہو صدقۂ فطر واجب ہوگا۔

امیر الدین کہتا ہے ہرگز نہیں، جتنا اشیاء اوپر میں ذکر کیا گیا ہے وہ سب ضروری اسباب ہیں اس کے سوا اگر کوئی اَور اسباب موجود ہوں جو نصاب تک ہو سکے جیسے کریم الدین کے پاس عیدالفطر کے روز تین سو من دھان یا گیہوں موجود ہے، موسم فصل آتے وقت اس کو دو سو من دھان یا گیہوں کی ضرورت ہوتی ہے باقی ایک ایک سو من دھان یہ نصاب میں شامل ہوگا اور اسی کو فاضل عن الضرورة کہتا ہے۔

میں نے کہا کہ عیدالفطر کے روز حوائج عیالیہ پر جتنے دھان یا گیہوں کی ضرورت ہوتی ہے باقی دھان حوائج عیالیہ یا حوائج اصلیہ نہیں۔ تو ان میں سے کس کی بات معتبر ہوگی؟

۳.....زید مزدوری کر کے کھاتا ہے، ایک بیگہ زمین بھی نہیں صرف اس کے پاس ایک گائے موجود ہے اور گائے کا دودھ بچوں کو پلاتا ہے، اس کی طاقت نہیں کہ بازار سے دودھ خرید کر بچوں کو پلا دے حالانکہ اس کی قیمت سے نصاب پورا ہو جاتا ہے تو اس پر صدقۂ فطر واجب ہوگا یا نہیں؟

۴.....زکوۃ اور صدقہ کے نصاب میں کیا فرق ہے اور کس شخص پر زکوۃ واجب ہوتی ہے، نیز زمین والا غریب جو یہاں لوگوں کو دھان یا روپیہ قرض دیتا ہے اور موسم فصل میں ادا کرتا ہے تو یہ زکوۃ کے نصاب میں شامل ہوگا یا نہیں؟

۵.....صدقۂ فطر، قربانی کے چرم کی قیمت اور زکوۃ کا پیسہ مدرسہ میں حیلہ کر کے دینا جائز ہوگا یا نہیں؟

بینوا توجروا۔

خادم القوم محمد منصب، مہتمم مدرسہ قاسم العلوم، ساکن سندر کھاتہ، ڈاکخانہ کھوگا کھوڑی، باڑی، ضلع رنگپوت، پاکستان۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱.....مسئلہ اسی طرح ہے دیگر کتب فقہ بحر، بدائع وغیرہ میں بھی مذکور ہے، ایسے شخص پر صدقہ فطر واجب نہیں (۱)۔

---

(۱) (ردالمحتار: ۳۵۸/۲، باب صدقة الفطر، سعید) .... =

۲......صرف عید الفطر کے روز کی حوائج کا اعتبار نہیں کہ اس روز کی حاجت سے جوزائد مقدار ہو اس پر صدقۂ فطر واجب کردیا جائے:

"وإن لم يكن النصاب نامياً وكدار لاتكون للسكنىٰ، ولا للتجارة، ولوكان له داروا حدة يسكنها، وفضلت عن مسكنه يعتبر الفاضل إن كانت قيمته نصاباً، وكذا مافضل عن الثلاثة من الثياب للشتاء والصيف، وعن فرسين للغازى، وفرس وحمار للغير، وعن نسخة واحدة من مصنف من كتب الفقه لأهلها، واثنين من التفسير والحديث، الواحد من المصاحف. وفى الخلاصة: لوكانت له كتب، إن كانت كتب الطب والنجوم والأدب يعتبر نصاباً،........... ولوكانت له دور وحوانيت للغلة، وهى لاتكفى عياله، فهو من الفقرآء على قول محمد، خلافاً لابى يوسف.......... ،ولايعتبر ماقيمته نصاب من قوت شهر بلاخلاف عندنا، وقال الشافعى: تجب على كل من يملك زيادة على قوة يومه لنفسه وعياله، اھ". مجمع الأنهر: ۱/۲۲۶(۱)۔

۳......محض اس گائے کی وجہ سے صدقۃ الفطر واجب نہ ہوگا(۲)۔

۴......مقدارِ نصاب میں صدقۃ الفطر کے لئے نقدین کا ہونا ضروری نہیں بلکہ نقدین کے برابر کوئی اور چیز قیمۃً ہو تب بھی صدقۃ الفطر واجب ہوگا اور زکوۃ جب واجب ہوگی کہ نقدین ہوں یا نقدین کے قائم مقام سوائم یا مالِ تجارت ہو، الحاصل مقدار تو برابر ہی ہے لیکن زکوۃ کے لئے نامی اور حولی ہونا ضروری ہے حولی ہونا یعنی سال بھر کا گزرنا(۳)۔

= (وكذا فى النهر الفائق: ۲/۴۷۰، باب صدقةالفطر، امداديه)

(وكذا فى تبيين الحقائق: ۲/۱۳۲، باب صدقة الفطر، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا فى مجمع الأنهر: ۱/۲۲۶، ۲۲۷، باب صدقةالفطر، دارإحياء التراث العربى)

(۱) (مجمع الأنهر: ۱/۲۲۶، ۲۲۷، كتاب الزكوة، باب صدقةالفطر، دارإحياء التراث العربى بيروت)

(وكذا فى تبيين الحقائق: ۲/۱۳۳، باب صدقة الفطر، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) (راجع ،ص: ۲۱۴، رقم الحاشية: ۱)

(۳) "تجب .... على كل حر مسلم و لو صغيراً مجنوناً ذى نصاب فارغ عن حاجته الأصلية كدينه وحوائج عياله وإن لم ينم كمامر، الخ". (الدرالمختار: ۲/۳۵۹، صدقةالفطر، سعيد) ....=

۵......یہ چیزیں واجب التملیک ہیں، اگر مستحق کو تملیکاً دی جائیں اور پھر وہ اپنی طرف سے بلا کسی دباؤ کے بخوشی دیدے تو مصالحِ مدرسہ میں یعنی تعمیر وتنخواہ وغیرہ میں صَرف کرنا شرعاً درست ہے۔ بلا تملیک درست نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/ ذی الحجہ/ ۴۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۶/ ذی الحجہ۔

مصرفِ فطرہ وفدیہ

سوال [۴۷۱۱]: استفتاء: مخدومی حضرت مفتی صاحب مدظلہ العالی!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

۱......صدقۂ فطر کے مصرف اور فدیہ کے مصرف میں قول راجح پر کوئی فرق ہے یا نہیں؟

۲......کئی ایام کے فدیۂ صوم وصلوٰۃ کی رقم کسی ایک شخص کو ایک دم دی جاسکتی ہے یا نہیں؟ درمختار سے مثل صدقۂ فطر حکم سمجھ میں نہیں آتا ہے، شامی کی عبارت سے تردد ہوگیا ہے، لہٰذا آپ سے قول راجح کی تحقیق مطلوب ہے۔ فقط۔

ابرار الحق، ۱۳/ رمضان/ ۷۰ھ۔

= (وكذا في النهر الفائق: ۱/ ۴۷۱، باب صدقة الفطر، إمداديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۲/ ۱۳۲، باب صدقة الفطر، دار الكتب العلمية بيروت)

"ولا تجب هذه الصدقة إلا على حر مسلم غني، والغني أن يملك نصاباً أو ما قيمته قيمة النصاب فاضلاً عن مسكنه، وإن كان يساوي مالاً عظيماً و ثيابه و أثاثه، الخ". (التاتارخانية: ۲/ ۴۱۸، باب صدقة الفطر، إدارة القرآن كراچي)

(۱) "و يشترط أن يكون الصرف تمليكاً لا إباحةً كما مر، لا يصرف إلى بناء نحو مسجد .... ان الحيلة أن يتصدق على الفقير، ثم يأمره بفعل هذه الأشياء، الخ". (الدر المختار: ۲/ ۳۴۵، باب المصرف، سعيد)

(وكذا في التاتارخانية: ۲/ ۲۷۲، من توضع الزكاة فيه، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في المحيط البرهاني: ۲/ ۴۳۳، من توضع الزكاة فيه، غفاريه كوئٹه) ....=

الجواب حامداً ومصلياً:

۱......دونوں کا مصرف ایک ہے(۱)۔

۲......کئی ایام کے صوم وصلوۃ کے فدیہ کی رقم شخص واحد کو دینا درست ہے اس میں تعدد شرط نہیں:

"فدية كل صلوة .... كصوم يوم، و هو الصحيح، .... ولا يشترط هنا تعدد المساكين". سكب الأنهر(۲)۔ "ثم إن شاء أعطىٰ في أول رمضان، وإن شاء أعطى في آخره، و لا يشترط في المدفوع إليه العدد، اهـ". طحطاوی علی مراقی الفلاح(۳)۔

شامی کی جس عبارت سے آپ کو تردد پیدا ہوا اس سے کچھ پہلے دیکھیے:

"وفدى لزوماً عنه: أي عن الميت وليّه الذي يتصرف في ماله كالفطرة قدراً". درمختار۔ "(قوله: قدراً): أي التشبيه بالفطرة من حيث القدر، إذ لا يشترط التمليك هنا، بل تكفي الإباحة بخلاف الفطرة، وكذا هي مثل الفطرة من حيث الجنس و جواز أداء القيمة. وقال القهستاني: وإطلاق كلامه يدل على أنه لو دفع إلى فقير جملةً جاز، و لم يشترط العدد و لا المقدار، لكن لو دفع إليه أقل من نصف صاع لم يعتد به، و به يفتى، اهـ". شامی(٤)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۵/ رمضان/ ۷۰ھ۔

= (وكذا في البحر الرائق: ۲/۴۲۴، باب المصرف، رشيديه)

(۱) "و لو مات عليه صلوات فائتة وأوصى بالكفارة، يعطى لكل صلاة نصف صاع من بر كالفطرة". (الدر المختار: ۲/۷۲، كتاب الصلوة باب قضاء الفوائت، سعيد)

"و مصرف الزكاة والعشر .... وهو أيضاً كصدقة الفطر والكفارة والنذر وغير ذلك من الصدقات الواجبة". (ردالمحتار: ۲/۳۳۹، باب المصرف، سعيد)

(وكذا في الفقه الإسلامي وأدلته: ۳/۲۰۴۸، المبحث الخامس مصرفها و من يأخذها، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۱۹۴، الباب الثامن في صدقة الفطر، رشيديه)

(۲) (الدر المنتقى في شرح الملتقى المعروف بسكب الأنهر: ۱/۲۵۰، فصل: يباح الفطر لمريض، كتاب الصوم، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

(۳) (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، ص: ۶۸۸، فصل في العوارض، قديمي)

(۴) (الدر المختار مع ردالمحتار: ۲/۴۲۴، فصل في العوارض، سعيد)

صدقۃ الفطر کا حکم اور اس کی ادائیگی کی صورت

سوال[۴۷۱۲]: مایقول العلماء فی صدقة الفطر هل هو واجب أم غیره ؟وإن کا ن الأول فما صورة إعطا ئه ؟ورجل فی یوم الفطر تصدق بصدقة الفطر فی هذه الصورة: أعنی یطبخ الطعام واللحم کما هو دأب الفنجاب، وهو أن یعطوا الطعام کثیراً لاالرغیفین کما هو فی الهند أوفی بعض علاقة الفنجاب، فیأکلون ما هو فی قسمتهم، ثم یعطون بقیة إلی مالکه، فهذه الصورة لإ عطاء صدقة الفطر جائزأم لا؟ إن کان الأول فما معنیٰ التملیك؟ و کما ذکر فی کتب الفقه، و التملیك شرط حرروا بحوالة الکتب مع الصفحات بالصواب۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

صدقة الفطر واجبة صرح به الحصفکی فی الدرالمختار حیث قال:

"وصورة إعطاء ه أن یعطی نصف صاع من برأودقیقة أو سویقة أو صاع تمر أو زبیب أو شعیر إلی مصرف الزکوة، و یجوز دفع القیمة و هی أفضل عند وجدان ما یحتاجه؛ لأنها أسرع بقضاء حاجة الفقیر، وإن کان زمن شدة فالحنطة والشعیر وما یؤکل أفضل من الدراهم. و وقت الوجوب عند طلوع فجر یوم الفطر، و یستحب إخراجها قبل الخروج إلی المصلی، و صح لو قدم أوأخر والتأخیر مکروه. و یدفع کل شخص فطرته بغیر واحد، واختلف فی جواز تفریق فطرة واحدة علی أکثر من فقیر، و علی الجواز أکثر، و به جزم فی الخانیة والبدائع والزیلعی، فکان هو المذهب. و یجوز دفع ما علی،جماعة لواحد علی الصحیح ":۵۱۲/۲(۱)۔ وکذا فی مراقی الفلاح و حاشیتها للطحطاوی ،ص:۳۹۵ (۲) والصورة المسئولة صورة الإباحة لا التملیك۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

---

(۱) (الدرالمختار مع ردا لمحتار: ۳۶۴/۲، باب صدقة الفطر، سعید)

(۲) (مراقی الفلاح مع حاشیة الطحطاوی: ص:۷۲۴،باب صدقة الفطر، قدیمی)

(و کذا فی تبیین الحقائق: ۱۳۷/۲ ، صدقة الفطر، دار الکتب العلمیة بیروت) .... =

نصابِ صدقۃ الفطر کی مقدار میں مولانا عبدالشکور صاحب کا موقف

سوال[۴۷۱۳]: علم الفقہ مصنفہ مولانا عبدالشکور صاحب لکھنویؒ میں صدقہ فطر کے متعلق ایک روایت اٹھارہ چھٹانک کی بھی ہے، فتاویٰ دارالعلوم میں اس کی تغلیط کی ہے اور تحریر ہے کہ جس نے مذکورہ حساب سے ادا کیا اس کی ادائیگی صحیح نہیں ہوئی، ماقی کا نکالنا ضروری ہے۔ اس تعارض کے دفعیہ کے لئے علامہ کی تحریر کردہ روایت کی کیا توجیہ ہوگی؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اس اختلاف کا منشاء یہ ہے کہ احمر (رتی) دو قسم کی ہے: ایک عند الفقہاء، دوسری عند الاطباء، دونوں کے وزن میں تفاوت ہے، مولانا عبدالشکور لکھنویؒ نے ایک وزن کو معتبر مانا اور دیگر اکابر نے دوسرے وزن کو(۱)، مصنف علم الفقہ مولانا عبدالشکور صاحبؒ نے مولانا عبدالحیؒ کا اتباع کیا ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۴/۹۰ھ۔

صاع کے وزن میں احتیاط پر عمل

سوال[۴۷۱۴]: کسی امام کے نزدیک صاع ۲۵۲ تولہ کا ہے جس کو مولانا روح الامین مرحوم نے

= (وكذا في المحيط البرهاني: ۲/۲۳۲، من توضع الزكاة فيه، غفاريه كوئته)

(۱) ''صاع انگریزی سیر کے حساب سے جو کلدار اسی روپیہ کا ہوتا ہے، سوا دو سیر نو تولہ سات ماشہ کا ہوتا ہے، یا یوں کہا جائے کہ پانچ ماشہ کم دو سیر ڈیڑھ پاؤ ہوتا ہے۔ عرض کہ پانچ ماشہ کی کمی کوئی کمی نہیں، ایک صاع کو دو سیر ڈیڑھ پاؤ سمجھنا چاہیے، کیونکہ حسب تصریح محققین ایک صاع ایک ہزار چالیس درہم کا ہوتا ہے، اور ہر درم دو ماشہ ڈیڑھ رتی کا۔ پس صاع میں دو ہزار دو سو چھتر ماشے ہوئے اور ان ماشوں کے ایک سو نواسی تولے سات ماشے ہوئے، اور ان تولوں کے بحساب اسی تولہ فی سیر دو سیر ایک پاؤ نو تولے سات ماشے ہوئے''۔ (علم الفقہ، حصہ چہارم، زکوۃ، ص: ۴۸۰، دارالاشاعت، کراچی)

(۲) "وأما الفضة فقد عرفت أن نصابه مائتا درهم، وكل درهم أربعة عشر قيراطاً يعني سبعين شعيرةً، فتحصل في درهم سبعة عشر ونصف أحمر، وهوماهجتان وواحد ونصف من ذلك الأحمر، فيكون مقدار مائتي درهم ستاوثلثين تولجة ونصف الماهجة". (عمدة القاري على هامش شرح الوقاية: ۱/۲۲۹، كتاب الزكوة، بيان نصاب الذهب والفضة، سعيد)

"واعتبر بأحمر الأطباء وهي أربعة شعيرات". (العرف الشذي على هامش الترمذي: ۱/۲۰، كتاب الطهارة، باب الوضوء بالمد، سعيد)

اپنی فتاویٰ کی کتاب میں لکھا ہے مفتی محمد شفیع صاحبؒ کی کتاب مطالعہ کی گئی اس میں ۲۷۰/تولہ کا حساب ہے۔ ۲۵۲/تولہ کا صاع نہیں ملا ہے۔ ۲۵۲/تولہ کے صاع کے حساب سے فطرہ ادا کرنے سے فطرہ ادا ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

صاع کے وزن کو جب تولہ اور سیر میں منتقل کیا جاتا ہے تو حساب سے کچھ فرق نکلتا ہے۔ چنانچہ بہشتی زیور اور فتاویٰ رشیدیہ، امداد الفتاویٰ ومظاہر حق کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے(۱) اس لئے احتیاطی پہلو یہ ہے کہ جو وزن زائد ہو اس کو اختیار کیا جائے۔ کیونکہ صاع بھی مختلف تھے اور سیر بھی مختلف تھے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۹۲/۱۲/۲۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۹۲/۱۲/۲۹ھ۔

فطرہ کس غلہ سے ادا کریں؟

سوال[۴۷۱۵]: ۱...... صدقۂ فطر ادا کرنے کے لئے کون سا اناج، یا کون سے اناج کی قیمت ادا کرنا چاہیے؟ ایک تو یہ کہ سرکاری اناج کی (کنٹرول) دوکانوں پر جو اناج مثلاً گیہوں جوار ملتا ہے وہ یا بازاری عام دکانوں کا اناج زیادہ بھاؤ کا ہوتا ہے اور سرکاری اناج کی کنٹرول دوکانوں کے اناج پر تو کبھی عام بازاری دوکان کا بھاؤ کم ہوتا ہے، لیکن روزانہ کا استعمال کبھی سرکاری دوکان کے اناج پر ہوتا ہے۔

۲...... فی الحال گیہوں نہ سرکاری اناج کی کنٹرول دکان پر ملتے ہیں اور نہ بازاری عام دوکانوں سے ملتے ہیں، ایسی حالت میں صدقۂ فطر ادا کرنے کے لئے کون سے دوکان کے اناج کی قیمت یا اس قیمت کا دوسرا اناج وغیرہ دینا چاہیے؟ آیا سرکاری اناج کی کنٹرول دوکان کے بھاؤ سے یا عام بازاری اناج کی دوکانوں کے بھاؤ سے ہونا چاہیے؟

---

(۱) راجع: (بهشتى زيور، تيسرا حصة، ص: ۳۶، صدقه فطر كا بيان، إمداديه)

(وفتاویٰ رشیدیه، ص: ۴۴۶، صاع اور مُد ہندوستانی وزن سے کتنے کے ہیں)

(وامداد الفتاویٰ: ۲/۸۴، ۸۵، صاع کے وزن کی تحقیق، دار العلوم کراچی)

(ومظاهر حق جديد: ۱/۲۰۵-۲۰۷، صدقہ فطر کی مقدار، دار الإشاعت، کراچی)

الجواب حامداً ومصلیاً:

ا...... کنٹرول سے سب کی ضروریات پوری نہیں ہوتی مجبوراً عام بازاری شرح سے خرید کر پوری کی جاتی ہے اس لئے سلئے عام بازاری نرخ سے صدقۂ فطر ادا کیا جائے گا، نصف صاع گیہوں کی قیمت کا کوئی اَورغلہ جوار، چناوغیرہ بھی دے سکتے ہیں، اگر جو دینا چاہیں تو ایک صاع دیں(۱)۔

۲...... جونرخ عام بازاروں میں ہے خواہ اس نرخ سے دیدیں خواہ قریب تر جگہ جہاں عام گیہوں ملتا ہے وہاں کی قیمت کا اعتبار کرلیں (۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۰/۹/۱۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۵/۹/۱۵ھ۔

صدقۂ فطر میں کس قیمت کا اعتبار ہوگا؟

سوال[۴۷۱۶]: صدقۂ فطر بمقدار نصفِ صاع گیہوں ہوتا ہے، اب نصف صاع کی قیمت بعض

---

(۱) "یجب...... نصف صاع من بر أو دقيقة أو سويقة أو زبيب أو صاع تمر أو شعير و لو رديئاً، ومالم ينص عليه كذرة و خبز، يعتبر فيه القيمة، ودفع القيمة: أي الدراهم أفضل من دفع العين على المذهب، اما في الشدة فدفع العين أفضل، كما لا يخفى". (الدرالمختار: ۳۶۴/۲، باب صدقة الفطر، سعيد)

(وكذافي الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱۹۱/۱، الباب الثامن في صدقة الفطر، رشيديه)

(وكذا في الفقه الإسلامي وأدلته: ۲۰۴۴/۳، المبحث الثالث، جنس الواجب و صفته و مقداره، رشيديه)

(وكذا في المحيط البرهاني: ۵۹۰/۲، الفصل الثالث عشر في صدقة الفطر، غفاريه كوئٹه)

(۲) " و يقوّم العرض بالمصر الذي هو فيه حتى لو بعث عبداً للتجارة في بلد آخر يقوم في ذلك الذي فيه العبد، إن كان في مفازة، تعتبر قيمته في أقرب الأمصار إلى ذلك الموضع ". (البحر الرائق: ۴۰۰/۲، باب زكاة المال، رشيديه)

(وكذافي فتح القدير: ۲۱۹/۲، باب زكاة المال، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱۸۰/۱، الفصل الثاني في العروض، رشيديه)

شہر میں/۴ آنہ ہوتے ہیں اور بعض جگہ/۲ آنہ اور بعض جگہ/۶ آنے، اب جواختلاف اماکن کی وجہ سے قیمت میں فرق ہوگیا ہے، کس جگہ کی قیمت کا اعتبار ہوگا، مخصوص کسی جگہ کی قیمت کا اعتبار کیا جائے گا یا ہر جگہ کی قیمت کا اعتبار کیا جائے گا، یا جس جگہ کی پیداوار ہو اس جگہ کا اعتبار کیا جائے گا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس جگہ صدقۂ فطر ادا کرنا ہے اس جگہ کی قیمت کا اعتبار ہوگا (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۱/۷/۵۶ھ۔

فطرہ میں قیمت کہاں کی معتبر ہوگی؟

سوال [۴۷۱۷]: بری وغیرہ میں گیہوں کی پیداوار نہیں ہوتی اور گیہوں فروخت ہوتا ہے، البتہ بعض گھروں میں قدر قلیل آٹا اور آٹا اور میدہ بکثرت، نیز بسکٹ فروخت ہوتے ہیں، میدہ کی قیمت آٹا اور گیہوں سے بہت مہنگا لگتا ہے۔ ایسی صورت میں میدہ کی قیمت کے حساب سے کر کے دام دیئے جائیں یا ہندوستان سے گیہوں کے دام معلوم کر کے قیمت ادا کیا جاوے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

گیہوں، میدہ، آٹا تینوں میں سے کسی ایک کے دینے سے صدقہ ادا ہو جائے گا: "الفطرة نصف صاع من بر أود قيق، الخ". هداية: ۱/۱۹۰ (۲).

گیہوں سے آٹا دینا افضل اور آٹا دینے سے قیمت دینا افضل ہے: "والدقيق أولى من البر،

---

(۱) "وتعتبر القيمة يوم الوجوب، و قالا: يوم الأداء .... و يقوّم في البلد الذي المال فيه، و لو في مفازة، ففي أقرب الأمصار إليه". (الدر المختار: ۲/۲۸۶، باب زكاة الغنم، سعيد)

(وقد تقدم التفصيل تحت عنوان: ''فطرہ کس غلہ سے ادا کریں؟'')

(۲) (الهداية: ۱/۲۱۰، باب صدقة الفطر، شركة علميه ملتان)

(وكذا في خلاصة الفتاوىٰ: ۱/۲۷۵، الفصل السابع في صدقة الفطر، امجد اكيڈمی لاهور

(وكذا في النهر الفائق: ۱/۴۷۴، باب صدقة الفطر، إمداديه)

والدراهم أولى من الدقيق". هداية: ١/١٩٠(١).

جس قریب کی جگہ گیہوں، آٹے کی فروخت ہوتی ہے وہاں کے نرخ سے قیمت لگائی جاوے(۲)، اور رمضان کے مہینہ کی قیمت کا اعتبار ہوگا اور جب آپ کے یہاں میدہ کی خرید فروخت بکثرت ہے تو خود میدہ یا اس کی قیمت دینا چاہیے اگرچہ گیہوں سے زیادہ بیٹھے، ہندوستان سے گیہوں کا نرخ معلوم کر کے قیمت دینا کافی نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

فدیہ اور فطرہ کس نرخ سے ادا کریں گے؟

سوال[۴۷۱۸]: بغرضِ ادائے فدیۂ روزہ اور فطرۂ عید نرخ بازار معتبر ہے یا کنٹرول ریٹ؟ جس کو دیا جانا مقصود ہے اس کو کنٹرول ریٹ سے گیہوں مل سکتا ہے بازار میں گیہوں گراں ملتا ہے، گو اتنا گراں عامۃً نہیں ملتا اگر دیہات سے منگایا جائے۔

الجواب حامداً ومصلياً:

جس نرخ سے اپنی ضروریات پوری کی جاتی ہیں اسی نرخ سے فطرہ اور فدیہ دیدیں، ظاہر ہے کہ آجکل کنٹرول سے عامۃً ضروریات پوری نہیں ہوتیں اس لئے بازاری نرخ سے دیں(۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۹/۸۵ھ۔

صدقۂ فطر کس نرخ سے ادا کیا جائے؟

سوال[۴۷۱۹]: کنٹرول کی حالت سب پر روشن ہے۔ اگر دلّال لوگ خفیہ طور سے قیمتِ مقررہ سے زیادہ قیمت لے کر مال فروخت کردے تو یہ جائز ہے یا نہیں؟ (دلال اپنے پیسے سے مال خرید کر لایا ہے، صرف اتنی بات ہے کہ حکومت نے کتنی شرائطِ جبریہ مقرر کردی ہے نہ کہ مالک نے)۔ اور کنٹرول ریٹ کے دام

(۱) الهداية، باب صدقة الفطر: ١/٢١٠، مكتبه شركت علميه ملتان)

(۲) (راجع للتفصيل العنوان المتقدم: "فطرہ کس غلہ سے ادا کریں؟")

(۳) "ويقوّم في البلد الذي المال فيه، ولو في مفازة ففي أقرب الأمصار إليه". (الدر المختار مع ردالمحتار: ٢/٢٨٦، باب زكاة الغنم، سعيد)

سے فطرہ ادا ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وعدہ خلافی اور دروغ گوئی کی نوبت نہ آئے نیز عزت اور نقصانِ مال کا خطرہ نہ ہو(۱) (جیسا کہ علم ہونے پر مقدمہ چلتا ہے اور جرمانہ ہوجاتا ہے) تو درست ہے(۲)۔ اگر اپنے اخراجات بھی کنٹرول نرخ سے لیتا ہے تو صدقۂ فطر بھی اس نرخ سے ادا کرنا درست ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/ جمادی الاولی/ ۶۷ھ۔

---

(۱) "والإسلام يحرم الغش والخداع بكل صورة من الصور، في كل بيع وشراء، وفي سائر أنواع المعاملات الإنسانية. والمسلم مطالب بالتزام الصدق في كل شؤنه، ونصيحة في الدين أعلى من كل كسب دينوی.......... وكذلك كان سلف المسلمين يفعلون .... ولا يكذبون، وينصحون ولايغشون .... ونشتد الحرمة إذا أيد غشه بمبين كاذبة، وقد نهى النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم التجار عن كثرة الحلف بعامة وعن الحلف الكاذب بخاصة. وقال: "الحلف منفقة للسلعة ممحقة للبركة". (الحلال والحرام في الإسلام للشيخ يوسف القرضاوي، ص: ۲۱۴، ۲۱۵)

(۲) حکومت کے مقرر کردہ نرخ اگر ظالمانہ ہوں تو اس صورت میں اس سے بچنے کی تدابیر اختیار کرنے کی گنجائش ہے:

"نرى رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم حين غلا السعر على عهده، فقالوا: يارسول الله! سعّر لنا. قال: "إن الله هو المسعّرُ القابضُ الباسطُ الرازقُ، وإني لأرجو أن ألقى الله وليس أحدٌ منكم بمظلمةٍ في دمٍ ولامالٍ" .... فليس معنى الحديث السابق حظر كل تسعير، ولو كان من ورائه دفع ضرر أمنع ظلم فاحش، بل قرر المحققون من العلماء أن التسعير: منه ماهو ظلم محرم، ومنه ماهو عدل عاجز: إذا تضمّن ظلم الناس وإكراههم بغير حق على البيع بثمنٍ يرضونه، أو منهم مما أباح الله لهم، فهو حرام. وإذا تضمّن العدل بين الناس، مثل إكراههم على مايجب عليهم من المعاوضة بثمن المثل، ومنعهم مما يحرم عليهم من أخذ الزيادة على عوض المثل، وهو جائز، بل واجب. وفي القسم الأوّل جاء الحديث المذكور، فإذا كان الناس يبيعون سلعهم على الوجه المعروف من غير ظلم منهم، وقد ارتفع السعر، إما لقلّة الشيء أو لكثرة الخلق -إشارة إلى قانون العرض والطلب- فهذا إلى الله، فإلزام الناس أن يبيعوا بقيمة بعضها إكراه بغير حق. أما الثاني فمثل أن يمتنع أرباب السلع من بيعها مع ضرورة =

چاول وغیرہ سے صدقۂ فطرادا کرنے کی صورت

سوال[۴۷۲۰]: چاول سے صدقۂ فطرادا کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ بر تقدیرِ ثانی سوال یہ ہے کہ ہمارے ملک میں گیہوں وجَو وغیرہ نہیں ہوتے اور نہ ان کی قیمت ہم کو معلوم ہوتی ہے، ہاں البتہ بڑے بڑے شہروں اور گیہوں والے ملکوں میں کسی کو بھیج کر یا خط کے ذریعے سے ان کی قیمت معلوم کی جاسکتی ہے اور اس میں کس قدر تکلیف ہے، وہ مخفی نہیں، اور نیز چاول بھی گیہوں اور جَو کی طرح طعام ہی ہے، پھر اس کی کیا وجہ ہے کہ چاول سے صدقۂ فطرادا نہیں کیا جاسکتا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

چاول سے صدقۂ فطرادا کرنے کے متعلق کوئی نص موجود نہیں ہے، لہذا اس میں قیمت کا اعتبار ہوگا اس طرح اقرب مواضع میں گیہوں یاجَو کی قیمت معلوم کر کے اس قیمت کے موافق چاول دیدیئے جائیں:

"و ما لم ينص عليه كذرة وخبز يعتبر فيه القيمة، اهـ". درمختار۔ قال الشامي: "(قوله: وخبز) عدم جواز دفعه إلا باعتبار القيمة هو الصحيح، لعدم ورودالنص به، فكان كالذرة وغيرها من الحبوب التي لم يردبها نص وكالأ قطّ. بحر". ردالمحتار: ۱۱۷/۲(۱)۔

= الناس إليها لإلزامهم بقيمة المثل، والتسعير هنا إلزام بالعدل الذى ألزامهم الله به". (الحلال والحرام في الإسلام للشيخ يوسف القرضاوى، ص: ۲۰۹، ۲۱۱)

"ولا يسعّر حاكم لقوله عليه السلام: "لاتسعّروا، فإن الله هو المسعّر القابض الباسط الرازق، الخ" أقول: وفيه تأمل؛ لأنه مثل ماقالوا فيمن صادره السلطان بمال، ولم يعين بيع ماله فصار يبيع أملاكه بنفسه ينفذ بيعه؛ لأنه غير مكروه على البيع، وهنا كذالك". (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۳۹۹/۶، ۴۰۰، فصل في البيع، سعيد)

(۱) (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۳۶۴/۲، ۳۶۵، باب صدقة الفطر، سعيد)

(وكذا في بدائع الصنائع: ۵۴۳/۲، فصل في بيان جنس الواجب، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۱۳۸/۲، باب صدقة الفطر، دار الكتب العلمية بيروت)

جب گیہوں کی روٹی گیہوں پر قیاس کرنا درست نہیں تو چاول کو گیہوں یا جو پر قیاس کرنا کیسے درست ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود، ۵/۱/۵۵ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، سعید احمد غفرلہ۔

چاول سے صدقۃ الفطر کی مقدار

سوال [۴۷۲۱]: اگر کوئی شخص فطرہ گیہوں کے چاول میں ادا کرے تو ادا ہوگا یا نہیں اور انگریزی تول کے حساب سے کتنے سیر گیہوں یا چاول دینے ہوں گے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ادا ہو جائیگا، گیہوں کی قیمت لگا کر اس کے عوض چاول جتنے بھی بازار میں فروخت ہوتے ہوں اس قدر چاول دیدے، وزن کے اعتبار سے گیہوں کے برابر نہ دے: "ومالم ینص علیه كذرة وخبز، يعتبر فيه القيمة، اهـ". در مختار: ۲/ ۱۲۲(۱)۔

سہارنپور کی تول سے ایک صدقۃ الفطر کی مقدار ڈیڑھ سیر پختہ گیہوں ہے، احتیاطاً کچھ زائد پونے دو سیر دے دیئے جائیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، مظاہر علوم سہارنپور۔

جہاں اشیائے منصوصہ نہ ہوں، وہاں صدقۃ الفطر کس طرح ادا کیا جائے؟

سوال [۴۷۲۲]: ماقولکم رحمکم اللہ! پوسٹ آفس وتھانہ بوسیدنگ، ضلع اکیاب ملک برما ہے، ہمارے ملک میں فطرہ کا جو اشیائے خمسہ منصوص علیہا ہے یہ کوئی چیز پیدا نہیں ہوتی ہے اور نہ ہماری غذا ہے اور نہ اس کا عین میسر ہوتا ہے اگر چہ شہر اکیاب اور بوسیدنگ میں گیہوں کا آٹا مل جاتا ہے، لیکن چاول سے جو ہماری

---

(۱) (الدر المختار مع ردالمحتار: ۲/۳۶۴، باب صدقة الفطر، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/ ۱۹۲، الباب الثامن في صدقة الفطر، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۲/۱۳۸، باب صدقة الفطر، دار الكتب العلمية بيروت)

غذا ہے آٹا کی قیمت از حد گراں ہے اور ظاہر ہے کہ ایک چیز کا بھاؤ ہمیشہ یکساں نہیں رہتا ہے مثلاً اس موسم میں آٹا کا بھاؤ اگر شہرا کیاب میں بحساب فی روپیہ چھ سیر ہے تو بوسیدنگ میں فی روپیہ چار سیر ہوتا ہے اور ہمارے چاول کا بھاؤ عام طور پر فی روپیہ انیس بیس سیر ہے اور گیہوں کا بھاؤ ہندوستان میں فی روپیہ بارہ تیرہ سیر ہے۔

اب غور کا مقام ہے کہ جو چیز ارزاں وآسان ہوتا ہے اس کی طرف لوگوں کا زیادہ میلان ہوتا ہے، لہذا گذشتہ زمانہ کی طرح دلیل پکڑتے ہیں کہ جیسا ہندوستانی وغیرہ کیلئے گیہوں عام طعام ہے اور ارزاں وآسان بھی ہے ویسا ہی ہمارے لئے چاول عام طعام اور ارزاں وآسان بھی ہے۔ پس اس صورت میں ہم لوگ حدیث:

"انه سمع أبا سعيد الخدری رضی اللّٰه تعالیٰ عنه يقول: كنا نخرج زكوة الفطر صاعاً من طعام أو صاعاً من شعير أو صاعاً من تمر أو صاعاً من أقط أو صاعاً من زبيب".(۱) پر عمل کر کے نصف صاع چاول سے یعنی صرف ڈھائی سیر چاول سے فطرۂ صوم ادا کر سکتے ہیں یا نہیں؟

بر تقدیر ثانی کیا اشیائے خمسہ منصوص علیہا کی قیمت دریافت کی بابت ہر اہل بلد اور ہر اہلِ قریہ کے لئے بلا دعام ہے یا خاص؟ اگر عام ہے تو صدقۂ فطر کے بارے میں جو عبارت منصوص علیہ ہے: "تدخرون فی بلادکم" آیا ہے۔ اس کی مراد کیا ہے؟

اگر خاص ہے تو صدقۂ فطر کی قیمت اشیائے منصوص علیہا کا جہاں اس کا پیداوار ہے (مثلاً ہندوستان) وہاں سے دریافت کیا جاوے یا ہمارے بلاد سے جہاں اس کا پیداوار نہیں اور ''عبارت اقرب بلاد'' کا اعتبار کیا جاوے آیا ہے، دلیل کتب معتبرہ میں کیا ہے؟ اور خصوصاً ہم اہلِ قریہ کے لئے سراغ بالا پر جو ترتیب وار خط کشیدہ جگہ کا نام نشان ہے اس میں سے خاص اقرب بلاد کا اعتبار کس پر معتبر ہوگا آیا تھانہ بوسیدنگ ہے؟ مگر اس میں اتنا آٹا میسر نہیں ہوسکتا، جو ہر اہل قریہ کو کفایت کر سکے اور اگر کفایت کرنا ضروری نہیں تو جو عبارت اشیائے خمسہ میں منصوص علیہ میں سے اتنی ہونی چاہیے جو اس کی اہل کفایت ہو سکے آیا ہے اس سے کیا مراد ہے؟ اور اس کی

---

(۱) (صحيح البخاری: ۲۰۴/۱، كتاب الزكوة، باب صدقة الفطر صاع من طعام، قديمی)

(والصحيح لمسلم: ۳۱۷/۱، كتاب الزكوة، باب زكوة الفطر، قديمی)

(ومشكوة المصابيح: ۱۶۰/۱، كتاب الزكوة، باب صدقة الفطر، الفصل الأول، قديمی)

دلیل کتب معتبرہ میں کیا ہے؟ بحوالہ کتب حدیث وفقہ حنفیہ تحریر فرمائیں، مع تعین صفحہ جات واسامی مطابع۔

بینوا توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ استدلال بہت ہی غلط اور لغو ہے، حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کے الفاظ یہ ہیں: "صاعاً من طعام" ہے اور آپ اس پر عمل کرتے ہوئے نصفِ صاع چاول سے بری الذمہ ہونا چاہتے ہیں، لفظ "طعام" کے معنی میں عطا کے اقوال مختلف ہیں: ایک بڑی جماعت اس طرف گئی ہے کہ طعام سے مراد گیہوں ہے جس کو "قمح، حنطة، بر" بھی کہتے ہیں اور اس کی تائید میں لغت، عرف اور دیگر احادیث صریحہ پیش کرتے ہیں:

"اختلفوا في المرادبالطعام في هذا الحديث، والمعروف أن الطعام على الإطلاق يطلق على الحنطة، وفي المجمع: قال الخليل: إن الغالب في كلام العرب أن الطعام هو البر، و حكى الخطابي أن المراد بالطعام ههنا الحنطة و هو اسم خاص له، قال: ويدل على ذلك ذكر الشعير و غيره من الأقوات، والحنطة أعلاها فلا بد أنه أرادها بذلك مكان ذكرها عند التفضيل كثيرة من الأقوات ولا سيما حيث عطفت عليها بحرف "أو" الفاصلة، و قال هو وغيره: و قد كانت لفظة" الطعام" تستعمل في الحنطة عند الإطلاق حتى إذا قيل: اذهب إلى سوق الطعام منهم، منه سوق القمح، وإذا غلب العرف نزل اللفظ عليه، اهـ". أوجز المسالك ٣/٢٨٤ (١)۔ وفتح الباري: ٣/٢٩٠ (٢)۔ "قالوا: والطعام هو البر بدليل ذكر الشعير، غاية، اهـ". شلبي حاشيه زيلعي: ١/٣٠٨ (٣)۔

بعض علماء نے لفظ ''طعام'' کو عام کہا ہے کہ گیہوں اور دیگر غلہ جات سب کو شامل ہے حتیٰ کہ زبیب کو بھی شامل ہے لفظ "طعام" خواہ "حنطة" کے ساتھ مخصوص ہو یا سب کو شامل ہے، بہر کیف جن حضرات نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے وہ پورا صاع واجب کہتے ہیں۔

---

(١) (أوجز المسالک: ٣/٢٨٤، زكوٰة الفطر، المكتبة اليحيوية سهارنپور)

(٢) (فتح الباری: ٣/٤٧٥، كتاب الزكوٰة، باب صدقة الفطر، قديمی)

(٣) (حاشية الشلبي على تبيين الحقائق: ٢/١٣٧، باب صدقة الفطر، دارالكتب العلمية، بيروت)

گیہوں میں بھی اور شعیر وغیرہ میں بھی اس حدیث سے استدلال کر کے نصف صاع واجب کسی نے نہیں کہا پھر اس حدیث سے جب کہ اس میں لفظ ''صاع'' موجود ہے نصف صاع کے ادا کرنے سے بری الذمہ ہوجانے پر کیسے استدلال درست ہے:

"صدقة الفطر نصف صاع من بر، أو دقيقة أوسويقة، أو زبيب، أو صاع من تمر، أو شعير. وقال الشافعي: من جميع ذلك صاع، و لا يجزى نصف صاع من بر لقول أبى سعيد الخدرى:" كنا نخرج على عهد رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم صاعاً من طعام، أو صاعاً من شعير، أو صاعاً من تمر، أو صاعاً من أقط، أوصاعاً من زبيب". و في بعض طرقه: ذكر صاعاً من دقيق. و لنا قوله عليه السلام في خطبته: "أدّوا عن كل حر أوعبد، صغير و كبير نصف صاع من بر، أو صاعاً من تمر أو صاعاً من شعير". الحديث ".تبيين الحقائق ۱/۳۰۸(۱)۔

"قال: روى الطحاوى أحاديث كثيرةً عن النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، وعن أصحابه، وعن تابعيهم فى أن صدقة الفطر من الحنطة نصف صاع، و مما سوى الحنطة صاع، ثم قال: ما علمنا أحداً من أصحاب رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم و لا من التابعين روى عنه خلاف ذلك، فلا ينبغي لأحد أن يخالف ذلك إذ كان قد صار إجماعاً فى زمن أبى بكر و عمر و عثمان و على رضى الله تعالىٰ عنهم أجمعين إلى رمن من ذكر نا من التابعين". أوجز:۳/۲۸۵)(۲)۔

اشیائے منصوصہ پر غیر منصوص کو قیاس کرنا درست نہیں بلکہ غیر منصوص میں قیمت کا اعتبار ہوگا: ''و ما لم ينص عليه كذرة و خبز، يعتبر فيه القيمة، اهـ". درمختار: ۲/۱۱۷(۳)۔

---

(۱) (تبيين الحقائق: ۲/۱۳۷، باب صدقة الفطر، دارالكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في بدائع الصنائع: ۲/۵۴۰، فصل في بيان جنس الواجب، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في التاتارخانية: ۲/۴۱۹، باب صدقة الفطر، إدارة القرآن، كراچى)

(۲) (أوجزالمسالک: ۳/۲۷۵، زكوٰة الفطر، المكتبة اليحيوية)

(۳) (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۲/۳۶۴، باب صدقة الفطر، سعيد) .... =

پس اگر غیر منصوص سے کوئی شخص ادا کرنا چاہے تو منصوص کی قیمت لگا کر دراہم یا دنانیر دیدے، یا اتنی قیمت کی کوئی اَور شیئے ثوب وغیرہ دیدے:

”ودفع القيمة إلى الدراهم أفضل من دفع العين على المذهب المفتى به، و هذا فى السعة، أما فى الشدة، فدفع العين أفضل كما لا يخفى“. درمختار۔ ”(قوله: أى الدراهم) ربما يشعر أنها المراد بالقيمة مع أن القيمة تكون أيضاً من الفلوس والعروض، كما فى البدائع والجوهرة، اهـ“. ردمحتار(۱)۔

”قوله: أى الدراهم مثلها الفلوس والعروض كمافى المنح، اهـ“. طحطاوى (۲)۔

اقرب بلاد کا اعتبار اس عبارت فقہ کی وجہ سے کیا جاتا ہے: ”ويقوّم فى البلد الذى المال فيه، و لو فى مفازة، ففى أقرب الأمصار إليه“. درمختار(۳)۔ جس روز صدقۂ فطر ادا کرنا واجب ہے اس روز کی قیمت معتبر ہوگی: ”و تعتبر القيمة يوم الوجوب، اهـ“. درمختار: ۳۳/۲(٤)۔

مقامات خط کشیدہ میں سے جو مقام آپ کے زیادہ قریب ہو اور وہاں اشیائے منصوصہ ملتی ہوں وہیں کے نرخ کا اعتبار کرلیا جاوے۔ جملہ ”تدخرون فى بلاد كم “خط کشیدہ اور ”مسئلہ کفایت“ کس کتاب میں ہے؟ پورا حوالہ دیا جائے ﴿تدخرون فى بيوتكم﴾ تو قرآن شریف میں بھی آیا ہے(۵)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۱۹/ ذیقعدہ/ ۵۷ھ۔

= (و كذا فى بدائع الصنائع: ۵٤۳/۲، فصل فى بيان جنس الواجب، دارالكتب العلمية بيروت)

(و كذا فى تبيين الحقائق: ۱۳۸/۲، باب صدقة الفطر، دارالكتب العلمية، بيروت)

(۱) (ردالمحتار على الدرالمختار: ۳٦٦/۲، مطلب فى مقدار الفطرة بالمدالشامى، سعيد)

(و كذا فى بدائع الصنائع: ۵٤۳/۲، فصل فى بيان جنس الواجب، دارالكتب العلمية، بيروت)

(۲) (حاشيه الطحطاوى على الدرالمختار: ۴۳۷/۱، باب صدقه الفطر، دارالمعرفة، بيروت)

(۳) (ردالمحتار على الدرالمختار: ۲۸٦/۲، باب زكاة الغنم، سعيد)

(۴) (الدرالمختار، المصدر السابق آنفاً)

(۵) (آل عمران: ۴۹)

صدقۃ الفطر وغیرہ کیلئے بیت المال

سوال[۴۷۲۳]: ہماری بستی میں الحمدللہ بیت المال قائم ہے، ہم ہر سال عید الفطر پر صدقۂ فطر گھر گھر سے وصول کر لیتے ہیں اور عید کے بعد مجلسِ منتظمہ یہ طے کرتی ہے کہ بستی کے کن کن مستحقین کو کتنا روپیہ ماہانہ یکمشت دیدیا جائے۔ اس قسم کے نظم کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ کیا صدقۂ فطر یوم عید سے قبل وصول کیا جا سکتا ہے؟ کیا جمع شدہ صدقہ فطر نیز زکوۃ وغیرہ سال کے اندر یا بروقت ہی تقسیم کیا جانا ضروری ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

صدقۃ الفطر کا ایسا انتظام کرنا کہ سبھی ادا کریں کوئی باقی نہ رہ جائے اور صحیح مصارف پر خرچ کیا جائے، بہت مناسب ہے مگر اس میں جبر کی صورت اختیار نہ کی جائے کہ ہر شخص صدقۂ فطر لازمی طور پر بیت المال ہی کو دے اور بیت المال کے لوگ اس پر جا کر مسلط ہو جائیں کیونکہ یہ بیت المال شرعی بیت المال نہیں بلکہ نام کا بیت المال ہے، اس لئے اموالِ ظاہرہ کی زکوۃ بھی جبراً وصول کرنے کا حق نہیں چہ جائیکہ صدقۃ الفطر، پھر اس کا وجوب عید الفطر کی صبح صادق پر ہوتا ہے حتی کہ شبِ عیدین میں اگر کوئی مر جائے تو صدقۃ الفطر واجب نہیں، اگر کسی سے پیشگی وصول کر لیا جائے اور مستحق کو دینے سے پہلے اس کا انتقال ہو جائے تو اس کے ورثہ کی طرف اس کی واپسی لازم ہوگی۔ نیز صدقۃ الفطر میں مستحب یہ ہے کہ نماز عید سے پہلے ادا کر دیا جائے (۱)، اس کو وصول کر کے محبوس کر لینا کہ یہ سال بھر تک کسی وقت ادا کر دیا جائے اس کے خلاف ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۸/۸۹ھ۔

---

(۱) "ویستحب إخراجها قبل الخروج إلی المصلی بعد طلوع فجر عملاً بأمره و فعله علیه السلام، وصحّ أداؤها إذا قدّمه أو أخّره، الخ". (الدرالمختار: ۲/۳۶۷، باب صدقة الفطر، سعید)

(و کذافی النهر الفائق: ۲/۴۷۴، باب صدقة الفطر، امدادیه ملتان)

(و کذا فی مجمع الأنهر: ۱/۳۳۷، باب صدقة الفطر، دار الکتب العلمیة بیروت)

(۲) " والواجب علی الأئمة أن یوصلوا الحقوق إلی أربابها، و لا یحبسونها عنهم، و لا یحل للإمام وأعوانه من هذه الأحوال إلا ما یکفیهم و عائلتهم، و لا یجعلونها کنوزاً، و ما فضل من هذه الأحوال قسّم بین المسلمین، فإن قصر الأئمة فی ذلک فوَباله علیهم، الخ". (الفتاویٰ العالمکیریه: ۱/۱۹۱، فصل: ما یوضع فی بیت المال، رشیدیه) ....=

فقیر، مسکین اور صدقہ فطر کا مصرف

سوال[۴۷۲۴] : ا......فقیر، مسکین اور غریب کی شرعی تعریف فرماتے ہوئے یہ بتایئے کہ صدقۂ فطر کا شرعی مستحق کون ہے؟ یعنی قاضی یا مرشد یا اپنے استاذ ہی ہیں یا فقیر اور مسکین اور قریبی رشتہ دار (جن کی آمدنی خرچ کیلئے ناکافی ہے) بھی ہیں، افضلیت کس میں ہے؟

فطرہ کا مصرف ہمیشہ کیلئے متعین کرنا

سوال[۴۷۲۵] : ۲......قاضی یا مرشد (اس) کا مجاز ہے کہ اپنے تابعین سے بوجۂ غربت یہ کہدے کہ تم لوگ ہمیشہ (نسلاً بعد نسل) فی کس ۲۵، ۳۰/ روپیہ صدقۂ فطر میں دیدیں تو کافی ہے؟ کیا اس صورت میں پورا صدقہ ادا ہو جاویگا یا نہیں؟ بصورتِ ثانی کیا کہا جائیگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ا......جس کی مِلک میں کچھ نہ ہو یا مقدار نصاب سے کم ہو اس کو اصطلاحِ شرع میں فقیر و مسکین کہتے ہیں، وہ زکوٰۃ اور فطرہ اور زکوۃ کا مستحق ہے(۱)، خواہ قاضی، مرشد استاذ بھی ہو یا کوئی اَور ہو مگر کسی کی خدمت کے معاوضہ میں دینا درست نہیں (۲)، اپنے عزیزوں کو اور ان میں بھی جو زیادہ دیندار ہوں ان کو دینا افضل ہے، مگر

= (وكذا في ردالمحتار: ۲۱۹/۴، مطلب في مصارف بيت المال، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۱۹۹/۵، باب العشر والجزية والخراج، رشيديه)

(۱) " هو فقير، وهو من له أدنى شيء: أي دون نصاب، أو قدر نصاب غير نام، مستغرق في الحاجة، ومسكين من لاشيء له على المذهب، الخ". (الدرالمختار: ۳۳۹/۲، باب المصرف، سعيد)

(وكذا في فتح القدير: ۲۶۱/۲، من يجوز دفع الصدقة اليه، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱۸۷/۱، الباب السابع في المصارف، رشيديه)

(۲) " تمليك جزء مال عيّنه الشارع من مسلم فقير غيرهاشمي ولا مولاه، مع قطع المنفعة عن المملك من كل وجه لله تعالىٰ". (تنوير الأبصار مع الدرالمختار: ۲۵۸/۲، كتاب الزكاة، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۳۵۲/۲، كتاب الزكاة، رشيديه)

(وكذافي النهر الفائق: ۴۱۱/۱، كتاب الزكاة، إمداديه)

جوعزیز مصرفِ زکوۃ نہیں جیسے والدین اور اولاد وغیرہ ان کو نہ دیا جائے، کذافی ردالمحتار(۱)۔

۲...... یہ پابندی عائد کرنا غلط ہے اور مرشد کے منصب کے لئے بھی عیب کی چیز ہے اور صدقۃ الفطر حساب سے ادا کرنا لازم ہے(۲) کمی رہ جائے گی تو واجب باقی رہ جائے گا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند، ۲۴/۴/۸۹ھ۔

صدقۂ فطر کیا امام کا حق ہے؟

سوال[۴۷۲۶]: امام مسجد مسکین ہے مگر لوگ صدقۂ فطر سے امام مسجد کو کچھ نہیں دیتے بلکہ ہنود اور ایسے فقیروں کو جو کہ مالدار ہیں محض اس لئے کہ ان کا حق ہے بانٹ دیتے ہیں، امام مسجد کو صدقۂ فطر سے کچھ حصہ دینا چاہیے یا نہیں، اس کے متعلق کیا حکم ہے؟ امام مسجد کو مسکین ہوتے ہوئے کیا صدقۂ فطر سے کچھ نہ لینا چاہیے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اکثر جگہ امام مسجد صدقۃ الفطر کو اپنا حق سمجھتا ہے اور دینے والے یہ خیال کرتے ہیں کہ یہ نماز پڑھاتا ہے اس صورت میں امامت کا معاوضہ ہوجاتا ہے اس لئے امام کو نہیں دینا چاہیے۔ غیر مسلم کو صدقۂ فطر نہیں دینا چاہیے بلکہ وہ مسلم مساکین وفقراء کا حق ہے:

"ولا تدفع (الزكوة) إلىٰ ذمي، وجاز دفع غيرها و غير العشر و الخراج إليه: أي الذمي

---

(۱) "ولا يجوز الدفع إلى أصوله: وهم الأبوان والأجداد والجدات من قِبل الأب والأم وإن علوا، و لا إلى فروعه: و هم الأولاد وأولاد الأولاد وإن سفلوا إلى آخر ما ذكر .... و كذا بين الزوجين .... و كذا جميع الصدقات كالكفارات و صدقة الفطر و النذور، الخ". (تبيين الحقائق: ۱۲۲/۲، باب المصرف، دار الكتب العلمية بيروت)

(و كذا في المحيط البرهاني: ۴۳۲/۳، من توضع الزكاة فيه، غفاريه كوئٹه)

(و كذا في بدائع الصنائع: ۳۸۴/۲، فصل الذى يرجع الى المؤدى اليه، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) "نصف صاع من بر أو دقيقه أو سويقه أو زبيب، وجعلاه كالتمر أو صاع تمرٍ أو شعير، الخ".

(ردالمحتار: ۳۶۴/۲، باب صدقة الفطر، سعيد)

(و كذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱۹۱/۱، صدقة الفطر، مكتبه رشيديه)

(و كذا في تبيين الحقائق: ۱۳۷/۲، باب صدقة الفطر، دار الكتب العلمية بيروت)

ولو واجباً كنذر و كفارة و فطر، خلافاً للثاني، و بقوله يفتي، حاوي القدسي، اهـ".

در مختار (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۰/۱۰/۶۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۱/شوال/۶۷ھ۔

کیا پوتہ کا صدقۂ فطر دادا پر ہے؟

سوال [۴۷۲۷]: زید صاحب نصاب ہے اور اس کے ایک لڑکا ہے اور زید کے ایک پوتا ہے جس کا باپ مرگیا اور زید اور اس کے لڑکے پوتہ کا خورد و نوش یکجائی ہے، پس اس صورت میں زید کے پوتہ کو زکوۃ دیجاسکتی ہے یا نہیں؟ نیز زید کے اوپر اس پوتے کی طرف سے صدقۂ فطر ادا کرنا واجب ہے یا نہیں؟ واضح ہو کہ زید کا پوتہ ابھی نابالغ ہے لیکن قریب البلوغ ہے اور زید کی کفالت میں ہے۔

الجواب حامداً ومصلياً:

زید اپنے پوتہ کو شرعاً اپنے مال سے زکوۃ نہیں دے سکتا: "ولا يدفع إلى أصله وإن علا، وفرعه وإن سفل، كذا في الكافي، اهـ". عالمگیری: ۱/۱۸۸ (۲)۔

اگر زید کا پوتا صاحبِ نصاب ہے تو کوئی اور شخص بھی زکوۃ نہیں دے سکتا لیکن اگر وہ صاحبِ نصاب نہیں تو دوسرے لوگ اس کو زکوۃ دے سکتے ہیں، زید کا صاحب نصاب ہونا پوتے کے لئے موجبِ غنا نہیں، جیسا کہ ماں کے غنی ہونے سے بیٹا غنی نہیں ہوتا کیونکہ دادا پر اصالۃً پوتے کا نفقہ واجب نہیں، هكذا يفهم مما في باب المصرف وباب النفقة من كتب المذهب الحنفي.

---

(۱) (الدر المختار: ۲/۳۵۱، باب المصرف، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/۱۸۸، الباب السابع في المصارف، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق: ۲/۴۲۳، باب المصرف، رشيديه)

(۲) (الفتاوى العالمكيرية: ۱/۱۸۸، الباب السابع في المصارف، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۲/۱۲۲، باب المصرف، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في المبسوط: ۲/۱۴، باب عشر الارضين، دار الكتب العلمية بيروت)

ظاہرالروایہ میں دادا کے ذمہ پوتے کا صدقہ فطر واجب نہیں:

"و ليس على الجد أن يؤدي الصدقة عن أولاد ابنه المعسر إذاكان الأب حياً باتفاق الروايات، و كذا لو كان الأب ميتاً في ظاهر الروايات؛ لأن ولاية الجد يثبت بواسطة الأب، فكانت ناقصةً بعد وفات الأب دون حال حياته، و على الرجل أن يؤدي عن أولاده الكبار وإخوانه الصغار، و لا عن قرابته وإن كانوا في عياله و لا عن والديه وإن كانا في عياله، اهـ".

فتاوى قاضي خان على هامش هنديه: ۱/۲۲۸ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۴/۷/۶۴ھ۔

صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۱/ رجب/۶۴ھ۔

جب تک جزئیہ نہ ملے، اصول کے مطابق دادا باپ کے حکم میں ہوتا ہے۔

سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

امام اور مولوی کیلئے صدقۂ فطر

سوال [۴۷۲۸]: ۱......اگر کوئی مولوی یا امام مسجد مالدار ہے تو اس کیلئے صدقہ فطر لینا جائز ہے یا نہیں؟

۲......صورت مذکورہ میں لینے والا دینے والا اور دینے والے کا حکم عندالشرع کیا ہے، نیز ایسے مولوی اور امام جو کہ مالدار ہیں ان کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟

۳......صورت بالا میں مولوی صاحب اور امام صاحب جو کہ مالدار ہیں اور صدقۂ فطر لیتے ہیں اور اگر

---

(۱) (فتاویٰ قاضي خان على هامش الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۲۲۸، فصل في صدقة الفطر، رشيديه)

" ولا يؤدي الجد عن نوافله الصغار وإن كانوا في عياله، و روى الحسن عن أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ أن عليه الأداء عنهم بعد موت الأب، وهذه أربع مسائل يخالف الجد فيها الأب في ظاهر الرواية، ولا يخالف في رواية الحسن، الخ ". (المبسوط: ۲/۱۱۶، باب صدقة الفطر، دار الكتب العلميه بيروت)

(وكذا في التاتارخانية: ۲/۴۲۳، باب صدقة الفطر، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۱۹۲، باب صدقة الفطر، رشيديه)

9

ان کو کوئی روکے کہ تمہارے لئے جائز نہیں ہے، جواب دیتے ہیں کہ ہم فقیر مسکین کو دیتے ہیں اور لوگ ان کو صدقۂ فطر کا مالک بنا کر دیتے ہیں۔ ایسی صورت میں اگر وہ لیکر فقیر مسکین کو دے بھی دیں تو دینے والے کا صدقہ فطر ادا ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

۱...... ناجائز ہے:"وصدقة الفطر كالزكوة في المصارف، اهـ". بحر: ۲/۲۵۶(۱)۔

۲...... لینے والا گناہگار ہے دینے والے کا صدقۂ فطر ادا نہیں ہوا، دوبارہ ادا کرنا چاہئے اگر دیتے وقت اس کا علم تھا کہ یہ مالدار ہے(۲)، اگر ایسے امام سے بہتر امامت کے لائق دوسرا آدمی موجود ہو تو دوسرے آدمی کو امام بنانا چاہئے اور ناحق صدقۂ فطر لینے والے کو امام بنانا مکروہ ہے(۳)۔

۳...... ایسی صورت میں صدقہ فطر ادا نہیں ہوتا یا لوگ خود کسی مسکین مستحق کو دیں (۴)، یا ان امام

---

(۱) (البحر الرائق: ۲/۴۴۶، باب صدقة الفطر، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار: ۲/۳۶۹، باب صدقة الفطر، سعيد)

(وكذا في الفقه الإسلامي و أدلته: ۳/۲۰۴۸، المبحث الخامس مصرفها أو من يأخذها، رشيديه)

(۲) "مصرف الزكاة ...... هو فقير، وهو من له أدنى شئ .... ومسكن من لاشئ له". (الدر المختار: ۲/۳۳۹، باب المصرف، سعيد)

"وهي تمليك جزء مال عيّنه الشارع من مسلم فقير......اهـ. ولا [يصرف] إلى غني يملك قدر نصاب فارغ عن حاجته الأصلية من أي مال كان، الخ". (الدر المختار، باب المصرف: ۲/۳۴۷، سعيد)

(۳) "(قوله: يكره إمامة عبد أو أعرابي أو فاسق): أي من الفسق وهو الخروج عن الاستقامة، و لعل المراد به من يرتكب الكبائر كشارب الخمر والزاني و اكل الربا و نحوذلك". (ردالمحتار: ۱/۵۶۰، باب الإمامة، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۸۵، باب الإمامة، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۱/۱۶۳، فصل في الجماعة، دارالكتب العلمية، بيروت)

(۴) "ويشرط أن يكون الصرف (تمليكاً) لا إباحةً، كمامر". (الدر المختار، كتاب الزكاة، باب المصرف: ۲/۳۴۴، سعيد)

صاحب کو مالک نہ بنائیں، یہ کہہ کردیں کہ آپ کو وکیل بنایا ہے آپ یہ صدقۂ فطر کسی غریب مستحق کو دیدیں خود نہ رکھیں۔ فقط واللہ سبحانہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۶/۵/۵۹ھ۔

نابالغ کو فطرہ دینا

سوال[۴۷۲۹]: فطرہ غریب ویتیم مسکین نابالغ بچوں کو دینے سے ادا ہوا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر غریب کے بچے نابالغ ہوں تو ان کو صدقۂ فطر دینا جائز نہیں، البتہ ان کے لئے سرپرست کو دینا جائز ہے، اگر وہ بچے سمجھدار ہوں تو خود ان کو بھی دینا جائز ہے، اگر وہ بچے مالدار کے ہیں تو ان کو کسی طرح بھی دینا درست نہیں۔ فی الدر المختار: ۲/۱۲۷: "و صدقة الفطر كالزكوة في المصارف"(۱)۔

"و يشترط أن يكون الصرف تمليكاً"۔ قال الشامي: "وفي التمليك إشارة إلى أنه لا يصرف إلى مجنون و صبي غير مراهق إلا إذا قبض لهما من يجوز له قبضه كالأب و الوصي وغيرهما، و يصرف إلى مراهق يعقل الأخذ". ۲/۱۵۵(۲)۔ واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، ۲۵/ ذی الحجہ/ ۵۱ھ۔

بندہ عبد الرحمٰن غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۲۷/۱۲/۵۱ھ۔

عید کے بعد صدقۂ فطر ادا کرنا ادا ہے یا قضاء؟

سوال[۴۷۳۰]: تعلیم الاسلام میں یہ مسئلہ تحریر ہے کہ عیدین کے دن نمازِ عید سے پہلے صدقۂ فطر ادا

---

(۱) (الدر المختار: ۲/۳۶۹، باب صدقة الفطر، سعيد)

(وأيضا تقدم تخريجه تحت عنوان "امام اور مولوی کے لئے صدقۃ الفطر"۔)

(۲) (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/۳۴۴، باب المصرف، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۱۹۰، باب المصرف، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير: ۲/۲۷۰، باب من يجوز دفع الصدقة إليه ومن لايجوز، مصطفى البابي الحلبي مصر)

کرنا بہتر ہے، اگر نماز کے بعد ادا کرے تو بھی جائز ہے، جب تک ادا نہ کرے گا اس کے ذمہ واجب رہے گا، اگر کوئی شخص ایک سال دوسال میں ادا کرے تو بھی ٹھیک ہے، کیونکہ عبارت سے یہی ثابت ہوتا ہے۔

الجواب حامداً ومصلياً:

اس وقت بھی ادا ہی شمار ہوگا قضا نہیں کہیں گے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۳/۹۵ھ۔

صدقۃ الفطر وزکوۃ غیر مسلم کو دینا

سوال [۴۷۳۱]: زکوۃ کا مال یا غلہ وغیرہ میں سے ۴۰/ واں نکال کر کسی ہندو کو دیدیا جائے اسی طرح صدقۃ الفطر اگر کسی ہندو کو دیدیا جائے تو جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلياً:

زکوۃ دینا ہندو کو ناجائز ہے، صدقۃ الفطر جائز ہے بشرطیکہ ہندو ذمی ہو: " لا يجوز دفع الزكوة إلى ذمي، و صح دفع غير الزكوة من الصدقات إلى الذمي كصدقة الفطر". زيلعي: ۱/۲۰۰ (۲)۔

مگر احتیاط یہ کہ صدقۂ فطر بھی مسلم ہی کو دیا جائے گا کہ اس میں امام ابو یوسف کا اختلاف ہے وہ ناجائز فرماتے ہیں (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۸/۱۱/۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۹/۱۱/۵۷ھ۔

---

(۱) "ويستحب إخراجها قبل الخروج إلى المصلى بعد طلوع فجر عملاً بأمره و فعله عليه السلام، وصحّ أداؤها إذا قدّمه أو أخّره، الخ". (الدرالمختار: ۲/۳۶۷، باب صدقة الفطر، سعيد)

(و كذا في النهر الفائق: ۲/۴۷۴، باب صدقة الفطر، امداديه ملتان)

(و كذا في مجمع الأنهر: ۱/۳۳۷، باب صدقة الفطر، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) (تبيين الحقائق: ۲/۱۱۹، باب المصرف، دار الكتب العلمية بيروت)

(وأيضاً راجع للتفصيل العنوان المتقدم: "صدقۃ الفطر کیا امام کا حق ہے؟")

(۳) "(قوله: وصح غيرها): أي صح دفع غير الزكاة إلى الذمي واجباً كان أو تطوعاً كصدقة الفطر =

فطرہ اور چرمِ قربانی تعلیم کے مشاہرہ میں دینا

سوال[۴۷۳۲]: زید کے گاؤں میں ایک سرکاری پرائمری اسکول قائم ہے اس میں خالص دینی تعلیم نہیں ہوتی ہے بلکہ سرکاری تعلیم ہوتی ہے، اس میں جو ایک شخص معلم ہیں وہ اس گاؤں کے پیش امام بھی مقرر ہیں، وہ معلم صاحب گورنمنٹ سے مشاہرہ پاتے ہیں اور پیش امام کا مشاہرہ گاؤں والے الگ دیتے ہیں تو زید نے پیش امام صاحب سے کہا کہ آپ ان بچوں کو ایک دو گھنٹے درسی تعلیم دیجئے آپ کو اس تعلیم کے عوض میں علیحدہ مشاہرہ دیا جائے گا، چنانچہ پیش امام صاحب اس کام کو انجام دے رہے ہیں تو زید صدقۂ فطر اور چرمِ قربانی کی رقم کو اسی مذکورہ گاؤں کے کسی یتیم وغریب سے تملیک کرکے اس پیش امام صاحب کو اس دینی تعلیم کے معاوضہ میں مشاہرہ دے رہا ہے تو یہ صورت از روئے شریعت جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلياً:

دینی تعلیم کا انتظام بہت ضروری ہے ماں باپ ہی اپنی اولاد کا دھیان رکھیں اور اجتماعی حیثیت سے بھی بچوں کے لئے تعلیم کا انتظام کیا جائے، جس طرح بچوں کے لئے کھانے کپڑے کا انتظام ضروری تصور کیا جاتا ہے اسی طرح ان کے لئے علم دین سکھانے کا انتظام بھی ضروری ہے، اس لئے آپس میں چندہ کیا جائے بچوں سے فیس لی جائے۔ اگر کوئی صورت ممکن نہ ہو تو مجبوراً زکوۃ وغیرہ کا پیسہ جمع کرکے بھی مدرس کو تملیک کے بعد دے سکتے ہیں، بلا شدید مجبوری کے یہ صورت اختیار نہ کی جائے، نابالغ سے تملیک کرانا غلط ہے بالغ سے درست ہے، مگر اس پر جبر یا دباؤ نہ ہونا چاہئے (۱)۔

= والكفارات والمنذور لقوله تعالىٰ ﴿لاينهاكم الله عن الذين لم يقاتلوكم في الدين﴾ (الممتحنة: ٨) وخُصت الزكاة لحديث معاذ، وفيه خلاف أبي يوسف، ولايرد عليه العشر؛ لأن مصرفه مصرف الزكاة كما قدمناه فلا يدفع إلى ذمي والصرف في الكل إلى فقراء المسلمين أحب". البحر الرائق. "(قوله: خلاف أبي يوسف) أي في جواز دفع غير الزكاة إليه خلاف أبي يوسف. قال الرملي في الحاوي القدسي: وبه نأخذ". (منحة الخالق، كتاب الزكاة، باب المصرف: ٢/٤٢٣، ٤٢٤، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الزكاة، باب المصرف: ٢/٣٥١، ٣٥٢، سعيد)

(١) "ويشترط أن يكون الصرف تمليكاً لا إباحةً كما مر، لا يصرف إلى بناء نحو مسجد، ولا إلى كفن =

بہتر صورت یہ ہے کہ کسی غریب مستحقِ زکوۃ سے کہا جائے کہ مدرس کو تنخواہ کے لئے اتنے روپے کی ضرورت ہے تم دیدو، وہ کہے گا کہ میرے پاس نہیں ہے میں غریب ہوں، اس سے کہا جائے کہ اپنی ضروریات کے لئے بھی تو قرض لینے کی نوبت آتی ہے اب دینی ضرورت کے لئے کسی طرح انتظام کردو، امید ہے کہ اللہ تعالیٰ قرض ادا کرادیگا، وہ کسی سے قرض لاکر دیدے اس سے تنخواہ ادا کردی جائے، پھر کسی وقت زکوۃ کا پیسہ اس کو دیدیا جائے اس سے قرض ادا کردے-فطرہ کا پیسہ بھی اسی طرح دیا جاسکتا ہے-قربانی کرنے والے اگر اپنی قربانی کی کھال مدرسہ کے مہتمم (زید) کو دیکر مالک بنادیں اور وہ فروخت کردے تو اس قیمت میں مزید کسی تملیک کی حاجت نہیں، ہاں اگر وہ لوگ چرمِ قربانی کو فروخت کرکے اس کی قیمت زید کو دیدیں تو پھر وہ قیمت براہ راست مدرس کی تنخواہ میں نہ دے بلکہ تملیک کے بعد دے سکتا ہے(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔



= میت .... إن الحيلة أن يتصدق على الفقير، ثم يأمره بفعل هذه ألاشياء، وهل له أن يخالف أمره؟ لم أره، والظاهر نعم". (الدرالمختار: ۳۴۴/۲، باب المصرف، سعيد)

(وكذا في النهر الفائق: ۴۶۲/۱، باب المصرف، إمداديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۱۲۱/۲، باب المصرف، دارالكتب العلمية، بيروت)

(۱) "(ويتصدق بجلدها أو يعمل منه نحو غربال وجراب)......... (أو يبدله بما ينتفع به باقياً)......... (فإن بيع اللحم أو الجلد به): أي بمستهلك (أو بدراهم تصدق بثمنه)". (الدرالمختار، كتاب الأضحية: ۳۲۸/۶، سعيد)

باب الصدقات النافلة

(صدقاتِ نافلہ کا بیان)

غنی کو صدقہ دینا

سوال[۴۷۳۳]: کسی صاحبِ استطاعت آدمی کو دونوں وقت برابر کھلانے میں اجر ملتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اجر تو ضرور ملتا ہے (۱) مگر صدقاتِ واجبہ اس سے ادا نہیں ہوتے (۲)، غریب و مسکین کو کھلانے کا اجر زیادہ ہے۔ فقط واللہ سبحانہ اعلم۔

صدقہ وخیرات میں فرق

سوال[۴۷۳۴]: صدقہ وخیرات میں کیا فرق ہے اور صدقہ کس کو کہتے ہیں، کیا کسی سید کو اس نیت سے کھانا دیا جا سکتا ہے کہ اس کا ثواب مُردوں کی روح تک پہنچے؟

---

(۱)" فاما الصدقة على وجه الصلة والتطوع، فلا بأس به، و كذالک يجوز النفل للغني ". (التاتارخانية: ۲/۲۷۵، من توضع الزكاة فيه، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في الفقه الإسلامي وأدلته: ۲۰۵۶/۳، المتصدق عليه، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع: ۴۷۶/۲، فصل في الذي يرجع إلى المؤدى إليه، دار الكتب العلمية، بيروت)

(۲) "و لا إلى غني يملک قدر نصاب فارغ عن حاجته الأصلية أیّ مال كان، كمن له نصاب سائمة لا تساوي ماة درهم الخ ". (الدرالمختار: ۳۴۷/۲، كتاب الزكاة، باب المصرف، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۱۲۳/۲، باب المصرف، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في بدائع الصنائع: ۴۷۷/۲، فصل في الذي يرجع إلى المؤدى إليه، دار الكتب، بيروت)

الجواب حامداً ومصلیاً:

صدقہ میں بھی ثواب کی نیت ہوتی ہے اور خیرات میں بھی اس میں دونوں برابر ہیں، البتہ صدقہ کبھی واجب ہوتا ہے مثلاً نذر مان لینے سے، یا میت کی طرف سے اس کے وصیت کرنے پر، یا کسی کے پاس حرام مال آجائے اور مالک تک، یا اس کے ورثاء تک پہونچانا متعذر ہو تو اس کا بھی صدقہ کرنا واجب ہوتا ہے اور اس اخیر کی صورت کو نیت سے بھی مستثنیٰ کیا جاتا ہے یعنی اس میں ثواب کی نیت نہیں کی جاتی ہے کہ اللہ پاک اس مال حرام کے وبال سے مجھے بچائے، زکوۃ کو بھی صدقہ کہتے ہیں جو فرض ہے، اسی طرح صدقۂ فطر ہے جو کہ واجب ہے۔ خیرات کا اطلاق ہمارے عرف میں صدقۂ نافلہ پر ہوتا ہے، صدقۂ نافلہ سید کو دینا درست ہے اور صدقۂ واجبہ درست نہیں۔

اگر میت نے وصیت نہیں کی تھی بلکہ اپنی طرف سے سید کو کھانا کھلایا اور ثواب کی نیت میت کے واسطے کرلی تو درست ہے اور صدقۂ واجبہ درست نہیں، کفارہ واجب تھا یا نذر واجب تھی اور اس نے وصیت کی تو سید کو کھلانا درست نہیں:

"قوله: و بني هاشم و مواليهم، وقال المصنف في الكافي: و هذا في الواجبات كالزكوة والنذر والعشر والكفارة، أماالتطوع والوقف فيجوز الصرف إليهم، اهـ". بحر: ۲/۲٤٦(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۴/۱۰/۵۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

زکوۃ کے علاوہ صدقہ خیرات

سوال [۴۷۳۵]: آمدنی کا وہ حصہ جو زکوۃ دینے کے بعد بچ رہا، کیا اس رقم میں سے بھی دس فی صدی

---

(۱) (البحر الرائق: ۲/۴۳۰، باب المصرف، رشیدیه)

(وكذا في ردالمحتار: ۲/۳۵۱، باب المصرف، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۱/۳۳۱، باب في بيان أحكام المصرف، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في المحيط البرهاني: ۲/۴۳۴، باب من توضع الزكاة فيه، غفاريه)

تناسب سے خیرات کرنا واجب یا سنت ہے؟ فقط۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

واجب یا سنت مؤکدہ (جس کے ترک پر عقاب یا عتاب ہو) تو نہیں، مواقعِ ضرورت میں ایثار وہمدردی کے پیشِ نظر اپنے حوصلہ اور وسعت کے موافق خرچ کرنا مکارمِ اخلاق میں سے ہے (۱) دس فیصد ہو یا کم وبیش ہو۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/ ۵/ ۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/ ۵/ ۸۸ھ۔

کفارہ کی رقم، فقیر قاضی یا استاذ کو یکبارگی دینا

سوال [۴۷۳۶]: اگر کوئی شخص کفارہ یا ساٹھ کی جملہ رقم ایک دن ایک ہی وقت یا دن کے مختلف گھنٹوں میں کسی ایک فقیر یا قاضی یا استاذ یا مرشد کو دیدے تو پورا کفارہ ادا ہوجائے گا یا نہیں؟ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ کفارہ کا مستحق مرشد یا قاضی ہی ہے گو وہ صاحبِ نصاب ہی کیوں نہ ہو۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

کفارہ کا مستحق وہ ہے جو زکوۃ کا مستحق ہے (۲) جس کفارہ میں تعدد شرط ہے اس میں ایک دفعہ ایک

---

(۱) "صدقة التطوع مستحبة في جميع الأوقات، وسنة بدليل الكتاب والسنة، أما الكتاب، فقوله تعالىٰ: ﴿من ذا الذي يقرض الله قرضاً حسناً، فيضاعفه له أضعافاً كثيرةً﴾ [البقرة ۲۴۵] وأمر الله سبحانه بالصدقة في آيات كثيرة. وأما السنة فأحاديث عديدة منها .... "إن العبد إذا تصدق من طيب، تقبلها الله منه، وأخذها بيمينه، فربّاها كما يربى مُهره أو فصيله، الخ". (الفقه الإسلامي وأدلته: ۳/ ۲۰۵۱، حكم صدقة التطوع، رشيديه)

"اعلم أن الصدقة تستحب بفاضل عن كفايته و كفاية من يمونه .... والأفضل لمن يتصدق نفلاً أن ينوي لجميع المؤمنين والمؤمنات؛ لأنها تصل إليهم و لا ينقص من أجره شئ". (ردالمحتار: ۲/ ۳۵۷، الأفضل على أن ينوي الصدقة لجميع المؤمنين والمؤمنات، سعيد)

(۲) "إذا لم يستطع المظاهر الصيام، أطعم ستين مسكيناً، .... الفقير والمسكين سواء فيها، ....
ولا يجزيه أن يعطي من هذه الكفارة من لا يجزيه أن يعطيه من زكاة المال إلا فقراء أهل الذمة، فإنه =

شخص کو دینا کافی نہیں (۱) جس قسم کے کفارہ کے متعلق دریافت کرنا ہے اس کو تعیین کے ساتھ دریافت کیا جائے، فتاوی عالمگیری میں تفصیل مذکور ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۴/۸۹ھ۔

للہ دی گئی اشیاء کا تنخواہ میں استعمال

سوال [۴۷۳۷]: صدقۂ نافلہ، کفارۂ قسم، کفارۂ ظہار کے نام سے جو رقمیں یا اشیاء موصول ہوں ان کو تنخواہوں میں دیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

کفارۂ قسم اور کفارۂ ظہار کی رقموں کا مستحق زکوۃ کو مالک بنادینا ضروری ہے، معلمین کی تنخواہوں میں دینا جائز نہیں ورنہ کفارہ ادا نہیں ہوگا، جو غلہ وغیرہ اس مد میں آئے اس کا بھی یہی حکم ہے (۲)، جو اشیاء محض تحصیلِ ثواب کے لئے دی جائیں کسی واجب کا ادا کرنا ان سے مقصود نہ ہو ان کو تنخواہ میں دینا بھی درست ہے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۳/۹۳ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۳/۹۳ھ۔

= يعطيهم من هذه الكفارة في قول أبي حنيفة ومحمد رحمهما الله تعالىٰ الخ". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۵۱۳، كتاب الطلاق، الباب العاشر في الكفارة، رشيديه كوئٹه)

(وكذا في الدر المختار مع ردالمحتار: ۳/۴۷۹، باب الكفارة، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۴/۱۸۰، كتاب الطهارة، فصل في الكفارة، رشيديه)

(۱) "كما جاز لو أطعم واحداً ستين يوماً لتجدد الحاجة، و لو أباحه كل الطعام في يوم وأحد دفعةً أجزأ عن يومه ذلك فقط اتفاقاً، وكذا إذا ملكه الطعام بدفعات في يوم واحد على الأصح، ذكره الزيلعي، لفقد التعدد حقيقةً و حكماً الخ". (الدر المختار: ۳/۴۷۹، كتاب الطلاق، باب الكفارة، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۵۱۳، كتاب الطلاق، الباب العاشر في الكفارة، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق: ۴/۱۸۴، كتاب الطلاق، فصل في الكفارة، رشيديه)

(۲) (تقدم تخريجه تحت عنوان: ''کیا کفارہ مفتی کا حق ہے؟'' حاشیہ رقم: ۱)

(۳) "وهذا في الواجبات كالزكاة والنذر والعشر والكفارة، فأما التطوع، فيجوز الصرف إليهم". =

پیداوار میں سے زکوۃ سمجھ کر نکالا ہوا غلہ

سوال[۴۷۳۸]: چالیس من میں ایک من غلہ زکوۃ سمجھ کر دیتے ہیں اس غلہ کی رقم مدرسہ میں اور مدرس کی اجرت میں دینا درست ہے یا نہیں؟ کچھ عالم کہتے ہیں کہ یہ زکوۃ نہیں ہے، یہ صدقۂ نافلہ ہے اس رقم کو ہر کارِ خیر میں خرچ کر سکتے ہیں۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

یہ صدقۂ نافلہ ہے ہر کارِ خیر میں خرچ کر سکتے ہیں(۱)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

حرام مال کا صدقہ

سوال[۴۷۳۹]: زنا کار مرد وعورت نماز پڑھتے ہیں، روزہ رکھتے ہیں، یا ناچ باجا، سارنگی طبلہ، ڈھولک، مجیرا، ہارمونیم سے کماتے ہیں اور اچھے کاموں میں خرچ کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

حرام مال اللہ پاک کی بارگاہ میں قبول نہیں(۲)، بنیتِ ثواب حرام مال کو صدقہ کرنا بھی سخت گناہ اور خطرناک ہے(۳)۔فقط واللہ سبحانہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

= (الفتاویٰ العالمكيرية: ١/١٨٩، كتاب الزكوة، الباب السابع في المصارف، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار: ٢/٣٥١، كتاب الزكوة، باب المصرف، سعيد)

(وكذا في النهر الفائق: ١/٤٦٦، كتاب الزكوة، باب المصرف، امداديه ملتان)

(١) (تقدم تخريجه تحت عنوان: "للہ دی گئی اشیاء کا تنخواہ میں استعمال"۔)

(٢) "قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "ايها الناس، إنا الله طيب لا يقبل إلا طيبا". (مسند الإمام احمد بن حنبل، مسند أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه، (رقم الحديث: ٨١٤٨): ٢/٦٢٩، دارإحياء التراث العربي، بيروت)

(ومشكوة المصابيح، كتاب الزكوة، باب فضل الصدقة: ١/١٦٧، قديمي)

(٣)" إنما يكفر إذا تصدق بالحرام القطعي: أي مع رجاء الثواب الناشي عن استحلاله كما مر، فافهم". =

پیشہ ور مانگنے والوں کو صدقہ وغیرہ دینا

سوال[۴۷۴۰]: اکثر فقیر اہلِ نصاب ہوتے ہوئے خیرات اور صدقات کو اپنا حق سمجھتے ہیں، اسی بناء پر وہ عیدالاضحیٰ میں قربانی بھی نہیں کرتے کہ ہمارے یہاں تو مانگنے میں کافی گوشت آ جائے گا، صدقات، خیرات اور عید کی قربانی کا گوشت جب لوگ انہیں دیتے ہیں تو ان کی عادت میں اَور پختگی آتی ہے، اگر لوگ ایسے صاحبِ نصاب فقراء کو مصلحۃً اگر صدقات وخیرات اور عیدالاضحیٰ میں قربانیوں کا گوشت نہ دیں تو بری بات تو نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

ایسے لوگ صدقات کے مستحق نہیں، ایسے لوگوں کو سوال کرنا بھی ناجائز ہے (۱)، اگر کوئی شخص ایسے لوگوں کو صدقۂ فطر یا زکوۃ وغیرہ صدقاتِ واجبہ دے گا تو اس کی زکوۃ ادا نہیں ہوگی (۲)۔

قربانی کا گوشت امیر غریب سب کو دینا اور کھلانا شرعاً جائز ہے اس کے لئے غریب ہونا ضروری نہیں، البتہ جب وہ صاحبِ نصاب ہیں تو ان پر تو خود اپنی قربانی واجب ہے، اگر قربانی نہیں کریں گے تو گناہگار ہونگے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۴/۷/۶۴ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۱۷/ رجب/ ۶۴ھ۔

= (الدر المختار مع ردالمحتار: ۲/۲۹۲، باب زكاة الغنم، سعيد)

(وكذا في الفقه الإسلامي وأدلته: ۲۰۵۸/۳، التصدق من المال الحرام، رشيديه)

(۱) "و لا يحل أن يسأل شيئًا من القوت مَن له قوت يومه بالفعل أو بالقوة كالصحيح المكتسب، و يأثم معطيه إن علم بحاله لإعانته على المحرم". (الدرالمختار: ۲/۳۵۴، باب المصرف، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۲/۱۳۱، باب المصرف، دارالكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۱/۳۳۳، في بيان أحكام المصرف، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) (تقدم تخريجه تحت عنوان: "غنی کو صدقہ دینا")

(۳) "تجب الأضحية) على حر، مسلم، مقيم، موسر عن نفسه، الخ". (تبيين الحقائق: ۲/۴۷۳، كتاب الأضحية، رشيديه)

(وكذا في الدر المختا مع رد المحتار: ۶/۳۱۵، كتاب الأضحية، سعيد)

(وكذا في بدائع الصنائع: ۲/۴۷۷، فصل في الذي يرجع إلى المؤدي، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۵/۲۹۲، كتاب الأضحية، رشيديه)

جنازہ کی چادر، چٹائی، چارپائی صدقہ کرنا

سوال[۴۷۴۱]: مردہ کے اوپر جو کپڑا بطورِ پردہ یا حفاظت کے دیا جاتا ہے وہ اور جو چٹائی اور چارپائی کے اوپر اور مردہ کے نیچے دی جاتی ہے وہ دونوں چیزیں مسجد میں دینا اَولیٰ ہے یا فقراء کو؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

یہ دونوں چیزیں وارثوں کی ملک ہیں جہاں ان کا دل چاہے صرف کریں، اپنے مکان میں بھی اپنی ضرورت کے لئے استعمال کر سکتے ہیں، خاص کر جب کہ تنگ دستی ہو تو اپنے ہی استعمال میں لانا بہتر ہے، ان کا صدقہ کرنا لازم نہیں، غریبوں کو بھی دے سکتے ہیں، مسجد میں دے سکتے ہیں، لیکن اس کا خیال رہے کہ وارثوں میں کوئی نابالغ نہ ہو، نابالغ کا حصہ صدقہ کرنا جائز نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/ ۷/ ۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/ ۷/ ۸۹ھ۔

خیرات کے لئے چندہ کر کے خود کھالینا

سوال[۴۷۴۲]: بیماری کے اندر بستی میں کچھ خیرات کیلئے اکٹھا کیا۔ وہ پکا کر انہوں نے کھالیا وہ خیرات مشروع یا نامشروع؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

یہ خیرات نہیں۔ بلکہ خیرات یہ ہے کہ غریب اور حاجتمند کو دیا جائے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۹/۱۲/ ۵۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ مدرسہ ہذا، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم۔

---

(۱) "وإن اتخذ طعاماً للفقراء كان حسناً إذا كانت الورثة بالغين، فإن كان في الورثة صغير لم يتخذوا ذلك من التركة". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الثاني عشر في الهدايا والضيافات: ۳۴۴/۵، رشيديه)

"يكره اتخاذ الضيافة من الطعام .... و لا سيما إذا كان في الورثة صغار أو غائب".

(الدر المختار: ۲۴۰/۲، مطلب في كراهية الضيافة من أهل الميت، سعيد)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿إن تبدوا الصدقات فنعما هي، وإن تخفوها وتؤتوها الفقراء، فهو خير لكم﴾. (البقرة: ۲۷۱)=

مقروض کا نفلی چندہ دینا

سوال [۴۷۴۳]: ایک شخص سو روپیہ سے تجارت کر رہا ہے اور چھ سو روپیہ کا مقروض ہے، کیا اس قرضہ کی صورت میں کسی مدرسہ یا مسجد وغیرہ کی کچھ امداد کرنا چاہے تو کر سکتا ہے یا نہیں۔ یا مقدم قرض کی ادائیگی ہے۔ اور امداد کی صورت میں ثواب کا مستحق ہے کہ نہیں؟

الجواب حامداً و مصلياً:

یہ چندہ نفل کے درجہ میں ہے اور قرض ادا کرنا فرض ہے(۱) اگر فرض ذمہ میں باقی رہتے ہوئے کوئی شخص نفل پڑھتا ہے تو اس کو ثواب بھی ملتا ہے۔ اور قرض کی تاخیر پر بازپرس بھی ہے۔ لہذا یہ کہنا کہ ثواب نہیں ملے گا، درست نہیں (۲) البتہ قرض کی ادائیگی کا اہتمام چاہیئے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ۔

کنواں بنانا صدقہ جاریہ ہے

سوال [۴۷۴۴]: ایک مسلمان شخص بسلسلہ چک بندی اپنے چک میں کنواں بنوانا چاہتا ہے اور نیت ومقصد خالص یہ ہے کہ اپنا بھی آب پاشی کا کام لیوے نیز اور دوسرے لوگ بھی جن کے کھیت ہیں آب پاشی

= "الهبة على الفقير صدقة، والصدقة يراد بها وجه الله، والصدقة على الغني هبة". (الدر المختار على هامش ردالمحتار، كتاب الهبة، قبيل باب الرجوع في الصدقة: ۶۹۸/۵، سعيد)

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: "مطل الغني ظلم". (مشكوٰة المصابيح، كتاب البيوع، باب الإفلاس والإنظار، ص: ۲۵۱، قديمي)

قال القاري: "مطل الغني": أي تأخيره أداء الدين من وقت إلى وقت". (مرقاة المفاتيح: ۱۱۹/۶، رشيديه)

(وصحيح البخاري، كتاب الإجارة، باب إذا استأجر فمات أحدهما: ۳۰۵/۱، قديمي)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿فمن يعمل مثقال ذرة خيراً يره﴾. (سورة الزلزال)

(۳) (راجع رقم الحاشية : ۱)

کریں کیونکہ ایک کنواں بہت دور ہے جس سے بہ مشکل آب پاشی ہوسکتی ہے، نیز عام لوگ اس سے ہر طرح کا فائدہ اٹھائیں تو آیا یہ کنواں صدقۂ جاریہ میں شمار ہوگا یا نہیں؟ اور صدقہ جاریہ کا ثواب ملے گا یا نہیں جب کہ عوام کو بہت زیادہ آب پاشی کا فائدہ ہوگا۔

الجواب حامداً ومصلياً:

یقیناً صدقہ جاریہ ہے اس سے ثواب ملے گا (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

زکوۃ ذمہ میں رہتے ہوئے صدقۂ نفلیہ دینا

سوال [۴۷۴۵]: ایک شخص جس کے ذمہ زکوۃ واجبہ یا فرض روزہ باقی ہے اس کے باوجود وہ عطیہ یا نفلی روزہ رکھتا ہے تو اس کا یہ فعل درست ہے یا نہیں؟ نیز اگر کسی نے ایسا کیا تو فرض میں وضع ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلياً:

عطیہ دینے سے ثواب ملے گا، نفلی روزہ سے بھی ثواب ملے گا لیکن فرض وواجب کی فکر نہ کرنا اور نفل میں مشغول ہونا ناسمجھی اور کم عقلی ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند۔

---

(۱) "عن سعد بن عبادة رضي الله تعالىٰ عنه، أنه قال: يا رسول الله! ان أم سعد ماتت فأىّ الصدقة أفضل؟ قال: "الماء" قال: فحفر بيراً، وقال: هذه لأم سعد". (سنن أبي داؤد، كتاب الزكاة، باب في فضل سقي الماء: ۱/۲۴۳، امداديه)

"عن أنس رضي الله تعالىٰ عنه قال:" قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "سبع يجرى للعبد أجرها بعد موته وهو في قبره: مَن علم علماً، أو أجرى نهراً، أو حفر بئراً، أو غرس نخلاً، أو بنى مسجداً، او ورث مصحفاً أو ترك ولداً يستغفر له بعد موته". (شرح الصدور في أحوال الموتى والقبور للسيوطيؒ، باب ما ينفع الميت في قبره ص: ۲۹۶، دار المرفة)

(۲) "و يستحب أن لا يتصدق مَن عليه دين، أو مَن تلزمه نفقة لنفسه أو عياله، حتى يؤدى ما عليه .... لأنه حق واجب، فلم يجز تركه بصدقة التطوع، فيقدم الدين؛ لأن أداء ه واجب، فيقدم على المسنون". (الفقه الإسلامي و أدلته: ۲۰۵۸/۳، صدقةالمديون و من عليه نفقة، رشيديه)

تنخواہ سے کچھ روپے زائد کٹوا کر صدقہ کرنا

سوال[۴۷۴۶]: زید نے پچاس روپے ماہوار اپنے کسی نیک کام کے لئے کٹوانا شروع کیا مقررہ مدت کے بعد زید کو اس رقم پر ۳۵/ فیصد روپے زائد ملے تو یہ روپے زید کے حق میں کیسے ہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

جب اصل تنخواہ میں سے ماہانہ کٹواتا ہے اور اس کو کسی نیک کام میں خرچ کرنے کی نیت ہے تو یہ زائد رقم ہی اپنے کام میں کیوں لاتا ہے اس کو بھی غرباء پر صدقہ کردے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔



باب المتفرقات

زکوۃ کے صلہ میں ہدیہ دینا

سوال[۴۷۴۷]: زکوۃ کا مال اقرباء کو دینا افضل ہے، مگر اس کے صلہ میں وہ کوئی چیز چھپا کر یا ظاہر کر کے دے تو اس کے اندر کیا مسئلہ ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

معاوضۃً تو لینا ناجائز ہے، لیکن اگر قریب مصرفِ زکوۃ ہے اور اس کو زکوۃ دیتا ہے، پھر وہ کوئی شئی ہدیۃً اس زکوۃ دینے والے کو دیتا ہے تو اس کا لینا درست ہے: "هي تمليك المال من فقير مسلم غير هاشمي ولا مولاه بشرط قطع المنفعة عن المملّك من كل وجهٍ لله تعالىٰ .... وأفاد بقوله: بشرط أن الدفع إلى أصوله وإن علوا وإلى فروعه وإن سفلوا وإلى زوجته وزوجها وإلى مكاتبه ليس بزكوة. وأشار إلى أن الدفع إلى كل قريب ليس بأصل ولافروع جائزٌ، وهو مقيّد بما في الولوالجية: رجلٌ يعون أخته أو أخاه أو عمّه فأراد أن يعطيه الزكوة، فإن لم يفرض القاضي عليه النفقة، جاز؛ لأن التمليك بصفة القربة يتحقق من كل وجهٍ، وإن فرض عليه النفقة لزمانته إنما لم يحتسب من نفقتهم، جاز، وإن كان يحتسب لايجوز، اهـ". بحر: ۲/۲۰۱، ۲۰۲(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۸/۱۱/۵۷ھ۔

زکوۃ میں مبیع کی قیمت کم کر دینا

سوال[۴۷۴۸]: صاحبِ نصاب شخص نے ایک غریب آدمی کو کوئی چیز فروخت کی جس کی قیمت تین

---

(۱) (البحر الرائق: ۲/۳۵۲، ۳۵۳، کتاب الزکوۃ، رشیدیہ)

(وکذا في تبيين الحقائق: ۲/۱۷، ۱۸، کتاب الزكوة، دار الكتب العلمية، بيروت)

روپے ہوتی تھی، غریب آدمی نے اللہ واسطے اپنی غربت کی وجہ سے کچھ چھوٹ مانگی، اس شخص نے اللہ واسطے ایک روپیہ چھوڑ دیا صرف دو روپے لے لئے، اب وہ صاحب کیا اس ایک روپے کو زکوۃ میں شمار کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اس طرح زکوۃ میں شمار کرنا جائز نہیں (۱) بلکہ اس چیز کے دو حصے کرے ایک حصہ دو روپے میں فروخت کرے اور ایک حصہ جس کی قیمت ایک روپیہ ہے بلا قیمت لئے زکوۃ میں دیدے، یا وہ شی تین روپے میں فروخت کر کے تین روپے وصول کرے اس کے بعد ایک روپیہ زکوۃ میں دیدے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

اپنی زکوۃ کو فقیر سے خریدنا

سوال [۴۷۴۹]: ایک عورت نے کتنے ہی سال سے اپنے زیور کی زکوۃ ادا نہیں کی، اکنوں سال بقیہ کی زکوۃ ادا کرنے سے دشواری ہوئی، لہٰذا ان کی بعض محبین نے ان سے کہا کہ آپ کی زیور میں سے کچھ زیور بنیتِ زکوۃ ان کو دیدیں وہ قبضہ کر کے نصف قیمت سے اس عورت کو بیچ ڈالا۔ اب اس صورت میں اس کی زکوۃ ادا ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

زکوۃ کے لئے ضروری ہے کہ معطی کی کوئی ذاتی منفعت بجز فریضہ کے نہ ہو، پس اگر اس شرط پر وہ اس عورت کو زکوۃ دیتا ہے کہ وہ شخص اس زیور کو اس عورت کے ہاتھ فروخت کردے تو یہ شرط باطل ہے اس کا پورا کرنا معطیٰ لہ کے ذمہ ضروری نہیں، تاہم اس شرط پر بھی مستحق کو دینے سے زکوۃ ادا ہوجائے گی، اس کے بعد معطیٰ لہ کو اختیار ہے خواہ اس عورت کے ہاتھ فروخت کرے یا نہ کرے:

---

(۱) "و شرط صحة أدائها نية مقارنة له: أي للأداء، ولو كانت المقارنة حكماً كما لو دفع بلا نية، ثم نوى والمال قائم في يد الفقير .... ولذا لو قال: هذا تطوع أو عن كفارتي، ثم نواه عن الزكاة قبل دفع الوكيل صح، الخ". (الدرالمختار: ۲۶۸/۲، كتاب الزكاة، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۳۶۸/۲، كتاب الزكاة، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۲۹۰/۱، كتاب الزكاة، دار الكتب العلمية بيروت)

"هي: أي الزكوة تمليك جزء من المال معين شرعاً من فقير مسلم غيرها شمي و لا مولاه مع قطع المنفعة عن المملّك -بكسر اللام، وهوالدافع- من كل وجه لله تعالىٰ، اهـ". مجمع الأنهر: ۱۹۲/۱(۱)۔ "وهكذا هبة الصدقة والكتابة بشرط متعارف وغير متعارف يصح، و يبطل الشرط اهـ". فتاوى عالمگيری: ۴۹۷/۳(۲)۔

اس کے بعد اس عورت کا اپنے دیئے ہوئے زیور کو نصف قیمت سے خریدنا منع ہے، اپنے دیئے ہوئے صدقہ کو خریدنے سے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے، كذا في أبي داؤد: ۲۲۵/۱(۳)۔ اگر خرید لیا ہے تو بہتر ہے کہ قیمت پوری دے، بیع کا ختم کرنا واجب نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: عبداللطیف، ۵۲/۲/۲۸ھ، سعید احمد غفرلہ۔

تحفہ میں زکوۃ ہونے کا شک

سوال[۴۷۵۰]: تحفہ لینے والے کو شک تھا، کہ شاید مالِ زکوۃ ہے، اس صورت میں تحفہ تحائف میں کیا حکم ہے؟

---

(۱) (مجمع الأنهر: ۲۸۴/۱، كتاب الزكاة، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في البحر الرائق: ۳۵۲/۲، كتاب الزكاة، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار: ۲۵۶/۲، كتاب الزكاة، سعيد)

(۲) (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳۹۶/۴، الباب الثامن في حكم الشرط في الهبة، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع: ۹۲/۶، كتاب الهبة، دارالكتب العلمية بيروت)

(۳) "عن عبدالله بن عمر رضي الله عنهما أن عمر بن الخطاب رضي الله عنه حمل على فرس في سبيل الله، فوجده يُبَاعُ، فأراد أن يبتاعه، فسأل رسولَ الله صلى الله عليه وسلم عن ذلك فقال: "لاتبتاعه، ولا تَعُدْ في صدقتك". (سنن أبي داؤد، كتاب الزكوة، باب الرجل يبتاع صدقة: ۲۳۲/۲، رقم الحديث: ۱۵۹۳، مكتبه امداديه)

(وجامع الترمذي: ۱۴۵/۱، وباب ما جاء في كراهية العود في الصدقة، سعيد)

(وصحيح البخاري: ۲۰۱/۱، هل يشتري صدقة، قديمي)

الجواب حامداً و مصلیاً:

جس کی عادت یا دیگر قرائن سے معلوم ہو کہ یہ تحفہ زکوۃ سے دیتا ہے اس کی تحقیق کر لی جائے ورنہ ضرورت نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۷/۹۵ھ۔

جو رقم بقصدِ زکوۃ الگ رکھدی گئی اس میں تصرف کا حکم

سوال [۴۷۵۱]: زکوۃ یا عشر کے لئے ایک رقم متعین کر کے الگ رکھدی اب اگر اس سے دوسرا سکہ بدلنا چاہے، یا چھوٹا سکہ ہے اس کے عوض بڑا رکھنا چاہے تو جائز ہے یا نہیں؟ منشاء یہ ہے کہ جو رقم الگ کی ہے بالتعیین اس کی علیحدگی تو ضروری نہیں ہے؟ فقط۔

نجم الحسن عفی عنہ از خیر آباد، ضلع سیتاپور۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

زکوۃ یا عشر کی رقم علیحدہ رکھدینے سے مِلک سے خارج نہیں ہوتی، لہذا اس میں تغیر و تبدل کا تصرف جائز ہے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۲/ رمضان/ ۶۷ھ۔



---

(۱) "(وافتراضها عمريٌّ): أى على التراخي، وصححه الباقاني وغيره. (وقيل: فوريٌّ): أى واجب على الفور (وعليه الفتوى)، كما فى شرح الوهبانية (فيأثم بتأخرها) بلا عذر". (الدر المختار).

قال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "(قوله: فيأثم. بتأخيرها الخ) .... وقد يقال: المراد أن لايؤخر إلى العام القابل لما فى البدائع عن المنتقى -بالنون-: إذ لم يؤد حتى مضى حولان، فقد أساء وأثم، اهـ". (ردالمحتار، كتاب الزكوة: ۲/۲۷۲، سعيد)

(وكذا فى بدائع الصنائع، كتاب الزكوة، فصل كيفية فرضية الزكاة: ۲/۷۷، رشيديه)

(وكذا فى الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب الزكوة: ۲/۱۶۴، ۱۶۵، قديمى)

دار الافتاء جامعہ فاروقیہ کراچی